طلبہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی قلمی انجمن

سالنامہ

باغِ فردوس مبارکپور

کا

مجدّدینِ اسلام نمبر

ناشر

تنظیم پیغامِ اسلام

(طلبہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
بیادگار: جلالۃ العلم حافظِ ملت حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
زیرسرپرستی: عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ مصباحی
زیرصدارت: خیرالاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی
زیرہدایت: مبلغ اسلام علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی
زیرحمایت: سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
زیرقیادت: نبیرۂ حضور حافظِ ملت مولانا نعیم الدین مصباحی
مجلسِ مشاورت: جملہ اساتذۂ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
طلبۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی قلمی انجمن
شمارہ نمبر (۱)
قائم شدہ ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء
سالنامہ
باغِ فردوس مبارکپور
کا
مُجدِّدِ دینِ اسلام نمبر
شرکائے سفر
فاروق خان مصباحی
محمد شمیم اختر مصباحی
محمد توفیق عالم مصباحی
آزاد عالم مصباحی
محمد ظفریاب حلیمی مصباحی
ساجد الرحمن مصباحی
شاداب عالم برکاتی
محمد یونس رضوی
عبدالمنان
ریحان رضا
معین الدین
زیرادارت:
محمد ابوہریرہ رضوی
محمد فیضان سرور
محمد اسلم آزاد
محمد عادل حسین مصباحی
زیراعانت:
محمد ظفرالدین صدیقی
ضیاء المصطفیٰ قادری مصباحی
محمد جاوید عالم مصباحی
محمد حسین رضا
ہم قدم
محمد فیضان رضا
محمد آصف رضا
محمد اعظم
محمد شاکر غزالی
محمد حسن رضا مصباحی
محمد مشاہد رضا
محمد طیب رضا
احتشام رضا مصباحی
فصیح الرحمن مصباحی
محمد طالب رضا مصباحی
شاہد رضا
ناشر: تنظیم پیغامِ اسلام (طلبۂ جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ (یوپی)

فہرست

مجددینِ اسلام نمبر

پہلی صدی کے مجددین

دوسری صدی کے مجددین

تیسری صدی کے مجددین

چوتھی صدی کے مجددین

پانچویں صدی کے مجددین

چھٹی صدی کے مجددین

ساتویں صدی کے مجددین

آٹھویں صدی کے مجددین

نویں صدی کے مجددین

دسویں صدی کے مجددین

گیارہویں صدی کے مجددین

بارہویں صدی کے مجددین

تیرہویں صدی کے مجددین

چودہویں صدی کے مجددین

☆☆☆

شرف انتساب

ہم اپنی اس پہلی کاوش کو

خلاصۂ کائنات رحمت عالم حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ میں نذر کرتے ہوئے۔

☆ صحابۂ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کرام۔

☆ مذاہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی سلف وصالحین۔

☆ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے امت کو روشناس کرانے والے مجد دین اسلام۔

☆ سلاسل اربعہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے مشائخِ عظام۔

☆ محدثین خانوادۂ ولی اللّٰہی، علماے فرنگی محل، بزرگان کچھوچھہ مقدسہ، سادات مارہرہ مطہرہ، اکابر بریلی اور مشائخ بدایوں۔

☆ بالخصوص شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی، تارک سلطنت سید اشرف جہاں سمنانی، شاہ برکت اللہ عشقی مارہروی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محقق بریلوی اور معین الحق علامہ فضل رسول قادری بدایونی۔

☆ اعلیٰ حضرت علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی، صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی، مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری، سید العلما شاہ آل مصطفیٰ مارہروی، احسن العلما سید مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی، محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی اور مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن قادری عباسی۔

☆ جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی، نائب حافظ ملت حضرت علامہ عبد الرؤف بلیاوی، شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی، رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری اور بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی۔

کے افکار ونظریات اور مسلک حق وصداقت کا ترجمان...

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

کے نام

منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

..........**طلبہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور**

دعائیہ کلمات

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج **عبدالحفیظ** صاحب قبلہ مدظلہ العالی

سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ

علماے امت، مشائخ ملت، اور اپنے اکابر کی حیات وخدمات سے نئی نسل کو آگاہ کرنا بہت ضروری ہے، تاکہ نئی نسل اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر اپنی دینی ودنیوی زندگی سنوار سکے۔

مذہب اسلام اور دین وسنیت کی گراں قدر خدمات کے حوالے سے مجدد دین اسلام سرفہرست ہیں۔ دین ومذہب کو باطل کی آمیزش سے پاک کر کے اپنی اصل شکل میں پیش کرنے میں انھوں نے کارہاے نمایاں انجام دیے ہیں۔ تجدید دین اور احیاے سنت کے عظیم الشان فرائض انجام دینے والے حضرات مجددین کے احسانات کو امت مسلمہ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ طلبۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا موجودہ ''مجدد دین اسلام نمبر'' اسی احسان شناسی اور اسلاف شناسی کا ثبوت ہے۔

مقام مسرت ہے کہ جامعہ اشرفیہ کے طلبہ میں ادھر چند سالوں سے تصنیف وتالیف اور پرانی کتابوں کی اشاعتِ جدید کے حوالے سے بڑی نمایاں بیداری پیدا ہوئی ہے۔ جشن مفتی اعظم ہند اور عرس حافظ ملت کے موقع پر بہت سی کتابیں جدید رنگ وآہنگ کے ساتھ منظر عام پر آتی ہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ امسال جامعہ اشرفیہ کے چند شاہین صفت اور باذوق طلبہ اکٹھا ہوکر ''تنظیم پیغام اسلام'' کے بینر تلے سالنامہ ''باغ فردوس'' جاری کر رہے ہیں۔ یہ پہلا سالنامہ ''مجدد دین اسلام — حیات وخدمات'' کے عنوان سے ایک وقیع اور گراں قدر دستاویز ہوگا (ان شاء اللہ)۔ اس میں تقریباً ۵۵ر مجدد دین اسلام کی حیات وخدمات کو ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ ایک قابل ستائش قدم ہے۔ ہم طلبہ کو سالنامہ ''باغ فردوس'' کی اس خصوصی پیش کش پر مبارک باد دیتے ہیں۔ اللہ رب العزت اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس کار خیر میں حصہ لینے والے تمام طلبہ کے علم وعمل اور عمر واقبال میں برکتیں عطا فرمائے۔ (آمین)

۱۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
مطابق ۲۰ر فروری ۲۰۱۶ء

عبدالحفیظ عفی عنہ
سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

کلماتِ طیبات

از: حضرت سراج الفقہا مفتی **محمد نظام الدین** رضوی دام ظلہ العالی
صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

"علما و محققین اور باذوق اصحاب قلم کے لیے یہ ایک اہم نمبر ثابت ہوگا، ہمارے طلبہ نے زمین فراہم کر دی ہے، اصحاب قلم اس کی آبیاری کر کے اس میں شجر کاری کر سکتے ہیں۔" (سراج الفقہا دام ظلہ العالی)

مذہب اسلام اللہ عزّ و جل کا پسندیدہ دین ہے چناں چہ ارشاد ربانی ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

(اے محبوب) آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ (قرآن حکیم، آیت ۳، سورۃ المائدہ)

اس "پسندیدہ" دین کو "ناپسندیدہ" بنانے کے لیے اہل باطل برابر کوششیں کرتے رہے، آج بھی کر رہے ہیں اور آگے بھی کرتے رہیں گے مگر اہل حق کا گروہ علماے ربانیین اور مجدد دین اسلام کی مجاہدانہ کوششوں سے ہمیشہ ان پر غالب رہے گا، جیسا کہ پہلے بھی غالب رہا ہے۔

اہل باطل کی کوششوں کی بنیاد اس بات پر ہوتی ہے کہ جو امور دین اسلام سے نہیں ہیں انھیں دین اسلام میں شامل کر کے غیر دین کو دین کا حصہ بنا دیا جائے۔ آج تک علماے امت اور مجدد دین اسلام نے جن گروہوں کے خلاف کمربستہ ہو کر جہاد بالقلم کیا ہے ان سب کی کوششوں کا حال مشترکہ طور پر یہی رہا ہے، ہم یہاں صرف تفہیم کے لیے چودھویں صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے دور کے باطل گروہوں کی غیر اسلامی کوششوں کا بڑے اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

یہاں یہ امر واضح رہے کہ جو امور کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اور اجماع امت سے ثابت یا ماخوذ نہ ہوں وہی باطل و غیر اسلامی ہیں، وہ اپنی شناعت کے لحاظ سے کبھی ضلالت اور کبھی کفر قرار پاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے جن باطل فرقوں کے ساتھ جہاد بالقلم کیا ان میں سے چند مشہور فرقے یہ ہیں:

قادیانی، وہابی، دیوبندی

قادیانی: یہ فرقہ مرزا غلام احمد قادیانی کا پیرو ہے، اس شخص نے اپنے نبی ہونے کا دعوی کیا اور انبیاے کرام علیہم السلام کی شان میں نہایت بے باکی کے ساتھ گستاخیاں کیں۔ ازالۂ اوہام صفحہ: ۵۳۳ میں ہے:

''خدا تعالیٰ نے ''براہین احمدیہ'' میں اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا اور نبی بھی۔''

اسی میں صفحہ:۶۸۸ پر ہے:''حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے الہام و وحی غلط نکلی تھیں۔''

اسی کے صفحہ:۲۶، ۲۸ پر لکھتا ہے:'' قرآن شریف میں گندی گالیاں بھری ہیں اور قرآن عظیم سخت زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے۔''

اسی کے صفحہ:۶۲۹ میں ہے:'' ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی نے اس کی فتح کے بارے میں پیش گوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے، اور بادشاہ کو شکست ہوئی، بلکہ وہ اسی میدان میں مر گیا۔''

قادیانیوں کے یہ اور اس طرح کے دوسرے عقائد کھلے طور پر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت کے خلاف ہیں جن کے ذریعے اسلام کی مقدس شبیہ کو بدنما کرنے کی سازش کی گئی اور یہ سب کچھ ایک حکومت کے زیر سایہ ہو رہا تھا؛ اس لیے اس کے خلاف مضبوط قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔

وہابی: یہ فرقہ ۱۲۰۹ھ میں ظاہر ہوا، اس فرقے کا بانی محمد بن عبد الوہاب نجدی ہے، اس نے مکہ و مدینہ زادھما اللہ شرفا و تعظیما کے علما و صلحا کا قتل عام کیا اور اس کے دل میں حرمین شریفین کی حرمت کا بھی کچھ خیال نہ آیا۔ اس فرقے کے مشہور عقائد یہ ہیں:

(۱) جو ان کے مذہب پر نہیں وہ کافر مشرک ہے۔ چناں چہ تقویۃ الایمان صفحہ:۴۵ میں حدیث ''آخر زمانے میں اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اٹھا لے گی'' لکھ کر صاف لکھ دیا:''سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا'' جس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ وہ ہوا چل چکی اور سارے مسلمان دنیا سے اٹھا لیے گئے اب زمین پر رہنے والے سب کے سب کافر ہیں۔

(۲) نماز میں رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خیال مبذول کرنا اپنے گائے اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے کئی گنا بدتر ہے۔ جیسا کہ صراط مستقیم صفحہ:۹۵ میں ہے:'' ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ کی بنا پر زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی سے مجامعت کا خیال بہتر ہے اور اپنی ہمت کو شیخ اور ان جیسے معظم لوگوں خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں، کی طرف مبذول کرنا اپنے گائے اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے کئی گنا بدتر ہے، کیوں کہ ان کا خیال تعظیم اور اجلال کے ساتھ انسان کے دل کی گہرائی میں چپک جاتا ہے، بخلاف گدھے اور گائے کے خیال کے کہ اس میں نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور نہ ہی تعظیم بلکہ ان کا خیال بے تعظیم اور حقیر ہوتا ہے اور یہ غیر کی تعظیم و اجلال نماز میں ملحوظ و مقصود ہو تو شرک کی طرف کھینچ لیتی ہے۔''(اصل فارسی کتاب سے ترجمہ)

(۳) اس گروہ کا ایک مشہور عقیدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے، اسماعیل دہلوی نے اپنے رسالہ ''یک روزہ'' میں اللہ تعالیٰ کی طرف امکان کذب کی نسبت کرتے ہوئے لکھا:

''میں (اسماعیل دہلوی) کہتا ہوں: اگر محال سے مراد ممتنع لذاتہ ہے کہ (جھوٹ) اللہ کی قدرت کے تحت داخل نہیں، پس ہم (اللہ کے لیے) مذکورہ کذب کو محال نہیں مانتے کیوں کہ واقع کے خلاف کوئی قضیہ و خبر بنانا اور اس کو فرشتوں اور انبیا پر القا کرنا

اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ انسانی قدرت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زائد ہو جائے۔"

(رسالہ یک روزہ ص ۱۷۔اصل فارسی کتاب سے ترجمہ)

یہ عقائد نہ کتاب اللہ سے ماخوذ ہیں نہ سنت رسول اللہ سے نہ اجماع امت سے بلکہ حق یہ ہے کہ یہ کتاب، سنت اور اجماع سب کے خلاف ہیں، جن سے اسلام کا دامن تقدس داغ دار ہو رہا ہے اس لیے ضرورت تھی کہ مجدد آئے اور ان عقائد باطلہ سے اسلام کے پاکیزہ دامن کو صاف و شفاف کر کے اس کی تجدید کرے۔

دیوبندی: اس فرقے نے شان رسالت میں کھلی گستاخیاں کیں اور ضروریات دین کا انکار کیا۔ ان کے چند عقائد یہ ہیں:

(۱) یہ فرقہ نبی ﷺ کو خاتم النبیین بمعنی آخر الانبیا نہیں مانتا اور اسے عوام کا خیال بتاتا ہے۔ چناں چہ تحذیر الناس ص:۲ میں ہے:

" عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاے سابق کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں، مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تأخر میں بالذات کچھ فضیلت نہیں، پھر مقام مدح میں وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَؕ فرمانا اس صورت میں کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟ ہاں! اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہیے اور اس مقام کو مقام مدح نہ قرار دیجیے تو البتہ خاتمیت باعتبار تأخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے۔

(۲) ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ شیطان اور ملک الموت کے لیے پوری روے زمین کا علم نص سے ثابت ہے اور رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ وسعت علم ماننا شرک ہے۔ جیسا کہ براہین قاطعہ ص ۵۵ میں ہے:

" الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے... ؟ کہ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔"

(۳) ان کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کو جو علم غیب حاصل ہے ایسا علم زید و عمرو، ہر بچے اور پاگل، بلکہ تمام جانوروں اور چوپایوں کو بھی حاصل ہے، چناں چہ ان کے عظیم پیشوا کی کتاب حفظ الایمان کے ص:۷ پر ہے:

" آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو، بلکہ ہر صبی و مجنون، بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔"

یہ عقائد ضروریات دین کا انکار بھی ہیں اور شان رسالت میں گستاخی بھی، پھر بھی یہ مسلمانوں میں اس طور پر پھیلائے جا رہے تھے جیسے وہ دین کا بہت بڑا حصہ ہوں حالاں کہ یہ عقائد یقینی طور پر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت سب کے خلاف ہیں۔ دین اسلام سے متصادم ایسے ہولناک عقائد صراط مستقیم، حفظ الایمان، تقویۃ الایمان، اور براہین قاطعہ جیسے ناموں سے پھیلائے جا رہے تھے تو ضرورت آچکی تھی کہ کوئی مجدد عظیم الشان آئے جو ایسے تمام فرقوں کا مقابلہ کرے اور اسلام کے

روے زیبا کو ایسے باطل عقائد و نظریات سے صاف کر کے تازہ کرے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کو بحیثیت مجدد مبعوث فرمایا اور آپ نے مذکورہ بالا تینوں فرقوں کے ساتھ دوسرے کئی باطل فرقوں کے اسلام مخالف عقائد و نظریات سے آگاہ فرمایا نیز ابطال باطل و احقاق حق فرما کر اسلام کی تجدید فرمائی۔

ہر صدی میں مجدد آئے اور بعض بعض صدیوں میں ایک ساتھ بہت سے مجدد ہوئے ان مجددین کے مراتب الگ الگ ہیں، بعض کا رتبہ بعض سے بلند ہے اور بعض کا بہت بلند۔ ضرورت ہے کہ ایسے تمام مجددینِ اسلام کی پوری تحقیق کے ساتھ ایک جامع فہرست مرتب کی جائے اور ان کے دور میں اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا ذکر کر کے ان کے تجدیدی کارناموں کو تفصیل کے ساتھ اجاگر کیا جائے۔ یہ کام کثیر المطالعہ، وسیع النظر علماے دین کے لیے آسان تھا، وہ خود کرتے یا اپنے زیر نگرانی نمائندہ علما کی جماعت سے کراتے۔

ہم مبارک باد دیتے ہیں جامعہ اشرفیہ کے ہونہار طلبہ کو جنھوں نے یہ بارِ گراں اٹھایا اور ایک حد تک اسے پورا کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس کتاب کی اشاعت طلبۂ جامعہ اشرفیہ کی ایک فعال تنظیم "پیغامِ اسلام" کے زیر اہتمام ہو رہی ہے۔ جو ان کی ایک منتخب جماعت کی جد و جہد کا ثمرہ ہے اس میں مجددین اسلام کے اجمالی حالات قلم بند کیے گئے ہیں۔ اس سے قبل بھی مصباح العلوم کے طلبہ کی جانب سے ۱۹۷۶ء میں اولین مجموعہ "المصباح" اور ۲۰۰۴ء میں ارکانِ "بہار ادب" کی جانب سے طلبۂ فضیلت کے مضامین کا مجموعہ بنام "دینی دعوت- اصول، تقاضے اور داعیوں کی زندگی" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

باغ فردوس کا "مجددین اسلام نمبر" بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ طلبہ کی تعلیمی مصروفیات یوں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور پھر امتحان کی شب و روز محنت اس کے سوا ہے تاہم باغ فردوس کے باذوق، محنتی طلبہ نے اپنے مصروف ترین تعلیمی اوقات سے اس نمبر کے لیے کچھ وقت نکال کر قلمی و تحریری تعاون دیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مجددین و مصلحین کی تجدیدی اور اصلاحی خدمات کا ذکر جس پیرایے میں ہونا چاہیے تھا اس نمبر میں کمیاب ہے لیکن علما و محققین اور باذوق اصحاب قلم کے لیے یہ ایک اہم نمبر ثابت ہوگا۔ ہمارے طلبہ نے زمین فراہم کر دی ہے، اصحاب قلم اس کی آب یاری کر کے اس میں شجر کاری کر سکتے ہیں۔

میں اپنی مصروفیات کے باعث ان مضامین کا مطالعہ نہ کر سکا، فہرست پوری پڑھ لی اور کچھ مضامین اِدھر اُدھر سے دیکھ لیے، طلبہ بہر حال طلبہ ہی ہیں، محقق وقت نہیں، ان سے خطا ہو سکتی ہے اگر کسی صاحب علم کی نگاہ میں کوئی خطا آ جائے تو اس سے آگاہ فرما سکتے ہیں تاکہ وہ آیندہ اس کی اصلاح کر سکیں۔ خداے پاک کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ طلبہ کو اس طرح کے کاموں کی مزید توفیق سے نوازے اور ان کے قلم کو اغلاط سے محفوظ رکھے، اور ان کی یہ دینی کاوش قبول فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ النبي الأمین صلی اللہ تعالی علیہ و علی آلہ و أصحابہ و سلّم.

۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۱۸/ فروری ۲۰۱۶ء (جمعرات)

محمد نظام الدین الرضوی
صدر المدرسین و صدر شعبۂ دار الافتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

تقریظِ جلیل

از: مبلغ اسلام علامہ **محمد عبد المبین نعمانی** مصباحی مد ظلہ العالی
المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ۔ (یوپی)

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

نَحمَدہ وَنصَلِّی وَنسَلِّم عَلٰی رَسولِہ الکَرِیم وَآلِہ وَصَحبِہ اَجمَعین اِلیٰ یَومِ الدِّین

زیر نظر کتاب "مجدد دین اسلام" کے تذکرے میں ترتیب دی گئی ہے، تمام شخصیات کے تذکرے طلبہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے تحریر کیے ہیں۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ اردو زبان میں مجددین کے تذکرے پر پہلی کتاب ہے، اس سے قبل اس موضوع پر پاکستان کے کسی ادارے کی شائع کردہ کتاب نظر سے گزری تھی جو بہت مختصر ہے اور اس میں تعداد ۲۰ سے بھی کم ہے، اس لحاظ سے یہ مجموعۂ مقالات بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس سے نئی نسل کو اسلام کی خدمت کرنے اور بدعت وبدعقیدگی کے خلاف زبان وقلم سے جہاد کرنے والے مجاہدین ومجددین اسلام کی زندگی کے واقعات معلوم ہوں گے، اور ان کے گراں قدر کارناموں سے نئی نسل کو سبق حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔

قابل توجہ یہ ہے کہ امام سیوطی اور ان سے متقدم اجلہ علما کی تصریحات کے مطابق مجدد کا ظہو "رَاس مائۃ" یعنی آخر صدی میں ہوگا، اس لیے اختتام صدی تک مجدد کو مشہور، مشار الیہ اور افادہ بخش ہونا چاہیے، اور ختم صدی کے بعد اسے باحیات ہونا چاہیے، اس طرح دوسری صدی کا بھی کچھ حصہ اس نے ضرور پایا ہوگا۔ مجدد حضرات کی جو فہرست سامنے آتی ہے وہ بڑی طویل ہے، کسی کی مجددیت پر صراحتًا کوئی تحریر ملتی ہے تو کسی کے بارے میں مؤرخین اور سوانح نگار حضرات کے قلم خاموش ہیں، یوں ہی یہ بات بھی تقریبًا طے شدہ ہے کہ ایک ہی صدی میں متعدّد مجدد بھی پائے گئے اور آئندہ بھی پائے جا سکتے ہیں۔

کسی کو اس کی نمایاں خدمات کی وجہ سے مجدد کہہ دیا گیا، تو کسی دوسرے کے لیے ضروری نہیں کہ وہ بھی اسی مقام ورتبے کا حامل ہو اور اس کی خدمات بھی اس پہلے والے کے بالکل موافق ہوں، کسی کی خدمات کم ہیں دائرہ وسیع ہے، کسی کا دائرہ وسیع نہیں لیکن دینی خدمات میں تنوع اور کثرت ہے، اور کوئی وہ ہے جس کی خدمات بھی وسیع اور ہمہ گیر ہیں اور دائرہ بھی بڑا وسعت پذیر، جس کی نمایاں اور قریبی مثال کے طور پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو پیش

کیا جاسکتا ہے، یوں ہی کسی کی تصنیفی خدمات ہیں اور تبلیغی خدمات بھی، اور کسی کی تبلیغی خدمات زیادہ وسیع پیمانے پر ہیں لیکن تصنیفی خدمات مختصر، گویا ہر جگہ ایک ہی معیار کو تلاش کرنا ضروری نہیں، لیکن خدمات چاہے تبلیغی ہوں یا تصنیفی یا دونوں، ان میں نمایاں تر اس بات کا پایا جانا ضروری ہے کہ جس کو مجدد کہا جارہا ہے اس نے اپنے دور کے فتنوں کے سدباب کے لیے اپنی توانائیاں صرف کر کے کلمۂ حق کی سربلندی کا فریضہ ضرور انجام دیا ہو۔ خاموش اور گوشہ نشین عباد و زہاد کو مجدد نہیں کہا جاسکتا، چاہے ان کا مرتبہ عرفان کتنا ہی بڑھا ہوا ہو؛ اسی لیے مجدد کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کارناموں میں احقاق حق اور ابطال باطل، نیز اشاعت سنت و شریعت اور تجدید واحیاے دین کے عناصر نمایاں ہوں۔

کسی کو مجدد ماننا اس کے کارناموں اور علماے محتاطین کے حسن ظن سے پایا جاتا ہے، اگر کوئی اس سلسلے میں تامل کرے یا انکار ہی کر بیٹھے، تو شرعًا اس پر کوئی حکم عائد نہیں ہوتا، اور نہ کسی کو مجدد ثابت کرنے کے لیے مردم شماری کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ بعض برادران عقیدت نے سوچ رکھا ہے اور نہ یہ باتیں جدال و نزاع کی ہیں، بالغ نظر علما کو اس سلسلے میں اختیار ہے کہ اپنی صواب دید پر جس کو چاہیں مجدد تسلیم کریں، کسی کو زور زبردستی کا حق نہیں نہ کسی پر طعن کرنے کی ضرورت ہے کہ کسی بندہ مومن کو اذیت دینا بہت بڑا گناہ ہے اور کسی سنی عالم دین کی توہین و تذلیل سم قاتل — اللہ اس کی آفت سے بچائے۔

اس سلسلے میں قطب الارشاد، سند الفقہا سرخیل علماے اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، علامہ شاہ مفتی محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری بریلوی قدس سرہ کی مایہ ناز شخصیت کو سامنے رکھا جاسکتا ہے۔ زہد و تقویٰ، حزم واحتیاط، اور فقہ وفتویٰ اور اشاعت سنت و شریعت کے معاملے میں آپ جو نمایاں مقام رکھتے ہیں وہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں، ایک جہان ان کی ارادت و عقیدت کا اسیر ہے، اور جملہ علماے اہل سنت ان کی فکر و فتوے پر اعتماد کامل رکھتے ہیں، ان کے سامنے بڑے بڑے علما اور صاحبان فضل و کمال دم نہیں مار پاتے تھے، اظہار حق، ازالۂ منکر اور باطل کی سرکوبی کے معاملے میں فائق الاقران تھے، ان کا مثل نہ ان کے زمانے میں کوئی بڑا سے بڑا عالم تھا نہ آج تک دیکھنے میں آیا، وہ اعلاے حق کے بارے میں نہ صاحبان سطوت و صولت سے ڈرتے نہ حاکمان سلطنت و حکومت سے۔ انھیں جس نے دیکھا ہے، ان کی بارگاہ میں حاضری دی ہے، ان سے استفادۂ علمی کیا ہے وہ بخوبی واقف اور معترف ہے کہ ان کے عہد میں ان کے جیسا نظر آیا نہ ان کے بعد ان کا سا دیکھا۔ ظاہری زہد و تقویٰ اور فضل و کمال میں تو وہ یکتا تھے ہی — ولایت و کرامت کے بھی پیکر تھے،، سیف زبان تھے، بارہا دیکھا گیا کہ جو فرمایا برحق ثابت ہوا، جس پر نگاہ غضب ڈال دی تباہ ہوگیا، جسے نگاہ عنایت سے نوازا وہ ذرہ تھا تو آفتاب بن گیا، قطرہ تھا تو مثل دریا موجیں مارنے لگا، جس قدر علما ان کے حلقۂ ارادت سے وابستہ تھے وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ حضور استاذ العلما، حافظ ملت علامہ شاہ حافظ عبد العزیز محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور فرمایا کرتے تھے راقم الحروف کے کانوں نے سنا ہے:

" مفتی اعظم ہند اللہ کے ولی ہیں، ولی ہیں، ولی ہیں، ان کی ولایت پر کوئی قسم کھانے کو کہے تو میں کھا سکتا ہوں — میاں جن کو زندہ ولی دیکھنا ہو وہ مفتی اعظم ہند کو دیکھ لے۔ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ لوگ اپنی قسمت پر ناز کریں گے اور یہ کہیں

گے کہ میں نے مفتیِ اعظم ہند کو دیکھا ہے اور یہ کہ کر ان لوگوں پر فخر کریں گے، جنھوں نے مفتیِ اعظم کو نہیں دیکھا"۔

اس میں حضور حافظ ملت کے الفاظ بھی ہیں اور مفہوم بھی۔ پوری زندگی رشد وہدایت اور خدمت خلق میں گزار دی، فرائض وواجبات کا تو کہنا ہی کیا– سنن و مستحبات پر ایسے کاربند تھے کہ سوچا کیجیے اور ان کا مثل ڈھونڈا کیجیے – یوں ہی حرام ومکروہات سے جس درجہ اجتناب فرماتے بڑے بڑے زہاد وعباد کی فکریں بھی وہاں تک نہیں پہنچ پاتیں، مفتیِ اعظم کیا تھے، دین وشریعت کی چلتی پھرتی تصویر تھے، انھیں چودھویں صدی کا مجدد کہا جائے تو ہر طرح بجا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ سرکار مفتیِ اعظم کی زیادہ تر خدمات کا تعلق چودھویں صدی ہی کے اواخر سے ہے اور پندرھویں صدی کا بھی ایک سال ۱۳/ دن پایا ہے۔ مجدد کے لیے جو خصوصیات اور علامات بیان کی گئی ہیں وہ ان میں موجود ہیں۔ حضور تاجدار اہل سنت مفتیِ اعظم نوری قدس سرہ کی ولادت ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء ہے آپ نے مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کی آغوش تربیت میں زندگی کے لمحات گزارے، دیگر اساتذہ سے بھی استفادہ فرمایا، ۱۸/ سال کی قلیل عمر ہی سے فتویٰ نویسی کا آغاز کیا جو عمر کی آخری منزلوں تک جاری رہا— اس سلسلۂ مجددین میں آپ کا بھی تذکرہ جمیل چمکتا دمکتا نظر آرہا ہے اور آپ اس سلسلۃ الذہب کی ایک سنہری کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

محب گرامی مولانا محمد احمد مصباحی (رکن المجمع الاسلامی وناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) کا کہنا ہے کہ سرکار مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قادری بریلوی قدس سرہ (۱۳۱۰ھ- محرم ۱۴۰۲ھ) کو اگر چودھویں صدی کا مجدد کہا جائے تو یہ اجلۂ ائمہ اور علماے اعلام کے بیان کردہ اصول اور حضرت مرشدنا الکریم کے زمانۂ خدمات دونوں اعتبار سے بالکل درست ہے— پندرھویں صدی کے مجدد کی تعیین اس وقت ہو سکے گی جب سولھویں صدی کا آغاز ہو اور اس وقت کوئی عالم برحق دین وسنت کی نمایاں خدمات اور بدعات وفتن کے ابطال وانکار میں پندرھویں صدی کے دور اختتام سے ہی معروف ومشہور اور سولھویں کے آغاز میں بقید حیات ہو— موصوف کا کہنا ہے کہ اس موضوع پر میں نے خود امام احمد رضا قدس سرہ کی نگارشات اور امام سیوطی وغیرہ اجلۂ ائمہ کی تصریحات کا مطالعہ کیا ہے، ان سب سے یہی مستفاد ہے۔

اس موضوع پر عزیزی فیضان سرور اورنگ آبادی متعلّم درجۂ سابعہ (۳۷-۱۴۳۶ھ) جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا ایک تفصیلی وتحقیقی مضمون اس مجموعے میں شامل ہے جو طالبان حقیقت کے لیے قابل مطالعہ واستفادہ ہے۔

میں ان جیالے طلبہ کو مبارک باد دیتا ہوں جو اس عظیم وضخیم مجموعۂ مقالات کی ترتیب واشاعت کے میدان میں پیش قدمی کی سعادت سے بہرہ ور ہیں، مولیٰ عزوجل انھیں اس مقصد خیر میں کامیابی سے سرفراز فرمائے اور مزید اس قسم کے کارناموں کے انجام دینے کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ الصلاۃ والتسلیم۔

محمد عبد المبین نعمانی قادری غفرلہ
المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ۔ (یوپی)

۲۹/ ربیع الآخر ۱۴۳۷ھ
مطابق ۹/ فروری ۲۰۱۶ء

اداریہ

حرفِ آغاز

محمد ابوہریرہ رضوی

عرس عزیزی کا پر بہار موسم تھا، چند نوفارغ مصباحی برادران جامعہ اشرفیہ، مبارکپور کے عزیزی ہاسٹل میں دیواروں پر چسپاں طلبہ کے مقالات کا مطالعہ کر رہے تھے، اتنے میں میں وہاں آگیا، وہ میرے شناسا تھے، علیک سلیک کے بعد کہنے لگے: طلبۂ اشرفیہ کے مضامین بڑے وقیع اور گراں قدر ہوتے ہیں، انھیں عوام تک بھی پہنچنا چاہیے، ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سے مدارس کے طلبہ سالنامے کی شکل میں اپنے افکار و خیالات شائع کر کے عوام تک پہنچا رہے ہیں۔ لہذا آپ لوگوں کو بھی اس سمت غور کرنا چاہیے۔

یہ بات مجھے کچھ بھلی معلوم ہوئی، جب عید کے بعد اشرفیہ آیا تو اپنے دوستوں کے درمیان یہ بات رکھی، وہ بھی اس کام کے لیے راضی نظر آئے، مگر ایک بڑا معاملہ ہمارے سامنے یہ تھا کہ دو ہزار کے قریب طلبہ کو اس کام کے لیے کیسے تیار کیا جائے، اولاً سب کو جمع کرنا ایک مشکل کام۔ ثانیاً اگر جمع ہو بھی گئے تو کیا ضروری ہے کہ سب اس کام کی حمایت کر ہی دیں اور اس کے لیے تیار ہو ہی جائیں۔

خیال آیا کہ اشرفیہ میں رہائش پذیر طلبہ کی جو چالیس سے زیادہ صوبائی تنظیمیں ہیں، کیوں نہ ان کے ذمے داران سے مل کر اس خیال کی تشہیر کر لی جائے، اس طرح بالواسطہ سارے طلبہ کے خیالات سامنے آجائیں گے۔ اس سلسلے میں دو کامیاب میٹنگیں ہوئیں، سب نے خوش دلی کا مظاہرہ کر کے کام کو آگے بڑھانے کا مشورہ دیا اور طالبانِ علومِ نبویہ کی تمام علاقائی تنظیموں کی سربراہی ''تنظیم پیغام اسلام'' کے حصے میں آئی، جو علاقائی اور صوبائی اثرات سے پاک تمام صوبوں کی مشترکہ تنظیم ہے۔

احباب کا خیال تو یہ تھا کہ جو مضامین سال بھر جدار یے میں شائع ہوتے رہتے ہیں، ان میں معیاری مضامین کو منتخب کر کے سالنامے کی شکل میں شائع کر دیا جائے، مگر اس سے بھی زیادہ بہتر ہمیں یہ لگا کہ کسی خاص عنوان پر یہ مجلہ شائع ہو؛ تاکہ بوقت ضرورت آدمی اس کی طرف رجوع کر سکے۔ ارکان پیغام اسلام اور دیگر تنظیموں کو اس خیال سے ہم آہنگ کرنے کے بعد حضرت علامہ محمد عبد المبین نعمانی صاحب قبلہ کی بارگاہ میں حاضری دی۔ حضرت نے ہمارے ہدف کو سن کر بڑی خوش دلی کا اظہار فرمایا۔ پھر بہت سی موضوعات کی تعیین فرمائی، جن میں ''تاریخ اکابر اہل سنت'' اور ''تذکرہ خلفاے اعلی حضرت'' پسند آئے، اراکین پیغام اسلام نے ''ثانی'' کو ترجیح دے کر فہرست سازی کا کام شروع کر دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت مولانا غلام جابر شمس مصباحی کی نگرانی میں کام جاری ہے؛ اس لیے ہم اپنے اس نیک ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے محروم رہ گئے۔ اب ''تاریخ اکابر اہل سنت'' پر کام کی دھن سوار ہوئی، حضرت نعمانی صاحب کی ذاتی لائبریری سے اس موضوع پر چند کتابیں نکال

کر فہرست سازی میں لگ گئے، اسی دوران حضرت نعمانی صاحب کے پاس ایک بار جانا ہوا، انھوں نے اب کچھ اور نئے موضوعات بتائے، پھر حضرت سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی بارگاہ میں حاضری ہوئی، انھوں نے بھی بہت سے موضوعات کی جانب اشارہ کیا۔ جن میں ''مجدد دین اسلام'' کا عنوان کافی پسند آیا۔

اب ساری تنظیموں کو مطلع کر دیا گیا کہ وہ اپنی اپنی تنظیم سے دو منتخب قلم کاروں کے نام پیش کریں، اس طرح یہ کارواں چل پڑا۔ مجدد دین اسلام کی تعیین کی ذمے داری اپنے رفیق محترم محمد فیضان سرور اورنگ آبادی کو سونپ کر میں اس سے متعلق دوسرے کاموں میں لگ گیا، انھوں نے چند ساتھیوں کی مدد سے مجد الدین ابن اثیر جزری کی ''جامع الاصول''، امام سخاوی کی ''مقاصد حسنہ''، امام ابن حجر عسقلانی کی ''توالی التا سیس''، امام مناوی کی ''مقدمۂ فیض القدیر''، امام سیوطی کی ''التنبئۃ و مرقاۃ الصعود''، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کا ''حاشیۂ مقاصد حسنہ''، ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری کی ''چودہویں صدی کے مجدد اعظم''، شاہ مراد سہروردی کی ''سیر الاخیار'' اور مولانا یٰسین اختر مصباحی کی ''امام احمد رضا اور جدید افکار و نظریات'' کی مدد سے فہرست تیار کی اور حضرت خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ کی بارگاہ میں پیش کی، آپ نے بار بار اس پر نظر ڈالی اور اہم مشوروں سے نوازا۔ اس دوران حضرت نعمانی صاحب سے بھی رابطے میں رہا اور انھیں بھی مجددین کرام کی فہرست دکھاتا رہا۔ حضرت نے بھی بہت سے مفید مشورے عنایت فرمائے، اس طرح مجدد کی تعیین کا یہ کام دو محتاط عالم دین کی نگرانی میں انجام پایا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اس فہرست سازی میں غلطی کا امکان بہت کم ہے۔ قدم قدم پر ان دونوں بزرگوں کی دعائیں اور مشورے ہمیں آگے بڑھنے کا حوصلہ فراہم کرتے رہے۔ شکریہ کے چند بول کے ذریعہ ہم ان کے آبگینۂ خلوص کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتے۔

حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ مدظلہ العالی سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کی کرم نوازیوں کو کیسے بھلا دیا جائے، جو ناموافق حالات میں بھی جامعہ اشرفیہ کا بارِ گراں اپنے دوش پر رکھ کر ہمیں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کر رہے ہیں اور اپنی صعوبتوں کا احساس بھی نہیں ہونے دیتے۔ اسی کرم فرمائی کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے قیمتی وقت نکال کر ہمیں '' دعائیہ کلمات '' سے نوازا اور ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر یہاں پر اپنے اساتذۂ کرام کا شکریہ ادا نہ کریں، جن کی شفقتوں کے سائے میں ہمارا تعلیمی سفر کامیابیوں سے ہم کنار ہو رہا ہے اور جنھوں نے ہمارے مقالات پر نظر ثانی فرما کر انھیں سند اعتبار بخش دی ہے۔ خاص طور پر حضور سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی اصاغر نوازی کو ہم فراموش نہیں کر سکتے، جن کے پیش کردہ عنوان ''مجدد دین اسلام'' پر ہم یہ خصوصی شمارہ پیش کر رہے ہیں اور جنھوں نے اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر چند مقالات سرسری نظر سے دیکھے اور ایک گراں قدر تاثر تحریر فرمایا۔

ہم نے اس سالنامہ کی ترتیب میں بڑی جد و جہد اور تن دہی سے کام لیا ہے اور اسے ہر طرح کی خامی سے وسعت بھر پاک کرنے کی کوشش کی ہے، پھر بھی ہمیں یہ دعوی کرنے کا اختیار نہیں کہ کسی بھی طرح کی صوری و معنوی غلطی کا بالکل ہی

امکان نہیں ؛ یہ مضامین طلبہ کے ترتیب دیے ہوئے ہیں، نیز ہم لوگوں کا ارادہ یہ تھا کہ عرس عزیزی کے موقع پر اس کا رسم اجرا عمل میں آجائے؛ اس لیے وقت کی قلت کے سبب کمپوزنگ، پروف اور مضامین میں کچھ خامیوں کا رہ جانا عجب نہیں، لہٰذا اگر اس سالنامہ میں کسی طرح کی کوئی خامی نظر آئے تو مضمون نگار کو اس سے مطلع کریں۔ مزید یہ بھی واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ اس میں اگر کسی طرح کا کوئی سقم در آئے تو اس کی وجہ سے "جامعہ اشرفیہ" کو تنقید و تشنیع کا نشانہ نہ بنائیں بلکہ دیے گئے موبائل نمبر کے ذریعہ براہِ راست مضمون نگار سے رابطہ کریں۔

اب آخر میں ہم اپنے کرم فرما محمد ظفر الدین صدیقی، ضیاء المصطفیٰ قادری اور محمد فیضان سرور اورنگ آبادی کو کیسے بھول جائیں، جو ہمہ وقت ہمارے دست و بازو بنے رہے اور ناموافق حالات میں بھی ہمارا ساتھ نہ چھوڑا۔ محمد حسین رانچوی، محمد عادل حسین، محمد جاوید عالم، محمد توفیق عالم، محمد اسلم آزاد، محمد مشاہد رضا، قاری ریاں، شاہد رضا برکاتی اور ریحان رضا تیغی کے تذکرے چھوڑ کر ہم احسان فراموشی کے مرتکب نہیں ہونا چاہتے۔ ہم ان تمام صوبائی و علاقائی طلبہ جاتی تنظیموں کے اراکین و ممبران کے بھی شکر گزار ہیں، جنھوں نے طلبۂ جامعہ اشرفیہ کی مشترکہ تنظیم "پیغام اسلام" کے بینر تلے "سالنامہ باغ فردوس" نکالنے پر رضامندی کا اظہار کر کے اتحاد کا ثبوت دیا۔ اخیر میں ان تمام حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں، جنھوں نے ہمارا کسی طرح کا بھی تعاون کیا ہے۔

۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
مطابق ۲۱؍ فروری ۲۰۱۶ء

محمد ابوہریرہ رضوی
درجۂ سادسہ، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور
اعظم گڑھ (یو، پی)

”حدیثِ مجدد“ ایک تجزیاتی مطالعہ

محمد فیضان سرور اورنگ آبادی (جماعت سابعہ) Mob. No. 9956740487

رب تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے انبیا ورسل کا سلسلہ جاری فرمایا اور سب کے آخر میں ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا جن کے بعد نبیوں کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا مگر خلق خدا کی ہدایت کا کام وارثین انبیا یعنی علمائے ربانیین اور اولیائے کاملین کے ذریعہ ہمیشہ جاری رہا اور حسب بیان امام سیوطی حدیث میں ہے کہ ہر صدی کے آخر میں کچھ اہم امور رونما ہوتے ہیں اس لحاظ سے رب تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ہر صدی کے آخر میں ایسے مرد کامل یا مردان کمال کو مبعوث فرمانے کا انتظام فرمایا جو دین میں دراندازی خرابیوں کا ازالہ فرماتے رہیں۔

اس بارے میں جو حدیث صحیح مروی ہے اسی کا ذکر اور اس سے متعلق کچھ بحثوں کا تذکرہ یہاں مقصود ہے۔

حدیث مجدد: خلاصۂ کائنات فخر موجودات ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ”إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها“۔

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو برس پر ایک مجدد بھیجتا رہے گا، جو ان کا دین تازہ کرے گا۔

اِحیائے دین اور تجدید کے سلسلے میں یہی حدیث زبان زد خاص وعام ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کے الفاظ، معانی اور تشریحات کی جانب متوجہ ہوں، اس حدیث کی استنادی حیثیت، اس کے رجال اور مآخذ و مراجع پر گفتگو کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

حدیث کی استنادی حیثیت: یہ حدیث تمام محدثین کے نزدیک مقبول ہے؛ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے محدثین نے اسے اپنے مجموعۂ احادیث میں جگہ دی ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی (م:۹۱۱ھ) رقم طراز ہیں:

”هذا الحديث اتفق الحفاظ على تصحيحه، منهم: الحاكم في المستدرك، والبيهقي في المدخل، وممن نص على صحته من المتأخرين الحافظ أبوالفضل إبن حجر. وقد لهج المتقدمون بذكر هذا الحديث: فأخرج الحاكم في المستدرك عقب رواية هذا الحديث عن ابن وهب عن أنس عن الزهري قال: فلما كان في رأس المائة منّ الله على هذه الأمة بعمر بن عبد العزيز. قال الحافظ ابن حجر: وهذا يشعر بأن الحديث كان مشهورا في ذلك العصر، ففيه تقوية لسنده مع أنه قوي لثقة رجاله“۔ (مرقاۃ الصعود الی سنن ابی داود، ج:۱، ص:۱۰۵۷، طبع اول: ۱۴۳۳/ ۲۰۱۲ء، ناشر: دار ابن حزم — بیروت)

حفاظ حدیث اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں۔ انھیں حفاظ میں امام حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہما بھی

ہیں۔ متاخرین میں سے ابوالفضل علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ متقدمین نے بڑے والہانہ انداز میں اس کو بیان کیا ہے، چناں چہ امام حاکم اپنی مستدرک میں اس حدیث کی تخریج کے بعد (بواسطۂ ابن وہب عن انس) امام زہری کا قول نقل کرتے ہیں کہ پہلی صدی کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ذریعے اس امت پر احسان فرمایا ہے۔

اس پر علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث امام زہری (۵۰ھ—۱۲۵ھ) کے زمانہ میں مشہور تھی، اس سے اس حدیث کو تقویت ہوتی ہے جب کہ یہ اپنے راویوں کے ثقہ ہونے کے سبب بھی قوی ہے۔

امام شمس الدین عبدالرحمٰن سخاوی (م:۹۰۲ھ) لکھتے ہیں:

"أبو داؤد في الملاحم من سننه، وقد أخرج الطبراني في الأوسط، وسنده صحيح، ورجاله كلهم ثقات، وكذا صححه الحاكم؛ فإنه أخرجه في مستدركه"۔

(المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الأحادیث المشتهرة علی الألسنة، ص:١٤٢، ناشر: مرکز اهل سنت برکات رضا، پوربندر، گجرات، طبع: ١٤٢٥ھ-٢٠٠٤ء)

یعنی امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد کے "کتاب الملاحم" میں اور امام طبرانی نے "معجم الأوسط" میں اس حدیث کی تخریج کی ہے—اس کی سند صحیح ہے اور اس کے سارے رجال ثقہ ہیں، پھر امام حاکم کا "المستدرك على الصحيحين" میں اس حدیث کی تخریج کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

ماخذ حدیث: امام الشان حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م:۸۵۲ھ) ماخذ حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

أخرجه أبو داؤد في السنن: عن ابي الربيع سليمان بن داؤد المهري.

وأخرجه الحسن بن سفيان في المسند: عن حرملة بن يحيى، وعن عمرو بن سوار جميعاً.

وأخرجه الحاكم في المستدرك: عن الأصم، عن الربيع بن سليمان.

وأخرجه ابن عدي في مقدمة "الكامل": من رواية عمرو بن سوار، وحرملة، وأحمد بن عبدالرحمٰن بن وهب ابن اخي ابن وهب — كلهم عن عبدالله بن وهب بهذا الإسناد.

قال ابن عدي: "لا أعلم رواه عن ابن وهب، عن سعيد بن أبي أيوب، ولا عن ابن وهب غير هولآء الثلاثة.

قلت: ورواية عثمان بن صالح، والأصم، وأبي الربيع ترد عليه — فهم ستة أنفس رووه عن ابن وهب"۔ (توالي التاسيس لمعالي محمد بن ادريس، ص:٤٦، ٤٧، طبعۂ أولیٰ:١٤٠٦/١٩٨٦، مطبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت)

امام الشان کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ عبداللہ بن وہب سے حدیث مجدد کی روایت کرنے والے درج ذیل چھ حضرات ہیں:

(۱)ابوربیع سلیمان بن داؤد مہری(۲)حرملہ بن یحییٰ(۳) عمرو بن سوار(۴) ربیع بن سلیمان(۵)احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب ابن اخی ابن وہب(۶)عثمان بن صالح۔

ابن عدی نے اپنی کتاب ''الکامل ''کے مقدمے میں ابن وہب کے تین شاگرد: عمرو بن سوار، حرملہ بن یحییٰ اوراحمد بن عبدالرحمٰن سے روایت کرنے کے بعد فرمایاہے: ان تینوں کے سواکسی اورنے بھی ابن وہب عن سعید یاخودابن وہب سے روایت کی ہے، یہ میرے علم میں نہیں۔

ابن عدی کے اس قول پرابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ''روایة عثمان بن صالح، والأصم، وأبی الربیع تردعلیه''۔

یعنی ابن وہب سے اس حدیث کی روایت کومذکورہ صرف تین حضرات میں محدود جاننے کاخیال اس سے رد ہوجاتاہے کہ ان کے علاوہ اورتین حضرات (۱)عثمان بن صالح (۲)اصم (۳)ابوربیع نے بھی عبداللہ ابن وہب سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

اس پر عرض ہے کہ یہاں ابن عدی کی تردید کی کوئی حاجت نہیں؛ کیوں کہ انھوں نے نہ تو یہ دعویٰ کیاہے کہ ابن وہب کے محض تین راوی ہیں، نہ ہی چھ ہونے پرانھیں کوئی اعتراض ہے۔ محض انھوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے کہ میرے علم میں ان تین کے سواکوئی اورنہیں، واقع میں اس سے زیادہ ہوں، توہوں۔

''لاأعلم'' پر غورکرکے آسانی سے اس نتیجے پرپہنچاجاسکتاہے۔ مثلاً: اگرہم یہ کہیں کہ ابن وہب سے روایت کرنے والے چھ نہیں، بلکہ سات ہیں۔ ساتویں کانام ہے: ابوالطاہر خولانی جس کی روایت کوامام حاکم عبداللہ نیشاپوری نے ان لفظوں کے ساتھ بیان کیاہے:

فسمعت الأستاذ أباالولید رضی اللہ تعالیٰ عنه، یقول: کنت فی مجلس أبی العباس بن شریح، إذ قام إلیه شیخ یمدحه، فسمعته یقول: حدثنا أبوالطاهرخولاني، حدثنا عبداللہ بن وهب، أخبرني سعیدبن أبي أیوب، عن شراحیل بن یزید، عن أبی علقمة، عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ، قال: إن اللہ یبعث علی رأس کل مائة سنة من یجدد لهادینها ـــــ فأبشر أیها القاضی... أنت علی رأس الثلاثة مائة۔

(المستدرک علی الصحیحین، ج:۵، ص:۴۲۵، حدیث نمبر:۸۷۱۷، طبع اول:۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء، دارالفکر، بیروت)

تو اس سے امام الشان رحمۃ اللہ علیہ کی ہرگز تردید نہ ہوگی؛ کیوں کہ چھ کہنااپنے علم کے اعتبار سے تھا، اس سے استقصاہرگز مقصودنہیں، اسی طرح اگرسات کے بجائے آٹھ، نواوردس آجائیں؛ تواس سے ان پر رد نہ ہوگا۔

تنبیہ: امام الشان فرماتے ہیں: ''أخرجه الحاکم فی المستدرك: عن الأصم، عن الربیع بن سلیمان'' المستدرک علی الصحیحین کاجونسخہ میرے پیش نظرہے، اس میں ''حدیث مجدد'' کی روایت یوں ہے:

حدثناأبوالعباس محمدبن یعقوب، ثناالربیع بن سلیمان بن کامل المرادی، ثناعبداللہ بن

وهب، أخبرني سعيدبن أبي أيوب۔

(دیکھیں:ج:۵،ص:۴۲۵،حدیث نمبر:۸۷۷۰،طبع اول:۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء،دارالفکر،بیروت)

اب یاتوابوالعباس محمد بن یعقوب ہی کالقب ''الأصم'' ہے، تب توکوئی بات نہیں، یا یہ دونوں الگ الگ ہیں اور ربیع سے اس حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں حسن ظن کی بنیاد پر ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ امام حاکم نے مستدرک میں دونوں حضرات کی روایتوں کو بیان کیا ہے، ایک ''عن الأصم عن الربيع'' جس کو امام الشان نے توالی التاسیس میں ذکر کیا ہے اور ہم اسے مستدرک میں نہ پاسکے اور دوسری ''حدثناأبو العباس محمدبن يعقوب، ثنا الربيع بن سليمان'' جو میرے پیش نظر ہے۔ دیگر صورتوں کو ہم اہل نظر کے لیے چھوڑ رکھتے ہیں۔

ماخذ حدیث کے تعلق سے حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی (م:۹۱۱ھ) رقم طراز ہیں:

''أخرج أبوداؤد فی سننه ،والحسن بن سفيان فی مسنده والبزار ،والطبراني فی الأوسط، وابن عدي فی مقدمة''الكامل''،والحاكم في المستدرك؛وصححه أبونعيم فی الحلية،والبيهقي في المدخل: من طريق خالدبن وهب ،عن سعيدبن أبي أيوب،عن شراحيل بن يزيد المعافري ، عن أبي علقمة،عن أبي هريرة ،عن النبي ﷺان الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مأئة سنة من يجدد بها دينها''(التنبئة بمن يبعثه الله على رأس كل مائة،ص:۸،۷،طبع اول:۱٤۱۰ھ، مطبع:دارالثقة للنشر والتوزيع، مكة مكرمة)

یعنی ابوداؤد نے سنن میں، حسن بن سفیان اور بزار نے اپنی اپنی مسند میں، طبرانی نے معجم اوسط میں، ابن عدی نے مقدمۂ کامل میں، حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کیا ہے—ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیا میں اور بیہقی نے مدخل میں اسے صحیح کہا ہے۔ مدخل میں اس کی سند یہ ہے:

'' خالدبن وهب ،عن سعيدبن أبي أيوب،عن شراحيل بن يزيد المعافری،عن أبی علقمة، عن أبي هريرة ،عن النبیﷺ''

سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہرصدی کے اختتام میں اس امت کی خاطر اللہ تعالیٰ ایسے کو مبعوث کرے گا جو امر دینی کو تازہ کرتا رہے گا۔

چند اہم باتیں: (۱) امام سیوطی نے ابھی جو سند پیش کی ہے اس میں ایک نام ''خالد بن وہب'' کا بھی ہے۔ اس پر عبدالحمید میر شانوحہ (مکہ مکرمہ) نے ''التنبئة'' کے حاشیے میں یہ تحقیق پیش کی ہے: ''لايوجد في رجال الحديث من اسمه ''خالد بن وهب'' ولعله خطأ من النساخ''۔ یعنی خالد بن وہب نام کا کوئی راوی رجال حدیث میں نہیں پایا جاتا، شاید یہاں پر کسی ناسخ سے خطا ہوگئی ہے۔

راقم اتنا بڑا دعویٰ تو نہیں کر سکتا، البتہ اتنا طے ہے کہ سعید بن ابی ایوب سے روایت کرنے والوں میں ''خالد بن وہب'' نام

کا کوئی راوی نہیں ملتا، ہاں! ان کے ایک راوی عبداللہ بن وہب ہیں، اس حدیث سے متعلق کتابوں کی مراجعت کے بعد بھی یہی لگتا ہے کہ یہاں ناسخ سے سہو ہوا ہے کہ اس نے "عبداللہ بن وہب" کے بجائے "خالد بن وہب" لکھ دیا۔

(۲) اسی طرح امام سیوطی کے پیش کردہ متن حدیث میں "من يجدد لها" تصحیف کے بعد "من يجدد بها" بن گیا ہے۔

(۳) حدیث مجدد کے متن میں کہیں "إلى هذه الأمة" ہے، تو کہیں "لهذه الأمة"۔۔۔۔۔ یوں ہی کہیں "من يجدد لها دينها" ہے تو کہیں "من يجدد لها أمر دينها" ہے؛ چوں کہ حدیث کی روایت بالمعنیٰ جائز ہے اس لیے اس طرح کے فرق الفاظ سے مقصود پر کوئی حرف نہیں آتا۔

"حدیث مجدد" متّصل بھی اور معضل بھی: حدیث مجدد دو طریقوں سے مروی ہے:

(۱) **متّصل:** یہ عن ابن وهب، عن سعيد، عن أبي علقمة، عن أبي هريرة...الخ مروی ہے۔ ابوداؤد، حاکم، حسن بن سفیان، طبرانی، ابن عدی، ابونعیم اصفہانی، بیہقی وغیرہ اکثر محدثین نے اس حدیث کو بہ طریق متّصل ہی روایت کیا ہے۔

(۲) **معضل:** یہ عن ابن وهب، عن عبدالرحمٰن عن شراحيل...الخ مروی ہے۔ اس کا ذکر ابوداؤد نے اپنی کتاب "سنن ابوداؤد" میں بہ طریق متّصل روایت کرنے کے بعد فرمایا، ان کے الفاظ یہ ہیں: "رواه عبدالرحمٰن نا ابن شريح الإسكندراني لم يجز به شراحيل".

(سنن ابوداؤد، کتاب الملاحم، باب مایذکر فی قرن المائۃ، ص:۵۸۹، بڑے سائز کا ہندوستانی نسخہ)

یعنی "عبدالرحمٰن بن شريح الأسكندراني" نے بس "عن شراحيل بن يزيد المعافري" کہ کر متن حدیث بیان کر دیا ہے۔ اور شراحیل کے بعد مسلسل دو راوی حضرت ابوعلقمہ اور حضرت ابوہریرہ مذکور نہیں، اس لیے یہ سند معضل ہو گئی۔

فائدہ: سند حدیث بیان کرتے وقت کہیں سے بھی مسلسل دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہو جائیں تو یہ حدیث "معضل" کہلاتی ہے۔

اس بحث سے پتہ چلا کہ عبداللہ ابن وہب نے اس حدیث کو درج ذیل دو محدثین سے لیا ہے اور دونوں ثقہ ہیں۔

(۱) سعيد بن أبي أيوب عن شراحيل (۲) عبدالرحمٰن بن شريح الإسكندراني عن شراحيل۔

سعید بن ابی ایوب: (م:۱۶۱ھ) کے بارے میں محدثین کی رائیں:

ابن حبان نے ان کا تذکرہ کتاب الثقات میں کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور ابوحاتم رازی فرماتے ہیں: "لا بأس به".

یحییٰ ابن معین اور امام نسائی کا قول ہے: "كان ثقة، ثبتاً"۔ (دیکھیں: جمال الدین یوسف مزی (م:۷۴۲) تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج:۴، ص:۹۵، طبع:۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء، ناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت)

عبدالرحمٰن بن شریح اسکندرانی: ان کے بارے میں امام منذری فرماتے ہیں:

"عبدالرحمٰن شریح الإسکندرانی ثقة، إتفق البخاری ومسلم علی الاحتجاج به، وقد أعضله".

معلوم ہوا کہ ابن وہب کے یہ دونوں شیخ محدثین وناقدین کے نزدیک ثقہ ہیں۔ لہٰذا کسی سند میں کلام نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں جب اولویت اور غیر اولویت کی بات آئے گی تو اس وقت سعید بن ابی ایوب والی سند راجح قرار پائے گی۔ جیسا کہ امام عبدالرحمٰن سخاوی (م:۹۰۲ھ) لکھتے ہیں:

"وسعیدالذی رفعه أولی بالقبول للأمرین:

أحدهما: أنه لم یختلف فی توثیقه، بخلاف عبدالرحمٰن، فقدقال فیه إبن سعد: إنه منکر الحدیث.

والثانی: أن معه زیادة علم علی من قطعه"۔

(المقاصدالحسنة فی بیان کثیرمن الأحادیث المشتهر علی الألسنة، ص:۱۴۶، ناشر: مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، گجرات، طبع اول: ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)

یعنی سعید بن ابی ایوب (جنھوں نے اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا ہے) والی سند کو قبول کرنا دو وجہوں سے اولیٰ ہے:-

(۱) ان کو ثقہ قرار دینے میں کسی کا اختلاف نہیں، برخلاف عبدالرحمٰن کے، کہ ابن سعد انھیں "منکرالحدیث" کہتے ہیں۔

(۲) مقطوعاً روایت کرنے والے کی بہ نسبت موصولاً روایت کرنے والے کو اس حدیث سے متعلق زیادہ علم ہے۔

رجال حدیث: یوں تو ما سبق میں آپ اجمالاً پڑھ ہی چکے ہیں کہ اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں، مگر ابن وہب کے شیوخ کا فرداً فرداً ذکر ہو گیا ہے تو لگے ہاتھوں بقیہ اصحاب سند کا ذکر بھی قدرے تفصیلاً ملاحظہ فرمالیں:

عبداللہ بن وہب (م:۱۹۷ھ): ان کے بارے میں ابوالحسن میمونی فرماتے ہیں: سمعت أبا عبدالله، وذکر ابن وهب، فقال: رجل له عقل ودین وصلاح في بدنه.

(تهذیب الکمال في أسماء الرجال، جمال الدین مزی، ج:۵، ص:۶۹۴، طبع: ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء، مطبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت)

یعنی میں نے ابوعبداللہ کو ابن وہب کے حق میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ عقل مند، دین دار اور ایک تنومند انسان ہیں۔

ابوبکر بن ابی خیثمہ سے روایت ہے کہ یحییٰ ابن معین ابن وہب کو "ثقہ" کہتے ہیں۔ (ایضاً)

شراحیل بن یزید معافری (م: بعد ۱۲۰ھ): ابن حبان نے آپ کا تذکرہ کتاب الثقات میں کیا ہے۔

جمال الدین مزی فرماتے ہیں:

روی له البخاري في أفعال العباد حدیثاً، ومسلم في مقدمة کتابه حدیثاً وأبو داؤد حدیثاً——

(حوالہ سابق، ج:۴، ص:۵۵۵، بہ تفصیل مذکور)

☆ یعنی افعال عباد کے سلسلے میں امام بخاری نے ان کی ایک حدیث لی ہے۔

☆امام مسلم نے بھی اپنی کتاب کے مقدمے میں ان سے ایک حدیث روایت کی ہے۔
☆اسی طرح امام ابوداؤد نے بھی ان سے ایک حدیث کی تخریج کی ہے۔
ابوعلقمہ مسلم بن یسار ہاشمی مصری: ابن حبان نے آپ کا تذکرہ کتاب الثقات میں تحریر فرمایا ہے۔
امام دارقطنی فرماتے ہیں: "یعتبر بہ" یہ قابل اعتبار ہیں۔
ان کی ولادت ووفات کی کوئی حتمی تاریخ نہیں ملتی، حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں اتنا لکھا ہے: توفی مسلم بن یسار بافریقه، زمن هشام بن عبدالملك، انھیں افریقی اور طنبذی بھی کہا جاتا ہے۔
(دیکھیں: تهذيب التهذيب، ج:۵، ص:۴۳۶، طبع ثانی:۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء، مطبع: داراحیاء التراث العربی، بیروت)

قال ابو حاتم :احاديثه صحاح،

قال العجلی :مصری، تابعی، ثقة،

(تذهيب التهذيب ،ص:۱۹۷،ج:۱۰ طبعه اولی:۱۴۱۵/ ۱۹۹۵،دار الفكر، بيروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: کثیر الروایہ، مشہور صحابیِ رسول ﷺ ہیں، وفات:۵۹ھ۔
"فیما أعلم" کا قضیہ: حدیث مجدد کا آغاز مشکوٰۃ المصابیح میں یوں ہے: وعنه(أی:عن أبي هريرة) فيما أعلم عن رسول الله ﷺ،قال:إن الله عزوجل يبعث..الخ.
(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، فصل ثانی، ص:۳۶، مطبع: مجلس برکات، اشرفیہ مبارک پور)
"فیما أعلم" کے بارے میں توضیح طلب امر یہ ہے کہ یہ لفظ مصنف مشکوٰۃ خطیب تبریزی کا ہے، یا حضرت ابوعلقمہ کا، یا حضرت ابوہریرہ کا؟۔
پھر قائل کے اس لفظ سے یہ حدیث مرفوع ٹھہری ہے، یا موقوف؟۔
پہلا نظریہ: اس کے قائل صاحب مشکوٰۃ ہیں۔
حضرت ملا علی قاری مرقاۃ المفاتیح میں لکھتے ہیں:
"فیما أعلم" کے بارے میں اگرچہ بہت سے چوں وچرا ذکر کیے جاتے ہیں، مگر صحیح قول یہ ہے کہ "فیما أعلم" بضم المیم یعنی فعل مضارع معروف صیغہ واحد متکلّم ہے۔—— چناں چہ ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ مصنف مشکوٰۃ امام محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی کا ہے۔ اور "فیما أعلم" کی تفصیلی صورت یہ ہے: فی علمي ——یا—— في جملة ما أعلم أن أبا هريرة روى هذا الحديث عن رسول الله ﷺ لاغيره.
سید نے کہا ہے کہ شیخ زین العرب امام تورپشتی کی تبعیت میں کہتے ہیں کہ "فیما أعلم" مضارع ہو کہ ماضی، یہ مصنف مشکوٰۃ کا قول ہے۔
مضارع کی صورت میں معنیٰ ہوگا: "هذا الحديث كائنا فی علمی هوعن أبي هريرة رواية". یعنی میرے علم

میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور ماضی کی صورت میں معنیٰ ہوگا: ''ھٰذاالحدیث کائناً في إعلام ابي هر یرة سائر الصحابة''. یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام کو جن احادیث سے باخبر کیا ہے ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، ج:۱، کتاب العلم، فصل ثانی، حدیث:۲۴۷، ص:۴۶۱ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

دوسرا نظریہ: اس کے قائل حضرت ابوعلقمہ ہیں۔

''فیما أعلم''کو صاحب مشکوٰۃ کا قول قرار دینے کے بجائے، مشکوٰۃ کے اصل مرجع ''سنن ابوداؤد'' سے حقیقت خود واضح ہوجاتی ہے۔ سنن ابوداؤد میں یہ حدیث یوں درج ہے:

حدثنا سلیمان بن داؤد المهري، أخبرنا ابن وهب، أخبرني سعيد بن أبي أيوب، عن شراحيل بن يز يدالمعافري، عن أبي علقمة،عن أبي هر يرة فيما أعلم عن رسول اللهﷺ، قال:إن الله يبعث . . .الخ. (سنن ابوداؤد، کتاب الملاحم، باب مایذکر فی قرن المائۃ، ص:۵۸۹، بڑے سائز کا ہندوستانی نسخہ)

اس کو دیکھ لینے کے بعد فن حدیث کا ایک مبتدی طالب علم بھی ''فیما أعلم''کو صاحب مشکوٰۃ کا قول قرار دینے پر راضی نہ ہوگا، چہ جائے کہ فن حدیث کے ماہرین۔ بجا فرمایا ہے حضرت ملا علی قاری کے معتمد علیہ حضرت سید علیہ الرحمہ نے:

''فیما أعلم''کو قول مصنف قرار دینا غیر ظاہر اور بعید از فہم ہے؛ اس لیے کہ جب میں نے تحقیق حال کی غرض سے ''سنن ابوداؤد'' کی جانب مراجعت کی، تو اس میں ''عن أبي علقمة،عن أبي هر يره فيما أعلم،عن رسول اللهﷺ . . .الخ پایا۔ یہ عبارت صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ قول مصنف کا نہیں بلکہ ابوعلقمہ کا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوٰۃ المصابیح، بہ تفصیل سابق)

تیسرا نظریہ: اس کے قائل حضرت ابوہریرہ ہیں۔

ملا علی قاری حضرت سید کے حوالے سے فرماتے ہیں:

شارح مشکوٰۃ طیبی کا کہنا ہے کہ ''فیما أعلم''میں اگر میم کو ضمہ مانیں تو یہ حضرت ابوہریرہ کے قول کی حکایت ہوگی، اور اگر ''إعلام'' سے ماضی مان کر میم پر فتحہ پڑھیں تو یہ حضرت ابوہریرہ کے فعل کی حکایت ہوگی۔

طیبی کے اس قول پر حضرت سید کا ریمارک ملاحظہ فرمائیں:

میم پر ضمہ دے کر ''فیما أعلم'' کو حضرت ابوہریرہ کے قول کی حکایت قرار دینا ظاہر کے خلاف ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ کے راوی ابوعلقمہ کا قول ہے ـــــ رہی بات بالفتح مان کر حضرت ابوہریرہ کے فعل کی حکایت ماننے کی تو یہ تسامح سے خالی نہیں، غور وفکر کرلیا جائے۔ (مرقاۃ المفاتیح، بہ تفصیل مذکور)

تہذیب الکمال میں جمال الدین یوسف مزی (م:۷۴۲ھ) نے اس حدیث کی تخریج اس طرح کی ہے:

''أخبرناأبوإسحاق بن الدرجى،وأحمدبن شيبان،قالا:أنبأنا أبو جعفر الصيد لاني، قال:

أخبرنا أبوعلي الحداد، قال: أخبرنا أبونعيم الحافظ، قال: حدثنا عبدالله بن جعفر، قال: حدثنا إسماعيل بن عبدالله،قال:حدثناعثمان بن صالح،قال:حدثناابن وهب،قال: أخبرنی سعيد بن أبی ايوب، عن شراحيل بن يزيد ،عن أبي علقمة،عن أبي هريرة،قال:لاأعلمه إلا عن النبيﷺ، قال:إن الله تبارك وتعالىٰ يبعث إلى هٰذه الامة على رأس كل مائة سنة من يجددلهادينها".

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال،ج:۴،ص:۵۵۵،طبع:۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

"فيماأعلم "سے مرفوع کی جانب اشارہ:

اسی طرح سے روایت میں وارد لفظ "فیماأعلم" سے حدیث مرفوع ہوناثابت ہوتاہے،یاموقوف؟ یہ بھی ایک اختلافی امر ہے۔

امام منذری فرماتے ہیں:"الراوي لم يجزم برفعه"۔(حاشیہ التنبئہ للسیوطی،ص:۱۸،بہ تفصیل سابق)

یعنی "فیماأعلم عن رسول اللهﷺ" سے ثابت ہوتاہے کہ راوی کواس حدیث کے مرفوع ہونے پر جزم نہیں۔

اس پر عرض ہے کہ صرف "فیماأعلم" کودیکھ کر یہ فیصلہ نہیں کیاجاسکتا کہ یہ حدیث موقوف ہے،وہ بھی اس وقت جب کہ دیگر محدثین کی تخریج کردہ عبارت اس کے موقوف ہونے کی نفی کرتی ہے۔

امام حاکم نے جواس حدیث کی تخریج کی ہے اس میں "فیماأعلم" کی جگہ "لاأعلمه إلاعن رسول اللهﷺ" ہے۔ (دیکھیں: المستدرک علی الصحیحین،ج:،ص:۴۲۵،حدیث:۸۴۷۰،طبع:دارالفکر،بیروت)

اس سے پہلے جوشیخ جمال الدین مزی کی تشریح کردہ عبارت گزری اس میں بھی ہے:

قال: لا أعلم إلا عن النبيﷺ،قال.

ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ خواہ قائل کسی کوبھی مانیں،مگر یہ حدیث مرفوع ہی کہلائے گی۔

ان صریح عبارات کونظر انداز کرکے محض ایک مبہم لفظ "فیماأعلم" کی بنیاد پر موقوف ہونے کاحکم نہیں لگایاجاسکتا۔

میرے اس نظریے کی تائید حضرت امام سخاوی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

"وقوله "فيماأعلم" ليس بشك بوصله،بل قد جعل وصله معلوماًله".

(المقاصدالحسنۃ،ص:١٤٦،مطبع:مرکزاہل سنت برکات رضا،پوربندر،گجرات،طبع اول:۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)

یعنی "فیماأعلم" سے یہ نہ سمجھاجائے کہ حضور ﷺ تک اس حدیث کے موصول ہونے میں قائل کوشک ہے،بلکہ اس حدیث کے موصول ہونے کووہ معلوم قراردے رہاہے۔

امام منذری کے قول:"الراوي لم يجزم برفعه"کاایک جواب یہ بھی ہوسکتاہے کہ ہاں!ایسالگتاہے کہ راوی کواس کے مرفوع ہونے پر جزم نہیں،مگر واقعتاًایساہے نہیں؛اس لیے کہ ہر صدی میں مجدد کی بعثت کی خبر دینانبی ہی کاکام ہے۔ایسی کوئی بات صحابی اپنی رائے سے بیان نہیں کرسکتے،بلکہ ایسی کوئی حدیث صراحتاًموقوف ہوتی ہے تواسے بھی مرفوع کاحکم حاصل

ہوتا ہے تو حدیث مجدد کا نبی کریم ﷺ تک مرفوع ہونا متعین ہے۔

یہاں تک تو سند حدیث اور اس کے متعلقات سے متعلق گفتگو تھی، اب متن حدیث کے الفاظ، معانی اور تشریحات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

مجدد عطیہ ربانی ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے کہ اپنے محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کو بھیج کر نجات کی ساری راہوں سے باخبر کر دیا، سفید و سیاہ سے واقف کرا دیا، ساتھ ہی ان کی رکھوالی اور نگہداشت کے لیے علماے حق کا جتھا مقرر کر دیا، مگر اس کے باوجود ہر صدی کے اختتام پر جب حالات دگرگوں ہونے لگتے ہیں، حق و باطل میں امتیاز کرنا ایک مشکل امر قرار پاتا ہے، تو رب تعالیٰ خاص اپنی جانب سے مجدد دین کو بھیج دیتا ہے، تاکہ ان کی ہدایات کے ذریعے خدا کے بندے حق سے آشنا ہو سکیں، حق و باطل میں امتیاز کر سکیں، اور فتنوں سے نجات پا کر صراط مستقیم پر گامزن ہو سکیں۔

بعثت کا مطلب: حدیث پاک کا ٹکڑا "إن الله يبعث" بتا رہا ہے کہ یوں تو سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں روزانہ لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں، مگر مجدد کی آمد عام لوگوں کی طرح نہیں ہوتی، بلکہ وہ گمرہی اور فتنوں کی دلدل میں پھنسے لوگوں کے لیے عطیۂ ربانی اور انعام الٰہی بن کر جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور لوگ پیدا ہوتے ہیں مگر ان نفوس قدسیہ کو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔

پھر لفظ "بعث" پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ "تجدید" کا حامل شخص "راس مأة" پر پیدا نہیں ہوگا، بلکہ پیدا تو اس سے پہلے ہی ہو چکا ہوگا، البتہ "راس مأة" یعنی اختتام صدی پر اپنا تجدیدی کام شروع کر دے گا، اور اپنے کاموں کی بنیاد پر مرجع اہل علم اور مشار الیہ ہو جائے گا۔ اس لیے کہ: لفظ "يبعث" "بعث" سے ماخوذ ہے، جس کا لغوی معنی ہے: کسی کام کے لیے اٹھ کھڑا ہونا، آمادۂ کار ہو جانا۔ اہل عرب کہتے ہیں: "بعثه على شيئ — و— بعثه على الأمر: أي: حمله على فعله و أقامه" یعنی کسی شئ پر مبعوث کرنے کا مطلب ہے: کسی کام کے کرنے پر برانگیختہ کرنا، آمادہ کرنا۔

بعث کا شرعی معنی ہے: پیغام خداوندی کی تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت میں لگ جانا، اور خدمت اسلام کا جو کام سپرد ہے اس میں مشغول ہو جانا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاے کرام کی بعثت عموماً ولادت سے چالیس سال بعد ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ولادت اور ہے، اور بعثت اور ہے۔ ان دونوں میں فرق کو سامنے رکھتے ہوئے آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ "راس مأة" پر مجدد کی پیدائش نہیں ہوگی، بعثت ہوگی، یعنی وہ "راس مأة" سے پہلے ہی پیدا، بلکہ علوم ظاہری و باطنی سے سرفراز ہو چکے گا اور اختتام صدی کے وقت اس کا تجدیدی کام منصۂ شہود پر ہوگا۔

راس مأۃ سے مراد ابتداے صدی ہے یا اختتام صدی؟ اس مسئلے میں امام مناوی کے علاوہ سارے محدثین کہتے ہیں کہ "رأس مأة" سے مراد اختتام صدی ہے۔ عقلی و نقلی اعتبار سے کس کے موقف کو ترجیح حاصل ہونی چاہیے اس کے لیے ذیل کی سطور پڑھیے:

☆ شیخ عبد الرؤف مناوی (م: ۱۰۳۱ھ) لکھتے ہیں:

"علی رأس" أي: أول، ورأس الشيئ :أعلاہ.و رأس الشهر :أوله " (فیض القدیر شرح جامع الصغیر من أحادیث البشیر النذیر، ج:۱،ص: ۱۹،طبع اول:۱۴۱۶/۱۹۹۶ء دارالفکر،بیروت)

یعنی حدیث میں "رأس مأة" سے مراد آغاز صدی ہے،اس لیے کہ اہل عرب "رأس الشيئ "بول کر شی کا بالائی حصہ اور "رأس الشهر "سے ابتداے ماہ مراد لیتے ہیں۔

گوکہ امام مناوی "رأس مائة" کے معنی آغاز صدی بتلاتے ہیں اور لغوی اعتبار سے یہ ترجمہ درست بھی ہے،مگر یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ اس کے لغوی معنی محض ابتداے صدی نہیں،بلکہ اختتام صدی بھی ہیں۔اور یہاں حدیث میں یہی معنیٔ ثانی مراد ہے۔اس لغوی پہلو پر گفتگو سے پہلے ہم "رأس مأة" سے متعلق چند مفید باتیں ذکر کر رہے ہیں۔

☆حضرت ملاعلی قاری نے دونوں معنی بیان کیے ہیں،مگر "إنتهائه" کو "إبتدائه "پر جو مقدم کیا ہے،اس سے پتہ چلتا ہے کہ "رأس مأة"بمعنی اختتام صدی ان کے نزدیک راجح ہے۔دیکھیں ان کی عبارت:

"علی رأس کل مائة سنة"أي :إنتهائه أو إبتدائه".(مرقاۃ المفاتیح،ص:۴۶۱،بہ تفصیل سابق)

☆علامہ طاہر محدث پٹنی(م:۹۸۶ھ) مجمع بحارالانوار میں فرماتے ہیں:

"والمراد من انقضت المائة وهو حی، عالم ،مشهور "

یعنی راس مأۃ پر مبعوث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صدی جب ختم ہو تو وہ شخص باحیات اور شہرت یافتہ عالم دین ہو۔

☆مجدالدین ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

وإنما المراد بالذکر من انقضت المأة ،وهو حي، عالم ،مشهور،مشار إلیه.

(جامع الاصول فی احادیث الرسول، ج:۱۱ ،ص: ۳۱۳، حدیث نمبر:۸۸۸۱ ،طبعۂ اولی: ۱۴۱۸/ ۱۹۹۸، دارالکتب العلمیه، بیروت)

یعنی بعثت مجدد سے مراد یہ ہے کہ صدی ختم ہونے کے وقت وہ مجدد زندہ،عالم،مشہور اور مشار الیہ ہو۔

☆حافظ جلال الدین سیوطی(م:۹۱۱ھ)اپنے"مجدد نامہ"بنام: "تحفة المهتدین بأخبار المجددین"میں فرماتے ہیں:-

والشرط فی ذلك أن تمضی مأة   وهو علی حیاته بین الفئة

یشار بالعلم إلی مقامه   وینشر السنة فی کلامه

یعنی اس سلسلے میں شرط یہ ہے کہ صدی گزر جاے اس حال میں کہ وہ شخص اپنی قوم میں باحیات رہے،علم وفضل کی بنیاد پر وہ مشار الیہ ہو،اور اس کے کلام سے سنت کی نشر واشاعت ہوتی ہو۔

(خلاصة الأثر في أعیان القرن الحادي عشر ،ج: ۳ص: ۳۴۴،ناشر: المکتبة الوهبیة)

مذکورہ تینوں اقتباس کا ماحصل یہ ہے کہ مجدد اپنے کارناموں کی بنیاد پر مشہور،مشار الیہ اور مرجع اصحاب علم وفضل ہو چکا ہو

اسی حالت میں بعثت والی صدی گزر جائے اور ایسا عادتاً اسی صورت میں ہوگا جب کہ "رأس مأة" سے مراد اختتام صدی ہو۔

اس کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ امام زہری، احمد بن حنبل، امام حاکم، امام جلال الدین سیوطی اور امام الشان ابن حجر عسقلانی وغیرہم ائمہ متقدمین و متاخرین سب نے متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے کہ "رأس مأة" اولی (پہلی صدی) کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز (۶۱ھ-۱۰۱ھ) ہیں اور امام زہری (م ۱۲۵ھ) کے علاوہ سبھی حضرات "مأة ثانيه" (دوسری صدی) کا مجدد امام شافعی (۱۵۰ھ-۲۰۴ھ) کو ماننے پر متفق ہیں۔

اگر "راس مأۃ" سے "آخری صدی" نہیں بلکہ "آغاز صدی" مراد ہوتی تو یہ اجلۂ محدثین ہرگز انہیں پہلی اور دوسری صدی کے مجدد قرار نہ دیتے، بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو دوسری صدی کا اور امام شافعی کو تیسری صدی کا مجدد قرار دیتے۔

یہ حضرات حدیث تجدید کو پیش نظر رکھتے ہوئے پہلی اور دوسری صدیوں کے مجدد کی تعیین کر رہے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی صدی کے آخر کو انھوں نے راس مأۃ اولی اور دوسری صدی کے آخر کو راس مأۃ ثانیہ قرار دیا ہے۔

"راس مأۃ" بمعنی "اختتام صدی" لغوی اعتبار سے بھی درست ہے: یہ نہ سمجھا جائے کہ لغوی اعتبار سے تو "راس مأة" کا معنی: آغاز صدی ہے، تو پھر اس کو چھوڑ کر "اختتام صدی" مراد لینے پر کیوں اصرار کیا جارہا ہے؟ اس لیے کہ "راس مأة" کا لغوی معنی محض "ابتدائے صدی" نہیں بلکہ "انتہائے صدی" بھی ہے۔

تاج العروس میں سید مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں: "رأس الشيئ: طرفه، وقيل آخره"

یعنی "راس شئ" کا معنی ہے "شئ کا کنارہ" اور ایک قول کے مطابق شئ کے آخری حصے کو بھی "راس شئ ہے" کہا جاتا ہے۔

(تاج العروس من جواہر القاموس)

"راس مائة" بمعنی اختتام صدی ہونے پر حدیثی شواہد: "رأس مأة" سے "آخری صدی" مراد لینا کوئی نئی بات نہیں بلکہ احادیث میں اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) "عن ابن عمر، أرأيتكم ليلتكم هذه؛ فإن على رأس مأةسنة منها لا يبقى ممن هو على ظهر الأرض أحد"

(صحيح البخاري، كتاب العلم، السمر بالعلم، ج:۱، ص:۲، مجلس بركات اشرفيه، مبارك پور)

اس کا پس منظر یہ ہے کہ آقا ﷺ نے اپنی عمر کے آخر ایام میں ایک رات نماز عشا پڑھانے کے بعد ارشاد فرمایا "میں تمہیں آج کی اہمیت بتاتا ہوں آج جو لوگ زمین پر ہیں ان میں سے کوئی بھی آج سے "راس مأة" (یعنی ختم صد سال) پر باقی نہ رہے گا۔

اس حدیث میں بلاشبہ "رأس مأة" سے مراد آخری صدی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" میں "رأس مأة" کی توضیح میں فرمایا ہے: "عند إنتهاء مأةسنة' یعنی کسی صدی کے ختم ہونے کا جو وقت ہے، اس کو "رأس مأة سنة" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

بعثه الله على رأس أربعين سنة،فأقام بمكة عشرين سنة، و بالمدينة عشر سنين ،توفاه الله على راس ستين سنة...الخ (الترمذي ،المناقب عن رسول الله،باب ما جاءفي مبعث النبي، ج:٢، ص:٢٠٣، مجلس بركات اشرفيه،مبارك پور)

اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راس اربعین یعنی چالیس سال کے اختتام پر مبعوث فرمایا،آپ نے مکہ میں بیس سال اور مدینہ میں دس سال قیام فرمایا،راس ستین یعنی ساٹھ سال کے اخیر میں آپ کا وصال ہوا۔

مجمع بحار الانوار میں شیخ طاہر محدث پٹنی فرماتے ہیں:

توفاه الله على رأس ستين :أي :آخره .ورأس آية آخرها.

یعنی حدیث میں "توفاه الله على رأس ستين" میں "رأس ستين" سے مراد ساٹھ سال ہے اس لیے کہ "رأس آية" سے مراد آخر آیت ہوتا ہے۔

شرف الدین حسین بن محمد طیبی نے لکھا ہے:

"الرأس مجاز عن آخر السنة وتسميته رأسا باعتبار أنه مبدأ السنةالأخرى."

(حاشيۂ ألتنبئه لسيوطى،ص:١٢،به تفصيل سابق)

"یعنی "رأس مأة" مجازاً "آخر السنة" کے معنی میں ہے،اور "آخری صدی" کو "رأس صد" سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ آنے والی دوسری صدی کا مبدا اور سرا ہوتا ہے۔

فقیہ بے مثال امام احمد رضا محقق بریلوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"تحقیق لفظ کے لیے گزارش ہے کہ حدیث میں "رأس" حسب محاورۂ عرب ضرور بمعنی آخر ہے۔ولہٰذا علمائے کرام ارشاد فرماتے ہیں:مجدد کے لیے ضروری ہے: أن تمضي عليه المأة وهو عالم، مشهور، مفيد(اس پر صدی گزرے اس حال میں کہ وہ مفید مشہور عالم ہو)لیکن اشیائے متوالیہ میں حد فاصل ایک آن مشترک ہوتی ہے کہ وہ جس طرح اول کے آخر ہے،یوں ہی آخر کے اول،اور عمل تجدید مجدد ہرگز ختم صدی سے ختم و منتہی نہیں ہوجاتا،بلکہ وہ آخر اول،و اول آخر دونوں میں ہوتا ہے،"تمضي عليه المأةوهو كذا" ہی اس پر دلیل ہے۔(فتاوی رضویہ،ج:۲۷،ص:۴۱،مرکز اہل سنت برکات رضا،پوربندر گجرات)

ملک العلماعلامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ شاگرد و خلیفۂ امام احمد رضا قادری قدس سرہ ،فاضل لکھنوی مولانا عبد الحی فرنگی محلی(متوفی:۱۳۰۴ھ)کے مجموعۂ فتاوی(ج۲ص۱۵۱-۱۵۲)سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رأس مأۃ سے مراد باتفاق محدثین آخر صدی ہے"۔(چودھویں صدی کے مجدد" از:ملک العلماعلامہ ظفر الدین بہاری، ص:۳۱، ناشر:طلبہ جماعت رابعہ:جامعہ اشرفیہ مبارک پور،سنہ طباعت:۱۴۰۱ھ/۱۹۸۰ء)

اختتام صدی میں کتنے سال شامل ہیں؟ گزشتہ سطور سے معلوم ہوا کہ "رأس مائة" سے مراد آخری صدی

ہے، اور یہ وقت مجدد کی پیدائش کا نہیں بلکہ بعثت کا ہے —— ہاں! یہاں اب بھی ایک سوال رہ جاتا ہے کہ ''رأس مائة''میں اخیر کے کتنے سال شامل ہوں گے۔ دس، بیس، تیس یا چالیس؟

متقدمین ومتاخرین نے تجدید کی جو تفصیلات کی ہیں، اس میں تو اس بات کی صراحت نہیں ملتی، البتہ اس شرط ''أنقضت المائة وھو حي، عالم، مشھور، مشار إلیه''جس کو سارے حضرات نے بیان کیا ہے، پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ حصول علم ظاہری وباطنی سے سرفراز ہو چکنے کے بعد بھی صدی کے اختتام میں مجدد کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہیے کہ:

☆اس میں قابل قدر دینی کارنامہ انجام دے۔

☆اس سے انتفاع درجۂ شہرت کو پہنچ جائے اور وہ متعارف اور مشارالیہ ہو جائے۔

☆اور اسی حالت میں بعثت والی صدی گزر جائے۔

اب مرجع انام ہونے میں کتنے سال درکار ہوں گے؟، ظاہر یہ ہے کہ اس کی حد بندی نہیں کی جاسکتی کہ یہ سب حالات، زمانے اور مواقع کے اعتبار سے مختلف ہو جاتے ہیں؛ اس لیے کہ اگر مجدد صاحب اقتدار ہے تو سنت کے نشر واشاعت اور بدعتوں کا قلع قمع کرنے کے لیے ایک سال، بلکہ ایک مہینہ ہی کافی ہے۔

اور اگر وہ صاحب اقتدار نہیں، بلکہ محض عالم ہے تو اس کی بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً: اسے کسی بادشاہ، سلطان وغیرہ صاحب اقتدار کی حمایت حاصل ہو، ایسی صورت میں بھی اس کے مرجع، مشہور اور مشارالیہ ہونے کے لیے برسوں کی حاجت نہیں۔ اور اگر وہ محض اپنے بل بوتے پر آمادۂ کار ہے تو اس کی بھی کئی وجہیں نکل سکتی ہیں۔

مختصر یہ کہ سالوں میں اس کی حد بندی درست نہیں، ہاں! گزشتہ شرط ''أنقضت المائة وھو حي، عالم، مشھور، مشار إلیه'' کا ضرور پاس ولحاظ کیا جائے گا۔ اور اسی آئینے میں مجدد کی تعیین درست قرار پائے گی؛ لہٰذا:

☆امام مالک بن انس———————۹۳ھ——۱۷۹ھ

☆امام ابو حاتم رازی———————۱۹۵ھ——۲۷۷ھ

☆خلیفہ مقتدر باللہ———————۲۹۳ھ——۳۳۱ھ

☆محمد بن عمر عابدین دمشقی———————۱۱۹۸ھ——۱۲۵۲ھ

کو ان کی بے پناہ دینی خدمات کے باوجود ''مجدد دین'' کی فہرست میں شامل نہیں کیا جاسکتا (جیسا کہ بعض حضرات نے کیا ہے) کہ مذکورہ شرط مفقود نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ پیدائش کے سات، پانچ یا دو ہی سال میں کوئی مرجع اہل علم مشہور اور مشار الیہ نہیں ہو سکتا علما نے اس کی بھی صراحت فرمائی ہے کہ درمیان صدی میں پائے جانے والے بہت سے علما وعرفا مجدد سے افضل ہو سکتے ہیں۔ مجدد کے لیے یہ ضروری نہیں کہ صدی بھر کے تمام علمائے اعلام اور خادمان اسلام سے افضل ہو۔ ملاحظہ ہو امام جلال الدین سیوطی کا رسالہ ''التنبئة بمن یبعثه الله علی رأس مائة''.

امام اعظم مجدد کیوں نہیں؟ کسی کے ذہن میں یہ خلجان ہو سکتا ہے کہ آخر امام اعظم ابو حنیفہ حضرت نعمان بن

ثابت رضی اللہ عنہ (۸۰ھ- ۱۵۰ھ) کو مجددین کی فہرست میں کیوں نہیں شمار کیا گیا ہے حالاں کہ ایک مجدد کو جن صفات کا حامل ہونا چاہیے ان میں سے کسی بھی صورت میں آپ کم نظر نہیں آتے، بلکہ آپ تو مجتہد مطلق بھی ہیں، جو "مجدد" سے اوپر کا ایک درجہ ہے۔

پھر مقلد مسلک حنفی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) جب رأس مائۃ کے ۲۸؍سال پاکر "مجدد" تسلیم کیے جاسکتے ہیں تو پھر بانیٔ مسلک حنفی حضرت نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ (۸۰ھ-۱۵۰ھ) کو مجدد کیوں نہیں کہہ سکتے انھوں نے تو ۲۸؍ ہی نہیں بلکہ ایک قول کے مطابق ۳۰؍ سال پائے ہیں۔ شاید اس سلسلے میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات عصبیت کی نذر ہو گئی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تحقیق حال کیے بغیر کسی پر عصبیت کا الزام رکھنا صحیح نہیں، وہ بھی محدثین وفقہا جیسی تقدس مآب شخصیتوں پر، اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ "مجدد شماری" کا جو پیمانہ محققین کے نزدیک ہے اس کے تحت آپ نہیں آتے، تفصیل سے یہ بات گزر چکی ہے کہ رأس مائۃ ختم ہونے کو ہو اور "مجدد" اپنے دینی کارناموں کی بنیاد پر مشہور و معروف، مشار الیہ اور مرجع خاص و عام ہو چکا ہو۔ "بعثت علی رأس مائة" کا یہی مطلب ہے۔

اور امام اعظم کا حال یہ ہے کہ صدی ختم ہو رہی ہے اور آپ اپنے آبائی پیشہ تجارت سے جڑے ہوئے ہیں، وہ تو محدث شعبی نے جب آپ کے اندر چھپے ہوئے علم وفضل کے جوہر کو پہچان کر تحصیل علم کا مشورہ دیا تو آپ ۹۹ھ میں علم کی طرف راغب ہوئے، اور جہد پیہم، عمل مسلسل اور خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اپنے معاصرین و مجتہدین پر فائق ہو گئے۔

ظاہر ہے کہ جب حدیث میں "بعث علیٰ رأس مائة" آیا ہے تو صرف "ولادت علیٰ رأس مأة"۔ یا۔ "وجود علیٰ رأس مائة" کو بنیاد بناکر "مجدد" کیوں کہا جائے گا؟

"رأس مائۃ" کی قید اتفاقی ہے یا احترازی: بعض حضرات کا خیال ہے کہ حدیث میں "رأس مائۃ" کی قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی یا اغلبی ہے، لہٰذا اگرچہ عموماً مجددین "رأس مائۃ" پر پائے گئے ہیں۔ مگر صدی کا صرف درمیانی حصہ پانے والے بھی مجدد ہو سکتے ہیں۔ زمانۂ حال کے بعض عرب مصنفین نے مجددین کی فہرست میں بہت سے ایسے حضرات کو بھی شامل کر لیا ہے، جو ابتدائے صدی یا وسط صدی میں پیدا ہوئے ہیں، گویا یہ حدیث "حدیث مجدد" نہیں "حدیث انقلابی" ہے، جو ہر انقلابی فکر و مزاج رکھنے والے افراد پر صادق آسکتی ہے۔

مگر اس نظریے کو قابل اعتبار نہیں ٹھہرایا جاسکتا، ورنہ تو سارے علما و فضلا اس کے تحت شامل ہو جائیں گے اور یہ حدیث خصوصیت مزید کی حامل نہ ہو گی، محدثین کی ساری تشریحات جو اس حدیث کے تعلق سے ہیں، بے سود ٹھہریں گی اور اس طرح بہت بڑا حادثۂ علمیہ رونما ہو جائے گا۔ خدمت دین، قرب الٰہی اور اپنے کارناموں کی بنا پر نمایاں بلکہ افضل و برتر ہونا اور چیز ہے، اور منصب تجدید پانا اور چیز ہے۔

امام احمد بن حنبل، امام حاکم، امام بیہقی، علامہ طاہر محدث پٹنی، امام الشان ابن حجر عسقلانی، حافظ جلال الدین سیوطی جیسے بڑے بڑے محدثین نے اسے قید احترازی ہی سمجھا ہے اور اسی کے مطابق مجددین کی فہرستیں پیش کی ہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ عظیم

محدثین وفقہا کو محض اس وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے کہ ان کی بعثت رأس مائۃ پر نہیں ہوئی، حالاں کہ مجددین کی فہرست میں شامل بعض حضرات سے بدرجہا فائق ہیں۔ مثلاً:

سراج امت امام اعظم ابو حنیفہ ــــــــــ (۷۰ھ-۱۵۰ھ)

محمد بن اسماعیل بخاری ــــــــــ (۱۹۴ھ-۲۵۶ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری ــــــــــ (۲۰۴ھ-۲۶۱ھ)

ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ قید احترازی ہے، اتفاقی نہیں ورنہ علم اور علما کی فضیلت میں وارد احادیث میں سے ایک حدیث سمجھی جائے گی اور خصوصیت مزید کی حامل نہ ہوگی۔ بعید نہیں کہ "رأس مائۃ" کو اتفاقی کہنا محض غلبۂ محبت اور جذبۂ عقیدت سے سرشاری کا نتیجہ ہو، مگر یہ خیال نہ رہا کہ عام کرنے کی صورت میں اس عہدے کی مزید خصوصیت نہیں رہ جاتی۔

ایسا ہو سکتا ہے کہ اس صدی میں "مجدد" سے بھی بڑا عالم اور عظیم فقیہ خدمت دین میں مصروف ہو، مرجع انام بھی ہو اس کے باوجود کسی ایک شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے اس کا شمار مجددین میں نہ ہو، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ تو اس کی توہین ہو گئی کہ اس کے ہوتے ہوئے اس سے کم رتبہ شخص کو "مجدد" تسلیم کر لیا گیا۔ امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

"قد يكون في أثناء المائة من هو أفضل من المجدد على رأسها، كذا رأيته لبعض المتأخرين"۔

(مرقاۃ الصعود، ج:۱، ص:۱۰۶۵، طبع: دار ابن حزم، بیروت)

یعنی کبھی دوران صدی ایسا شخص بھی ہوتا ہے جو رأس مائۃ پر تجدیدی کام کرنے والے سے بہتر ہوتا ہے بعض متأخرین کے قلم سے میں نے اس کی صراحت دیکھی ہے۔

رأس مائۃ پر مجدد بھیجنے کا راز کیا ہے؟ کسی کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ صدی کے اختتام پر ہی مجدد کی بعثت کیوں ہوتی ہے؟ اور ابتدائے صدی یا وسط صدی میں اس بات کا اہتمام کیوں نہیں کیا جاتا، آخر اس میں حکمت کیا ہے؟ اس کا جواب جاننے کے لیے حسب ذیل اقتباس پڑھیں:

"ماہرین تاریخ انسانیت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ہر سو سال کے بعد دنیا کے بہت سے حالات و معاملات عموماً تغیر پذیر ہو جاتے ہیں، انسانوں کا مذاق و معیار بدلنے لگتا ہے، زبان و ادب میں نمایاں تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں، ایک نسل کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور دوسری نسل اس کی جگہ سنبھال لیتی ہے۔ جس کی تائید و تصدیق حدیث مندرجہ ذیل سے ہو جاتی ہے:

"سرور کائنات ﷺ نے اپنی عمر شریف کے آخر ایام میں ایک رات عشا کی نماز پڑھائی، سلام پھیر کر جب فارغ ہوئے، تو کھڑے ہو کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمھیں آج کی اہمیت بتاتا ہوں، اس رات سے سو برس کے آخر تک روئے زمین پر رہنے والا کوئی شخص زندہ نہیں رہے گا۔"

فکر و مزاج کی تبدیلی کا دائرہ چوں کہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہتا ہے اور نئے پیدا شدہ حالات میں ہمہ گیر قیادت و رہنمائی بسا اوقات شخص واحد کے لیے نہایت دشوار ہو جاتی ہے؛ اس لیے علمائے کرام کی ہدایات و تشریحات کے مطابق علم و فضل، دین

ودیانت، زہدوورع، فکری قوت واستعداد اور استقامت وعزیمت جیسی صفات کے حامل متعدّد اصحاب تجدید دین واحیاے ملت، وقت واحد میں بھی اپنی تجدیدی خدمات انجام دیتے رہے ہیں اور دیتے رہیں گے۔"

(مولانا لیٰسین اختر مصباحی، امام احمد رضا اور جدید افکار ونظریات، ص:۶۸، دار القلم دہلی، طباعت:۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "التنبئة بمن يبعثه الله علىٰ رأس كل مائة" میں اس تعلق سے تفصیلی بحث کی ہے، ہم اس کا خلاصہ آپ کی نذر کررہے ہیں:

"ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں حدیث کی تخریج کی ہے:

حدثنا يحيىٰ بن عبدالله قزويني، حدثنا خلف بن الوليد، حدثنا مبارك بن فضالة، عن علي بن زيد، عن عبد الرحمٰن بن أبي بكر، عن أبي العريان بن الهيثم، عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه قال: ماكان منذ كانت الدنيا رأس كل مائة إلاكان عند المائة أمر.

(التنبئه للسيوطى، ص:٦٨، به تفصيل مذكور)

یعنی جب سے دنیا قائم ہے ہمیشہ ہر صدی کے اختتام پر کوئی نہ کوئی سنگین معاملہ رونما ہوتا ہے۔

اس حدیث سے مجھے (سیوطی) یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ہر صدی کا اختتام اپنے جلو میں کوئی نہ کوئی سخت آزمائش لیے نمودار ہوتا ہے، جس سے نمٹنے کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی عظیم عطیہ عنایت فرماتا ہے، یہ عظیم عطیہ وہی مجدد ہوتا ہے جسے خداوند قدوس اپنے مذہب کی تجدد واحیا کے لیے مبعوث فرماتا ہے، یہ مجدد بندگان خدا کے لیے رحمت الٰہی بن کر جلوہ گر ہوتا ہے اور صدی کی سنگین آزمائشوں کی وجہ سے دین میں درآئی خرابی اور نقصان کی تلافی کرتا ہے۔

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو "كتاب الملاحم" میں ذکر کیا ہے اس سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے کہ "رأس مائة" میں کوئی فتنۂ عظیم واقع ہوتا ہے جس کے دفاع کے لیے مخصوص صفات کی حامل شخصیات کو اللہ تعالیٰ مبعوث کرتا رہتا ہے۔ آخری زمانے میں جب دجال کا خروج ہوگا وہ گھڑی بھی اختتام صدی کی ہوگی، چوں کہ رأس مائۃ میں ابھرنے والے فتنوں میں سب سے خطرناک فتنہ دجال کا فتنہ ہوگا؛ لہٰذا اس کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کے مجدد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب فرمایا جو گزشتہ سارے مجددین حضرات پر اپنی خصوصیت کی بنیاد پر فائق ہیں۔

اب ذیل میں ہم اس بات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں کہ کس صدی میں کن کن فتنوں نے سر اٹھایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دفاع میں کن کن مقدس شخصیات کو مبعوث فرمایا۔

پہلی صدی: پہلی صدی میں جب حجاج بن یوسف ثقفی (م:۹۶ھ) کے ظلم وستم سے انسانیت لرز اٹھی اور اس کے فساد نے بڑے بڑوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، تو اللہ تعالیٰ نے عمر بن عبد العزیز کے ذریعے پھر سے اس مذہب کی تجدید فرمائی۔

دوسری صدی: دوسری صدی میں خلیفہ مامون رشید ایک عظیم فتنہ بن کر کھڑا ہوا، جس نے مسئلۂ خلق قرآن اور دوسری بہت سی اعتقادی بدعتیں زیر بحث لاکر علماے وقت کو آزمائشوں سے دوچار کردیا، یہ فتنہ اس قدر سنگین ثابت ہوا کہ پڑھی لکھی

آبادیاں بھی اس سے نہ بچ سکیں، جنھوں نے قرآن کو مخلوق نہ مانا انھیں زدوکوب کیا گیا، قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے، بلکہ بہت سے اللہ کے مقرب بندوں کو تو جان سے بھی ہاتھ دھودینا پڑا۔

ایسے نازک حالات میں اللہ تعالیٰ نے امام شافعی کو بھیج کر لوگوں کے ایمان وعقیدے کی حفاظت فرمائی۔ آپ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے خلق قرآن کے قول پر فسق کا فتویٰ دیا اور قائل کی تکفیر فرمائی ہے۔

تیسری صدی: تیسری صدی پر نظر ڈالتے ہیں تو "قرامطہ" کا فتنہ نظر آتا ہے جو بہت سے ممالک میں فتنہ وفساد پھیلانے کے بعد مکہ میں داخل ہوا اور مسجد حرام کو حاجیوں کے خون سے رنگین کر دیا۔ اللہ کے ان مہمانوں کو بے دریغ قتل کر کے لاشوں کو چاہ زمزم میں ڈال دیا، حجر اسود کی بے حرمتی کی، اسے توڑ ڈالا پھر لے کر اپنے شہر آگئے، بیس سال سے زائد عرصے تک یہ مقدس پتھر خانہ کعبہ سے جدا ہو کر ان کے پاس پڑا رہا، پھر تیس ہزار دینار کے عوض خرید کر بعد میں اپنی جگہ نصب کیا گیا۔

چوتھی صدی: چوتھی صدی کا مطالعہ کریں تو آپ کو حاکم بامر اللہ کا فتنہ نظر آئے گا، بلکہ بعض اعتبار سے دیکھیں تو یہ فتنہ فتنۂ حجاج سے بھی زیادہ شر انگیز تھا؛ کیوں کہ حجاج نے بھی کبھی اپنے لیے سجدے کو روا نہیں رکھا، مگر اس فتنے کا اقتضا یہ تھا کہ جب جب خطبے میں حاکم بامر اللہ کا نام آئے لوگ سجدہ ریز ہو جائیں، اس طرح کے بہت سے خرافات تاریخ کے صفحات میں درج ہیں جنھیں حاکم بامر اللہ نے فروغ دیا ہے۔

اس اتفاق کا ذکر بھی تعجب سے خالی نہ ہوگا کہ ۴۰۷ھ میں ایک طرف تو رکن یمانی کعبۂ معظمہ سے علیٰحدہ ہو گیا، تو دوسری جانب قبر انور ﷺ کی دیوار گر گئی اور تیسرا حادثہ یہ ہوا کہ مسجد اقصیٰ کا بڑا گنبد صخرۂ بیت المقدس پر آگرا۔

پانچویں صدی: پانچویں صدی کے حالات کا آپ جائزہ لیں تو بہت سے انقلابات میں سے ایک یہ بھی نظر آئے گا کہ شام کے بہت سے اسلامی شہروں پر فرنگیوں کا تسلط قائم ہو گیا، بیت المقدس کے پاسبانوں کے ساتھ فرنگیوں نے ایسا خونی کھیل کھیلا کہ ستر ہزار سے زائد افراد نے جام شہادت نوش فرما لیا، جب کہ بچے کھچے مسلمانوں نے شام سے بھاگ کر عراق میں پناہ لی، اس طرح بیت المقدس فرنگیوں کے چنگل میں آگیا، بعد میں حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان کے ہاتھوں سے آزاد کرایا۔

چھٹی صدی: چھٹی صدی ہجری میں تاتاریوں کا خروج ہوا، جن کے ذریعے مسلمانوں کی ایسی جانی اور مالی تباہی و بربادی ہوئی کہ پہلے نہ دیکھی گئی تھی، برسہا برس کی محنتوں سے تیار علمی اثاثہ ان درندہ صفت انسانوں کے ہاتھوں دریا کی نذر ہو گیا، تاریخ کے صفحات میں تاتاریوں کی ساری کارگزاریاں آج بھی محفوظ ہیں۔

ساتویں صدی: ساتویں صدی ہجری میں دیار مصر و شام میں "غلاء" اور "فنا" نامی دو فتنوں نے سر ابھارا، جنھوں نے گدھے، خچر اور کتوں کے گوشت کھانے میں اس قدر رغبت دکھلائی کہ اس وقت یہ تینوں جانور بہت کم رہ گئے ــــــ اس صدی میں تاتاریوں نے بھی شام کے بعض شہروں میں قہر ڈھائے۔

آٹھویں صدی: آٹھویں صدی ہجری میں تیمور لنگ کا وجود اسلام کے لیے خطرناک ثابت ہوا۔

نویں صدی: نویں صدی جس میں ہم (سیوطی) سانس لے رہے ہیں ان میں تین قابل ذکر حادثات مجھے نظر آتے ہیں:

(۱) پہلا یہ کہ جزیرۂ اندلس کے چند شہر جیسے: غرناطہ وغیرہ فرنگیوں کے چنگل میں آ گئے۔

(۲) دوسرا "سنی" نام کے خارجیوں کا جتھا نکلا، جو "تکرور" کے باشندوں کو بیس سال تک مشق ستم بناتا رہا یہاں تک کہ ۹۵۷ھ میں اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔

(۳) تیسرا حادثہ یہ ہے کہ روئے زمین میں جہالت عام ہوگئی ہے اور تمام علاقے حقیقی اور فنی علما کے وجود سے خالی ہو گئے ہیں۔ یہ اتنا بڑا حادثہ ہے کہ اس سے پہلے یہ بات نہ پائی گئی تھی۔

(انتہی کلام السیوطی، ص:۶۸۔ تا۔۷۱ ملخصاً، دار الثقافۃ للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ)

یہ ایک استقرائی چیز ہے، اگر آپ بھی تاریخ کے صفحات الٹ کر دیکھیں گے تو ہر صدی میں کوئی نہ کوئی بڑا معاملہ ضرور پائیں گے اور مختلف علاقوں میں مختلف فتنوں کا وجود ملے گا۔ ظاہر ہے کہ ایک ہی شخص اتنے سارے فتنوں کو کیسے سر کر سکتا ہے؛ اس لیے محدثین کا ماننا ہے کہ ایک صدی میں بیک وقت کئی مجدد ہو سکتے ہیں۔

اس پہلو پر ہم آگے چل کے تفصیل سے بحث کریں گے، سر دست ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر صدی میں کچھ ایسی باتیں رونما ہوتی رہتی ہیں جن سے اسلامی تعلیمات وافکار کو نقصان پہنچنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے اور بہت سے عوام وخواص فتنوں کا شکار ہونے لگتے ہیں، تب اللہ تعالیٰ احقاق حق کے لیے اپنے کسی بندے کو بھیج کر ان کا سد باب فرماتا ہے۔

صدی کا شمار ولادت سے ہے یا بعثت سے یا رحلت سے: فرمان نبوی ﷺ سے تو بس اتنا ثابت ہے کہ ہر سو سال کے اختتام پر اللہ تعالیٰ مجدد بھیجے گا، مگر اس بات کا ذکر نہیں ملتا کہ صدی کا شمار کہاں سے ہوگا۔ چوں کہ اس میں بہت سے احتمالات تھے اس لیے علما کے درمیان اختلاف ہو جانا ایک فطری امر تھا۔

امام مناوی فرماتے ہیں:

"كل مائة سنة" يحتمل من مولدالنبوي،أوالبعثة،أوالهجرة،أوالوفاة،ولوقيل باقربية الثاني لم يبعد،لكن صنيع السبكي وغيره مصرح بأن المرادالثالث".

(مقدمة فیض القدیر، ج:۱، ص:۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، اشاعت: ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱)

"رأس مائة" کا اعتبار کہاں سے کیا جائے اس سلسلے میں میں چند احتمالات ہیں: ولادت نبوی ﷺ سے، بعثت نبوی سے، ہجرت نبوی یا وصال نبوی سے؟ اگر قول ثانی کو اقرب کہا جائے تو بعید نہیں لیکن امام سبکی وغیرہ کے طرز عمل سے یہ صراحت ہوتی ہے کہ یہاں ہجرت نبوی مراد ہے، محدثین کرام نے تجدید اور احیاے دین کے سلسلے میں جو لکھا ہے اس کے مطالعے سے بھی یہی لگتا ہے کہ صدی شماری میں ہجرت نبوی کا لحاظ کرنا ہی راجح ہے۔

صدی سے مراد ہجرت والی صدی ہے یا عیسوی؟ محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث میں صدی سے مراد ہجرت والی صدی ہے عیسوی نہیں، اب کسی کے ذہن میں یہ سوال آ سکتا ہے کہ جس وقت حضور ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے یہ الفاظ مبارکہ نکل رہے تھے اس وقت ہجرت والی صدی کا کوئی چرچا ہی نہ تھا؛ کیوں کہ یہ بعد کی ایجاد ہے، عہد فاروقی میں

ہجری کی اصطلاح قائم ہوئی، لہٰذا ظاہر تو یہی ہے کہ اس وقت جو عیسوی صدی کی اصطلاح رائج تھی حدیث میں وہی مراد ہے نہ کہ ہجری کی صدی، جس اصطلاح کا اس وقت وجود ہی نہ تھا۔ لہٰذا بلا وجہ ظاہر کو چھوڑ کر خلاف ظاہر مراد لینے پر ائمۂ حدیث کیسے متفق ہو گئے ہیں؟

امام جلال الدین سیوطی نے اس اعتراض کا بڑا ہی ایمان افروز جواب دیا ہے:

”فهل ظن أن النبيﷺلم يكن عالمابما سيحدث في أمته وبماسيقرر خلفاءه من بعده إن هذا لهوالضلال البعيد، وقدخطب النبيﷺخطبة فأخبرفيها بمايكون في أمته إلىٰ قيام الساعة وكان عالمابأن عمر رضي الله عنهسيصنع بعده التاريخ بالهجرة فماحدث أصحابه بذلك إلاّوقد علموامعناه وإلالسألواعن بيان المائة وابتدائها“.(التنبئة للسيوطی،ص:٦٥)

کیا معترض نے یہ گمان کر لیا ہے کہ آپ ان باتوں سے بے خبر تھے جو عن قریب آپ کی امت میں پیدا ہونے والی تھیں اور آپ کے خلفا جو آپ کے بعد رائج کرنے والے تھے؟ یہ تو کھلی گمراہی ہے۔

جب حضور ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں قیامت تک کے ہونے والے سارے حوادث بیان کر دیے، تو اس طرح کا گمان چہ معنیٰ دارد؟۔

حضور ﷺ جان رہے تھے کہ آپ کے بعد حضرت عمر کے ذریعے ہجری تاریخ وضع ہوگی، پھر حضور ﷺ نے جوں ہی یہ حدیث مجمع صحابہ میں بیان کی، صحابہ کرام فوراً اس کا مطلب سمجھ گئے، ورنہ ضرور پوچھ بیٹھتے کہ یا رسول اللہ ﷺ! صدی اور ابتدائے صدی سے کیا مراد ہے؟۔

مقام حیرت: امام جلال الدین سیوطی تو ایسی بات سن کر حیرت کا اظہار کریں، جس سے علم غیب مصطفیٰ ﷺ کی نفی ہوتی ہو، اور یہ آج کے لوگ ہیں جو علم غیب کا قول کرنے پر شرک شرک کا وظیفہ پڑھنے لگتے ہیں، اب دیکھنا ہے کہ امام سیوطی پر وہ کیا فتویٰ لگاتے ہیں!!!

خیر ضمناً یہ بات آگئی، بتایہ رہا تھا کہ حضور ﷺ کو معلوم تھا کہ میرے بعد ہجری تاریخ رائج ہو جائے گی، اسی تناظر میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔ امام سیوطی نے اس کے بعد اپنے موقف کے ثبوت میں ایک روایت پیش کی ہے:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب تدوین قرآن کا کام مکمل کر لیا اور مصاحف کی صورت میں وہ منظر عام پر آگیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”سمعت النبي ﷺ يقول:إن أشد أمتي حبا لي قوم يأتون من بعدي يومنون بي ولم يروني يعملون بمافي الورق المعلق“.

یعنی مجھ سے شدید محبت کرنے والی ایک قوم ہے، جو میرے بعد آئے گی، مجھ پر ایمان لائے گی حالاں کہ انھوں نے مجھے دیکھا نہ ہوگا، اور معلق ورق میں جو کچھ ہے اس پر عمل کرے گی۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب ورق کا ذکر سنا تو چونک گیا تھا، مگر اب مصاحف کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ یہ سن کر خوش ہوئے اور یہ پروانہ جاری کر دیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دس ہزار درہم دیے جائیں۔

دیکھیں! زمانہ نبوی میں جمع قرآن کی وہ نوعیت نہ تھی مگر اللہ کے نبی کو بذریعۂ وحی اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ عثمان غنی اپنے دور خلافت میں مصاحف کے اندر قرآن کی کتابت کرائیں گے۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی جان رہے تھے کہ وہ آگے چل کر ہجری تاریخ وضع کریں گے۔ کئی مرفوع حدیثیں بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں میری (سیوطی) ایک مستقل کتاب ہے تفصیل وہیں دیکھیں۔ (التنبئة للسیوطی، ص:۶۵۔ تا۔۶۶، ملخصاً بہ تفصیل سابق)

مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

”سنہ ہجری کا نظام اگرچہ خلافت فاروقی میں ہوا مگر نگاہ نبوت شرق و غرب میں ہونے والے نظام کو پہلے ہی دیکھ رہی تھی، تغیرات زمانہ اور پیدا ہونے والے نئے نئے تقاضوں سے پوری طرح باخبر تھی؛ اس لیے اس نے رب کائنات عزوجل کے اس فضل خاص کی پوری امت کو خوش خبری دی۔ (امام احمد رضا اور جدید افکار و نظریات، ص:۶۷، دار القلم، دہلی)

تجدید کا مفہوم کیا ہے؟: ”تجدید“ یہ عربی زبان میں باب ”تفعیل“ کا مصدر ہے، اس کے معنیٰ ہیں: ”تازہ کرنا، نیا کرنا اور جدت پیدا کرنا“۔

☆ حدیث میں ہے ”یجدد لھا دینھا“ یعنی مجدد کا کام یہ ہے کہ وہ امت کے لیے دین کو تازہ اور صاف و شفاف بنا دے۔

☆ اس کی شرح میں امام مناوی لکھتے ہیں:

”ما اندرس من أحکام الشرعیه، وما ذهب من معالم السنن، وخفي من العلوم الدینیة الظاهرة الباطنة“. (فیض القدیر، ج:۱، ص:۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، اشاعت:۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱)

یعنی مجدد کا کام یہ ہے کہ شرعی احکام پر جو مٹ چکے ہیں، سنتوں کے آثار جو ختم ہو گئے ہیں، اور دینی علوم ظاہری ہوں، کہ باطنی جو پردۂ خفا میں چلے گئے ہیں، ان کا احیا کرے۔

☆ علقمی نے ”سراج منیر“ میں ”تجدید“ کا مفہوم یوں لکھا ہے: ”إحیاء ما اندرس من العمل بالکتاب والسنة والأمر بمقتضاهما“. یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو عمل اب کرنا بند ہو گیا ہے، اس کو زندہ کرنے اور ان دونوں کے مقتضا کا حکم دینے کا نام ”تجدید“ ہے۔

(مضمون: برہان ملت علامہ برہان الحق، جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ، مشمولہ: مجدد اسلام، از: مولانا نسیم بستوی، ص:۱۷۳، ناشر: فیاض اینڈ سنس، کانپور)

☆ ملا علی قاری نے ”مرقاۃ المفاتیح“ میں لکھا ہے: ”یبین السنة من البدعة، و یکثر العلم، و یعز أهله،

و یقمع البدعة ،و یکسر أھلھا"۔(مرقاۃالمفاتیح،ج:۱،ص:۴۶۱،بہ تفصیل سابق)

یعنی مجدد کا کام یہ ہے کہ وہ سنت کو بدعت سے ممتاز کرے،علم میں اضافہ کرے اوراہل علم کوعزت وقوت دے اور بدعت واہل بدعت کی بیخ کنی کرے۔

خلاصہ یہ کہ مجدد وہی ہوگا جوعلوم دینیہ سے واقف ہواور ساتھ ہی رات دن اپنی توانائیاں سنتوں کے اِحیا،اس کی نشرو اشاعت اوراہل سنن کی نصرت وحمایت میں لگادے۔اور بدعتوں کومات دینے،برے امور کومٹانے اوراہل بدعت کی سرکوبی کے لیے سرگرم رہے۔

تجدید کا دائرہ بڑا وسیع ہے: مذکورہ مفاہیم کوسامنے رکھ کرتجزیہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ تجدید کا دائرہ بڑا وسیع ہے،محدود نہیں،جیساکہ بعض لوگوں نے سمجھ رکھا ہے اس لیے کہ اسلام کو پھیلانے اورسنتوں کوعام کرنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں:

☆بدعتوں کے رد میں کتابیں لکھ کر دنیا کوان کے خطرات سے آگاہ کیاجائے۔

اس سلسلے میں حجۃ الاسلام امام محمد غزالی(۴۵۰ھ—۵۰۵ھ)،امام فخرالدین محمد بن عمررازی(۵۴۴ھ—۶۰۶ھ)،امام جلال الدین سیوطی(۸۴۹ھ—۹۱۱ھ)اورامام احمد رضاخاں محقق بریلوی(۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ)کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

☆جن حدود میں حکمرانی ہو،وہاں سے بدعتوں کا قلع قمع کیاجائے اور سنتوں کی نشرواشاعت کی جائے۔

اس سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز(۶۱ھ—۱۰۱) حضرت خلیفہ قادر باللہ(۳۵۵ھ—۴۴۲ھ)،حضرت خلیفہ مستظہر باللہ (۴۴۰ھ—۵۱۲ھ)اور محی الدین اورنگ زیب عالم گیر(۱۰۷۲ھ—۱۱۱۸ھ)وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

☆اپنے تلامذہ کی ایسی جماعت تیارکردی جائے جوسنتوں کی اشاعت اور بدعتوں کے استیصال میں سرگرم ہو۔

اس سلسلے میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی(۹۵۸ھ—۱۰۵۲ھ) ملامحب اللہ بہاری(۰۰۰—۱۱۱۹ھ)،شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۱۵۹ھ—۱۲۳۹ھ)اور بحرالعلوم علامہ عبدالعلی فرنگی محلی(۱۱۴۴ھ—۱۲۲۵ھ)کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

☆ایسے علوم وفنون پراپنی سچی تحقیقات کی جائیں،زمانہ جن کا محتاج ہو اور جوقرآن وحدیث اوراسلام فہمی میں معین ومددگار ثابت ہوں۔جیسے:صرف،نحو،بلاغت اورلغات عربیہ کی توضیح وتشریح کرنا جن کی روشنی میں علماے وقت آسانی سے خدمت اسلام کرسکیں۔

اس سلسلے میں سید مرتضیٰ حسین زبیدی(۱۱۴۵ھ—۱۲۰۵ھ)کا نام لیاجاسکتا ہے۔

☆وعظ وارشاد کے کے ذریعے اسلامی افکار کی ترویج واشاعت کی جائے اور حال وقال ہر اعتبار سے برائیوں کا سدباب کی جائے۔

اس سلسلے میں حضرت معروف بن فیروز کرخی (۱۵۶—۲۰۱ھ)،سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی(۴۷۰ھ—۵۶۱ھ)،حضرت خواجہ معین الدین چشتی(۵۲۷ھ—۶۳۳ھ)اورحضرت خواجہ نظام الدین اولیا(۶۳۶ھ—۷۲۵ھ)کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

☆ظالم وجابر بادشاہ یا کسی صاحب اقتدار کی ماتحتی میں کسی اسلامی اصول کی بے حرمتی اور پامالی کی جارہی ہو اور باطل افکار و نظریات کو اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہو، اس کے خلاف آواز بلند کرکے لوگوں کے ایمان وعقیدے کو محفوظ رکھا جائے۔
اس سلسلے میں حضرت امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ—۲۴۱ھ) اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (۹۷۱ھ—۱۰۳۴ھ) کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

تجدید کے اس وسیع اور عام مفہوم کو شیخ مجد الدین ابن اثیر جزری نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

"والأولیٰ الحمل علی العموم ؛فإن لفظة"من" تقع علی الواحد و الجمع، ولا يختص أيضاً بالفقهاء؛ فإن إنتفاع الأمة بالفقهاء وإن كان كثيرًا، فانتفاعهم بأولي الأمر، وأصحاب الحديث،و القراء، والوعاظ،والزهد أيضاً كثير.

إذ حفظ الدين وقوانين السياسية، وبث العدل،وظيفة أولى الأمر.

و كذا القراء وأصحاب الحديث ينفعون بضبط التنزيل و الأحاديث التى هي أصل الشرع و أدلته.

و الوعاظ ينفعون بالوعظ و الحث على لزوم التقوى"

(جامع الأصول في أحاديث الرسول ، ملخصًا وملتقطاً، ج:۱۱، ص:۳۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبعۂ اولیٰ:۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء)

تجدید کو عموم پر محمول کرنا اولیٰ ہے؛ اس لیے کہ لفظ "من" (حدیث: من یجدد لها) واحد و جمع دونوں کے لیے ہے۔
یہ بھی یاد رہے کہ تجدید دین فقہائے کرام کے ساتھ ہی خاص نہیں؛ اس لیے کہ امت اگرچہ ان حضرات سے زیادہ نفع اندوز ہوتی ہے، تاہم امرا، محدثین، قرا، واعظین اور پاکباز زاہدوں سے بھی منتفع ہوتی رہتی ہے؛ کیوں کہ:

☆دین اور سیاسی قانون کی حفاظت، اور عدل وانصاف قائم کرنا اولوالامر کا کام ہے۔

☆قرا و محدثین حفظ قرآن اور حفظ احادیث جو دونوں شریعت کے اصول اور دلائل ہیں، کی خدمات انجام دے کر نفع بخش ثابت ہوتے ہیں۔

☆ اور واعظین اپنے وعظ وارشاد اور تقویٰ پر قائم رہنے کی تنبیہ وہدایت کے ذریعے امت کو فیض پہنچاتے رہتے ہیں۔

فائدہ: صاحب جامع الاصول کا نظریہ یہ ہے کہ دین کے ہر ہر شعبے کا علیحدہ علیحدہ مجدد ہوتا ہے، چنانچہ پہلی صدی سے پانچویں صدی تک کے مجددین کی جو فہرست ذکر کی ہے اس میں نام کے ساتھ اس بات کی بھی صراحت ہے کہ یہ فلاں صدی کے کس شعبے کا مجدد ہے۔

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی کے نزدیک تجدید کے مفہوم میں کتنی وسعت ہے اس کو جاننے کے لیے درج ذیل اقتباس پڑھیں:

" تجدید دین کا یہ کام صرف علما وفقہا کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ سلاطین، امرا، قرا، اصحاب حدیث، زاہدوں، عابدوں،

علماے نحو، ارباب سیر و تاریخ ـــــ نیز اغنیا و اسخیا جو علما و صلحا پر اور مصارف خیر میں مال خرچ کرتے ہیں اور دین کی ترویج و تقویت کا سبب بنتے ہیں، بلکہ ان تمام گروہوں کو بھی شامل ہے جن کے وجود سے دین کو قوت اور کمال و رواج حاصل ہوتا ہے۔

(اشعۃ اللمعات، ج:۱، ص:۵۱۱، مترجم: علامہ شرف قادری، مفتی محمد خان لاہوری، ناشر: اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس، دہلی)

محدثین کرام کی ان تمام گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ تجدید کا مفہوم بڑی وسعت کا حامل ہے اور وہ بھی اس قدر وسیع کہ بقول شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ اغنیا و اسخیا جو مال علما و صلحا پر اور مصارف خیر میں صرف کرتے ہیں، سب تجدیدی کام کے تحت آتے ہیں۔

اب یہ مشیت الہٰی پر منحصر ہے کہ دین میں در آئی خرابیوں کے استیصال کے لیے کس کو منتخب کرے، خواہ کسی فرد واحد کے ذریعے یہ کام لے لے، یا متعدّد افراد کے ذریعہ کام لے، یا پھر اس طور پر کہ مروجہ سارے فنون کسی ایک میں جمع کر دے اور وہ اس کی اشاعت میں لگا رہے، یا شخص واحد کو کسی ایک فن میں ممتاز کر دے، پھر اس مخصوص فن کو اپنی زبان، تدریس، تصنیف وغیرہ سے اس قدر روشن و تابناک بنا کر اور واضح انداز میں پیش کرے کہ وقت کے علما اس کی روشنی میں بہ آسانی مذہبی مسائل و معاملات کا حل ڈھونڈ سکیں۔

اس تناظر میں اگر ہم امام حاکم، امام بیہقی، امام ابن حجر عسقلانی اور امام سیوطی جیسے عظیم محدثین کرام کی پیش کردہ فہرست پر نظر ڈالیں؛ تو یہ اعتراض کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی کہ یہ تو فقط نحوی ہیں، یہ تو فقط صرفی ہیں، یہ تو فقط لغوی ہیں، فلاں نے تو محض تدریسی طور پر کام کیا ہے انھیں کیوں کر مجددین کی صف میں کھڑا کر دیا گیا ہے؟

ایک صدی میں کئی مجدد ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ تجدید اور احیاے دین کے سلسلے میں جو تحریریں ملتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ امر شروع سے نزاعی رہا ہے کہ ایک صدی میں ایک ہی مجدد ہوں گے، یا کئی ہو سکتے ہیں؟

قول اول: ایک صدی میں صرف ایک ہی مجدد ہوں گے۔

یہ نظریہ ابن عساکر، امام سخاوی وغیرہ محدثین کا ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی گو کہ دونوں کے قائل ہیں، مگر آپ کی کتاب "التنبئة بمن يبعثه الله علىٰ رأس كل مأة، مرقاة الصعود إلىٰ سنن أبي داؤد اور ۲۷/ اشعار پر مشتمل "مجدد نامہ" بنام تحفة المهتدين باخبار المجددين کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ قول اول یعنی ایک صدی میں ایک مجدد ماننا ہی ان کے نزدیک راجح ہے؛ اس لیے کہ وہ ایک صدی میں دو تین نام آجانے پر "أو" کر کے ذکر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں مؤرخ ابن عساکر کچھ زیادہ ہی سخت واقع ہوئے ہیں، چناں چہ جہاں اگر کسی محدث نے ایک صدی میں کئی نام شمار کرا دیے، تو آپ فوراً "راجح مرجوح" کی بحث شروع کر کے ایک کو اختیار کر لیتے ہیں، اور بقیہ کے مجدد ہونے کی نفی کر دیتے ہیں۔

حضرت مفتی محمد اقتدار احمد خاں نعیمی بھی اسی نظریے کے حامل ہیں اور اس پر ایک دلیل بھی پیش کی ہے۔ دیکھیں:

"مجدد فرد واحد ہو گا نہ کہ جماعت کثیرہ، اگرچہ دیگر علما اس کہ معاون بن جائیں، مگر اصل مجدد فقط ایک شخص ہی ہو گا؛ اس لیے کہ حدیث مذکورہ بالا میں "من" اسم موصول ہے، جو صرف وحدت کو چاہتا ہے"۔

(فتاویٰ نعیمیہ، ج:۲، ص:۳۹۷، ناشر: مکتبہ رضویہ، دہلی، اشاعت:۲۰۰۲)

بطور دلیل صرف وحدت کا دعویٰ کافی نہ ہوگا؛ اس لیے کہ مدمقابل یہ کہہ کر رد کر سکتا ہے کہ "من" "موصولہ" جہاں ایک کے لیے ہوتا ہے وہیں "عامہ" بھی ہوتا ہے جس پر تفاسیر معتبرہ کی بے شمار تصریحات شاہد ہیں۔ ہاں! درج ذیل روایت پیش کر کے اپنے موقف کو پختہ کیا جاسکتا ہے:

الناسخ والمنسوخ میں ابوجعفر نحاس نے درج ذیل حدیث کی تخریج کی ہے:

قال سفيان بن عيينه: بلغني أنه يخرج في كل مائة سنه بعدموت النبي ﷺ رجل من العلما يقوي به الله الدين۔ (مرقاۃ الصعود، ج:۱، ص:۱۰۵۸، طبعۂ اولیٰ:۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء، مطبع: دار ابن حزم، بیروت)

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی کہ موئخر ہر سو سال میں مقدم ایک ایسا عالم نکلے گا، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ دین کو تقویت بخشے گا۔

اسی طرح ابو اسماعیل ہروی نے حمید بن زنجویہ کی سند سے اس حدیث کی تخریج کی ہے:

قال: سمعت أحمدبن حنبل يقول: يروى فى الحديث عن النبي ﷺ: أن الله يمن على أهل دينه فى رأس كل مائة برجل من أهل بيتي يبين لهم أمر دينهم۔ (مرجع سابق)

یعنی حمید بن زنجویہ سے مروی ہے کہ میں نے احمد بن حنبل کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ سے روایت کی جاتی ہے کہ ہر صدی کے اختتام میں اللہ تعالیٰ اپنے مذہب والوں پر میرے اہل بیت کے کسی فرد کے ذریعے احسان فرمائے گا جو انھیں ان کے دینی امور سے روشناش کرائے گا۔ (مگر اس روایت کی سند منکر اور غیر معتبر ہے جیسا کہ امام سیوطی نے ذکر فرمایا ہے۔)

دیکھیں: مذکورہ دونوں روایتوں میں "رجل" ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر صدی میں ایک ہی مجدد ہوگا، اور "من" والی روایت میں جو وحدت و کثرت دونوں کا احتمال تھا وہ جاتا رہا، کہ "رجل" نے وحدت کو متعیّن کر دیا، پس ثابت ہوا کہ ایک صدی میں ایک ہی مجدد مبعوث ہوگا۔

قول ثانی: ایک صدی میں کئی مجدد ہو سکتے ہیں۔

امام بیہقی، مجد الدین ابن اثیر جزری، حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ اکثر محدثین اسی کے قائل ہیں کہ یہاں حدیث میں "من" عام ہے جو واحد و کثیر سب کو شامل ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے توالی التاسیس میں ذکر کیا ہے:

حمل بعض الائمة "من" فى الحديث على أكثرمن الواحد، وهوممكن بالنسبة لرواية "من"، لكن الرواية الّتي بلفظ "رجل" أصرح فى إرادة الواحد،من الرواية اللتى جاءت بلفظ"من" لصلاحية من للواحد فمافوقه.

(توالي التاسيس لمعالي محمد بن إدر يس، ص:۴۹، طبعہ اولیٰ:۱۴۰۶/۱۹۸۶، مطبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یعنی حدیث میں وارد لفظ"من" کو بعض ائمہ نے ایک سے زائد پر محمول کیا ہے،"من" والی روایت کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ ممکن بھی ہے، لیکن وہ روایت جو لفظ "رجل" کے ساتھ آئی ہے وہ واحد مراد لینے کے سلسلے میں زیادہ صریح ہے، بہ نسبت اس روایت کے جو "من" کے لفظ سے وارد ہے، کہ "من" میں وحدت و کثرت دونوں کی صلاحیت موجود ہے۔

اس کے بعد اپنا رجحان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولکن الذی یتعین فیمن تأخر،الحمل علی أکثرمن الواحد؛لأن فی الحدیث إشارة الیٰ أن المجددالمذکور یکون تجدیده عامافی جمیع أهل ذٰلك العصر وهٰذاممکن في حق عمر بن عبدالعز یز جداً، ثم فی حق الشافعی،أمامن جاءبعد ذلك فلایعدم من یشارکه فی ذٰلك۔

(توالی التاسیس ،ص:۴۹ بہ تفصیل مذکور)

لیکن متأخرین میں "من" کو ایک سے زیادہ پر محمول کرنا متعیّن ہے؛اس لیے کہ حدیث میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ مجدد مذکور کی تجدیدی خدمات اس زمانے کے تمام لوگوں میں شائع وذائع ہوں گی،ایسا عمر بن عبدالعزیز پھر امام شافعی کے حق میں تو ممکن ہے مگر ان حضرات کے بعد آنے والوں کو دیکھیں تو یکّہ و تنہا نہ ملیں گے ،کار تجدید میں ان کے شرکا بھی نظر آئیں گے۔

امام مناوی فرماتے ہیں:

لا مانع من الجمع فقد یکون المجدد أکثرمن واحد.قال الذهبی:"من"هنا للجمع لا للمفرد۔

(فیض القدیر،ج:۱،ص:۱۴،دارالکتب العلمیہ،بیروت،۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱)

یعنی یہاں جمع ممنوع نہیں کہ مجدد کبھی ایک سے زیادہ ہوتا ہے۔چناں چہ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ "من" یہاں جمع کے لیے ہے، مفرد کے لیے نہیں۔

امام بدرالدین اہدل "الرسالة المرضیة فی نصرة مذهب الأشعریة" میں فرماتے ہیں:

"إن المجددقدیکون واحداأوأکثر"۔(الرسالہ بحوالہ:التنبئہ للسیوطی،ص:۱۰۶۵)

یعنی کبھی مجدد ایک اور کبھی ایک سے زیادہ ہوتا ہے۔

علامہ ابن اثیر جزری جامع الاصول میں فرماتے ہیں:

"وذهب بعض العلماء إلیٰ أن الأولیٰ أن یحمل الحدیث علیٰ العموم؛فان قوله علیه السلام: إن الله یبعث لهٰذه الامة علیٰ رأس کل مائة سنة من یجددلهادینها،لایلزم منه أن یکون المبعوث علیٰ رأس المائة رجلا واحدا ، وإنما قدیکون واحدا، وقدیکون أکثرمنه؛ فإن لفظة "من"تقع علی الواحد والجمع".

یعنی بعض علما اس بات کے قائل ہیں کہ حدیث کو عموم پر محمول کرنا اولیٰ ہے،کیوں کہ فرمان رسالت ﷺ إن الله یبعث ...الخ سے یہ لازم نہیں آتا کہ رأس مائة پر ایک ہی شخص کی بعثت ہو،بلکہ کبھی ایک اور کبھی ایک سے زیادہ بھی ہوسکتے

ہیں؛ اس لیے کہ لفظ "من" واحد اور جمع دونوں کے لیے ہوتا ہے۔

(جامع الاصول، ج:۱۱، فصل اول، فی اخبارہ عن المغیبات، ص:۳۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس کے بعد اپنے موقف پر دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس لیے کہ امت کا اصل انتفاع امور دین میں ہے، لیکن اس کے سوا دوسرے امور میں بھی بہت انتفاع ہوتا ہے۔ مثلاً اولوالامر، اہل حدیث قراء، واعظین، عابد، زاہد لوگ اپنے اپنے فنون سے ایسا نفع امت کو پہنچاتے ہیں جو دوسرے سے ممکن نہیں، اس لیے کہ حفاظت دین میں اصل یہ ہے کہ قانون سیاست کی حفاظت ہو، عدل و انصاف عام ہو کہ اسی سے لوگوں کی جانیں محفوظ ہوتی ہیں اور شریعت کے قوانین برپا کرنے کی قدرت ملتی ہے اور یہ اولو الامر کی ذمہ داری ہے۔ اور زہاد اپنے وعظوں سے امت کو نفع پہنچاتے اور لوگوں کو تقویٰ پر ابھارتے ہیں اور دنیا میں زہد سکھاتے ہیں تو بہتر اور ٹھیک بات یہ ہے کہ " من یجدد" سے اکابر مشہورین کی ایک جماعت کے ہر صدی پر ظہور و حدوث کی طرف اشارہ ہو جو لوگوں کے دین کی حفاظت کریں، برائیوں، خرابیوں اور بے دینیوں کو بتا کر دین کی تجدید کریں۔ (ایضاً، ملخصاً، ملتقطاً)

ایک خاص امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مرفوع مروی ہے، جس کی متعدّد اجلہ نے تصحیح فرمائی اس میں لفظ "من" ہے جو واحد و کثیر دونوں کے لیے ہوتا ہے اور لفظ "رجل" جس روایت میں ہے وہ سند متّصل کے ساتھ مرفوع نہیں، حضرت سفیان بن عیینہ (م:۱۹۸ھ) نے اس کو بلاغاً ذکر کیا ہے اور حدیث کی روایت بالمعنیٰ محدثین میں رائج تھی بلکہ ہر دور میں اس کا رواج رہا؛ اس لیے، ہو سکتا ہے انھوں نے یہی سمجھا ہو کہ کم از کم ایک شخص ایسا ضرور ہو گا وہی انھوں نے بلاغاً بیان کیا۔ اور ان سے پہلے امام زہری نے پہلی صدی کے لیے ایک ہی شخصیت حضرت عمر بن عبد العزیز کا نام لیا۔ کار تجدید انجام دینے والے ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتے یہ امام زہری یا امام ابن عیینہ کے کسی کلام سے مستفاد نہیں۔

مجدد کہنے میں "رأس مائة" کا لحاظ ہوگا: رأس مائة پر اللہ تعالیٰ مجدد کو مبعوث کرتا ہے لہٰذا "مجدد" کہنے میں بھی اسی کا لحاظ کیا جائے گا۔ اس کے بعد والی صدی میں اگرچہ اس کے کارنامے ہوں اور عمر "رأس مائة" آخر صدی کے بعد سالہا سال پائی ہو، مگر بعد والی صدی کا مجدد نہ کہیں گے (إلا تسامحا لوجود خدماته في المأة المتأخرة) کہ یہ سب نفل ہے اصل اس کا زمانہ وہی صدی ہے، جس میں وہ من جانب اللہ مبعوث ہوا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ سخاوی، علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہم علمائے اعلام نے فہرست مجددین میں جن بزرگوں کو صدیوں کی تصریح کے ساتھ شمار کیا ہے اس پر نظر ڈالنے سے بھی یہ امر عیاں ہے کہ مجدد نے جس صدی کا آخر پایا ہے اسی صدی کا اسے مجدد قرار دیا ہے، بعد والی صدی کا بھی کچھ زمانہ ہر مجدد نے ضرور پایا ہے، مگر بعد والی صدی یعنی آغاز صدی کا اعتبار کر کے اسے بعد والی صدی کا مجدد نہیں قرار دیا ہے۔

حسب بیان ائمۂ مذکورین چند مجددین کی تجدیدی صدیوں کی تصریحات ملاحظہ کریں:

صدی	مجدد	ولادت	وفات

پہلی	حضرت عمر بن عبدالعزیز	۶۱ھ	۱۰۱ھ
دوسری	امام محمد بن ادریس شافعی	۱۵۰ھ	۲۰۴ھ
تیسری	ابوالعباس بن سریج شافعی	۲۴۹ھ	۳۰۶ھ
چوتھی	ابوالطیب سہیل بن محمد صعلوکی	...	۴۰۴ھ
پانچویں	امام محمد بن محمد بن محمد غزالی	۴۵۰ھ	۵۰۵ھ
چھٹی	امام فخرالدین رازی	۵۴۴ھ	۶۰۶ھ
ساتویں	تقی الدین ابن دقیق العید	۶۲۵ھ	۷۰۲ھ
آٹھویں	شیخ زین الدین عراقی	۷۲۵ھ	۸۰۶ھ

امام احمد رضا محقق بریلوی نے امام سخاوی کی کتاب ''المقاصد الحسنہ فی ما اشتہر من الأحادیث علی الألسنہ'' کے حاشیے میں جو مجددین کی فہرست پیش کی ہے اس میں بھی یہی اصول ملحوظ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

صدی	مجدد	ولادت	وفات
نویں	امام جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۸۴۹ھ	۹۱۱ھ
دسویں	محمد بن عبداللہ خطیب غزی تمرتاشی	۹۳۹ھ	۱۰۰۴ھ
دسویں	علی بن محمد بن علی غانم مقدسی	۹۲۰ھ	۱۰۰۴ھ
دسویں	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۹۵۸ھ	۱۰۵۲ھ
گیارہویں	امام محمد بن عبدالباقی زرقانی	۱۰۵۵ھ	۱۱۲۲ھ
بارہویں	بحرالعلوم عبدالعلی فرنگی محلی	۱۱۴۴ھ	۱۲۲۵ھ
تیرہویں	سید احمد بن زینی دحلان مکی	۱۲۳۲ھ	۱۳۰۴ھ
تیرہویں	محب الرسول عبدالقادر بدایونی	۱۲۵۳ھ	۱۳۱۹ھ

ائمۂ متقدمین و متاخرین کی پیش کردہ مجددین کی تمام فہرستیں دیکھ ڈالیے سب میں اسی اصول کا پاس و لحاظ ملے گا کہ بعثت والی صدی کا ہی مجدد کہا جاے۔ لہٰذا درج ذیل طریقے پر مجدد کا شمار کرنا مبنی بر تسامح ہوگا۔ جس میں صدی کا مجدد کہنے میں وفات والی صدی کا لحاظ کیا گیا ہے۔

گیارہویں	مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی	۹۷۱ھ	۱۰۳۴ھ
گیارہویں	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۹۵۸ھ	۱۰۵۲ھ
گیارہویں	حضرت میر عبدالواحد بلگرامی	۹۱۵ھ	۱۰۱۷ھ
بارہویں	محی الدین اورنگ زیب عالمگیر	۱۰۷۲ھ	۱۱۱۷ھ

بارہویں	شاہ کلیم اللہ چشتی دہلوی	۱۰۶۰ھ	۱۱۴۲ھ
بارہویں	قاضی محب اللہ بہاری	۰۰۰	۱۱۱۹ھ
تیرہویں	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۱۵۹ھ	۱۲۳۹ھ
چودہویں	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی	۱۲۷۲ھ	۱۳۴۰ھ
پندرہویں	مفتیٔ اعظم شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی	۱۳۱۰ھ	۱۴۰۲ھ

مجدد کہنے میں بعثت والی صدی کا پاس و لحاظ نہ کرنے کی رسم حضرت "مجدد الف ثانی" کے دور سے فروغ پاتی ہے۔ متقدمین کے بیان کردہ اصول سے ہٹ کر ایک نیا حساب جاری کرنے کا سبب کیا ہوا؟ اس کی صراحت مجھے کہیں نہیں مل سکی۔ مگر امام احمد رضا محقق بریلوی قدس سرہ نے وہی اختیار کیا جو متقدمین نے بیان کیا ہے، جیسا کہ "مقاصد حسنہ" کے حاشیے میں پیش کی گئی ان کی فہرست سے عیاں ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کا عظیم تجدیدی کام تیرہویں صدی کے اختتام کے بعد چودہویں صدی میں جاری تھا اس لیے چودہویں صدی میں انہیں "مجدد مأۃ حاضرہ" یا "مجدد قرن رابع عشر" تسامحاً کہا گیا نہ کہ اصولاً، جیسا کہ آگے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت آرہی ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کو تیرہویں صدی اور سرکار مفتیٔ اعظم کو چودہویں صدی کا مجدد ماننا اصول ائمہ کے مطابق اور درست ہے۔ صدیوں سے بیان شدہ اصول ائمہ کو توڑ کر نیا حساب جاری کرنا درست نہیں۔

شاید یہاں کوئی یہ کہے کہ اس سلسلے میں اصول وہ نہیں، بلکہ یہ ہے کہ جس صدی میں کارنامے زیادہ ہوں، اسی صدی کا مجدد قرار دیا جائے گا۔ اور اسی اصول کی بنیاد پر امام احمد رضا کو چودہویں صدی کا مجدد قرار دیا گیا ہے اور یہ اصول کے عین مطابق ہے۔

اس پر عرض ہے کہ اصول ایسا پیش کریں جو خود ساختہ نہ ہو، بلکہ منہج سلف صالحین کے مطابق ہو، دور حاضر میں جس کے بہترین ترجمان امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ہیں، اس سے ہٹ کر نہ تو کوئی بات قابل اعتبار ٹھہرے گی نہ کوئی قضیہ لائق اعتماد ہوگا۔ اگر امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہ قضیہ قابل قبول ہوتا تو وہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ—۱۰۵۲ھ) کو دسویں صدی کا مجدد کیوں قرار دیتے، ان کے کارنامے تو زیادہ تر گیارہویں صدی میں ہیں۔ انہیں گیارہویں صدی کا مجدد کہنا چاہیے تھا!!! پتہ چلا کہ یہ اصول خود ترجمان سلف صالحین امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصول سے بھی متصادم ہے کہ وہ بعثت والی صدی کا لحاظ کرتے ہیں، اور آج ہم وفات والی صدی کا۔

بالفرض اگر تسلیم کر لیتے ہیں، تو پھر حضور مفتیٔ اعظم ہند کے بارے میں کیا ہوگا؟ ان کے سارے قابل ذکر کارنامے تو چودہویں صدی میں ہیں، انہیں پندرہویں صدی کا مجدد کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اصول ائمہ کے مطابق پندرہویں صدی کا مجدد وہ ہوگا جو اس صدی کے اختتام کے وقت عالم مفید، مشہور اور مشار الیہ ہونے کے ساتھ سولہویں صدی کا بھی کچھ حصہ پائے۔

مجدد مأۃ حاضرہ کا اطلاق کب تک ہوگا؟ فتاویٰ رضویہ، ج:۲۷ رمیں ایک فتویٰ ہے، جس میں سوال تو مذکور نہیں البتہ جواب پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ سائل یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ جب آپ کی بعثت والی صدی گزر چکی ہے تو پھر اس صدی

کے گزر جانے کے باوجود آپ کو مجدد مائۃ حاضرہ کیوں کہا جارہا ہے، مجدد مائۃ ماضیہ کہا جانا چاہیے۔ اس پر امام احمد رضا محقق بریلوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں۔

''تمام مجد دین معدودین للمأۃ کو ملاحظہ فرمائیں کہ آخر صدی ماضی واول صدی حاضر دونوں میں ان کی تجدید اسلام ومسلمین کو مفید رہی، تو بحال حیات مجدد جب کہ ایک صدی کا آخر گزر گیا، اور دوسری کا اول موجود، اور وہ حی ہو، مجدد مائۃ ماضیہ کہنا مناسب ہوگا، جو انقطاع تجدید کا موہم ہے؟ یا مجدد مائۃ حاضرہ کہ اس کی حیات اور فیض واستمرار پر دلیل ہو''۔

(ص:۴۲،۴۱،ج:۲۷،شائع کردہ: برکات رضا، پور بندر، گجرات)

اعلیٰ حضرت محقق بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ تحریر سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) تمام صدی کے مجددین کا تجزیہ کریں گے تو سب میں یہ بات ملے گی کہ اختتام صدی اور اول صدی دونوں میں ان کی حیات اسلام کے لیے نفع بخش ثابت ہوئی ہے۔

(۲) مجدد تو اسی صدی کا کہلائے گا، جس میں اس کی بعثت ہوئی ہے، مگر بعد والی صدی میں جب تک وہ باحیات ہے، اسے مجدد مائۃ ماضیہ کہنا مناسب نہیں، اس لیے کہ اس تعبیر سے انقطاع تجدید کا وہم ہوتا ہے، بلکہ مناسب یہی ہے کہ ''مجدد مائۃ حاضرہ'' کہا جائے تاکہ معلوم ہو کہ ابھی اس کی فیض رسانی اور تجدیدی خدمات کا سلسلہ جاری وساری ہے۔

(۳) یہ بھی معلوم ہوا کہ علمائے عرب وعجم کا چودہویں صدی ہجری میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کو (جب کہ وہ باحیات تھے۔) ''مجدد مائۃ حاضرہ'' کہنا غلط نہ تھا، بلکہ ایک وہم کے ازالے کے پیش نظر بالکل درست تھا۔ اسی طرح جنھوں نے آپ کی حیات میں آپ کو ''چودہویں صدی کا مجدد اعظم'' یا ''مجدد قرن رابع عشر'' کہا، یا لکھا، انھیں بھی غلط نہیں کہا جاسکتا کہ ممکن ہے کہ وہ ان القاب کا استعمال ''مجدد مائۃ حاضرہ'' کے معنی میں کر رہے ہوں، اور یہ بالکل درست ہے۔

(۴) اس کے مفہوم مخالف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر مجدد کی وفات ہوجائے تو اسے ''مجدد مائۃ ماضیہ'' کہا جائے گا یا بعثت والی صدی کا نام لیا جائے گا (مثلاً: ''تیرہویں صدی کا مجدد'' یا ''مجدد قرن ثالث عشر'') کہ اصل وہی ہے وہ تو صرف ایک وہم کو دور کرنے کے لیے اصل سے عدول کی گنجائش نکلی تھی کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ مجدد کی فیض رسانی اور تجدیدی خدمات کا سلسلہ بند ہوچکا ہے۔

پیش کردہ فتاوی رضویہ عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ خود اگر اپنی مجددیت مانتے ہیں تو تیرہویں صدی کے لیے مانتے ہیں، چودہویں صدی کے لیے نہیں، گویا وہ فرمارہے ہیں کہ صرف ایک وہم کو دور کرنے کی غرض سے مجھے چودہویں صدی میں ''مجدد مأۃ حاضرہ'' کہا جاتا ہے ورنہ میں تو تیرہویں صدی ہی کا ہوں۔

اختتامیہ: وقت کی قلت کے پیش نظر فی الحال اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں، اگر توفیق خداوندی شامل حال رہی تو پھر کبھی اس موضوع پر تفصیل سے لکھوں گا۔ اخیر میں اتنا عرض ہے کہ احقر نے اپنی بساط کے مطابق علمائے اعلام کی تصریحات کو سمجھنے اور ان سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے، مجھ سے اگر کہیں خطا ہورہی ہے تو واضح دلیل کے ساتھ آگاہ کیا جائے، تاکہ از سر

نوغور وخوض ہوسکے۔وما توفیقی إلا باللہ ،علیہ توکلت والیہ أنیب.☆☆☆

سالنامہ
باغِ فردوس
مجددینِ اسلام نمبر
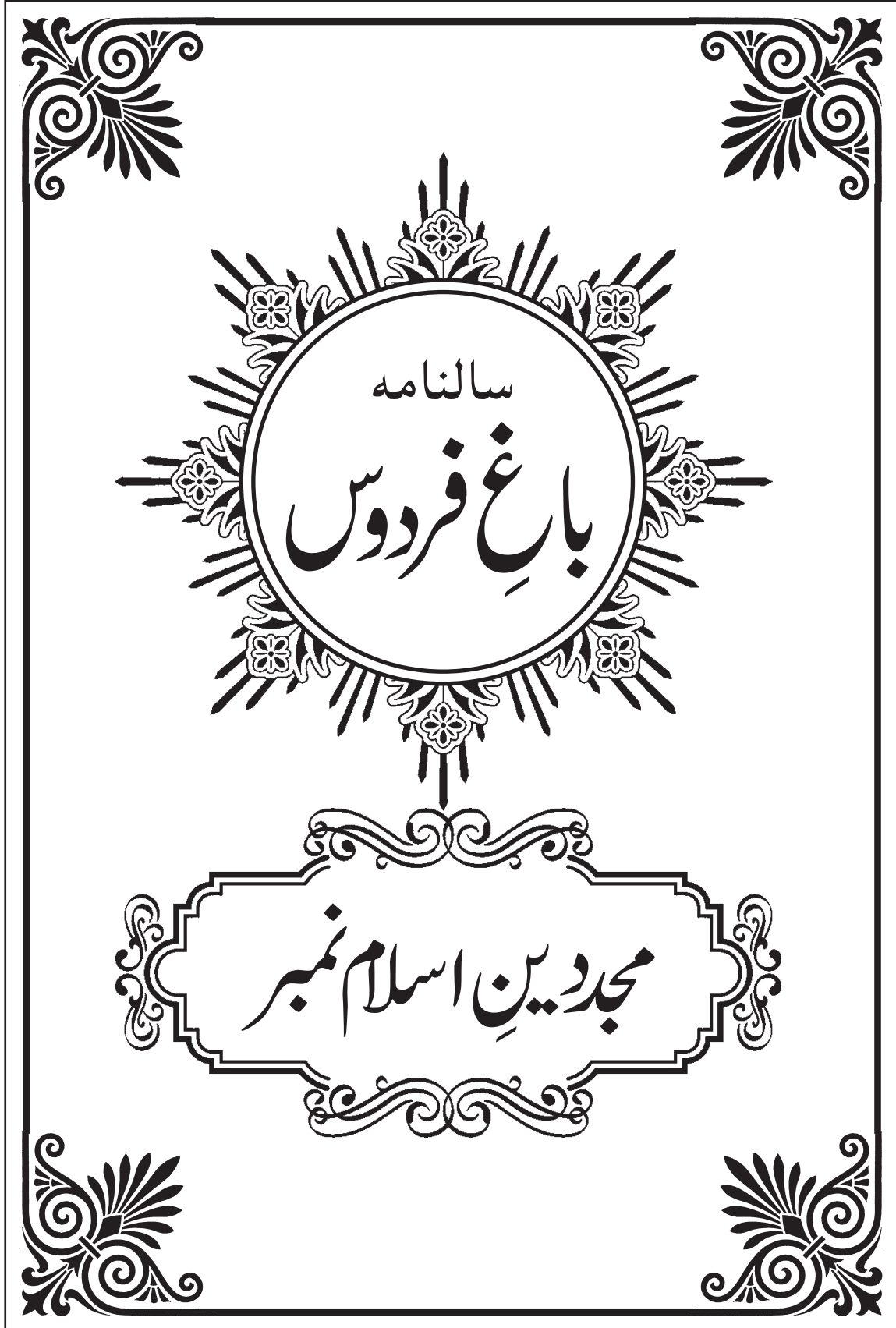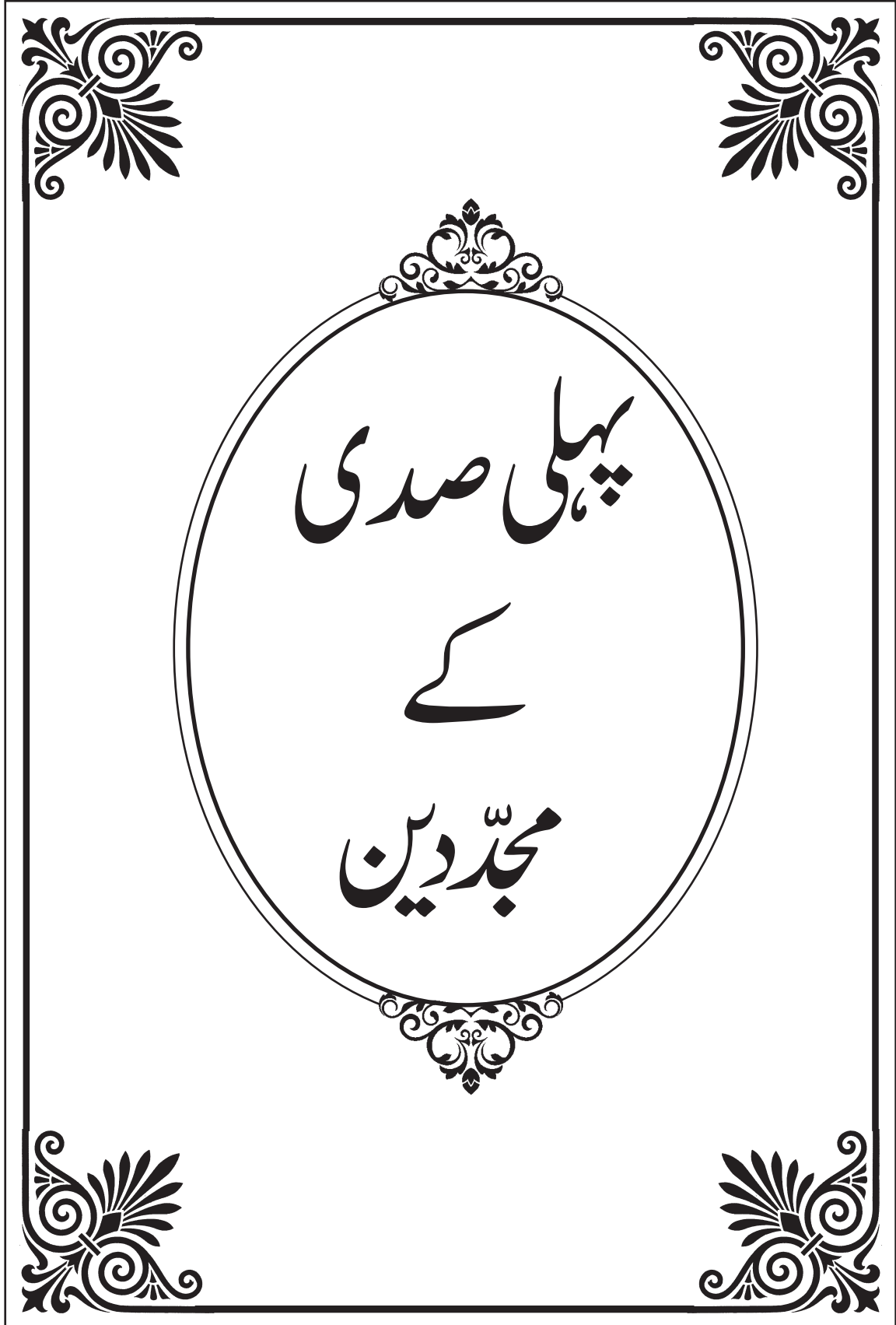
پہلی صدی کے مجدّدین

پہلی صدی کے مجددین

★ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت ابو سعید حسن بن یسار بصری رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت ابو بکر محمد بن سیرین بصری رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت ابو محمد عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت عامر بن شراحیل شعبی کوفی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت ابو معبد عبد اللہ بن کثیر داری مکی رحمۃ اللہ علیہ

محمد مجاہد الاسلام، نیپال، جماعت: فضیلت Mo: 9935969115

دنیائے علم وفن اور فضل وکمال میں جو بلند قامت شخصیتیں اپنے بیکراں علم وفضل، بے پناہ شعور ودانش اور گراں قدر علمی یادگاروں اور کارناموں کے سبب ممتاز ہوئیں، انھیں عظیم المرتبت ہستیوں میں حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی بھی ہے، جن کے ذریعے اللہ تبارک وتعالی نے احیائے دین اور شریعت محمدی کی تجدید فرمائی۔

خاندانی پس منظر: آپ کا تعلق قریش کے قبیلۂ بنی امیہ سے تھا۔ آپ کے والد کا نام عبد العزیز بن مروان تھا۔ جو مشہور اموی فرماں رواں عبد الملک کے بھائی اور مصر کے گورنر تھے۔ بنی امیہ کو قبیلہ قریش میں امتیازی حیثیت حاصل تھی، خصوصاً حرب وضرب اور جنگی معاملات میں فوقیت اور برتری حاصل تھی۔ ساتھ ہی دیگر قبائل قریش میں صاحب دستار بھی شمار ہوتے تھے۔ مؤرخین نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ امیہ کے بیٹے ابو العاص کو ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی اور ابو العاص کے بیٹے سعید بن ابی العاص اپنے قبیلہ میں صاحب دستار کے نام سے موسوم تھے۔

(حضرت عمر بن عبد العزیز، منہج خلافت راشدہ کا ایک روشن باب، مصنف: عبد الرشید عراقی، ص:۳۵)

سلسلۂ نسب: عمر بن عبد العزیز بن مروان بن حکم بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔

ولادت: آپ مقام حلوان میں جو مصر کے مضافات میں واقع ہے ۶۱ یا ۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ (تاریخ الخلفا، حافظ جلال الدین سیوطی، ص:۱۸۳، زیر اہتمام: تجار الکتب جالی محلہ ممبئی۔)

تعلیم وتربیت: آپ جب مدینہ منورہ آئے اسی وقت سے حفظ قرآن اور درس حدیث میں مشغول ہوگئے، آپ شروع ہی سے پاک دامن، فرماں بردار، بے داغ اور سلیم الفطرت تھے حتی کہ جب حفظ قرآن سے فارغ ہوگئے تو بعض صحابہ اور اکابر تابعین سے سماع حدیث کے ساتھ ان سے روایتِ حدیث بھی کرنے لگے۔ چناں چہ عبد اللہ بن جعفر، انس بن مالک، ابو بکر بن عبد الرحمٰن اور عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود آپ سے روایتِ حدیث کرتے ہیں۔ اور ابن عتبہ بن مسعود سے آپ کی کثرت سے روایتیں ہیں۔ (خلیفۃ الزاہد حضرت عمر بن عبد العزیز حیات وکارنامے، علامہ عبد العزیز سید الاہل، مترجم: مولانا راغب رحمانی، ص:۵۲، جنوری ۲۰۱۵ء، فرید بکڈپو نئی دہلی۔)

بیعت و خلافت: سلیمان کی وفات کے بعد رجا بن حیات نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ موت کی خبر سننے کے بعد ہو سکتا ہے کہ اہل خاندان حضرت عمر بن عبد العزیز کی بیعت میں کچھ لیت و لعل کریں؛ اس لیے انھوں نے موت کی خبر مخفی رکھی اور اہل خاندان کو جمع کر کے ان سے سلیمان کے وصیت نامے پر بیعت لی۔ بیعت مستحکم کرنے کے بعد سلیمان کی موت کا اعلان کر دیا اور وصیت نامہ پڑھ کر سنایا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا نام سن کر صرف ہشام بن عبد الملک نے ان کی بیعت سے انکار کیا۔ لیکن رجا بن حیات نے کہا: خاموشی سے بیعت کر لو! ورنہ تمھارا سر قلم کر دوں گا اور حضرت عمر بن عبد العزیز کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر بیٹھا دیا پھر کسی نے بھی چوں و چرا نہ کی۔

خلافت کا بار سر پر آتے ہی حضرت عمر بن عبد العزیز کی زندگی بدل گئی اور تخت خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی آپ نے ابوذر غفاری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کا قالب اختیار کر لیا۔ سلیمان کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد حسب معمول جب آپ کے سامنے شاہی سواری پیش کی گئی تو آپ نے اسے واپس کر دیا۔ اور فرمایا: ”میرے لیے میرا خچر کافی ہے“۔

(طبقات ابن سعد، محمد بن سعد منیع ہاشمی بصری، ج:۵، ص:۲۶۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء)

حضرت عمر بن عبد العزیز نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی ان تمام برائیوں کو ختم کرنے کا تہیا کر لیا جو نظام حکومت میں در آئی تھیں۔ اس اہم کام کے لیے آپ نے ابتدا ہی سے کوششیں شروع کر دیں۔ خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلے جو تقریر آپ نے کی اس میں تقویٰ و طہارت کی تلقین کے بعد خلیفۂ اسلام کی اصلی حیثیت کو اجاگر فرمایا اور اپنا مقصد سب کے سامنے واضح فرمایا، چناں چہ آپ نے ارشاد فرمایا:

”اے لوگو! تمھارے نبی کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے اور خدا نے ان پر جو کتاب اتاری ہے، اس کے بعد کوئی کتاب آنے والی نہیں ہے۔ میں اپنی جانب سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں بلکہ صرف احکام الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں، خود اپنی طرف سے نئی بات پیدا کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ محض پیرو ہوں۔ میں تم میں کا کوئی ممتاز آدمی بھی نہیں ہوں، بلکہ ایک معمولی فرد ہوں، البتہ تمھارے معاملے میں خدا نے مجھے زیادہ گراں بار کیا ہے اور یقیناً ظالم امام سے بھاگنے والا ظالم نہیں، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے“۔

وصال پر ملال اور مزار پاک: حضرت عمر بن عبد العزیز کی اصلاحات اور انصاف پسندی کی وجہ سے بنی امیہ کے امرا آپ کے خلاف تھے۔ وہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ جب تک ان کا وجود باقی رہے گا ہماری ایک نہ چلے گی، چناں چہ ان کے کھانے میں زہر ملا دیا گیا، ۲۰؍ دن بیمار رہ کر ۲۵؍ رجب ۱۰۱ھ بروز چہار شنبہ ۳۹؍ سال ۶؍ ماہ کی عمر میں دار فانی سے کوچ کر گئے اور دیر سمعان میں دفن کیے گئے۔ آپ کی مدت خلافت ۲؍ سال ۵؍ مہینے رہی۔ (تاریخ الخلفا، ص:۱۹۷، ملخصًا)

تجدیدی کارنامے: آپ نے اپنے پیش رو خلفا کے برعکس اپنی مملکت کے رقبے میں توسیع کو نصب العین نہ بنا کر حکومت کے تمام شعبوں میں اصلاحات فرمائیں۔ اس کے متعلق آپ نے فاروق اعظم کے پوتے حضرت سالم بن عبد اللہ سے

رابطہ قائم فرمایا اور ان کے نام یہ خط تحریر فرمایا:

''اگر خدا مجھے اس کی استطاعت دے تو میں رعایا کے معاملات میں حضرت عمر بن خطاب کی روش اختیار کروں گا، اس لیے تم میرے پاس ان کی وہ تحریریں اور فیصلے جو انھوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے بارے میں کیے ہیں بھیجو! اگر خدا کو منظور ہے تو میں ان کے نقش قدم پر چلوں گا''۔

آپ کے خط کے جواب میں حضرت سالم نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فیصلے اور حکم نامے بھیج دیے، پھر آپ نے ان کے مطابق حکومت کے تمام شعبہ جات میں اصلاحات فرمائیں۔ اور اپنے حکومت کو دور فاروقی کا آئینہ دار بنانے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ (تاریخ الخلفا، ص:۱۸۵۔)

اموال مغصوبہ کی واپسی: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے ان جائداد کو لوٹایا جنھیں شاہی خاندان کے افراد، حکومت بنی امیہ کے عمال اور دوسرے عمائدین سلطنت نے اپنے تصرف میں لے رکھا تھا۔ اس ضمن میں سب سے پہلے آپ نے اپنے اور اپنے خاندان کی جائدادیں ان کے مالکان کے حوالہ کرنے کا ارادہ فرمایا اور اپنے اہل خاندان کو جمع کر کے یہ تقریر فرمائی:

''اے بنی مروان تم کو شرف و دولت کا بڑا حصہ ملا ہے، میرے خیال میں امت کا نصف یا دو تہائی مال تمھارے قبضے میں ہے؛ اس لیے تم ان مالوں کو ان کے مستحقین کے سپرد کر دو''۔

آپ کی یہ تقریر سن کر خاندان کے لوگ آگ بگولہ ہو گئے اور بڑی شد و مد کے ساتھ تعمیل حکم سے انکار کیا، ان کے اس رویے پر ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے آپ نے انتہائی غضب ناک لہجے میں ارشاد فرمایا:

''خدا کی قسم! اگر اس حق میں میری مدد نہ کرو گے تو میں تمھیں ذلیل و رسوا کر کے چھوڑوں گا'' پھر آپ نے مسلمانوں کے بھرے مجمع سے خطاب فرمایا: ان لوگوں (اموی خلفا) نے ہمارے خاندان کو ایسی جاگیریں عطا کی ہیں، بخدا جن کے دینے کا نہ تو ان کو کوئی حق تھا، نہ ہمیں ان کے لینے کا۔ اب میں وہ سب اصلی حق داروں کو واپس کرتا ہوں۔ اور یہ کام اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں۔''

اس کے بعد آپ نے اسناد منگوا کر اس کا خریطہ قینچی سے کاٹ کاٹ کر الگ کر کے ہر ایک کو اس کا حق واپس کر دیا، آپ نے اس امر میں اتنی شدت برتی کہ آپ کی بیوی کو ان کے باپ نے ایک بیش قیمت پتھر دیا تھا، اسے بھی بیت المال میں داخل کر دیا اور ایک نگینہ تک اپنے پاس نہ رکھا۔ (تاریخ الخلفا، ص:۱۸۶۔)

بیت المال کی اصلاح: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے خلفاے بنو امیہ کے دور میں بیت المال میں کچھ خرابیاں در آئی تھیں۔ آپ نے بیت المال کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ فرمائی جس کی مختصر روداد یہ ہے:

آپ کے دور خلافت سے پہلے تمام آمدنیاں خمس، صدقہ اور فئے ایک جگہ جمع ہوتی تھیں۔ ان کا علیحدہ حساب نہیں رکھا جاتا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ ہر قسم کی آمدنی الگ جمع کی جائے اور اس کا علیحدہ حساب رکھا جائے۔ بیت المال مسلمانوں کا مشترکہ خزانہ ہے اس سے ہر مسلمان مساوی طور پر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ آپ سے پہلے شاہی خاندان کا وظیفہ مخصوص تھا، آپ نے اس

کو بھی کلیتہً بند کر دیا۔

آپ سے پہلے کے خلفا ان شعرا و ادبا کو جو ان کی مدح میں قصائد وغیرہ لکھتے تھے بیت المال سے انعامات دیا کرتے تھے، آپ نے یہ تمام انعامات اور وظائف بند کر دیے۔

آپ کے پیش رو خلفا جب عشا اور فجر کی نماز کے لیے مسجد جاتے تو ایک آدمی شمع لے کر چلتا تھا اور شمع کا خرچ بیت المال پر آتا تھا۔ جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینے میں مساجد میں خوشبو سلگائی جاتی تھی اور اس کے مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے، آپ نے یہ سلسلہ بھی بالکل بند کر دیا۔ (تاریخ الخلفا، ص:۱۸۵)

محاصل کی اصلاح: بیت المال کی آمدنیوں میں خمس کے پانچ مصارف متعیّن ہیں۔ ان مصارف کے علاوہ یہ آمدنیاں کسی دوسری جگہ صرف نہیں کی جاسکتیں، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز سے پہلے کے خلفا ان مصارف کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ مصارف میں سب سے مقدم اہل بیت ہیں۔ لیکن ولید اور سلیمان نے اہل بیت کو ان کے حق سے محروم کر دیا تھا۔ آپ نے مال خمس کو صحیح مصارف میں صرف کیا، اور اہل بیت کو ان کا حق دلایا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۵، ص:۲۷۰)

بیت المال کی اصلاح، حفاظت اور نگرانی کا آپ سختی سے نوٹس لیتے تھے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں: "ایک بار یمن کے بیت المال سے ایک دینار گم ہو گیا تو آپ نے بیت المال کے افسر کو لکھا:

"میں تمھاری امانت پر کوئی الزام نہیں لگاتا، لیکن تمھاری بے پرواہی اور غفلت کو مجرم قرار دیتا ہوں، میں مسلمانوں کے مال کی طرف سے مدعی ہوں، تم پر فرض ہے کہ قسم کھاؤ"۔ (تاریخ الخلفا، ص:۱۸۵)

باغ فدک سے دست برداری: یہ باغ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے رکھا تھا۔ اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اور بنی ہاشم کی تمام ضروریات پوری فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس باغ کا مطالبہ کیا تو آپ نے انکار فرمادیا۔ بنی امیہ کے چوتھے خلیفہ مروان نے اسے اپنی جاگیر بنالیا تھا۔ اب وہ باغ حضرت عمر بن عبد العزیز کے قبضے میں آیا اور اسی پر آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا معاشی دار و مدار ہو گیا۔ لیکن آپ نے اس کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل کی تحقیق کر کے پھر اسے قدیم مصرف میں لگا دیا۔ (تاریخ الخلفا، ص:۱۸۶)

ظلم و زیادتی کا خاتمہ: عدل و انصاف اسلامی سلطنت کی روح ہے جو ہر چھوٹے، بڑے، امیر، غریب اور بادشاہ و گدا کو احکام خداوندی کا پابند بناتا ہے، لیکن مطلق العنان اموی فرماں رواؤں کے یہاں اس کی اصلاً حیثیت نہ تھی، جس کے سبب رعایا ہمیشہ ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتی رہتی، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان سارے مظالم کا خاتمہ کر کے اپنے دور کو عدل و انصاف کا گہوارہ بنا دیا۔ چناں چہ آپ عمال کے نام جو بھی فرمان لکھتے اس میں عدل و انصاف کے قیام اور ظلم و ستم سے احتراز کی ہدایت ضرور ہوتی۔ اس زمانے میں ظلم کا ایک رواج یہ تھا کہ ملزم کو محض شبہ کی بنیاد پر سزا دی جاتی تھی، آپ نے اس سے قطعی طور پر منع فرمادیا جس پر موصل کے والی غسانی نے آپ سے یہ گزارش کی:

"یہاں چوری اور نقب زنی کی واردات کثرت سے ہوتی ہیں اگر لوگوں کو شبہہ میں نہ پکڑا جائے اور سزا نہ دی جائے تو یہ

واردات بند نہیں ہوسکتیں۔"

آپ نے اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا:

"صرف شرعی ثبوت پر مواخذہ کرو، اگر حق وعدل نے ان کی اصلاح نہ کی تو خدا ان کی اصلاح کبھی نہیں فرمائے گا"

(تاریخ الخلفا، ص:۱۹۰)

بعض عمال کی عادت یہ تھی کہ کچھ چیزوں کا نرخ گھٹا کر کم قیمت پر خرید لیتے تھے، پھر نرخ اونچا ہونے پر مہنگے داموں میں بیچتے تھے، آپ نے اس پر بھی پابندی عائد کردی۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے ظلم وزیادتی کی جڑوں کو کاٹنے کے لیے ان تمام عمال کو معزول کر دیا جو سخت ظالم اور ناخدا ترس تھے، آپ کے اس عمل سے ظلم وزیادتی کا خاتمہ ہوگیا اور عدل وانصاف کی خوشگوار ہوائیں مشرق ومغرب میں ہر چہار جانب پھیل گئیں۔

ذمیوں کے حقوق کی پاس داری: اسلامی حکومت میں غیر مسلم رعایا (ذمی) کو بنیادی انسانی ضروریات میں مسلمانوں جیسے حقوق دیے گئے ہیں۔ بڑی حد تک انھیں مذہبی اور معاشی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں اس پر مکمل عمل ہوتا تھا، لیکن بعد میں امرا و سلاطین اپنے مفاد کے لیے ان حقوق کی پاسداری میں کوتاہیاں برتنے لگے تھے، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان ذمیوں کو پھر وہی مقام عطا کر دیا جو انھیں پہلے حاصل تھا۔ اس ضمن میں آپ نے مندرجہ ذیل انقلاب انگیز اصلاحات فرمائیں جن کے ذریعے ان کے جان ومال محفوظ ہوگئے:

(۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد حکومت میں ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر قرار دیا تھا۔ اس لیے کسی مسلمان کو ان کے جان ومال پر دست درازی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ لیکن بعد کے زمانہ میں یہ مساوات قائم نہ رہ سکی۔ آپ نے دور فاروقی کا قانون نافذ فرما کر پھر سے ذمیوں کے حقوق بحال کر دیے۔

(۲) اسلامی حکومت میں ذمیوں کے جان کی طرح ان کے مال کی حفاظت بھی حکومت کے ذمہ ہوتی ہے، آپ اس معاملہ میں بھی مکمل طور سے ان کے حقوق کی پاسداری کرتے تھے۔

(۳) اسلام نے غیر مسلموں کو مذہبی امور میں مکمل آزادی دی ہے، انھیں اپنے مذہب کے مطابق عبادت خانہ تعمیر کرنے اور عبادت کرنے کا حق دیا ہے جسے گزشتہ خلفا نے سلب کر لیا تھا، آپ نے انھیں پھر سے بحال کر دیا۔ ان کی وہ عبادت گاہیں جنھیں مسلمانوں نے اپنی جاگیر بنالی تھی پھر ان کے سپرد فرمادیں۔ (دینی دعوت، ص:۱۰۳، مرتبین: محمد ظفر الدین برکاتی، محمد جاوید اختر مصباحی، ارکان بہار ادب، طلبہ فضیلت الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، جولائی ۲۰۰۴ء)

بدعات ومنکرات کا خاتمہ: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد حقیقی دین کی تبلیغ واشاعت اور شریعت اسلامیہ کو اس کی اصلی حالت پر لوٹانا تھا، اس لیے آپ نے تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی اور حکومتی امور میں اصلاح کے بعد ان غیر اسلامی اعمال وافعال کو مٹایا جو روح شریعت اور اسلامی مفادات کے خلاف تھے، مذہبی امور سے جو تساہلی اور غفلت پیدا ہوچکی تھی اسے دور کرکے پھر سے ہر مسلمان کی سرشت میں دین کی محبت اور شرعی اعمال سے لگاؤ پیدا فرمادیا اور ایسی تمام کوششوں پر بندش

لگادی جس سے لوگوں کے عقیدے یا اعمال میں فساد ہونے کا خطرہ تھا۔

عقائد کی اصلاح: ایمان چند عقائد و معمولات کے مجموعے کا نام ہے جس پر قائم رہ کر اور عمل کر کے ایک آدمی مسلمان ہوتا ہے۔ اگر عقیدے میں فساد آجائے تو وہ دین اسلام سے خارج ہوجاتا ہے؛ اس لیے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے عقائد کے بارے میں لوگوں کو صحیح اسلامی طریقے پر قائم رہنے کی تلقین کی اور ان تمام ذرائع سے روک دیا جن سے ان کے ایمان میں فساد کا خطرہ تھا، اس دور میں معبد جہنی اور غیلان دمشقی نے لوگوں کے سامنے قضا و قدر کا پیچیدہ اور حساس مسئلہ چھیڑ دیا تھا، جس کی وجہ سے لوگوں کے مسلمہ عقیدے سے انحراف کا خوف پیدا ہو گیا تھا۔ آپ نے دونوں کو بلا کر توبہ کرائی اور علما و محدثین کے نام یہ پیغام لکھ بھیجا:

"آپ لوگ تقدیر کے مسئلے میں اس خیال کو قبول نہ کریں جو معبد اور ان کے پیرو کار اختیار کیے ہوئے ہیں"

(دینی دعوت، ص:۱۰۵)

پابندی نماز کے متعلق اصلاح: عقائد کے بعد اعمال میں سب سے اہم نماز ہے، اموی خلفا وقت پر نماز کی ادائیگی میں سستی برتتے تھے، جس کی وجہ سے لوگوں میں بھی سستی پیدا ہو چکی تھی، آپ نے اس کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا اور عمال کے نام فرمان جاری کر کے نماز کے اوقات کی پابندی کا حکم دیا۔

تحصیل زکوٰۃ کے متعلق فرمان: نماز کے بعد شریعت اسلام میں زکوٰۃ کو بڑا درجہ حاصل ہے۔ گزشتہ خلفا زکوٰۃ کے وصول اور اخراجات میں بدعنوانیاں کرنے لگے تھے۔ آپ نے ان تمام بدعنوانیوں کا دروازہ بند کر کے یہ عام فرمان جاری کر دیا:

"زکوٰۃ کے بارے میں تم حجاج کی روش سے باز آؤ وہ اسے غیر محل سے لیتا اور بے محل صرف کرتا تھا"۔

سبِّ علی کا انسداد: بدعات و منکرات کے خاتمے کے سلسلے میں حضرت عمر بن عبد العزیز کا سب سے بڑا کارنامہ سبِّ علی (حضرت علی پر طعن و تشنیع) کا انسداد ہے، جس سے یقینی طور پر اسلامی روح متاثر ہو رہی تھی۔

اموی خلفا اور ان کے عمال خطبہ میں حضرت علی پر لعن وطعن کرتے تھے اور اسے خطبہ کا جز بنا لیا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اسے یک قلم موقوف کر دیا، اور تمام ممالک محروسہ میں یہ پیغام لکھ بھیجا:

"خطبوں سے حضرت علی بن ابی طالب پر سب و شتم خارج کیا جائے اور اس پر فوراً عمل کیا جائے اور اس کی جگہ قرآن کی یہ آیت پڑھی جائے"۔

" اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ ۚ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ "(سورہ نحل، آیت: ۹۰)

(ترجمہ) بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔ (کنزالایمان) (تاریخ الخلفا، ص:۱۹۵)

شراب نوشی پر پابندی: اسلام نے شراب نوشی کو مطلقا حرام قرار دیا ہے، خلفاے راشدین کے زمانے تک لوگ اس

پر مکمل پابندی کرتے تھے، لیکن بعد کے زمانے میں بعض لوگ اپنی عیش پسند طبیعت سے مجبور ہوکر اس میں ملوث ہو چلے تھے، جس کی وجہ سے بہت سی نت نئی برائیاں اور فحاشی منظر عام پر آنے لگی، آپ نے پھر سے اس پر پابندی عائد فرمائی اور لوگوں سے ارشاد فرمایا:

"لوگ شراب پی کر بدمستی میں نہایت برے کام کرتے ہیں اور اکثر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ: "شراب پینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔" لیکن جو چیز اس قسم کا کام کراتی ہے اس کے استعمال میں سخت نقصان ہے، لہٰذا اگر اس کے بعد کسی نے شراب پی تو اسے سخت سزا دی جائے گی"۔ (تاریخ ابن کثیر، ص:۲۷۸، دار ابی حیان، طبع:۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء)

اسلام کی ترویج واشاعت: اسلامی مملکت کا رقبہ پوری دنیا میں پھیل جائے لیکن خدا کی وحدانیت کا چرچا نہ ہو تو اسلام کا مقصد لاحاصل ہی رہتا ہے؛ اس لیے آپ نے حکومت کے رقبے میں توسیع کے بجائے اسلام کی ترویج واشاعت کو اپنا نصب العین بنایا اور آپ نے پوری مادی اور اخلاقی توانائی اشاعت اسلام میں صرف کر دی۔

تمام بادشاہوں کو اسلام کی دعوت بھیجی اور انھیں اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا جس کے اثر سے مشرق و مغرب میں بہت سے بادشاہوں اور راجاؤں نے اسلام قبول کر لیا۔

اس کے علاوہ چین وتبت کے علاقے میں عمومی تبلیغ کے لیے متعدّد وفود بھیجے اور وہ دور افتادہ علاقے جہاں اب تک اسلام کی روشنی نہ پہونچی تھی وہاں بھی کلمۂ توحید کا غلغلہ پیدا فرمایا۔

حجاج بن یوسف کے زمانے میں نومسلموں سے جزیہ لیا جاتا تھا لیکن آپ نے اسے موقوف فرما دیا۔ اس کے اثر سے کثیر تعداد میں ذمیوں نے اسلام قبول کر لیا، جزیہ حکومت کی آمدنی کے لیے اہم تھا اس لیے ذمیوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ آمدنی روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی۔ ارکان سلطنت نے آپ کی توجہ اس نقصان کی طرف دلائی، مگر آپ نے کسی مالی منفعت کی پرواہ کیے بغیر یہ ارشاد فرمایا:

"یہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہے، مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ تمام ذمی مسلمان ہوجائیں اور ہم تم ہل چلا کر اپنا پیٹ پالیں"۔ (دینی دعوت، ص:۱۰۴)

تدوین حدیث: دین کے احکام کا مجموعہ جس پر دین کی بقا موقوف ہے وہ قرآن کریم کے بعد احادیث کا ذخیرہ ہے۔ اب تک اس کی تالیف پر کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہ پاسکا تھا، یہ صرف درس وتدریس اور زبانی سماع پر موقوف تھا۔ سب سے پہلے آپ نے اس کو تحریری بندشوں میں اتارنے کا انتظام فرمایا اور اس کے لیے آپ نے جلیل القدر عالم قاضی ابوبکر بن حزم کو یہ حکم دیا:

"رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تلاش کرو اور انھیں لکھ لو؛ کیوں کہ علماے کرام کے رفتہ رفتہ اٹھ جانے کی وجہ سے حدیثوں کے مٹ جانے کا خوف ہے۔"

اس کے علاوہ دیگر اکابر محدثین کو بھی اس پر ابھارا جس کے بعد باضابطہ احادیث کی متعدّد کتابیں لکھی گئیں اور اس طرح

سے دین کی بنیاد ضائع ہونے سے محفوظ ہوگئی۔(دینی دعوت، ص:۱۰۴۔)

حضرت عمر بن عبد العزیز کے متعلق اخبار و آثار: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ "آل عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں ایک شخص پیدا ہوگا جو عمر فاروق سی زندگی گزارے گا اور اس کے چہرے پر زخم کا نشان ہوگا اور وہ دنیا کو عدل سے بھر دے گا"۔ (تاریخ ابن کثیر، ابوالفدا الحافظ عماد الدین اسماعیل، ج:۹، ص:۲۵۱)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ "میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا: اے عمر بن عبد العزیز! میرے قریب آؤ، میں آپ کے اتنا قریب پہنچ گیا کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں میں آپ کے اوپر تک نہ پہنچ جاؤں۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا:

"عمر بن عبد العزیز! ان دونوں کی طرح عمل کرو اور اچانک دو شیخ آپ کے دونوں پہلو میں نظر آئے۔ میں نے آپ سے دریافت کیا یہ دونوں بزرگ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق ہیں"۔(ایضا، ص:۲۵۵)

امام احمد بن حنبل ﷺ نے عبد الرزاق کے حوالے سے وہب بن امیہ کا یہ قول نقل کیا ہے: "اگر کوئی مہدی ہے تو وہ عمر بن عبد العزیز ہیں"۔ (ایضا، ص:۲۵۶)

امام سفیان ثوری فرماتے ہیں:

"خلفا پانچ ہیں۔ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین، علی مرتضی اور عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہم"۔

جمہور علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ عمر بن عبد العزیز ائمۂ عدل، خلفائے راشدین اور ائمۂ محدثین میں سے ایک تھے۔(ایضا، ص:۲۶۶)

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس امت پر ہر سو سال کے بعد ایک ایسے شخص کو بھیجے گا جو دینی امور کی تجدید کرے گا"۔

چناں چہ اہل علم کی ایک جماعت جس میں امام احمد بن حنبل بھی شامل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "عمر بن عبد العزیز پہلی صدی کے خاتمہ پر ایسے شخص ہیں جو اقامت دین، قیام شریعت اور تنفیذ حق کے اعتبار سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے مانند ہیں، اور ہر اعتبار سے اس منصب کے اہل ہیں"۔(ایضا، ص:۲۶۹)

☆☆☆☆

محمد التمش انصاری، پرتاپ گڑھ، جماعت سابعہ Mob No. 9616970035

نام: حسن بصری۔ (وفیات الاعیان، احمد بن محمد بن خلکان، ج:۲، ص:۵٦، ن۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ط۔۱۹۹۸، پہلا ایڈیشن۔)

کنیت: بعض علما نے ابو محمد اور بعض نے ابو سعید بتایا ہے۔ (کشف المحجوب، حضرت داتا گنج بخش، (مترجم: مفتی غلام معین الدین نعیمی) ص:۱۳۷، ن۔ رضوی کتاب گھر، س ط۔۱۹۸۸) صاحب کشف المحجوب نے ابو علی ذکر کیا ہے۔ (ایضا، ص:۱۳۷)

والد: حضرت حسن کے والد کا نام یسار اور کنیت ابو الحسن ہے۔ آپ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ (وفیات الاعیان، ص:۵٦)

سلسلۂ نسب: ابو سعید حسن بن ابو الحسن یسار مولی زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ۔ (ایضا، ص:۵٦٦)

ولادت: آپ کی ولادت مدینہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات سے دو سال قبل ہوئی۔ (تہذیب التہذیب، علامہ ابن حجر عسقلانی، ج:۲، ص:۲۴٦، ن۔ دار الفکر، س ط۔۱۹۹۵، پہلا ایڈیشن و الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۷، ص:۱۱۴، ن۔ دار الکتب العلمیہ بیروت، س ط۔۱۹۹۷، دوسرا ایڈیشن)

"وفیات" میں ذکر ہے کہ حجاج نے حضرت حسن سے پوچھا: آپ کی عمر کتنی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوا۔ (وفیات الاعیان، ص:۵۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات یکم محرم الحرام ۲۴ھ میں ہوئی۔ (سیرتِ خلفاے راشدین، مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، ص:٦۲، ن۔ مجلسِ برکات مبارکپور، اعظم گڑھ، س ط۔۲۰۰۷، پہلا ایڈیشن)

علامہ زرکلی نے اعلام میں آپ کا سنِ ولادت ۲۱ھ بیان کیا ہے۔

(الاعلام، خیر الدین الزرکلی، ج:۲، ص:۲۲٦، ناشر، دار العلم للملایین بیروت، طباعت۔۲۰۰۴)

لہٰذا مذکورہ روایات اور خود حسن بصری کے فرمان سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ آپ کی ولادت ۲۱ھ کے آخر یا ۲۲ھ کے ابتدا میں ہوئی۔ البتہ صاحب تذکرۃ الاولیا نے عہد رسالت میں آپ کی ولادت کا قول کیا ہے۔

(تذکرۃ الاولیا، شیخ فرید الدین عطار، ص:۱۴، ن۔ مکتبہ جام نور دہلی، س ط۔۱۹۹۸)

خاندانی پس منظر: آپ کبار تابعین میں سے ہیں۔ (مراۃ الاسرار، شیخ عبد الرحمٰن چشتی، (مترجم۔ کپتان واحد بخش سیال)

ص:۲۳۰، ناشر، مکتبہ رضویہ، ادبی دنیا مٹیا محل دہلی، س ط۔۲۰۰۵ء)

صاحب وفیات نے آپ کو سادات تابعین (وفیات الاعیان، ص:۵۶) اور علامہ ذہبی نے سید التابعین کہا ہے۔ (میزان الاعتدال، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی، ج:۱، ص:۵۲۱، ناشر، دار الفکر بیروت، طبع، ۱۹۹۹، پہلا ایڈیشن)

آپ کے والد حضرت یسار ہجرت کے بارہویں سال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر ایمان لائے۔ (مراۃ الاسرار، ص:۲۳۰)

حضرت زید بن ثابت انصاری کے آزاد کردہ غلام تھے۔ جب حضرت حسن کی ولادت ہوئی تو آپ کے والد ماجد آپ کو لے کر بارگاہ فاروقی میں تشریف لے گئے، حضرت عمر نے فرمایا: اس کا نام حسن رکھا جائے کیوں کہ یہ بہت خوب رو ہے۔ آپ کی والدہ خیرہ ام المومنین حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں۔ (ایضاً، ص:۲۳۰)

خلافت: اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ تھے۔ آپ نے حضرت حسن بن علی اور کمیل زیاد رضی اللہ عنہم سے بھی اکتساب فیض کیا۔ (ایضاً، ص:۲۳۰)

تعلیم: یوں تو آپ ایک غلام زادے تھے لیکن آپ نے اسلام کے مساوات پر مبنی اس روحانی ماحول میں پرورش پائی جہاں آقا و غلام کا فرق نہ تھا۔ چوں کہ آپ کی والدہ حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں اس لیے آپ کو حضرت ام سلمیٰ کے ساتھ دیگر امہات المؤمنین سے بھی اکتساب فیض کا موقع ملا۔

ایام شیر خوارگی میں جب آپ کی والدہ کسی حاجت کے پیش نظر باہر جاتیں یا اندرون خانہ کسی کام میں مشغول ہوتیں اور حضرت حسن گریہ وزاری کرنے لگتے تو حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا آپ کو آغوش میں لے لیتیں اور دودھ پلاتیں۔

(الطبقات الکبریٰ، ص:۱۱۴، وفیات الاعیان، ص:۵۶، مراۃ الاسرار، ص:۲۳۰)

امام نووی فرماتے ہیں: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ میں جو غیر معمولی فصاحت اور حکمتیں پائی جاتی تھیں وہ سب اسی مقدس شیر خوارگی کے طفیل میں تھیں۔ (مشاہیر حدیث، مولانا محمد عاصم اعظمی، ص:۳۶۹، ناشر، کمال بکڈپو، گھوسی، طبع، ۲۰۱۴، دوسرا ایڈیشن)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہری و باطنی علوم اور زہد و ورع کے لیے اپنے قلب و نظر اور ذہن و فکر کو ساز گار بنایا۔ چناں چہ شعور کی آنکھ کھولتے ہی مدینۃ الرسول میں مقیم ارباب علم و دانش سے حصول علم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اپنی خداداد صلاحیت اور قوت حفظ و ضبط کے باعث بارہ برس کی عمر میں آپ نے قرآن پاک حفظ کر لیا۔ آپ نے تحصیل علم اور جہاد فی سبیل اللہ کو اپنے لیے لازم کر لیا۔ آپ علم کے تشنہ طالب علم کی طرح اساتذہ فن کے بحر علم سے سیراب ہوتے تھے۔ چوں کہ یہ زمانہ اصحاب رسول اور تابعین عظام کا تھا؛ اس لیے آپ نے اپنے دامن کو علم لازوال اور اوصاف باکمال سے لبریز کر لیا تھا۔ آپ کے چند اہم اساتذہ کے نام یہ ہیں۔

حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابو موسیٰ، حضرت ابو بکرہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمرو بن ابی العاص، حضرت معاویہ، حضرت معقل بن یسار، حضرت انس، حضرت جابر وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے

صحابہ و تابعین آپ کے اساتذہ ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ص:۲۴۶)

حضرت حسن نے قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور تصوف میں جو مرتبۂ کمال حاصل کیا تھا اس کا اعتراف امت کے اکابر علما اور ارباب سیر نے کیا ہے۔ ذیل میں چند اکابر کے تأثرات سپرد قرطاس کیے جاتے ہیں:

سلیمان تیمی: حضرت حسن اہل بصرہ کے شیخ تھے۔ (ایضاً، ص:۲۴۷)

عمارہ: میں نے حسن کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا جس کا عمل اس کے قول کے موافق ہو۔ (الطبقات الکبریٰ، ص:۱۳۱)

ابن سعد: حسن کامل عالم، بلند مرتبہ، فقیہ، معتمد، نیک خصلت، عابد، زاہد، وافر العلم، فصیح، خوبصورت اور خوب رو تھے۔ (تہذیب التہذیب، ص:۲۴۸)

حضرت حسن ان تمام اوصاف و کمالات کے حامل تھے جو اس عہد کے مخصوص حالات میں دعوت حق کو موثر انداز میں پیش کرنے کے لیے ضروری تھا۔ آپ ظاہری و باطنی علوم کے جامع ہونے کے ساتھ نہایت خوب رو اور حسین بھی تھے۔ ایک طرف آپ اپنی علمی شخصیت کی وجہ سے طالبان حق کے مرکزِ عقیدت تھے اور دوسری طرف آپ اصلاحِ معاشرہ اور دینی دعوت کے قائد و رہنما تھے۔ آپ ایک طبیب حاذق کی طرح حالات کی دکھتی نبض کو دیکھ کر مرض کو فوراً پہچان لیتے اور روحانی علاج کے لیے نسخۂ کیمیا تیار فرماتے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ اپنے علم و فضل، زہد و ورع، تقویٰ و طہارت، بلند ہمتی اور تفقہ کے اعتبار سے درخشاں ستارہ تھے۔ قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور تصوف میں انھیں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ لوگ اپنے مسائل لے کر آپ کی بارگاہ میں آتے، آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں انھیں تسلی بخش جواب عنایت فرماتے۔ آپ لوگوں کے ہجوم سے بیزار نہ ہوتے بلکہ خوش ہوتے اور ہر حال میں تشنگانِ علوم کو سیراب فرماتے۔

حدیث: فنِ حدیث میں حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ آپ سے بے شمار حدیثیں مروی ہیں۔ حدیث میں آپ کے مرتبۂ کمال کا اندازہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ سے لگایا جاسکتا ہے جن سے آپ نے ذوق و شوق سے علمِ دین سیکھا تھا۔ آپ کی روایات کے سلسلے میں علما کے نظریات یہ ہیں:

ابن المدینی: حضرت حسن کے مراسلات کو جب ثقہ حضرات ان سے روایت کریں تو صحیح ہیں، بہت کم ہی آپ سے ساقط ہیں۔ (ایضاً، ص:۲۴۸)

ابوزرعہ: ہر وہ بات جس کے بارے میں حضرت حسن (قال رسول اللہ) کہتے، میں نے اس کی اصل ثابت پائی سوائے چار حدیث کے۔ (ایضاً، ص:۲۴۸)

ابن سعد: آپ دوسرے طبقے کے راوی ہیں۔ (الطبقات الکبریٰ، ص:۱۱۴)

اس کے علاوہ اور بھی بے شمار علما کے اقوال ہیں جنھیں مطولات میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

تصوف: آپ کا اصل تجدیدی میدان تصوف ہے۔ جس دور میں لوگ قرآن و حدیث میں مشغول تھے، اس وقت آپ

نے اس میں مشغولیت کے ساتھ ساتھ تصوف کی شمع روشن کی اور اس کے نور کو چہار جانب پھیلایا۔ آپ بحرِ معرفت کے غواص تھے۔معرفت کی اصل تعلیمات آپ نے حضرت علی سے حاصل کی اور اکثر سلاسل آپ ہی کے واسطے سے حضرت علی تک پہنچتے ہیں۔ آپ پر تصوف کا رنگ اس قدر غالب تھا کہ آپ کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ ''تذکرۃ الاولیا'' میں لکھا ہے کہ حضرت حسن کے ساتھ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے آپ نے قسم کھائی کہ زندگی بھر نہیں ہنسوں گا اور دنیا سے بیزار ہو کر فکر آخرت میں گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ (تذکرۃ الاولیا، ص:۱۵) مشہور ہے کہ آپ ستر سال تک ہمہ وقت باوضو رہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ حسن بصری ہم سے زیادہ افضل کیوں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: حسن کے علم کی ہر فرد کو ضرورت ہے اور اس کو ماسوا اللہ کے کسی کی حاجت نہیں۔ (ایضاً، ص:۱۵)

ابراہیم بن عیسیٰ یشکری فرماتے ہیں: میں نے حسن سے زیادہ کسی کو غمگین نہیں دیکھا۔

(حلیۃ الاولیا، علامہ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی، ج:۲، ص:۱۳۳، ناشر، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علقمہ بن مرثد فرماتے ہیں: زہد و تقویٰ آٹھ تابعین پر جاکر منتہی ہوگیا، انھیں میں سے ایک حسن بصری بھی ہیں۔ میں نے حسن سے زیادہ غمگین کسی کو نہیں دیکھا۔ (ایضاً، ص:۱۳۳)

آپ ساری زندگی وعظ و نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو دنیا سے بے رغبت اور آخرت کی جانب مائل کرتے رہے، تاریخِ تصوف میں آپ کے مواعظ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ چند نصیحتیں ملاحظہ فرمائیں::

آپ فرماتے ہیں: مومن صبح و شام غمگین ہوتا ہے، اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارۂ کار نہیں۔ کیوں کہ وہ دو خوف دلانے والی چیزوں کے درمیان منحصر ہے۔ ایک تو گزشتہ گناہ جس کے بارے میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ فرمائے گا۔ دوسری بقیہ مدت جس کے بارے میں اسے معلوم نہیں کہ کون سی مصیبت لاحق ہوگی۔ (ایضاً، ص:۱۳۲)

نیز فرماتے ہیں: اے ابن آدم! بخدا اگر تم نے قرآن پڑھ کر اس کی تمام باتوں پر عمل کیا تو ضرور دنیا میں تمھارا غم طویل، خوف شدید اور گریہ وزاری بہت زیادہ ہوگی۔ (ایضاً، ص:۱۳۴۔۱۳۳)

فتنۂ اعتزال: قتل عثمان سے گلستانِ اسلام میں جو شورش پیدا ہوئی اس نے اپنے پیچھے بہت سے گمراہ فرقوں کو جنم دیا جو ہمیشہ مسلمانوں کے ایمان پر شب خون مارنے کی سعی لاحاصل میں لگے رہتے، لیکن مجاہدین اسلام ان کا مقابلہ کرکے انھیں کیفرِ کردار تک پہنچا دیتے۔ غرض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق فرقے جنم لیتے رہے اور آئندہ لیتے رہیں گے اور اپنے نت نئے عقائد کی وجہ سے تاریخِ اسلام میں مرقوم رہے۔ انھیں گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ ''اعتزال'' کا ہے جس کا وجود حضرت حسن بصری کے زمانے میں کچھ یوں ہوا:

ایک شخص نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر استفسار کیا کہ حضور والا! ہمارے زمانے میں کچھ لوگ ہیں جو مرتکبِ گناہِ کبیرہ کو کافر قرار دیتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ معصیت ضرر رساں نہیں جیسے کہ اطاعت بغیر ایمان کے سود مند نہیں۔ لہٰذا اب آپ فرمائیں کہ ہم گناہِ کبیرہ کرنے والے کو مومن کہیں یا کافر؟

ابھی حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ جواب پر غور فرما رہے تھے کہ واصل بن عطا (رأس المعتزلہ) جو حضرت کی مجلسِ درس کا پروردہ تھا، کھڑا ہوا اور مسجد کے ستون سے ٹیک لگا کر بے ساختہ بول پڑا کہ گناہِ کبیرہ کرنے والا نہ مومن ہے نہ کافر۔ اور یہ بھی کہا کہ مرتکبِ گناہِ کبیرہ اگر بغیر توبہ کیے مرگیا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا البتہ اس کا عذاب کافروں کے عذاب کے لحاظ سے کم ہوگا اور یہ فتویٰ دینے لگا کہ گناہِ کبیرہ کرنے والا ایمان و کفر کے درمیانی درجہ پر ہوگا۔

جب حضرت حسن نے اس کے گمراہ کن عقائد سنے تو فرمایا: ”قد اعتزل عنا واصل“ (واصل ہم سے جدا ہوگیا) اور اس کی گمراہیت کی بنا پر اسے اپنی مجلس سے نکال دیا۔ اسی وقت سے واصل اور اس کے متبعین ”معتزلہ“ کے نام سے مشہور ہوگئے۔ (حدوث الفتن فی اعیان السنن، محمد احمد مصباحی اعظمی، ص:٦،ن۔ المجمع الاسلامی مبارکپور، اعظم گڑھ)

تصنیفات: حضرت حسن کی تصنیفات کے سلسلے میں علامہ زرکلی نے ایک کتاب کا تذکرہ کیا ہے جو آپ نے ”فضائل مکہ“ میں تصنیف فرمائی۔ (الاعلام، ص:٢٢٦) البتہ دیگر کتبِ سیر میں آپ کے مکتوبات کا ذکر ملتا ہے جو آپ نے مختلف مواقع پر امرا و سلاطین کی جانب ارسال فرمائے۔ ایک خط کا جزئیہ پیش کیا جارہا ہے جو آپ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

میں (عمر بن عبدالعزیز) اس معاملہ (خلافت) میں مبتلا ہوگیا ہوں۔ لہٰذا آپ میرے لیے کچھ مددگار متعیّن کردیجیے جو میری اس معاملے میں مدد کریں۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: رہے دنیاوی لوگ تو آپ انھیں نہیں چاہتے اور رہے آخرت کی فکر کرنے والے تو وہ آپ کو نہیں چاہتے۔ فاستعن باللہ (تو اللہ سے مدد طلب کریں)۔ (ایضاً، ص:٢٢٦)

وفات: جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ ہنسنے لگے، حالاں کہ پوری زندگی آپ کو کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور یہ کہتے ہوئے جان، جانِ آفریں کے سپرد کردی کہ کون سا گناہ؟ ایک بزرگ نے آپ کو خواب میں دیکھ کر دریافت کیا کہ آپ نزع کے وقت کیوں ہنس رہے تھے؟ فرمایا: میں نے ایک آواز سنی کہ اے ملک الموت! دیکھنا ابھی اس کا ایک گناہ باقی ہے۔ مجھے اس بات پر ہنسی آگئی، میں نے پوچھا کون سا گناہ؟ اور جان دیدی۔ (مراۃ الاسرار، ص:٢٣٣)

اسی رات ایک اور بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے اور یہ آواز سنی کہ حسن خدا تک پہنچ چکا ہے اور خدا اس سے خوش ہے۔ (ایضاً، ص:٢٣٣)

شہرِ بصرہ میں شبِ جمعرات آپ کی وفات ہوئی اور جمعہ کے دن بعدِ جمعہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ (وفیات الاعیان، ص:٥٨)

ابن علیہ اور سری بن یحییٰ نے کہا: آپ کی وفات ١١٠ھ میں ہوئی۔ ابن علیہ نے اس پر ”رجب“ کی زیادتی کی ہے۔ (تہذیب التہذیب، ص:٢٤٨)

آپ کے صاحب زادے عبداللہ نے کہا: وفات کے وقت آپ کی عمر ٨٨ سال تھی۔ (ایضاً، ص:٢٤٨)۔ نوراللہ مرقدہ۔

☆☆☆☆

عبدالوکیل مصباحی، پلاموی، جماعت: تخصص فی الفقہ Mo: 87562118557

نام ونسب: آپ کا نام محمد، والد کا نام سیرین اور کنیت ابو عمرہ: اور والدہ کا نام صفیہ ہے۔ آپ کی کنیت ابوبکر اور لقب صاحب تعبیر رویا ہے۔ آپ خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص: ۶۶۸، ۶۶۹، تذکرہ نمبر:۷۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ولادت: ۳۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ (ایضًا)

خاندانی پس منظر: آپ کے والد سیرین جرجرایا (عراق) کے باشندہ تھے۔ میسان یا عین التمر کی جنگ میں قیدی بن کر مدینہ آئے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے غلام بنے۔ انھوں نے ان کو چالیس یا بیس ہزار درہم کے عوض مکاتب غلام بنالیا۔ چوں کہ وہ تانبے کا برتن بنانا جانتے تھے، اس لیے جلد ہی بدل کتابت ادا کر کے آزادی کا پروانہ حاصل کر لیا۔

آپ کی والدہ حضرت صفیہ یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ اسے قسمت کی ارجمندی کہیے کہ انھیں شادی کے لیے تین امہات المومنین نے سنوارا اور نکاح میں اٹھارہ بدری صحابہ حاضر تھے۔ جن میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے جو دعا کر رہے تھے اور بقیہ حضرات آمین کہہ رہے تھے۔ (وفیات الاعیان۔ ج:۴، ص: ۱۸۱، دار الثقافہ، بیروت)

دیکھا جائے تو جہاں آپ کے والد حضرت انس کے فیض یافتہ تھے وہیں آپ کی والدہ نے حضرت صدیق اکبر کی شب وروز کو اپنے ماتھے کی نگاہوں سے دیکھا تھا اور خود کو ان پر عمل پیرا بھی کیا۔ اس طرح آپ کی پرورش دو نیکوکار شخصیتوں کے درمیان ہوئی۔ مزید برآں یہ کہ اس وقت کبار تابعین اور بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باحیات تھے، جن کی بارگاہ سے آپ نے دل بھر کر استفادہ کیا اور آسمان علم پر نیر تاباں بن کر چمکے۔

ظاہری اور باطنی علوم سے سرفرازی: آپ نے اپنے آقا حضرت انس بن مالک کے علاوہ انتیس صحابہ کرام اور تابعین کے حضور حاضر ہو کر علم دین کی تحصیل کی اور اوساط تابعین کی صف میں نمایاں مرتبہ حاصل کیا۔ آپ کے چند شیوخ کے اسما یہ ہیں:

حضرت انس بن مالک، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوہریرہ، حضرت عمران حصین، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ

بن عمر، حسن بن علی، جندب بن عبداللہ بجلی، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت حمید بن عبدالرحمٰن، حضرت عبیدہ سلمانی، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، حضرت مسلم بن یسار، حضرت یونس بن جبیر، حضرت کثیر بن افلح وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، تہذیب التہذیب، ج:۵، ص:۱۳۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

آپ علم حدیث، فقہ، تفسیر اور حساب وغیرہ میں تو ید طولیٰ رکھتے تھے لیکن علم تعبیر رویا میں یکتائے روزگار تھے۔

علم حدیث: آپ ایک بلند پایہ محدث تھے۔ روایت حدیث کے تعلق سے آپ کا موقف یہ تھا کہ احادیث کی روایت باللفظ کی جائے۔ ابن عون فرماتے ہیں:

حضرت ابراہیم نخعی، حضرت حسن بصری اور امام عامر شعبی احادیث کی معنًی روایت کرتے تھے جب کہ حضرت قاسم، حضرت ابن سیرین اور حضرت رجا بن حَیوہ روایت باللفظ کے قائل تھے۔ (سِیَرِ مذکور، ص:۶۷۱)

آپ کی ثقاہت کی بابت ہشام نے کہا:

مجھ سے ان میں سب سے بڑے صادق شخص نے حدیث بیان کی جن سے میں ملا۔ یعنی محمد بن سیرین نے۔ (ایضًا، ص:۶۷۰)

روایت حدیث کا آپ کو کتنا پاس و لحاظ تھا۔ اس سلسلے میں مہدی بن میمون کا بیان ملاحظہ ہو:

"عن مهدی بن میمون، قال: رأیت محمد بن سیرین یحدث بأحادیث الناس و ینشد الشعر و یضحك حتی یمیل فإذا جاء بالحدیث من المسند کَلَحَ و تقبض" (ایضًا، ص:۶۷۱)

مہدی بن میمون نے کہا: میں نے دیکھا کہ ابن سیرین لوگوں کی باتیں بیان کرتے، شعر کہتے اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوجاتے لیکن جب مسند سے حدیث بیان کرتے تو پر سکون اور باادب ہوجاتے۔

علم فقہ: آپ علم حدیث کے ساتھ علم فقہ سے بھی شغف رکھتے تھے۔ آپ کا شمار بصرہ کے فقہا میں ہوتا تھا۔ تاریخ ابن خَلِّکان میں ہے:

وہ اہل بصرہ کے فقہا میں سے ہیں۔ (وفیات الاعیان، ج:۴، ص:۱۸۲، دار الثقافہ، بیروت)

عوف اعرابی نے کہا:

حضرت ابن سیرین فرائض، قضا اور حساب کے اچھے عالم تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج:۴، ص:۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عثمان نے کہا:

بصرہ میں قضا کا عالم حضرت ابن سیرین سے بڑا کوئی نہیں تھا۔ (ایضًا)

اس کے باوجود آپ فتویٰ دینے میں کافی احتیاط برتتے تھے۔ ابن شُبرُمہ کا بیان ہے:

میں حضرت ابن سیرین کے پاس واسط میں آیا تو فتویٰ دینے میں ان سے بڑا محتاط اور خواب کی تعبیر میں ان سے زیادہ جری نہیں دیکھا۔ (ایضًا، ص:۶۷۲)

حضرت حذیفہ نے فرمایا: فتویٰ تو تین لوگ ہی دیتے ہیں: ایک وہ جسے قرآن کی منسوخ آیتوں کا علم ہو۔ لوگوں نے کہا: وہ

کون شخص ہے جسے قرآن کی منسوخ آیتوں کا علم ہے؟ فرمایا: وہ عمر ہیں۔ دوسرا وہ امیر جس کو اس سے چھٹکارا نہ ہو، تیسرا زبردستی بے وقوف بننے والا۔ پھر ابن سیرین نے فرمایا: میں پہلے دونوں میں سے نہیں ہوں اور تیسرا بننا مجھے پسند نہیں۔ (ایضًا)

علم تعبیر رویا: اس علم کے حوالے سے آپ فرماتے ہیں: ایک دن میں نے خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا، عرض کیا: آپ مجھے علم تعبیر رویا سکھادیں، فرمایا: منہ کھولو، میں نے اپنا منہ کھولا اور انھوں نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ اس طریقے سے مجھے یہ علم حاصل ہو گیا۔ (مشاہیر حدیث، ص:۳۸۰، ناشر: کمال بک ڈپو، گھوسی)

درس وتدریس: جلیل الشان عالم دین ہوتے ہوئے بھی آپ خوف شہرت کے سبب مجالس سے دور رہتے تھے۔ خود فرماتے ہیں:

"لم یمنعنی من مجالستکم إلاّ مخافۃ الشھرۃ" (سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شہرت کا خوف ہی مجھے تمھاری مجلسوں سے روکتا تھا۔

لیکن اس قدر احتراز کے باوجود طالبان علوم نبوت نے آپ سے استفادہ کرنے کا موقع نکال ہی لیا۔ اشعث کا بیان ہے:

جب ہم ان کے پاس بیٹھتے تھے تو وہ ہم سے حدیث بیان کرتے، گفتگو کرتے، ہنستے اور احوال اخبار پوچھتے۔ لیکن جب ان سے کسی حلال و حرام کے بارے میں پوچھا جاتا تو ان کا رنگ بدل جاتا اور ایسا لگتا کہ گویا وہ نہیں رہے۔

(طبقات ابن سعد، ج:۷، ص:۱۰۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

آپ کے فیض یافتگان کی تعداد کافی ہے، یہاں ان میں سے چند کے اسما ذکر کرتے ہیں:

حضرت قتادہ، حضرت ایّوب، حضرت یونس بن عبید، حضرت ابن عون، حضرت خالد حذّاء، حضرت ہشام بن حسان، حضرت عوف اَعرابی، حضرت قُرہ بن خالد، حضرت مہدی بن میمون، حضرت جریر بن حازم، حضرت ابو ہلال محمد بن سلیم، حضرت یزید بن ابراہیم تُستری، حضرت عُقبہ بن عبداللہ، حضرت سعید بن ابی عروبہ، حضرت ابوبکر سُلمی، حضرت حیّان بن حُصین وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۶۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علمی مقام: ابن عون نے فرمایا:

تین لوگوں کے مثل میری آنکھ نے نہیں دیکھا: عراق میں ابن سیرین، حجاز میں قاسم بن محمد اور شام میں رجا بن حیوہ۔

(ایضًا، ص:۶۷)

حبیب بن شہید نے کہا: میں حضرت عمر بن دینار کے پاس بیٹھا تھا، انھوں نے فرمایا کہ میں نے طاؤس جیسی شخصیت نہیں دیکھی۔ حضرت ایّوب سختیانی نے جو بیٹھے تھے، فرمایا: بخدا! اگر وہ حضرت محمد بن سیرین کو دیکھ لیتے تو ایسا نہیں کہتے۔ (ایضًا)

امام محمد بن سعد نے فرمایا:

وہ ثقہ، مامون، بلند مرتبہ، رفیع الشان، فقیہ، امام، کثیر العلم اور صاحب ورع تھے۔

(طبقات ابن سعد، ج:۷، ص:۱۰۰، دار احیا التراث العربی، بیروت)

امام محمد بن جریر نے فرمایا: حضرت ابن سیرین فقیہ، عالم، صاحب ورع، ادیب، کثیر الحدیث اور صدوق تھے۔ صاحبان علم وفضل نے اس کی شہادت دی ہے۔ وہ قابل حجت ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۶۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فتنۂ وضع حدیث اور اس کا رد: حضرت ابن سیرین کے زمانے میں جب خود غرض اور شرپسندوں نے وضع حدیث کا فتنہ پھیلانا شروع کیا اور لوگ احادیث میں رطب ویابس کے درمیان تمیز چھوڑنے لگے تو انھوں نے اس کی سرکوبی میں دیگر حضرات سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سدّباب کے لیے انتھک کوششیں کیں۔ ذرا ان کا بیان تو پڑھیے:

لوگ پہلے سند حدیث کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے لیکن جب فتنہ واقع ہوا تو اس کے تعلق سے پوچھا جانے لگا۔ لہٰذا غور کیا جائے اور جو بدعتی ہو اس کی حدیث چھوڑ دی جائے۔ (ایضًا، ص:۶۷۲)

شعیب بن حجاب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن سیرین سے عرض کیا کہ اہل ہوا سے سماع کے سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: ہم ان سے نہ سماع کرتے ہیں، نہ انھیں عزت دیتے ہیں۔ (ایضًا: ص:۶۷۱)

انھوں نے لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: بلاشبہہ یہ علم دین ہے، تو دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔ (ایضًا)

حضرت ابن عون حضرت ابن سیرین کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص ان کے پاس حدیث بیان کر رہا تھا اور انھوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ پھر فرمانے لگے: میرا ارادہ تم پر اور ان پر تہمت لگانے کا نہیں جن سے تم حدیث بیان کر رہے ہو بلکہ تم دونوں کے درمیان جو راوی ہے وہ میرے نزدیک متہم ہے۔ (ایضًا)

ایک موقع پر انھوں نے فرمایا:

"ذهب العلم و بقيت منه شذرات في أوعية شتىٰ" (ایضاً)

علم ختم ہو گیا اور اس کے کچھ حصے مختلف برتنوں میں باقی ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں برملا فرماتے: وہ حضور سے روایت کرنے میں متہم نہیں ہیں۔ (ایضًا، ص:۶۷۲)

حضرت ابو الاشعث بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن سیرین سے عکرمہ کے تعلق سے پوچھا تو فرمایا: مجھے یہ برا نہیں لگتا کہ وہ جنتی ہے لیکن وہ کذّاب ہے۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال، ج:۱، ص:۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قارئین! دیکھا آپ نے کہ کس جرأت و پامردی کے ساتھ حضرت ابن سیرین نے حدیث کی محافظت کی اور یقینًا حدیث کی حفاظت مجدد دین کی صفات سے ہے۔

علاوہ ازیں یہ کہ آپ کی فیض بار درس گاہ سے ایسے علما پیدا ہوئے جنھوں نے ہر میدان میں گراں قدر کارنامے انجام دیے۔

وفات: اپنے وقت کے اس زبردست ناقد حدیث اور محافظ حدیث نے ۹ر شوال المکرم ۱۱۰ھ میں اپنی جان جاں آفریں کے حوالے کر دی۔ (تاریخ مدینہ دمشق، ج:۵۳، ص:۲۴، دار الفکر، بیروت)

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

مراجع و مصادر:

(١) سیر اعلام النبلاء مصنف: امام حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذهبی متوفیٰ: ٧٤٨ھ، جلد: ٤، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیه، بیروت، لبنان، طبع اوّل: ٢٠٠٤/١٤٢٥ھ

(٢) تار یخ مدینه دمشق، مصنف: امام حافظ ابوالقاسم علی بن حسم بن هبة الله بن عبدالله شافعی معروف به ابن عساکر (٤٩٩ھ.٥٧١ھ) جلد: ٥٣، تحقیق: محب الدین ابو سعید عمروی، دارالفکر، بیروت، لبنان، طبع اوّل: ١٤١٨/١٩٩٧ء

(٣) الکامل فی ضعفاء الرجال، مصنف: امام حافظ ابو احمد عبدالله بن عدی جرجانی متوفیٰ: ٣٦٥ھ، جلد اوّل، تحقیق وتعلیق: شیخ عادل احمد عبدالموجود، شیخ علی محمد معرض، استاذ عبدالفتاح ابو سنّه، دارالکتب العلمیه، بیروت، لبنان، طبع اوّل: ١٤١٨ھ/١٩٩٧ء

(٤) وفیات الاعیان وانباء الزمان، مصنف: امام ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خَلِّکَان (٦٠٨ھ.٦٨١ھ) جلد: ٤، تحقیق: الدکتور احسان عباس، دارالثقافه، بیروت، لبنان

(٥) تهذیب التهذیب، مصنف: امام حافظ شیخ الاسلام شهاب الدین ابو الفضل احمد بن حجر عسقلانی متوفیٰ: ٨٥٢ھ، جلد: ٥، داراحیاءالتراث العربی، بیروت لبنان، طبع اوّل: ١٤١٢ھ/١٩٩١ء

(٦) الطبقات الکبریٰ، مصنف: محمد بن سعد بن منیع زهری متوفی: ٢٣٠ھ، جلد: ٨.٧، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، طبع اوّل: ١٤١٦ھ/١٩٩٥ء

(٧) تذکرة الحفاظ، مؤلف: امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذهبی متوفیٰ: ٧٤٨ھ جلداوّل، محشی: شیخ زکر یاعمیرات، دارالکتب العلمیه، بیروت، لبنان، طبع اوّل: ١٤١٩ھ/١٩٩٨ء

(٨) مشاهیر حدیث، مؤلف: مولانا ڈاکٹر عاصم اعظمی، ناشر: کمال بك ڈپو، مدرسه شمس العلوم گهوسی، مئو.

از عبدالوکیل پلاموی

ظفریاب حلیمی مصباحی، مظفر پور، جماعت: تحقیق فی الحدیث Mo:8081486308

نام ونسب: آپ کا نام عطا، والد کا نام اسلم، والدہ کا نام برکتہ اور کنیت ابو محمد ہے۔ آپ کے والد کی کنیت ابو رباح ہے۔
(سیر اعلام النبلا ج:۵، ص:۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، تہذیب التہذیب، ج:۴، ص:۱۲۹، دار احیاالتراث العربی، بیروت، لبنان)

ولادت: مقام "جَنَد" میں ۲۷ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ (تہذیب، ص:۱۳۰)

خاندانی پس منظر اور تحصیل علم: آپ بنو فہر یا بنو جُمح مکی کے آزاد کردہ غلام تھے، یہ تاریخ اسلام کا نہایت روشن اور تابناک پہلو ہے کہ اس کے تعلیمی مشن سے دیگر لوگوں کے ساتھ غلام کہے جانے والوں نے بھی علم سے بہرہ مند ہو کر وہ مقام حاصل کیا کہ تاریخ کا اٹوٹ حصہ بن گئے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

علم خزانہ ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوبوں کو عطا فرماتا ہے، اگر علم کسی کے لیے خاص ہوتا تو ضرور سرکار علیہ السلام کا گھرانہ اس کا زیادہ حق دار ہوتا۔ حضرت عطا بن ابی رباح حبشی تھے، حضرت یزید بن حبیب نوبی (ایک نسل) اور سیاہ تھے، حضرت حسن بصری اور حضرت ابن سیرین انصار کے آزاد کردہ غلام تھے۔ (صفۃ الصفوۃ، ج:۲، ص:۱۴۲،، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

اس روایت سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ علم وفن کی دنیا میں غلام گردانے جانے والے لوگ بلند مقامات پر فائز ہوئے۔ حضرت عطا اگرچہ غلام تھے لیکن طلب علم کے لیے ہمہ وقت کمربستہ رہتے، صحابہ کرام اور کبار تابعین کی بارگاہوں میں حاضر ہو کر اپنی علمی تشنگی دور کرتے۔

یہ خوش بختی تھی کہ آپ نے دو سو صحابہ کرام کا زمانہ پایا اور اپنے ماتھے کی نگاہوں سے ان پر نور چہروں کی زیارت کی جنھوں نے حبیب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات واقوال سے اپنا سینہ منور کر رکھا تھا۔ جن ذوات قدسیہ کے سامنے آپ نے زانوے تلمذ تہ کیا ان میں سے چند کے اسما درج ذیل ہیں:

حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت حکیم بن حِزام، حضرت زید بن ارقم، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن خالد جہنی، حضرت صفوان بن امیہ، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت جابر، حضرت معاویہ، حضرت ابو سعید خدری، حضرت عبید اللہ بن عمیر، حضرت مجاہد، حضرت عروہ اور حضرت ابن حنفیہ وغیرہ۔ رضی اللہ عنہم۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۵، ص:۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

درس و تدریس: تشنگان علوم نبوت کے علمی ذوق کی تسکین کے لیے آپ نے اپنے استاذ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بعد مسجد حرام میں مجلس درس قائم کی۔ طبرانی وغیرہ میں ہے: إن الحلقة فى المسجدالحرام كانت لإبن عباس فلما مات إبن عباس كانت لعطاءبن ابى رباح (البدایہ والنہایۃ، ج:۹، ص:۳۸۴، دارابی حیان، قاہرہ)

مسجد حرام میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حلقۂ درس لگتا تھا جب ان کا انتقال ہوگیا تو وہاں حضرت عطا بن ابی رباح نے اپنی درس گاہ سجائی۔

آپ طلبہ کو کتابت حدیث کی رغبت دلاتے اور ان کی ہر ممکن مدد کے لیے کوشاں رہتے۔ عتبہ بن ابی حکیم ہمدانی کا بیان ہے:

ہم چند لڑکے حضرت عطا بن ابی رباح کی مجلس میں تھے، انھوں نے فرمایا: آؤ، ہم سے حدیث لکھو، جو اچھی طرح لکھنا نہ جانتا ہو اس کے لیے ہم لکھ دیں گے اور جس کے پاس کاغذ نہ ہو ہم اسے کاغذ دیں گے۔ (مشاہر حدیث، ص:۳۸۷، کمال بک ڈپو)

آپ فطرتاً خاموش طبع تھے۔ لیکن جب بولتے تو کیا کیفیت ہوتی؟ اس سلسلے میں اسماعیل بن امیہ کا بیان ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عطا دیر تک خاموش رہتے جب بولتے تو ایسا لگتا کہ ان کی تائید کی جارہی ہے۔ آپ کی بافیض درس گاہ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہم یہاں ان میں سے چند کے اسمائے گرامی پیش کرتے ہیں:

حضرت مجاہد بن جبیر، حضرت ابواسحاق سبیعی، حضرت ابوالزبیر، حضرت امام زہری، حضرت قتادہ، حضرت عمرو بن شعیب، حضرت مالک بن دینار، حضرت سلمہ بن کہیل، حضرت ایوب سختیانی، حضرت امام اعمش، حضرت یحییٰ بن ابی کثیر، حضرت اسماعیل بن مسلم مکی، حضرت اسود بن شیبان، حضرت حسین معلم، حضرت جعفر صادق، حضرت رباح بن ابی معروف وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۵، ص۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

علمی مقام: آپ جلیل الشان عالم دین، محدث، ناقد حدیث، ایک ماہر بلند نگاہ مفتی اور مرجع خلائق تھے۔ اہل مکہ کے فتوے زیادہ آپ ہی کے پاس آتے تھے۔ امام ابن سعد نے فرمایا:

إنتهت فتوىٰ أهل مكة إليه وإلىٰ مجاهد واكثرذلك إلى عطا۔

(طبقات الکبریٰ، ج:۵، ص:۳۲۱، داراحیاء التراث العربی)

مکہ والوں کے فتوے حضرت عطا اور حضرت مجاہد کے زمانے میں انھیں دونوں کے پاس آتے تھے، زیادہ حضرت عطا کے پاس۔

یہی امام موصوف دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وكان ثقة ،فقيهاً عالما كثيرالحديث (ایضاً، ص:۳۲۰)

وہ ثقہ، فقیہ، عالم اور کثیر الحدیث تھے۔

امام ذہبی نے فرمایا: عطاءبن أبى رباح أسلم الإمام ،شيخ الإسلام،مفتى الحرم.

(سیر اعلام النبلاء، ج:۵، ص:۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

عطا بن ابی رباح اسلم امام، شیخ الاسلام اور مفتیِ حرم ہے۔

سراج الامۃ، کاشف الغمہ، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جن لوگوں سے میں نے ملاقات کی، ان میں عطا بن ابی رباح سے افضل کسی کو نہیں پایا۔ (ایضًا، ص:۵۱)

حضرت قتادہ نے فرمایا: مجھ سے سلیمان بن ہشام نے پوچھا کہ کیا مکہ میں کوئی صاحب علم ہے؟ میں نے کہا: ہاں! جزیرۂ عرب کے لوگوں میں علمی اعتبار سے ایک سب سے قدیم شخصیت ہے، پوچھا: وہ کون ہے؟ میں نے کہا: عطا بن ابی رباح۔ (ایضًا، ص:۵۰)

ابن ابی عروبہ حضرت قتادہ ہی سے بیان کرتے ہیں کہ — راوی کے خیال کے مطابق — انھوں نے فرمایا: جب چار حضرات اکٹھے ہوں تو میں ان کے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ نہیں کرتا اور نہ ان لوگوں کی پرواہ کرتا جو ان کی مخالفت کریں۔ وہ چار حضرات یہ ہیں:

(۱) حضرت حسن بصری (۲) حضرت ابن المسیب (۳) حضرت ابراہیم نخعی (۴) حضرت عطا۔ یہ لوگ ائمۃ الامصار ہیں۔ (ایضًا)

الاعلام میں ہے: فكان مفتي أهلها ومحدثهم. (الاعلام للزرکلی، ج:۴، ص:۲۳۵، دار العلم للملایین)

حضرت عطا اہل مکہ کے مفتی اور محدث تھے۔

علم حدیث: آپ ایک بلند پایہ محدث تھے۔ امام ابن سعد نے بعض اہل علم کے حوالے سے لکھا کہ حضرت عطا کثیر الحدیث تھے۔ آپ اس علم کا اتنا پاس و لحاظ رکھتے تھے کہ جب کوئی ایسی حدیث بیان کرتا جو آپ کو معلوم ہوتی پھر بھی توجہ سے سنتے اور کسی کی دخل اندازی برداشت نہ کرتے۔ معاذ بن سعید کا بیان ہے:

ہم لوگ حضرت عطا کے پاس تھے، ایک شخص نے حدیث بیان کی تو دوسرے نے اسے روکا۔ اس پر حضرت عطا غصہ ہو گئے فرمایا: یہ کیا اخلاق ہے یہ کیسی طبیعتیں ہیں؟ بخدا ایک شخص مجھ سے حدیث بیان کرتا ہے حالاں کہ مجھے اس کا اس سے زیادہ علم ہوتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے یہ حدیث خود مجھ ہی سے سنی ہو پھر بھی میں خاموشی سے سنتا ہوں اور یہ ظاہر کرتا ہوں کہ میں نے اس سے پہلے نہیں سنی۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۵، ص:۳۲۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

علم فقہ: آپ ایک جلیل القدر اور باریک بیں مفتی اور فقیہ تھے۔ ابو حازم اعرج فرماتے ہیں: حضرت عطا مکہ والوں پر فتویٰ میں فوقیت لے گئے۔ (سیر الاعلام النبلاء، ج:۵، ص:۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

حضرت عمر بن سعید بن ابی حسین اپنی والدہ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس کسی چیز کے تعلق سے پوچھنے کے لیے بھیجا تو انھوں نے فرمایا: اے مکہ والو! تم میرے پاس آتے ہو جب کہ تم میں حضرت عطا بن ابی رباح موجود ہیں۔ (ایضًا)

ابو عاصم ثقفی نے کہا: میں نے امام باقر کو لوگوں سے یہ فرماتے سنا کہ تم لوگ میرے پاس آئے ہو حالاں کہ تمھارے درمیان حضرت عطا تشریف رکھتے ہیں۔ (ایضًا)

یہی امام موصوف دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :روے زمین پر مناسک حج کا عالم حضرت عطا سے بڑا کوئی نہیں ہے۔(ایضًا)

ایک اور جگہ فرمایا: جہاں تک ہو سکے تم حضرت عطا سے علم حاصل کرو۔(ایضًا)

عبداللہ بن ابراہیم بن عمر بن کیسان کا بیان ہے کہ ان کے والد نے فرمایا: مجھے یاد آتا ہے کہ بنو امیہ کے زمانے میں ایک منادی بلند آواز سے یہ ندا دیتا تھا کہ حضرت عطا کے سوا کوئی فتویٰ نہ دے۔(ایضًا)

حضرت محمد بن عبداللہ بن دیباج نے فرمایا کہ میں نے حضرت عطا سے بہتر مفتی نہیں دیکھا، دراصل ان کی مجلس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے، سستی نہیں ہوتی، اہل مجلس کے اندر خشوع و خضوع پایا جاتا ہے، اگر حضرت عطا بولتے ہیں یا ان سے کچھ پوچھا جاتا ہے تو وہ اچھا جواب دیتے ہیں۔(ایضًا، ص:۵۱)

آپ کے دور میں مکہ کے عام لوگوں کو بہت سے مسائل حج کی خاصی جان کاری حاصل ہو گئی تھی۔ اس تعلق سے امام اعظم کا ایک واقعہ یہاں درج کرنا لطف سے خالی نہ ہوگا:

حضرت وکیع بیان کرتے ہیں: مجھ سے امام اعظم نعمان بن ثابت نے کہا: میں نے مکہ میں مناسک حج کے پانچ مسئلے میں غلطی کی تو ایک حجام نے مجھے ان کی تعلیم دی۔ ہوا یہ کہ میں نے اس سے اپنا سر مونڈوانا چاہا تو وہ بولا: کیا آپ عربی ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، میں نے پوچھا: کیا لیں گے؟ بولا: عبادات میں شرط نہیں، بیٹھ جائیے، میں قبلہ سے مڑ کر بیٹھا تو اس نے کہا اپنا چہرہ قبلہ کی طرف کیجیے۔ پھر میں بائیں جانب سے حلق کروانا چاہا تو اس نے کہا: اپنا داہنا حصہ آگے کیجیے۔ اور میں وہ کرتا گیا جو وہ کہتا گیا۔ بعد ازاں وہ سر کا حلق کرنے لگا اور میں خاموش بیٹھا تھا، اس نے کہا: تکبیر پڑھیے، میں تکبیر کہنے لگا۔ پھر جب میں جانے کے لیے اٹھا تو اس نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: قیام گاہ کا، بولا: دو رکعت پڑھیے پھر جائیے۔

جاتے وقت میں نے اس سے پوچھا ان باتوں کا علم آپ کو کہاں سے ہوا؟ جواب دیا: میں نے حضرت عطا کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔(وفیات الاعیان، ج:۳، ص:۲۶۱-۲۶۲، دار الثقافہ، بیروت)

اس پایہ کے مفتی ہوتے ہوئے بھی آپ حد درجہ احتیاط فرماتے تھے۔ حضرت عبدالعزیز بن رفیع نے کہا: حضرت عطا سے ایک مرتبہ کسی چیز کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب میں "لا ادری" کہا۔ ان سے کہا گیا کہ کیا آپ اپنی رائے سے کچھ نہیں کہتے؟ فرمایا: مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں زمین پر اپنی رائے کی وجہ سے ذلیل بنوں۔

(تہذیب التہذیب، ج:۴، ص:۱۳۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جرح و تعدیل: جرح و تعدیل ایک ایسا فن ہے جو علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کے لیے لازمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے آپ نے اس علم سے پوری دل چسپی اور لگاؤ برقرار رکھا اور قبول احادیث میں تحقیق و تفتیش سے چشم پوشی نہیں کی۔ یہ دعویٰ بغیر دلیل نہ رہ جائے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں روایت ذکر کر دی جائے تاکہ بات اظہر من الشمس ہو جائے۔

فطر بن خلیفہ نے کہا: میں نے حضرت عطا سے عرض کیا کہ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کتاب اللہ مسح علی الخفین پر سبقت کر چکی (یعنی وہ نسخ کی طرف اشارہ کرنا چاہتے تھے) توانھوں نے فرمایا: عکرمہ نے جھوٹ کہا۔ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فرماتے سنا: خفین پر مسح کرنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ تو قضاے حاجت کے لیے جائے۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال، ج:۱، ص:۱۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اس کے علاوہ بنوامیہ کے دورامارت میں آپ کے علاوہ کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ دیا جانا بھی اس بات پر دلیل ہے کہ آپ حزم واحتیاط اور چھان بین میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

بدمذہبوں سے اجتناب اور قدریہ کا رد: ایک مجدد کا وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات پر گہری نظر رکھے اور جہاں دین سے کھلواڑ کیا جائے یا شریعت کا مذاق اڑایا جائے یا کسی حدیث کی غلط تشریح کی جائے تو ان کی اصلاح اور رہ نمائی کے لیے وہ خود کوئی قدم اٹھائے یا تلامذہ پیدا کرے یا ایسی کتابیں تصنیف کرے جو امت کے حق میں مشعل راہ ہوں۔

اس گفتگو کے تناظر میں جب ہم آپ کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ آپ نے اپنے دور میں بدمذہبوں سے نفرت رکھی اور غلط نظریات کے حامی افراد کی تردید فرمائی۔ آپ کے پاس کوئی آتا تو آپ اس سے اس کے مذہب کے بارے میں پوچھتے پھر مزید بات چیت کرتے۔ سردست ایک واقعہ پڑھیے اور ہماری بات پر یقین کیجیے۔

امام اعظم نعمان بن ثابت فرماتے ہیں کہ مکہ میں، میں حضرت عطا سے ملا تو ایک چیز کے متعلق سوال کیا، انھوں نے پوچھا: آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ عرض کیا: کوفہ کا، فرمایا: آپ اس گاؤں کے باشندے ہیں جہاں کے لوگ اپنا دین چھوڑ کر شیعہ ہو گئے۔ عرض کیا: ہاں، فرمایا: تو آپ کس قسم کے لوگوں میں سے ہیں؟ عرض کیا: ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے اسلاف کو گالی نہیں دیتے، تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں اور گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ حضرت عطا نے فرمایا: آپ نے معرفت حاصل کرلی ہے، اس پر برقرار رہیں اور فرمایا: جس پر امت کا اجماع ہو وہ میرے نزدیک اسناد سے زیادہ باقوت ہے۔

حضرت عطا سے کہا گیا: یہاں کچھ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان میں کمی وبیشی نہیں ہوتی، فرمایا: کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (سورۂ محمد:۱۷) اور جنھوں نے راہ پائی، اللہ نے ان کی ہدایت اور زیادہ فرمائی۔ تو یہ کون سی ہدایت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اضافہ فرمایا۔ مین نے عرض کیا: ان کا خیال ہے کہ نماز اور روزہ اللہ تعالیٰ کے دین سے نہیں، فرمایا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (سورۃ البینہ:۵) اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے ایک طرف کے ہوکر اور نماز قائم کریں اور زکات دیں اور یہ سیدھا دین ہے۔ اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے انھیں دین قرار دیا ہے۔ (البدایہ والنھایہ، ج:۹، ص:۳۸۳، دار ابی حیان، قاہرہ)

آپ کے وقت میں جب قدریہ کا فتنہ سامنے آیا اور لوگوں کے ذہن کو خراب کرنا شروع کیا گیا تو آپ نے اس کا بھی رد فرمایا: ابن جریر فرماتے ہیں کہ میں نے حصرت عطا کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ انھوں نے شتربان سے فرمایا: پانچ باتیں اچھی طرح

یاد کرلو! تقدیر کا خیر وشر اور مٹھاس اور کڑواہٹ اللہ عزوجل کی طرف سے ہے، اس میں بندوں کے لیے نہ مشیت ہے اور نہ تفویض، اہل قبلہ مومن ہیں اوران کے جان ومال حرام ہیں اگر وہ قبلہ کا حکم پامال کریں توانھیں سزادی جائے گی، باغی جماعت کا مقابلہ ہاتھوں، جوتوں اور ہتھیاروں سے کیا جائے اور خوارج کے گم راہ ہونے کی شہادت دی جائے۔ (ایضًا، ص:۳۸۴)

علاوہ ازیں آپ نے ایسے تلامذہ پیدا کیے جنھوں نے ملت بیضا کے تحفظ اور بقا کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کردی اور ہر قسم کی دسیسہ کاری سے اس کی حفاظت کی۔

وفات: اپنے وقت کے اس بلند پایہ عالم دین نے رمضان ۱۱۴ھ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دنیا کو خیر آباد کہہ دیا، آخرت کی راہ لی اور امت کے لیے ایک ناقابل تلافی خلا چھوڑ گیا۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

مراجع ومصادر:

(۱)سیراعلام النبلاء، مؤلف:امام حافظ شمس الدین محمدبن احمدبن عثمان الذهبی، م۷٤۸ھ، ج:٥،تحقیق:مصطفیٰ عبدالقادرعطا،دارالکتب العلمیه،بیروت،لبنان،طبع اول:١٤٢٥ھ –٢٠٠٤ء

(۲)البدایه والنهایه،مؤلف: ابوالفدا حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیردمشقی (۷۰۰ھ–۷۷٤ھ)، ج:۹،دارابی حیان،قاهره،طبع اول:١٤١٦ھ–١٩٩٦ء

(۳)تذکرة الحفاظ،مؤلف:امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذهبی، م۷٤۸ھ، ج:۱، محشی: شیخ ذکر یاعمیرات،دارالکتب العلمیه ،بیروت،لبنان،طبع اول:١٤١٩ھ–١٩٩٨ء

(٤)تهذیب التهذیب، مؤلف: امام حافظ شیخ الاسلام شهاب الدین ابوالفضل احمدبن حجر عسقلانی، م۸٥۲ھ،ج:٤،داراحیاء التراث العربی،بیروت،لبنان،طبع اول:١٤١٢ھ–١٩٩١ء

(٥)صفة الصفوة، مؤلف: امام جمال الدین ابوالفرج ابن الجوزی(٥١٠ھ–٥٩١ھ) ج:۲،تحقیق : ابراهیم رمضان وسعیداللحام، دارالکتب العلمیه،بیروت،لبنان،طبع دوم:١٤٢٣ھ–٢٠٠٢ء

(٦)الکامل فی ضعفاءالرجال،مؤلف:امام حافظ ابواحمد عبدالله بن علی جرجانی، م٣٦٥ھ، ج:۱، تحقیق وتعلیق:شیخ عادل احمد عبدالموجود،شیخ علی بن محمد معرض،عبدالفتاح ابوالسنة،دارالکتب العلمیه،بیروت،لبنان،طبع اول:١٤١٨ھ–١٩٩٧ء

(۷)وفیات الاعیان وانباءابناءالزمان،مؤلف:ابوالعباس شمس الدین احمدبن محمدبن ابی بکر بن خلکان (٦٠٨ھ-٦٨١ھ) ج:۳، تحقیق: الدکتور احسان عباس،دارالثقافه،بیروت،لبنان

(۸)الطبقات الکبریٰ،مؤلف:محمدبن سعدبن منیع زهری،م ۲۳۰ھ،ج:٥–٦،دار احیاءالتراث العربی، بیروت، لبنان،طبع اول:١٤١٦ھ–١٩٩٥ء

(۹)الاعلام قاموص وتراجم لاشهرالرجال والنساء من العربی والمستعربین والمستشرقین، مؤلف: خیرالدین الزرکلی،ج:٤،دارالعلم للملایین،بیروت،لبنان،پندرهواں ایڈیشن،مئی/٢٠٠٢ء

(۱۰)مشاهیرحدیث،مؤلف:مولاناڈاکٹر محمدعاصم اعظمی،ناشر:کمال بک ڈپو،مدرسه شمس العلوم گھوسی ،مئو

☆☆☆☆

عبدالوہاب قادری مصباحی، کٹیہار، جماعت: فضیلت Mo: 818892553

نام: عامر، **کنیت:** ابو عمرو، **القاب:** امام، حافظ، فقیہ، متقن اور علامۃ العصر ہے۔

والد: شراحیل

سلسلۂ نسب: عامر بن شراحیل بن عبد بن ذی کبار۔

شعبی: قبیلے کی طرف نسبت ہے، شہرت کے باعث یہ نسبت لقب بن گئی ہے، یمن کے نامور حمیری خاندان میں حسان بن عمرو ایک باعزت و عظمت سردار گذرا ہے جو یمن کی ایک پہاڑی ذوالشعبین میں پیدا ہوا تھا اور بعد مرگ یہیں مدفون ہوا اسی بنا پر وہ ذوالشعبین سے مشہور ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی نسل میں بھی یہ نسبت قائم رہی، اس کی نسل کی ایک شاخ ہمدان میں آباد تھی، عہد اسلامی میں کوفہ منتقل ہو گئی، اس شاخ کو شعبی کہا جاتا تھا، حضرت عامر بن شراحیل اسی شاخ سے تھے۔ (وفیات الاعیان، ج:۳، ص:۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، سیر اعلام النبلا، ج:۵، ص:۲۰۷، مکتبہ: دارالفکر، تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ولادت: آپ کی ولادت عہد فاروقی میں ۱۷ھ یا ۱۹ھ کو مقام کوفہ میں ہوئی۔

(تہذیب التہذیب، ج:۳، ص:۴۸، داراحیاء التراث العربی، وفیات الاعیان، ج:۳، ص:۹،۸، دارالکتب العلمیہ)

حضرت عامر بن شراحیل جلیل القدر اور عظیم الشان تابعی ہیں۔ (وفیات الاعیان، ج:۳، ص:۶، دارالکتب العلمیہ)

پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے جیسا کہ منصور فدانی آپ کے بارے میں بیان کرتے ہیں: "قال المنصور الفداني عن الشعبي: ادركت خمس مائة من الصحابة."

(تهذيب التهذيب، ج:۳، ص:۴۷، دار احياء التراث العربي)

ترجمہ: "منصور فدانی شعبی کے بارے میں کہتے ہیں: میں نے پانچ سو صحابہ سے ملاقات کی"۔

آپ نے بلند مرتبہ صحابہ اور کبار تابعین سے خداداد ذوق علم اور قوت حفظ کے ساتھ قرآن و تفسیر، حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ نے اخذ علم کی لازوال دولت حاصل کی تھی اور اکتساب فیض کیا تھا ان میں سے چند کے نام

درج ذیل ہیں:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت زید بن ثابت، حضرت قیس بن سعید بن عبادہ، حضرت قرظہ بن کعب، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابومسعود انصاری، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت جریر بن عبداللہ بجلی، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوسعید خدری، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص اور حضرت عائشہ صدیقہ وغیرھم رضی اللہ عنہم

(تھذیب التھذیب، ج:۳، ص٤٦—٤٧ دار احیاء التراث العربی)

جن تابعین کی بارگاہ میں آپ نے زانوئے تلمذ تہ کیا ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، حضرت علقمہ بن قیس، حضرت قاضی شریح، حضرت عروہ بن جعد، حضرت عروہ بن مضرس، حضرت عیاض اشعری، حضرت حارث اعور، حضرت خارجہ بن الصلت، حضرت عروہ بن مغیرہ بن شعبہ، حضرت عمر بن میمون اودی اور مسروق بن الاجدع وغیرہم رضی اللہ عنہم۔(تھذیب التھذیب، ج:۳، ص:٤٧، دار احیاء التراث العربی، تھذیب الکمال، ج:٥، ص:١٣٩، ١٤٠، ١٤١، دار الکتب العلمیہ)

جن لوگوں نے آپ سے روایت حدیث کی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

ابواسحاق السبیعی، سعید بن عمرو بن اشوع، اسماعیل بن ابی خالد، بیان بن بشر، اشعب بن سوار، توبہ العنبری، حصین بن عبدالرحمٰن، ابواسحاق شیبانی، سماک بن حرب، امام اعمش اور منصور وغیرہم رضی اللہ عنہم۔(تھذیب التھذیب، ج:۳، ص:۴۷، دار احیاء التراث العربی)

ذہانت: آپ انتہائی ذہین وفطین تھے ایک مرتبہ کسی بات کو سن لیتے یا پڑھ لیتے تو دوبارہ اسے پڑھنے یا سننے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ بات نقش کالحجر ہوجاتی۔ اللہ رب العزت نے آپ کو زبردست قوت حافظہ عطا کیا تھا، تحدیث نعمت کے طور پر آپ اپنے قوت حافظہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ماکتبت سوداء فی بیضاء ولاحدثنی رجل بحدیث الا حفظته ولاحدثنی رجل بحدیث فاحببت ان یعیده علی". (تھذیب التھذیب، ج:۳، ص:٤٨، دار احیاء التراث العربی)

ترجمہ: میں نے کبھی بیاض کو کتابت سے سیاہ نہیں کیا، کسی شخص نے مجھ سے کوئی حدیث بیان نہیں کی مگر میں نے اسے حفظ کرلیا، کسی مرد نے مجھ سے کوئی حدیث بیان کی ہو تو میں نے خواہش نہیں کی کہ وہ دوبارہ مجھ سے اس حدیث کو بیان کرے۔

آپ نے اللہ رب العزت کی اس عظیم نعمت کا فائدہ اٹھایا، بہت سے علوم وفنون میں مہارت حاصل کی اور اپنی علمی جولانیت سے ایک جہاں کو معطر کیا۔

علمی مقام: حضرت ابوعمرو عامر شعبی رضی اللہ عنہ ایک متبحر عالم دین تھے، علوم متداولہ وغیر متداولہ کے جامع تھے، بیک وقت مفسر، محدث، شاعر، مؤرخ، ادیب، فقیہ اور علم فرائض کے ماہر تھے خصوصاً علم فقہ وحدیث میں اپنی مثال آپ تھے، آپ

کے معاصرین میں کوئی بھی آپ کا ہم پلہ نہ تھا۔علم وفضل میں آپ کا پایا اتنا بلند تھا کہ احباب علم ودانش اور اہل کمال کے کلمات الثنا تاریخ علم کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ذیل میں ہم وقت کے بڑے معروف ومشہور عالم دین کے تاثرات درج کر رہے ہیں:

☆**حسن:**"كان والله كثير العلم عظيم الحلم قديم السلم من الاسلام بمكان".

(تهذيب التهذيب،ج:٣،ص:٤٧، دار احياالتراث العربي)

☆**حضرت عبداللہ بن عمر:**"عبدالملک بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے امام شعبی کو مغازی کا بیان کرتے ہوئے سنا تو ارشاد فرمایا:"لقد شهدت القوم فلهو احفظ لها واعلم بها".(ايضاً،ص:٤٨)

میں لوگوں کے پاس حاضر ہوا تو شعبی کو مغازی کا سب سے بڑا حافظ اور جان کار پایا۔

☆**حضرت مکحول:**"مارأيت افقه منه"(ايضاً)

میں نے شعبی سے بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا۔

☆**حضرت ابومجلز:**"مارأيت فيهم افقه منه"(ايضاً)

میں نے ان سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔

☆**حضرت ابن عیینہ:**"كانت الناس تقول بعد الصحابة،ابن عباس فى زمانه،والشعبى فى زمانه، والثورى فى زمانه"(ايضاً)

لوگ کہا کرتے تھے:صحابہ کے بعد(عالم توتین ہیں)ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں،شعبی اپنے زمانہ میں اور سفیان ثوری اپنے زمانہ میں۔

☆**ابن حبان:**"فى الثقات التابعين كان فقيها شاعرا"(ايضاً)

شعبی ثقہ تابعین کی جماعت میں فقیہ اور شاعر تھے۔

☆**ابوجعفر طبری:**"فى طبقات الفقهاء كان ذا أدب وفقه وعلم".(ايضا،ص:٤٩)

شعبی طبقات فقہا میں ادب،فقہ اور علم والے تھے۔

☆**ابی حصین:**"مارأيت أعلم من الشعبى"(ايضاً)

میں نے شعبی سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔

☆**ابواسحاق:**"كان واحد زمانه فى فنون العلم"(ايضاً)

شعبی اپنے زمانہ میں علوم وفنون کے اندر وحید عصر تھے۔

☆**امام زہری:**"العلماء أربعة:ابن المسيب بالمدينة،والشعبى بالكوفة،والحسن البصرى بالبصرة ومكحول بالشام"(وفيات الاعيان،ج:٣،ص:٦،دار الكتب العلميه)

علم حدیث: حضرت امام شعبی رضی اللہ عنہ بہت بڑے محدث تھے، علم حدیث میں ید طولیٰ حاصل تھا، احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ آپ کے سینہ میں محفوظ تھا، آپ بیان کرتے ہیں:

"ماسمعت منذعشرين سنة من رجل يحدث بحديث وأناأعلم به منه."

(تذكرة الحفاظ، ج:١، ص:٦٨، دار الكتب العلميه)

ترجمہ: میں نے بیس سال سے کسی شخص کو کوئی ایسی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں پایا جو مجھے یاد نہ ہو۔

عاصم احول علم حدیث میں آپ کی مہارت و کمال کا قصیدہ پڑھتے ہوئے کہتے ہیں:

"ماراٴيت احدااعلم بحديث اهل الكوفة والبصرة والحجاز من الشعبي"

(مشاهر حديث، ص:٣٣٤، بحواله: تذكرة الحفاظ، ص:٨٢)

ترجمہ: میں نے کوفہ، بصرہ اور حجاز کے محدثین میں شعبی سے بڑھ کر حدیث کا جانکار نہیں دیکھا۔

راویان حدیث پر بھی آپ کی گہری نظر تھی، چناں چہ ابن معین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"اذاحدث عن رجل فسماه فهو ثقة يحتج بحديثه"

(تهذيب التهذيب، ج:٣، ص:٤٨، دار احياء التراث العربي)

ترجمہ: جب وہ کسی کا نام لے کر حدیث بیان کریں تو وہ ثقہ ہوتا ہے اور اس کی حدیث حجت ہوتی ہے۔

فقہ: فقہ و فتاویٰ حضرت امام شعبی رضی اللہ عنہ کا خاص میدان تھا، فقہ میں وہ درجہ امامت پر فائز تھے، بعض بزرگوں نے انھیں اپنے عہد کے سارے فقہا پر ترجیح دی ہے۔ حضرت ابو مجلز رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"ماراٴيت احدا افقه من الشعبي لاسعيدبن المسيب ولاطاؤس ولاعطا ولا الحسن ولا ابن سيرين" (مشاهير حديث، ص:٣٣٤، بحواله: تذكرة الحفاظ، ج:١، ص:٧٦)

ترجمہ: میں نے سعید بن مسیب، طاؤس، عطا، حسن اور ابن سیرین کسی کو بھی شعبی سے بلند مرتبہ فقیہ نہیں پایا۔

فقہ میں اتنا درک و کمال حاصل تھا کہ اصحاب رسول کی موجودگی میں وہ مسند افتا پر متمکّن ہو گئے تھے۔ جیسا کہ محمد ابن سیرین ابو بکر ہذلی کو نصیحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"الزم شعبي فقد راٴيته يستفتي والصحابة متوافرون"

(ايضاً، ص:٣٣٥، بحواله الحديث والمحدثون، ص:١٩٧)

ترجمہ: شعبی کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ، میں نے انھیں دیکھا کہ وہ بہت سے صحابہ کی زندگی میں فتویٰ دینے لگے تھے۔

فقہ میں درک و مہارت اور اس کی بے لوث خدمت کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ علمائے ربانیین نے آپ کا شمار پہلی صدی کے فقہائے مجددین کی فہرست میں کیا ہے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں:

فالاحسن والاجور ان يكون ذلك اشارة الیٰ حدوث جماعة من الاكابر المشهورين على راٴس

كل مائة سنة يجددون للناس دينهم ويحفظون عليهم فى اقطار الارض وكان على رأس مائة الاولىٰ من اولى الأمر عمر بن عبدالعزيز و يكفى هذه الامة وجوده خاصة فانه فعل فى الإسلام ماليس يخفى وكان من الفقهاء فى المدينة محمدبن على الباقر والقاسم بن محمدبن أبى بكر و بالكوفة عامر بن شراحيل الشعبى" (التنبئة بمن يبعثه الله على رأس كل مائة، ص: ٥٥،٥٦، دار الثقة للنشر والتوزيع)

ترجمہ: بہتر ہے کہ مشہور اکابر علما کی اس جماعت کی طرف اشارہ ہوجائے جو ہر صدی کے شروع میں ہوتے ہیں اور لوگوں کے لیے ان کے دین کو زندہ کرتے ہیں اور روے زمین میں اس کی حفاظت وصیانت کرتے ہیں۔ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں اور ان کا وجود ہی اس امت کے لیے کافی ہے؛ کیوں کہ انھوں نے اسلام کے لیے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ مخفی نہیں ہے۔ فقہاے مدینہ میں مجدد حضرت محمد بن علی باقر اور قاسم بن محمد بن ابوبکر ہیں اور کوفہ میں عامر بن شراحیل شعبی۔

زہد و تقویٰ: آپ بہت بڑے عابد وزاہد، متقی اور پرہیزگار تھے، ہر متبرک چیز کا احترام کرتے تھے اور اس بات سے پرہیز کرتے تھے جو شریعت وطبیعت، فطرت وادب کے خلاف ہو۔ ایک مرتبہ اہل مکہ نے تمنا ظاہر کی تھی کہ آپ کچھ دن مکہ مکرمہ میں قیام فرما کر درس حدیث کی مجلس قائم فرمائیں۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے گرم گرم حمام میں قیام کرنا قبول ہے مگر مکرمہ میں سکونت کرنا گوارہ نہیں ہے؛ کیوں کہ اس مقدس زمین میں جہاں جمال الٰہی کی تجلیاں اور جلال خداوندی کی بجلیاں چمک رہی ہوں، ایک گناہ کا صادر ہوجانا بھی بہت بڑی تباہی اور سخت ہلاکت ہے۔

(اولیاء رجال الحدیث، ص:۱۲۷، بحوالہ: اکمال، طبقات، تھذیب التھذیب، تذکرۃ الحفاظ، ناشر: اعظمی بکڈپو)

سخاوت: آپ بہت بڑے جواد وسخی تھے، آپ کی سخاوت کا عالم یہ تھا کہ اپنے رشتہ داروں کا قرض خود ادا فرماتے تھے، جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ابو جعفر طبری کا قول نقل کرتے ہیں، ابو جعفر طبری حضرت کا قول بیان کرتے ہیں:

"وكان يقول: مامات ذو قرابة لى وعليه دين الا قضيته عنه"

(تهذيب التهذيب، ج:٣، ص:٤٩، دار احياء التراث العربى)

ترجمہ: وہ کہا کرتے تھے: میرا کوئی مقروض رشتہ دار انتقال کرتا تھا تو میں اس کا قرض ادا کر دیتا تھا۔

حلم وبردباری: حلم وبردباری کے آپ پیکر تھے، بڑے سے بڑے ناگوار موقع پر ضبط وتحمل سے کام لیتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے بھرے مجمع میں آپ کو گالی دی، سب وشتم کر کے آپ کی شان عالی میں گستاخی کی لیکن آپ نے اسے کچھ نہ کہا اور نہ ہی ناخوش گواری کا اظہار کیا صرف یہ جملہ کہہ کر خاموش ہوگئے، اگر تو سچا ہے تو اللہ میری مغفرت کرے۔ اور اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تیری مغفرت کرے۔

صاحب تہذیب الکمال محمد بن مزاحم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"جاء رجل الى الشعبى فشتمه فى ملأ من الناس، فقال الشعبى: ان كنت كاذبا فغفر الله لك، وإن كنت صادقا فغفر الله لى". (تهذيب الكمال، ج:٥، ص:١٤٤، دار الكتب العلميه)

ترجمہ: ایک آدمی شعبی کے پاس آیا اور بھرے مجمع میں گالی دی، شعبی نے کہا: اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ رب العزت تیری مغفرت کرے، اور اگر تو سچا ہے تو اللہ رب العزت میری مغفرت کرے۔

عفوودرگذر اور چشم پوشی اس قدر تھی کہ کبھی بھی کسی لونڈی اور غلام کو آپ نے نہیں مارا۔ آپ خود فرماتے ہیں:

"ولا ضربت مملوکا لی قط" (تھذیب التھذیب، ج:۳، ص:۴۹، دار احیاء التراث العربی)

ترجمہ: میں نے کبھی بھی اپنے کسی غلام کو نہیں مارا۔

اقوال زریں: ذیل میں آپ کے کچھ اقوال زریں درج کیے جا رہے ہیں؛

*العلم أکثر من ان یحصی فخذ من کل شئی أحسنه.

(تھذیب الکمال، ج:۵، ص:۱۴۴، دار الکتب العلمیه)

ترجمہ: علم شمار سے بھی زیادہ ہے تو ہر علم میں سب سے بہتر کو اختیار کرو۔

*لیس حسن الجوار أن تکف اذاك عن الجار، ولکن حسن الجار ان تصبر علی الجار. (مرجع سابق)

ترجمہ: پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک یہ نہیں کہ تم اپنی تکلیف کو پڑوسی سے روکو بلکہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک تو یہ ہے کہ پڑوسی کی تکلیف پر صبر کرو۔

* اتقوا الفاجر من العلماء والجاهل من المتعبدین فانهما آفة کل مفتون.

(تھذیب الکمال، ج:۵، ص:۱۴۳، دار الکتب العلمیه)

ترجمہ: بدکار عالموں اور جاہل عابدوں سے بچو کیوں کہ یہ دونوں امت کے لیے بہت بڑا فتنہ ہیں۔

*الرجال ثلثة: رجل ونصف رجل ولا شئی، فاما الرجل التام فهو الذی رأی وهو یستشیر، وأما نصف رجل فالذی لیس له رأی وهو یستشیر، واما الذی لاشئی فالذی لیس له رأی ولا یستشیر. (مرجع سابق)

ترجمہ: آدمی تین طرح کے ہوتے ہیں: کامل، اوسط، ناقص۔ کامل مرد تو وہ ہے جو بالذات صاحب رائے ہو اور وہ مشورہ بھی طلب کرے، اور اوسط درجہ کا آدمی وہ ہے جو صاحب رائے تو نہ ہو البتہ وہ مشورہ طلب کرے اور ناقص آدمی وہ ہے جو صاحب رائے ہو نہ ہی مشورہ طلب کرے۔

وفات: علم وفضل کے آفتاب، پہلی صدی کے فرد فرید، اپنے وقت کے عظیم محدث نے ۱۰۴ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا، دار فانی سے دار بقا کا سفر کیا اور ایک جہاں کو روتا بلکتا چھوڑ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ (مرجع سابق، ص:۱۴۴)

☆☆☆☆

عبدالقیوم خان مصباحی، سنت کبیر نگر (یوپی)، جماعت: اختصاص فی الفقہ (سال اخیر) Mo.8858338599

اسم گرامی: عبداللہ۔

کنّیت: بر قول اہذاری، ابو معبد، ایک روایت میں ابو عبّاد اور ایک روایت میں ابو بکر بھی ہے۔ ابن کثیر مکی سے مشہور ہیں، قراء سبعہ میں دوسرے نمبر پر ہیں۔

سلسلۂ نسب: عبداللہ بن کثیر الداری المکی بن فازان ابو معبد القاری مولیٰ عمرو بن علقمہ الکنانی۔

ولادت: آپ کی ولادت ۴۵ھ بزمانہ امام معاویہ رضی اللہ عنہ، مکّہ میں ہوئی۔

خاندانی حالت: آپ بنی الدار بن ہانی بن حبیب بن نمارۃ بن لخم سے ہیں۔ الدار، لخم قبیلے کی ایک شاخ ہے جن میں تمیم الداری صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؛ اس لیے آپ کو داری کہا جاتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ کو دارین کی طرف نسبت کرتے ہوئے داری کہا جاتا ہے، دارِین سمندر کی ایک بندر گاہ کا نام ہے جہاں ہندوستان سے مشک اور خوشبو لائے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے اس مقام کو "مسك دارِین و طيب دارِین" کہتے ہیں۔ اس وقت یہ مملکت سعودیہ عربیہ کے علاقہ دمّام کے زیر نگیں ہے۔ آپ مکہ میں عطر فروش تھے جس کی وجہ سے آپ کو اہل مکہ عطار داری سے جانتے تھے۔ اَصمعی سے منقول ہے: داری اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے گھر کو لازم کرلے اور معاش و روزگار کی طلب میں نہ رہے۔

(کتاب الاقناع فی القراءات السبع، ابو جعفر احمد بن علی بن احمد بن خلف الانصاری م: ۵۴۰ھ ج: ۱، ص: ۷۷/ احیاء التراث الاسلامی)

مؤرخین کہتے ہیں: ابن کثیر، عمرو بن علقمہ الکنانی کے آزاد کردہ غلام اور فارسی النسل ہیں۔ آپ ان ابنائے فارس سے ہیں جنھیں کسریٰ نے کشتیوں کے ذریعہ صنعاء یمن کی طرف بھیجا، پھر وہاں سے انہیں حبشہ جانے پر مجبور کر دیا گیا۔

(تاریخ الاسلام و وفیات المشاهیر و الاعلام للحافظ المؤرخ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی م: ۷۴۸ھ حوادث و وفیات، ۱۰۱-۱۲۰ھ ج: ۷، ص: ۴۰۴، ۴۰۳/ دار الکتاب العربی)

آپ اوساط تابعین سے ہیں۔ عادتاً بالوں میں مہدی استعمال کرتے تھے، مکہ میں جماعت سے قصص بیان کرتے اور بڑے عابد وزاہد تھے۔

اور ابو معشر الطبری م:۸۷۴ھ کی کتاب میں ہے:

كان ابن كثير شيخا كبيرا، أبيض الرأس و اللحية، طويلا جسيما،اسمر اشهل العينين، يغيّر شبيته بالحنّاء أو با لصفرة، و كان حسن السكينة.

ابن کثیر ایک جیّد عالم دین تھے، سر اور داڑھی کے بال سفید، دراز قد اور تن و مند تھے، رنگ گندم گوں، نیل گوں آنکھوں والے تھے۔ داڑھی کے بال کو مہدی یا زردی سے رنگتے تھے، انتہائی بردبار اور متحمل تھے۔

(کتاب طبقات القراء السبعۃ، امین الدین ابو محمد عبد الوہاب بن السلار/ص:۶۵، المکتبۃ العصریۃ صیدا، بیروت/کتاب الاقناع ایضا)

ابن کثیر مکی محدثین وناقدین کی نظر میں:

علی بن المدینی فرماتے ہیں: ”عبداللہ بن کثیر الداری سے ایّوب اور ابن جریج روایت کرتے ہیں۔ عبداللہ بن کثیر ثقہ ہیں“۔

محمد بن سعد نے کہا: وہ ثقہ تھے اور ان کی احادیث قابل قبول ہے۔

حجاج بن منہال نے حماد بن سلمہ سے روایت کیا: میں نے ابو عمرو بن العلاء کو عبداللہ بن کثیر کے پاس پڑھتے دیکھا۔

امام نسائی فرماتے ہیں: عبداللہ بن کثیر ثقہ ہیں۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: میں نے مکہ میں حمید بن قیس اور عبداللہ بن کثیر سے بہتر قاری نہ دیکھا۔

جریر ابن حازم نے کہا: عبداللہ ابن کثیر فصیح اور خوش الحان تھے۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال الامام الحافظ ابو الحجاج جمال الدین بن یوسف المزّی، م: ۷۴۲ھ، ج:۵، ص: ۵۵۹،۵۵۸/دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان/تہذیب التہذیب ابن حجر العسقلانی، م: ۸۵۲ھ، ج:۳، ص:۷۲۳/دار احیاء التراث العربی)

سلسلۂ تعلیم: آپ نے مکمل قرآن حکیم امام مجاہد بن جبر مولیٰ قیس بن سائب، سیدنا دِرباس مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہم اور حضرت ابو السائب (یا ابو عبد الرحمٰن) عبداللہ بن سائب بن ابی سائب صیفی مخزومی صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا۔

حضرت مجاہد نے ابن عباس اور ابی بن کعب سے۔ عبداللہ بن السائب نے امیر المومنین حضرت سیدنا ابو حفص عمر بن خطاب اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے۔ حضرت دِرباس نے اپنے مولیٰ یعنی ابن عباس سے، اور ابن عباس نے علی بن ابی طالب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے۔ اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اکتساب فیض کیا۔

معلوم ہوا کہ ابن کثیر کی قراءت دو واسطوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے (کتاب الاقناع فی القراءات السبع، ابو جعفر احمد بن علی بن احمد بن خلف الانصاری م:۵۴۰ھ، ج:۱، ص:۹۲ تا ۹۴ احیاء التراث الاسلامی)

درس و تدریس: مکہ میں آپ امام القرا تھے۔ اہل مکہ نے حضرت سیدنا امام مجاہد رضی اللہ عنہ کے اس دار فانی سے

رحلت فرما جانے کے بعد آپ کی قراءت پر اجماع کر لیا تھا۔ ابو محمد عبد الوہاب بن السلّار اپنی کتاب ''طبقات القراء السبعة'' میں یوں رقم طراز ہیں:

أجمع أهل مكة على قراءته بعد وفاة مجاهد بن جَبر سنة ثلاث و مئة،وسألوه أن يقرئهم القرآن بعد موت شيخه.

علمائے کرام کی درخواست اور بار بار اصرار پر مسند قرأت کو زینت بخشی اور تاحیات اسی پر متمکّن رہے۔

تلامذہ: آپ کے بہت سے جلیل القدر شاگرد ہوئے۔ جن میں امام شافعی، اسماعیل بن امیّہ، اسماعیل بن عبد اللہ بن قسطنطین، ایّوب سختیانی، جریر بن حازم، حسین بن واقد مروزی، حماد بن سلمہ، زمعہ بن صالح، سفیان بن عیینہ، شبل بن عباد، عبد اللہ بن عثمان بن خثیم، عبد اللہ بن ابی نجیح، عبد الملک بن جریج، عمرو بن حبیب مکی، لیث بن ابی سلیم اور معروف بن مشکان کے نام قابل ذکر ہیں۔

لیکن اہل مکہ کا کسی پر اجماع نہ ہوا، ہاں! ان کے بعد آپ کے شاگرد بزّی پر اجماع منعقد ہوا جو بالواسطہ آپ کے راوی ہیں پھر قنبل پر اجماع ہوا، یہی آپ کے دو راوی مشہور ہیں۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال الامام الحافظ ابو الحجاج جمال الدین بن یوسف المزّی، م:۷۴۲ھ ج:۵، ص:۵۵۹،۵۵۸/دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان/وفیات الاعیان، ۴۱/۳۔۴۲، رقم:۱۵۵)

راوی اوّل: بزّی: یہ احمد بن محمد بن القاسم بن نافع بن ابی بزّہ ہیں، کنّیت: ابو الحسن ہے۔ آپ بزّی کے نام سے مشہور ہیں، بزا ایک جگہ کا نام ہے اور بزآپ کے بعض اجداد کا نام ہے، جس کی طرف آپ منسوب ہیں۔ آپ مسجد حرام کے مؤذن اور امام تھے۔ اپنے شیخ ابن کثیر کے بعد مکہ کے شیخ القراء ہوئے۔ آپ نے عکرمہ بن سلیمان مکی سے، عکرمہ نے شبل سے اور شبل نے عبد اللہ بن کثیر سے پڑھا۔ پس امام بزی کی روایت دو واسطوں سے ابن کثیر تک پہونچتی ہے۔ ولادت ۱۷۰ھ اور وفات ۲۴۰ھ مکہ میں ہوئی۔

راوی دوم: قنبل: یہ محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن خالد بن سعید بن جرجہ مکی مخزومی ہیں، یہ نسب نامہ ابن مجاہد کا بیان کردہ ہے۔ لیکن ابن عبد الرزاق م:۳۳۹ھ نے ''محمد بن خالد'' کی جگہ ''مخلد بن خالد'' لکھا ہے۔ آپ کی کنّیت: ابو عمرو، لقب: قنبل ہے اور اسی لقب سے مشہور ہیں، مکہ کے رہنے والے ہیں۔ بزی کے بعد آپ حجاز کے شیخ القراء تھے۔ آپ نے قرآن پاک ابو الحسن احمد بن محمد قواس سے پڑھا اور احمد بن قوّاس نے ابو الاخریط وہب بن واضح سے اور ابو الاخریط نے اسماعیل بن عبد اللہ قسط سے اور اسماعیل قسط نے شبل مذکور سے اور شبل نے عبد اللہ بن کثیر سے پڑھا۔ پس روایت قنبل چار واسطوں سے ابن کثیر تک پہونچتی ہے۔ ولادت ۱۹۵ھ اور وفات ۲۹۱ھ میں مکہ معظمہ میں ہوئی۔

روى أحمد البزى له و محمد   على سند و هو الملقب قنبلا

ترجمہ: احمد بزی نے ابن کثیر سے روایت کیا ہے اور محمد نے قراءت کو سند کے ساتھ اور یہ محمد قنبل کے لقب سے ملقب ہیں۔ (کتاب الاقناع ج:۱، ص:۷۹ تا ۸۰)

شان تجدید واعتراف تجدید: ہر سو سال پر فکر و مزاج کی تبدیلی کا دائرہ چونکہ وسیع سے وسیع تر ہونے لگتا ہے اور نئے پیدا شدہ حالات میں ہمہ گیر قیادت ور ہنمائی کا فریضہ بسا اوقات ایک نہایت دشوار امر بن جاتا ہے اس لیے علمائے کرام کی تشریحات کے مطابق علم وفضل، دین ودیانت، زہد وورع، فکری استعداد وصلاحیت اور عزیمت واستقامت جیسی اہم صفات کے ایک یا متعدّد اصحاب تجدید واحیاء دین عالم ظہور میں آتے ہیں جو اپنی تجدیدی خدمات سے دین کو روشن و تابناک اور دنیا کو فیض یاب کرتے ہیں۔ چنانچہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان اللہ عزّ و جلّ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مأۃسنۃ من یجدد لھا دینھا. (المستدرک للحاکم ج:۴۔ص:۵۲۲/سنن ابی داؤد کتاب الملاحم ج:۲،ص:۵۸۹، مطبع، اصح المطابع)

اگر چہ سنہ ہجری کا نظام خلافت فاروقی میں ہوا مگر نگاہ نبوت شرق وغرب میں رائج ہونے والے نظام کو پہلے ہی دیکھ رہی تھی۔ تغیّرات زمانہ اور پیدا ہونے والے نئے نئے تقاضوں سے پوری طرح باخبر تھی اس لیے اس میں رب کائنات کے اس فضل خاص کی پوری امت کو خوش خبری دی کہ ہر صدی کے اختتام یا اس کے آغاز میں کچھ ایسے نفوس قدسیہ پیدا ہوتے رہیں گے جو اسلام کی دعوت اور اس کی حفاظت کے لیے کمر بستہ و سینہ سپر رہیں گے، گم راہیوں کے طوفان اور فتنوں کی تیز و تند آندھیوں کا مقابلہ کرتے رہیں گے، ضلالت کی تاریکی میں ہدایت کا نور روشن کرتے رہیں گے اور ان کے وجود سے مسلمانوں کے اندر عظیم دینی وروحانی انقلاب برپا ہوتا رہے گا۔

انہیں نفوس قدسیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی حضرت سیدنا امام ابن کثیر مکی داری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنھیں علمائے اہل سنت میں سے مجد الدین ابن اثیر جزری م:۶۰۶ھ کے حوالے سے امام جلال الدین سیوطی م:۹۱۱ھ رحمۃ اللہ علیہما نے اپنی کتاب ''التنبئۃ بمن یبعثہ اللہ علی رأس کل مائۃ'' میں پہلی صدی کا مجدد قرار دیا۔

وفات: ۱۲۰ھ میں بزمانہ ہشام بن عبد الملک مکہ معظمہ کے اندر ہوئی، پوری عمر ۷۵ر سال ہے۔ آپ کی شان میں قصیدۂ شاطبیہ میں علامہ شاطبی م:۵۹۰ھ فرماتے ہیں۔

و مکۃ عبد اللہ فیھا مقــامہ　　　　ھو ابن کثیرکا ئثر القوم معتلا

ترجمہ: مکہ میں عبداللہ کی اقامت گاہ ہے اور یہ ابن کثیر ہیں اپنی قوم یا قراء میں غالب اور نامور ہیں اس حالت میں کہ بلند ہیں۔ (تہذیب التہذیب، احمد ابن حجر العسقلانی ج:۳،ص:۲۳۷/دار احیاء التراث العربی/حرز الامانی ووجہ التہانی المعروف باسم الشاطبیہ، ابو القاسم بن فیرہ بن خلف الشاطبی الاندلسی م:۵۹۰ھ)

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ ایک جلیل الشان، رفیع القدر، بلند پایہ ائمہ قراء و مجددین میں سے تھے جنھوں نے علم وفضل کی شمع فروزاں کیا اور اپنے علم وفضل سے ایک جہاں کو سیراب کیا اور طالبان علم وفضل کے لیے اپنے روشن تلامذہ اور گراں قدر اصول قراءت قرآن یادگار چھوڑیں جن سے جہان علم صبح قیامت تک فیض پاتا رہے گا۔

☆☆☆☆
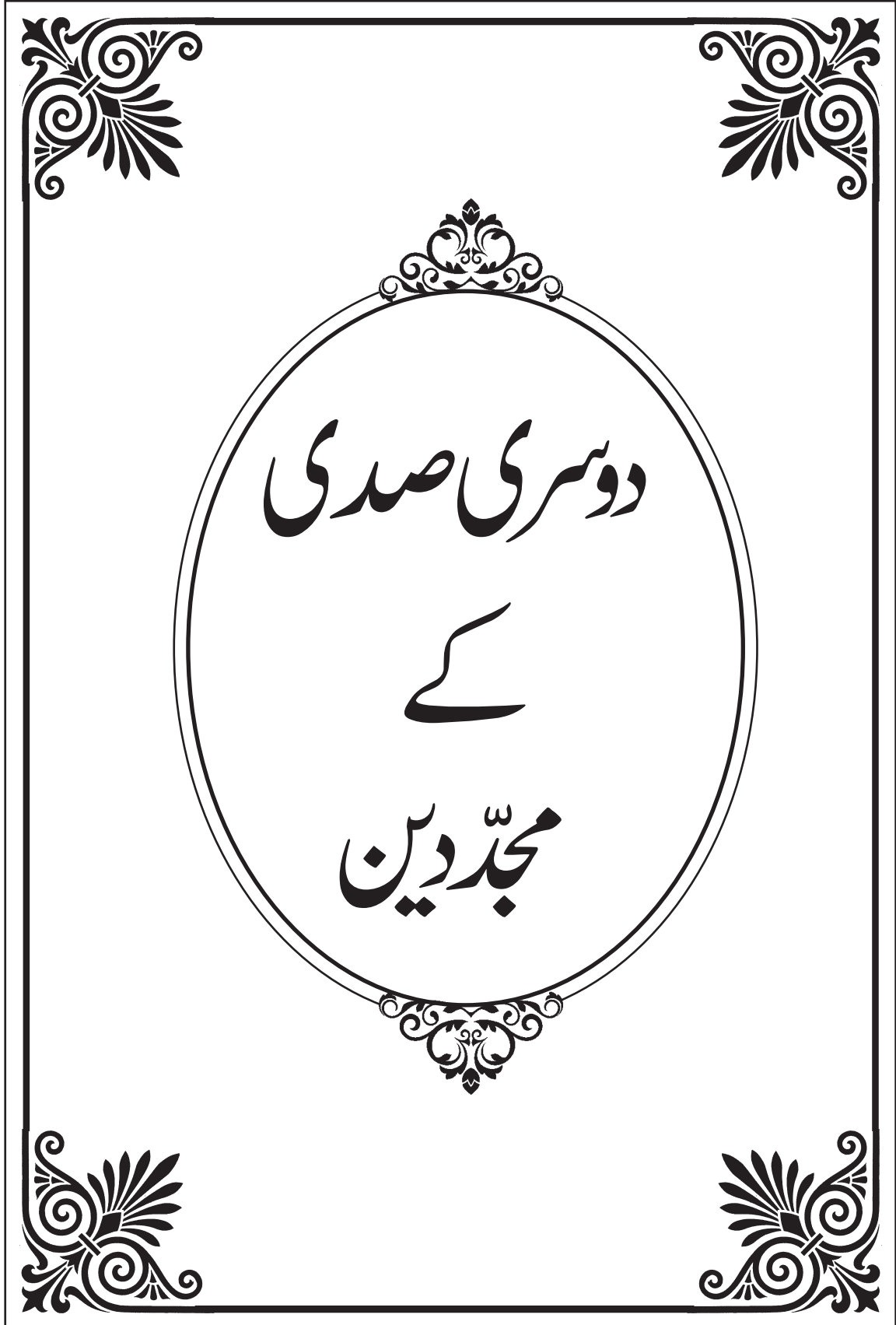
دوسری صدی کے مجدّدین

دوسری صدی کے مجددین

- ★ حضرت محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت اشہب بن عبد العزیز قیسی مالکی رحمۃ اللہ علیہ
- ★ امام جرح و تعدیل حضرت امام یحییٰ بن معین مری رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت امام علی رضا بن موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت اسد الدین معروف بن فیروز کرخی رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت ابو علی حسن بن زیاد لؤلوی رحمۃ اللہ علیہ

محمد یوسف رضا مصباحی، کشمیر، جماعت: تخصص فی الفقہ Mo: 9695499366

نام و نسب: نام: محمد، کنیت: ابو عبداللہ اور لقب: ناصر الحدیث ہے۔ جد اعلیٰ حضرت شافع بن سائب کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو شافعی کہا جاتا ہے۔

والد کی طرف سے سلسلۂ نسب: محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف۔ (تاریخ بغداد، ج:۲، ص:۵۷) سلسلہ نسب عبد مناف پر حضور اکرم ﷺ سے جا ملتا ہے۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب: فاطمہ بنت عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابو طالب۔

لیکن خطیب بغدادی اور قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ کا تعلق قبیلہ بنو ازد سے تھا، جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''الأزد جرثومة العرب'' (تاریخ بغداد، ج:۲، ص:۵۸)

امام ذہبی نے لکھا ہے: كانت ام الشافعي ازدية. (تاریخ ذہبی، ج:۲ص:۳۰۷)

ولادت: آپ کی ولادت ۱۵۰ھ کو غزہ شام میں ہوئی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ''عسقلان'' شام میں ہوئی۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ''یمن'' میں ہوئی، لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (ابن خلکان، ج:۲، ص:۲۱۲)

آپ کی ولادت سے پہلے آپ کی والدہ ماجدہ نے ایک خواب دیکھا کہ کوئی ستارہ ان کے جسم سے مصر میں گرا، جس کی روشنی سے تمام شہر منور ہو گئے۔ معبروں نے اس خواب کی تعبیر یہ بیان کی کہ آپ کے بطن سے ایک بے مثال بچے کی ولادت ہوگی جس کا علم مصر سے اٹھ کر سارے شہروں میں پھیل جائے گا۔ (تاریخ ذہبی، ج:۲، ص:۳۷)

خاندانی پس منظر: آپ کے جد اعلیٰ سائب بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول تھے۔ آپ نے جنگ بدر کے بعد اسلام قبول کیا۔

قبول اسلام کا واقعہ یہ ہے: آپ جنگ بدر میں کفار کی طرف سے بنو ہاشم کے علم بردار تھے۔ اس جنگ میں کفار مکہ کو شکست کی ذلت اٹھانی پڑی اور ان کے بہت سے لوگ قیدی بنائے گئے، حضرت سائب بھی انہی قیدیوں میں سے ایک تھے۔ آپ نے خود اپنی جان کا فدیہ ادا کیا اور اس کے بعد اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے، جب آپ سے لوگوں نے پوچھا اگر آپ فدیہ ادا کرنے سے پہلے ہی اسلام لے آتے تو آپ کی جان تو بچتی ہی آپ کا مال بھی بچ جاتا، آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا

؟تو آپ نے جواب دیا کہ میں مسلمانوں کو ان کے حق سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ (تاریخ ذہبی، ج:۲، ص:۵۸)
سائب کے دو بیٹے شافع اور عبداللہ کو بھی صحابیت کا شرف حاصل ہے۔ شافع نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت ملاقات کی تھی جب آپ مراہق تھے۔ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے شافع کو دیکھا تو فرمایا: ''من سعادۃ المرء أن یشبہ اباہ''. یعنی یہ بچے کی خوش نصیبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے والد کے مشابہ ہو۔ (ایضاً، ج:۳، ص:۶۱)

تعلیم و تربیت: ولادت کے بعد یا اس سے پہلے ہی آپ کے سر سے والد کا سایۂ شفقت اٹھ چکا تھا۔ تعلیم و تربیت کی ساری ذمہ داری والدہ کے سر آگئی جسے انہوں نے بحسن و خوبی نبھایا۔ پہلے وہ آپ کو مکہ مکرمہ لے گئیں۔ اس وقت آپ کی عمر دو سال تھی۔ پھر یمن لے گئیں جہاں آپ نے بچپن کے آٹھ سال گزارے اور تعلیمی سفر کا آغاز فرمایا۔
یہیں سے آپ کے تعلیمی دور کا آغاز ہوتا ہے۔ آپ بچپن ہی سے علم کے کافی حریص تھے، چناں چہ خداداد قوت حافظہ اور فطری ذوق کی وجہ سے سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ اور دس سال کی عمر میں مؤطا زبانی یاد کر لیا تھا۔
(تاریخ بغداد، ج:۲، ص:۶۳)
چنانچہ تاریخ بغداد میں آپ کا یہ قول منقول ہے: ''میں نے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور دس سال کی عمر میں مؤطا یاد کیا'' (ایضاً، ص:۶۳)
بچپن ہی سے تحصیل علم کا بڑا شوق تھا چنانچہ آپ نے فرمایا: ''بچپن میں میری ساری توجہ دو باتوں کی طرف تھی، تیر اندازی اور تحصیل علم، تیر اندازی میں اتنی مہارت ہو گئی تھی کہ دس میں دسوں نشانے صحیح بیٹھتے۔'' (تہذیب التہذیب، ج:۹، ص:۹۴)
والد گرامی کے وصال کے سبب آپ معاشی پس ماندگی کے شکار ہو گئے، لیکن غربت و افلاس بھی آپ کے بلند حوصلوں کو شکست نہ دے سکی، خندہ پیشانی کے ساتھ ہر مشکل کا سامنا کیا اور اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا، ناامیدی کو کبھی آس پاس بھٹکنے بھی نہ دیا، حالاں کہ معلم کو دینے کے لیے آپ کے پاس فیس تک نہ تھی، دیگر طلبہ کی طرح تختی وغیرہ بھی نہ تھی، لیکن آپ احادیث سنتے پھر ہڈیوں پر لکھتے اور یاد کر لیتے۔
چنانچہ آپ نے فرمایا: ''میں علما کی مجلسوں میں شریک ہوتا تو احادیث و مسائل یاد کر لیتا، ہمارا گھر مکہ کے اندر شعب الخیف میں تھا، میں ہڈیاں جمع کرتا اور ان پر حدیثیں لکھتا، ہمارے پاس ایک پرانا گھڑا تھا جب ہڈیاں زیادہ ہو جاتی تو ان کو گھڑے میں رکھ دیتا۔ (مناقب ابو حاتم داری، ص:۲۴)
نامساعد حالات کے باوجود آپ تحصیل علم میں لگے رہے اور اپنے دور کے عظیم فقہا و محدثین سے شرف تلمذ حاصل کر کے بے شمار علوم و فنون میں یکتائے روزگار ہو گئے۔

شیوخ و اساتذہ: مسلم بن خالد زنجی، مالک بن انس، ابراہیم بن سعد، سعید بن صالح قداح، دداوردی، عبدالوہاب ثقفی، ابن علیہ، ابن عیینہ، ابو حمزہ، حاتم بن اسماعیل، ابراہیم بن محمد بن ابی یحیٰ، اسماعیل بن جعفر، محمد بن خالد جندی، عمر بن محمد بن علی بن شافع، عطاف بن خالد مخزومی، ہشام بن یوسف صنعانی، امام محمد بن حسن شیبانی وغیرہ۔ (تہذیب التہذیب، ج:۹، ص:۲۳)

جن اکابر امت کے سامنے زانوے تلمذتہ کرکے آپ درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے یوں تو وہ سبھی حضرات افق علم کے درخشندہ ستارے تھے لیکن اس نورانی قافلے میں حضرت امام مالک اور امام محمد علیہما الرحمۃ ایسی ہستیاں ہیں جو نہ صرف اپنے دور کے نابغہ روزگار تھے بلکہ آج بھی اپنی بے پناہ علمی خدمات اور تقوی و پرہیزگاری کے تناظر میں زندہ ہیں۔آپ نے امام مالک علیہ الرحمہ کے بارے میں فرمایا:" مالک میرے استاذ و معلم ہیں۔میں نے علم انھی سے سیکھا،ان سے زیادہ مجھ پر کسی کا احسان نہیں ہے۔میں نے ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان حجت بنایا۔(الدیباج الذہب،ص:۲۲۸)

امام محمد کے بارے میں فرمایا:"میں امام مالک پھر امام محمد کے استاذ ہونے کو تسلیم کرتا ہوں۔"

(اخبار ابی حنیفہ واصحابہ صمیری،ص:۴۲۴)

ایک جگہ فرمایا:"میں نے محمد بن حسن سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا۔"(جامع بیان العلم جلد:۱،ص:۹۹)

نیز یہ بھی فرمایا:"میں نے امام محمد سے بڑھ کر عاقل،فقیہ،مفتی،خوش تقریر اور بحث و نقد کرنے والا نہیں دیکھا۔"

(حوالہ سابق)

نیز فرمایا:"اگر لوگ فقہا کے بارے میں انصاف سے کام لیں،تو ان کو معلوم ہو گا کہ انہوں نے محمد بن حسن جیسا فقیہ نہیں دیکھا۔"(ایضًا)

تلامذہ: علامہ ابن حجر عسقلانی نے آپ کے تلامذہ کی تعداد کے بارے میں لکھا کہ ۱۶۰۰ سے زائد تھے،آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:زعفرانی،ابو ثور،احمد بن حنبل مزنی،ربیع جیزی،ربیع مرادی،بویطی،حرملہ،یونس بن عبد الاعلی،سلیمان بن داؤد یاتمی،ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی مکی،ابراہیم بن منذر حزامی،ابراہیم بن خالد،ابوطاہر بن سراج،عمر بن سواد عامری،ابوولید موسی بن ابی الجارود مکی،ابویحییٰ محمد بن سعید۔(تہذیب التہذیب،ج:۹،ص:۲۳)

قلمی شہ پارے: آپ نے امت مسلمہ کو تصنیفات کی صورت میں ایک علمی خزانہ عطا فرمایا۔آپ کے قلم سے بیش بہا علمی و فنی جواہر پارے عالم وجود میں آئے۔چنانچہ اسحٰق بن راہویہ سے پوچھا گیا کہ مختصر عمر میں امام شافعی نے اتنی زیادہ کتابیں کیسے لکھیں؟تو آپ نے فرمایا:"جمع اللہ تعالی له عقله لقلة عمره."(تہذیب التہذیب،ج:۹،ص:۲۶)

آپ کی تصنیفات: (۱)کتاب الام:یہ کتاب پندرہ جلدوں پر مشتمل ہے جس کو امام شافعی کے تلمیذ رشید ربیع بن سلمان مرادی نے آپ سے روایت کیا۔یہ امام صاحب کے اقوال جدیدہ پر مشتمل نایاب تصنیف ہے۔

(۲)الرسالہ:یہ کتاب امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کی خواہش پر تحریر فرمائی۔یہ فن اصول فقہ میں ہے،لکھنے کے بعد امام عبدالرحمٰن کی بارگاہ میں جب پیش کی گئی تو بے ساختہ فرمایا:"ما ظننت ان اللہ خلق مثل هذا الرجل."

(مرآۃ الجنان،ج:۲،ص:۱۸)

(۳)مسند شافعی:یہ آپ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے،بلکہ امام مزنی اور ربیع بن سلیمان سے کتاب الام اور مبسوطہ میں جو روایتیں مروی ہیں،انہیں ابوجعفر محمد بن مطر نے مرتب کرکے مسند شافعی نام دیا ہے۔

(۴) کتاب الحجہ: یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول قدیم پر ایک معتمد اور مستند تصنیف ہے اسے آپ نے بغداد کے آخری قیام کے زمانے میں تصنیف کی۔

(۵) کتاب احکام القرآن (۶) اختلاف الحدیث (۷) ابطال الاستحسان (۸) کتاب اجماع العلم (۹) کتاب القیاس (۱۰) اختلاف مالک وشافعی (۱۱) کتاب العلل۔ (۱۲) کتاب المبسوط

امام شافعی بحیثیت مجدد: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دوسری صدی کے مجدد ہیں، اور آپ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت منقول ہے ''اللھم اھد قریشاً فان عالمھا یملأ طباق الارض علماً''

علامہ عبدالملک بن محمد نے اس حدیث کا مصداق امام شافعی کو قرار دیتے ہوئے لکھا: اس حدیث میں قریش کے جس عالم کی پیشن گوئی کی گئی ہے اس کا مصداق امام عبداللہ شافعی ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ج:۹، ص۲۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا ثمرہ یہ ظاہر ہوا کہ آپ کثیر علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہوئے، خصوصاً فقہ، تفسیر، حدیث اور علم کلام وغیرہ میں آپ کی خدمات آپ کے مجدد ہونے کا پتہ دیتی ہیں۔ آپ نے ملت اسلامیہ کو فقہا ومحدثین کی صورت میں نہ صرف رشد وہدایت کے سپہ سالار دیے بلکہ نادر و نایاب علمی تصانیف کا ایک محیر العقول ذخیرہ بھی چھوڑا، اس لیے کہ آپ نے ایسے اصول وضوابط اپنی تصنیفات میں تحریر فرمائے جو اپنے اندر نہ جانے کتنے علوم وفنون کو سمائے ہوئے ہیں۔ آپ کی انہیں خدمات کی بنیاد پر اکابرین امت نے آپ کو مجدد تسلیم کیا چناں چہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر لوگوں کے لیے ایسے شخص کو بھیجے گا جو لوگوں کو سنت کی تعلیم دے گا اور رسول اللہ کی طرف منسوب جھوٹ کی نفی کرے گا'' میں نے جب اس پر غور کیا تو دیکھا پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبدالعزیز ہوئے اور دوسری صدی کے آخر میں امام شافعی ہوئے۔ (تہذیب التہذیب، ج:۲، ص:۲۵)

امام شافعی اور علم حدیث: حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے امام مالک، سفیان بن عیینہ اور امام محمد بن حسن شیبانی جیسے نابغۂ روزگار حضرات سے علم حدیث حاصل کیا تھا اس لیے آپ کی علم حدیث میں جلالت مسلم تھی۔ مؤطا امام مالک صرف دس سال کی عمر ہی میں حفظ کی تھی چنانچہ فرماتے ہیں: ''حفظت المؤطا وانا ابن عشر سنین'' (تاریخ بغداد، جلد:۲، ص:۶۳)

اور مسند امام شافعی جو احادیث نبویہ کا گراں قدر سرمایہ ہے وہ آپ کی علم حدیث کی مظبوطی پر شاہد عدل ہے۔

آپ حدیث کے معنی ومفاہیم سے واقف، راویوں کے حالات وکوائف اور حدیث کی صحت وسقم کی معرفت میں بڑی مہارت رکھتے تھے بلکہ آپ نے ضبط ونقل روایت کے علاوہ جمع روایات، تنقید احادیث، اصول روایت اور امتیاز مراتب کے قواعد مرتب کیے۔

حجیت حدیث: آپ کے دور میں حجیت حدیث کے منکرین تین طرح کے تھے۔ آپ نے اپنے رسالہ ''الام'' میں ان کے اوہام کاسدہ کی بیخ کنی کی۔ اختصاراً ملاحظہ ہو:

(۱) جو گروہ مطلقاً حجیت حدیث کا منکر تھا آپ نے ان کا رد یوں فرمایا: «انما المؤمنون الذین اٰمنو اباللّٰہ ورسولہ»

اس میں آپ نے ایمان باللہ کو ایمان بالرسول کے ساتھ متّصل ہونے سے استدلال فرمایا اور ایمان بالرسول، رسول اللہ کے اقوال، افعال و تقریرات کی طاعت کو واجب کرتا ہے، ظاہر ہے کہ آیت کریمہ سے صراحتاً ایمان بالرسول کا جزو ایمان ہونا ثابت ہے اور ثمرۂ ایمان اتباع ہے پس حدیث کی اتباع واجب ہے۔

(۲) وہ گروہ جس کا کہنا تھا کہ اگر حدیث، قرآن کا بیان نہ ہو تو وہ قابل حجت نہیں۔ ان کا رد یوں فرمایا: کہ وہ حدیث جو مخالف قرآن نہیں یہ ایسے رسول سے مروی ہے جو مفترض الطاعۃ ہے ظاہر ہے کہ وہ بھی اسی وجہ سے قابل تسلیم ہوگی۔

(۳) تیسرا گروہ وہ ہے جس کا کہنا تھا کہ خبر آحاد قابل تسلیم نہیں۔ ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نضّر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظها و وعاها و اداها فرب حامل فقه غیر فقیه و رب حامل فقه الی من هو افقه منه" یعنی جب حفظ کی ترغیب شارع نے دی اور دوسرے تک پہونچانے کا حکم بھی دیا تو یہ اس کے قابل حجت ہونے کے لیے کافی ہے۔ (اتحاف المہرہ، ج:۲ص:۱۲۸)

امام شافعی محدثین کی نظر میں: (۱) امام احمد بن حنبل: "میں مجمل، مفصل، ناسخ و منسوخ اور حدیث کا عالم نہیں ہوا جب تک کہ امام شافعی کی مجلس میں نہیں بیٹھا"۔ ابراہیم مروی نے کہا: "میں نے امام احمد سے امام شافعی کے بارے میں پوچھا تو کہا "حدیث صحیح و رأی صحیح" (تاریخ ذھبی، ج:۲، ص:۳۰۵)

(۲) امام ذہبی: "آپ حدیث کے حافظ اور اس کے علل کو خوب جاننے والے تھے، صرف وہی حدیث قبول کرتے جو آپ کے نزدیک درجۂ صحت کو پہنچ جاتی (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۳۳۰)

(۳) امام قتیبہ: "مات شافعی فماتت السنن مات الثوری مات الورع" (تاریخ ذھبی، ج:۲، ص:۳۱٤)

(۴) امام ابوداؤد: "لیس للشافعی حدیث اخطأ فیه" (تهذیب، ج:۹، ص:۲۷)

(۵) امام نسائی: "کان الشافعی عندنا احد العلماء ثقة ماموناً" (ایضا)

(۶) ابوزری رازی: "ما عند الشافعی حدیث غلط" (ایضاً)

(۷) ابوحاتم رازی: "لو لا الشافعی لکان اصحاب الحدیث فی عمی" (مرأة الجنان، ج:۲، ص:۱۹)

(۸) زعفرانی: "کان اصحاب الحدیث رقودا حتی جاء الشافعی فایقظهم فتیقظوا"

(وفیات الاعیان، ج:۲، ص:۳۱۲)

(۹) محمد بن حسن: "ان تکلم اصحاب الحدیث یوما بلسان الشافعی" (توالی التاسیس، ص:٥٤)

آپ کی علم حدیث میں دسترس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ امام محمد کے مسائل کو احادیث سے مزین کرتے تھے، چنانچہ آپ نے خود فرمایا: "انفقت علی کتب حسن ستین دیناراً ثم تدبر تها فوضعت الی جنب کل مسئلة حدیثاً" (تاریخ ذھبی، ج:۲، ص:۳۱۲)

نیز یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک رات امام شافعی نوافل میں مشغول رہے جب کہ امام محمد لیٹے ہوئے تھے، لیکن جب فجر

کا وقت ہوا تو امام محمد بغیر وضو کے فجر پڑھنے لگے، جس پر امام شافعی نے تعجب کا اظہار کیا، تو امام محمد نے فرمایا کہ میں مسائل کا استنباط کر رہا تھا میں نے پچاس ہزار مسائل مستنبط کیے، تمھاری عبادت کا ثواب صرف تمہیں ملے گا جب کہ میرے مسائل کا امت مسلمہ کو بھی۔

یہ امام محمد کے مستنبط مسائل کی مختصر تعداد تھی جب کہ امام شافعی نے ان کی تمام کتابیں خرید کر مسائل پر احادیث کا اضافہ کیا تھا، اس سے آپ کی حدیث دانی واضح ہوتی ہے کہ آپ اپنے دور کے امیر المؤمنین فی الحدیث تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو بغداد میں ''ناصر الحدیث'' کے نام سے یاد کیا گیا۔

امام شافعی کی فہم و فراست: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو رب قدیر نے فہم و فراست سے بھی حظ وافر عطا فرمایا تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ فنون متداولہ کے ایک عظیم محقق تسلیم کیے گئے ہیں۔ چنانچہ اکابرین امت آپ کی فہم و فراست، عقل و آگاہی، یوں بیان کرتے ہیں:

ابو عبید: میں نے شافعی سے زیادہ عقلمند آدمی نہیں دیکھا، (تہذیب التہذیب، ج:۹، ص:۲۵)

یحییٰ بن سعید قطان: میں نے امام شافعی سے بڑھ کر عقلمند و فقیہ نہیں دیکھا اور میں ہر نماز میں خاص طور پر ان کے لیے دعا کرتا ہوں۔ (تہذیب، ج:۹، ص:۲۵)

اسحٰق بن راہویہ: آپ سے پوچھا گیا کہ امام شافعی نے قلت عمر کے باوجود اتنی کتابیں کیسے لکھیں؟ تو جواب دیا ''جمع اللہ تعالی له عقله لقلة عمره'' (تهذيب التهذيب، ج:۹، ص:۲۵۹)

ہارون بن سعید ایلی: اگر شافعی پتھر کے ان ستونوں کو لکڑی ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ (ترتیب المدارک، ج:۱، ص:۳۸۶)

یونس بن عبد الاعلی: ''لو جمعت امة ما وسعهم عقل الشافعی'' (تاريخ ذهبی، ج:۳، ص:۳۱۳)

آپ ہر معاملے کو نہایت ہی عمدہ انداز میں حل کر دیتے تھے۔ چناں چہ، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ دو آدمی کپڑوں سے بھرا صندوق آپ کی امانت دار والدہ کے پاس رکھ کر چلے گئے، چند دنوں کے بعد ان میں سے ایک آیا اور صندوق لے گیا، پھر دوسرا آیا تو آپ کی والدہ نے فرمایا: کہ میں صندوق تمھارے ساتھی کو دے چکی ہوں، جس پر اس آدمی نے کہا کہ رکھا تو ہم دونوں نے تھا مگر آپ نے صرف اسی کو کیسے دیدیا، آپ پریشان ہوئیں، اتنے میں حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ آگئے، ان کی والدہ نے انہیں سارا واقعہ بتایا، تو امام شافعی نے اس شخص سے کہا کہ تمھارا صندوق موجود ہے اپنے ساتھی کو لے کر آؤ اور اپنی امانت لے جاؤ یہ سن کر وہ حیران رہ گیا۔ (تاریخ ذہبی، ج:۲، ص:۳۱۵)

علم فقہ میں آپ کی خدمات: میدان تفقہ کے بھی آپ ایک عظیم سپہ سالار ہیں، سبب یہ ہے کہ آپ نے ابن جریج فقیہ مکہ کی کتابیں ان کے تلامذہ سے حاصل کی تھیں۔ امام مالک بن انس کی فقہ براہ راست ان ہی سے حاصل کر لیا تھا۔ امام الائمہ امام اعظم کی فقہ ان کے شاگرد رشید محمد بن حسن سے حاصل کیا تھا۔ امام اوزاعی کی فقہ ان کے تلمیذ عمرو بن ابی سلمہ سے اور لیث بن سعد کی فقہ ان کے شاگرد یحییٰ بن حسان سے حاصل کی اس طرح مکہ، مدینہ اور کوفہ کے جلیل القدر فقہا کی فقاہت آپ کی ذات میں جمع ہو گئی، فقہ و اصول فقہ میں آپ کی مہارت کا اندازہ آپ کی کتابیں کتاب الام، الرسالہ، کتاب الحجہ، کتاب المبسوط، کتاب العلل

وغیرہ سے ہوتی ہے جو علمی تحقیقات کا ایک گنج بے کراں کی حیثیت رکھتی ہیں نیز اصول فقہ کے مدون اول ہونے کی وجہ سے آپ کا مرتبہ بہت بلند و بالا ہے۔ چنانچہ اسنوی کہتے ہیں:

"ان الشافعی ھو اول من صنف فی اصول الفقه بالاجماع" (شذرات الذھب، ج:۳، ص:۱۵)

بدرالدین زرکشی نے فرمایا: کہ "امام شافعی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اصول فقہ میں کتاب تصنیف کی، اس فن میں انہوں نے کتاب الرسالہ، احکام القرآن، اختلاف الحدیث، ابطال الاستحسان، کتاب اجماع العلم اور کتاب القیاس لکھ کر اہل علم سے خراج تحسین وصول کیا۔ (البحرالمحیط)

آپ سے پہلے فقہا استنباط مسائل میں شریعت کے معانی اور اس کے احکام کے مقاصد اور نصوص کے اغراض و مدلولات کی معرفت کے لیے اپنی فہم و فراست پر اعتماد کرتے تھے، آپ نے مکمل قواعد و ضوابط وضع کیے اور صرف اسی کی روشنی میں استنباط مسائل فرمایا۔ چناں چہ امام رازی نے آپ کی اسی سعی جمیلہ سے متاثر ہو کر فرمایا: "اعلم ان نسبة الشافعی الی علم الاصول کنسبة ارسطو الی علم المنطق و نسبة الخلیل بن حمد الی علم العروض" (شافعی، ص:۱۶۲)

ضوابط فقہ شافعی: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ استنباط مسائل میں درج ذیل پانچ اصول کا اعتبار کرتے ہیں: (۱) کتاب و سنت ثابتہ: امام شافعی سنت کو کتاب کے ساتھ ایک ہی درجہ میں رکھتے ہیں، اس لیے کہ سنت کتاب کے مجملات کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ لیکن سنت اگر خبر احاد ہو تو نہ وہ قرآن کے مرتبہ میں ہے نہ قرآن کے معارض ہے۔ (۲) اجماع: اجماع امام شافعی کے نزدیک ان فقہا کا معتبر ہے جنہیں علم خاصہ دیا گیا ہے۔ (۳) قول صحابی: ان کا وہ قول ایسا ہو کہ کسی نے ان کے اس قول کی مخالفت نہ کی ہو۔ (۴) اختلاف صحابہ: آپ اختلاف صحابہ کو معتبر مانتے ہیں ۔اور ان صحابہ کے قول پر عمل کرتے ہیں ،جن کا قول کتاب و سنت سے قریب تر ہو۔ (۵) قیاس: آپ ایسے قیاس کو معتبر مانتے ہیں۔ جو مذکورہ بالا اصولوں سے بالترتیب مستنبط ہو۔ (کتاب الام، ج:۷، ص:۴۶)

امام شافعی چوں کہ خود مجتہد مطلق تھے، اس لیے آپ نے فقہاء حجاز و عراق کے اصول و فروع کو سامنے رکھ کر درمیانی راہ اختیار کی، چنانچہ آپ نے مخصوص اصول و ضوابط کی روشنی میں استنباط مسائل فرمائے، ان اصولوں سے ہٹ کر فقہا فتوی درست نہیں جانتے تھے، چنانچہ فرمایا: "ان القاضی و المفتی لا یجوز ان یقضی او یفتی حتیٰ یکون عالما بالکتاب وما قال اھل التاویل فی التاویله و عالما بالسنن والاٰثار و عالما باختلاف العلماء من النظر الصحیح الاودورعا مشاور فی ما اشتبه علیه" (جامع البیان، ج:۲، ص:۸۲)

حضرت امام شافعی نے اپنی خداداد ذہانت و فطانت کے ذریعہ قرآن پاک سے استدلال و استنباط کے لیے نادر اصول ضوابط وضع کیے، چناں چہ آپ نے قرآن کے عام و خاص پر کلام فرمایا، چناں چہ قرآن میں وارد عام کی تین قسمیں کی ہیں۔

(۱) عام ظاہر جس سے عام ظاہر مراد ہو، جیسا خالق کل شئ۔

(۲) عام ظاہر جس سے عام مراد ہو اور اس میں خصوص داخل ہو جیسے "حتی اتیا اھل قریة"

(۳) عام ظاہر جس سے خاص ظاہر مراد ہو۔ "الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم

فزادھم ایمانا و قالوا حسبنا اللہ و نعم الوکیل"۔(آل عمران،۲؍۱۷۳)

مثال اول میں امام شافعی کہتے ہیں کہ عموم کی وجہ سے زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا۔

مثال دوم میں عموم معتبر اور خصوص مقصود ہے۔

مثال سوم میں سیاق آیت اشارہ کرتا ہے کہ مراد بعض ناس ہے۔اور محال ہے کہ کلمہ ناس سے جمیع ناس مراد ہو۔آیت میں پہلا "الناس "مخبر ہے اور دوسرا مخبر عنہ،ظاہر ہے کہ مخبر،مخبر عنہ کا غیر ہوتا ہے۔تولا محالہ قائل بعض ناس اور جامع بھی ناس ہو۔اور بعض ناس خاص ہے۔معلوم ہوا کہ عام ظاہر سے خاص مراد ہے۔

امام شافعی اور تفسیر قرآن: امام شافعی اپنے دور کے مجتہد مطلق تھے۔لہذا علوم قران وتفسیر وغیرہ میں بھی آپ کی جلالت علمی اکابرین امت کے نزدیک مسلم ہے۔(احکام القران)آپ کی تصنیف نایاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔قرانی علوم اور اس کے احکام وغیرہ پر آپ نے جو تحقیقی کام فرمایا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے آپ کی جلالت پر چند اقوال ملاحظہ کریں:

امام یونس بن عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں:امام شافعی بڑی ہی خوبی سے قرآن کی تفسیر کرتے تھے۔چناں چہ آپ خود فرماتے ہیں:

قران کریم میں کوئی کلمہ نہیں جس کا مطلب ومحاورہ،عرب کے لحاظ سے میں نہ جانتا ہوں(اتحاف المہرہ،ج:۴،ص:۶۴)

چناں چہ آیت کریمہ "کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون"(پ۳۰؍۱۵)کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں۔کہ ناراضگی کی بنا پر ایک قوم کا محجوب ہونا دلالت کرتا ہے کہ رضامندی کی وجہ سے دوسری قوم اس کو دیکھے گی نیز فرماتے ہیں۔خدا کی قسم اگر محمد بن ادریس(شافعی)کو اس بات کا یقین نہ ہوتا کہ میعاد میں اپنے رب کو دیکھے گا تو دنیا میں اس کی عبادت نہ کرتا۔

(اتحاف المہرہ،ج:۴،ص:۶۴)

امام شافعی اور مناظرہ: امام شافعی اپنے دور کے صرف فقیہ ومحدث ہی نہیں تھے بلکہ خداداد عقل وشعور کی بنا پر ایک بے باک مناظر بھی تھے،فقہی امور میں آپ نے مخالفین سے مناظرہ کیا۔

چناں چہ ایک مرتبہ تارک صلاۃ کے بارے میں امام احمد وامام شافعی میں مناظرہ ہوا،امام شافعی نے فرمایا:کیا تم تارک صلاۃ کو کافر قرار دیتے ہو؟امام احمد نے فرمایا:ہاں،امام شافعی نے فرمایا:پھر وہ مسلمان ہونا چاہے تو کیا کرے؟امام احمد نے جواب دیا لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی گواہی دے۔امام شافعی نے فرمایا اس حکم کا تو وہ ہمیشہ قائل ہے۔امام احمد نے کہا تو وہ نماز پڑھنے سے مسلمان ہوگا۔امام شافعی نے فرمایا "صلوٰۃ الکافر لا یصح ولا یحکم بالاسلام بھا" کافر کی نماز ہوتی ہی نہیں تو اب اس سے اس کے اسلام کا حکم کیسے ثابت ہوگا۔یہ سن کر امام احمد خاموش ہوئے اور سکوت فرمایا۔(سیرت شافعی)

یہی وجہ تھی کہ فضلائے امت کو آپ کی شان مناظرہ بھی تسلیم تھی۔چناں چہ ہارون بن سعید نے فرمایا "لو أن الشافعی ناظر علی ھذا العمور الذی من حجارۃ بانہ خشب لغلب لإقتدارہ علی المناظرۃ":یعنی امام شافعی اگر پتھر کے ستون کو ثابت کرنے کے لیے مناظرہ کریں تو وہ اپنی قدرت مناظرہ کی بنیاد پر غالب آئیں گے(یعنی ایسا کریں گے)(سیرت شافعیہ،ص:۱۲۴)

محمد بن عبدالحکیم نے فرمایا:کہ اگر تم امام شافعی سے مناظرہ کرتے تو تم خیال کرتے کہ وہ بھیڑیے کی طرح تم کو کھا جائیں گے۔(ایضًا)

محمد اشرف رضا مصباحی، پورنیہ، جماعت فضیلت Mo: 8400123687

جب دنیا ضلالت وگمراہی اور شرک وفساد کا مرکز بن جاتی ہے، فضاے بسیط میں الحاد و دہریت، کفر و شرک، بدعت وضلالت، دین سے بے رغبتی و بے اعتنائی اور بارگاہ الٰہی و شان رسالت میں موشگافیوں کے مہلک جراثیم پوری طرح سرایت کر جاتے ہیں، رہزن اور عیار قسم کے لوگ رشد وہدایت کا لبادہ اوڑھ کر افتراق وانتشار اور ضلالت وگمراہی کا بازار گرم کر دیتے ہیں، امت مسلمہ کے مراکز ایمان واسلام پر نقب زنی کا طاغوتی مشن، فرشتہ صورت وبد باطن مذہبی پیشوا اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں تو ایسے مہلک اور تاریک ماحول میں مختار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "إنّ اللہ عز وجلّ یبعث لھذہ الأمة علیٰ رأس کلّ مائة سنة من یجدد لھا أمر دینھا" (ابوداؤد) کے مطابق ہر صدی میں کوئی نہ کوئی مجدد ضرور پیدا ہوتا ہے جو تجدید واحیاے دین کا بیڑا اٹھاتا ہے، جن کی نورانی کرنوں سے باطل پرستوں کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور مسلمانوں کے قلوب جگمگا اٹھتے ہیں، جن کے ارشاد وہدایت سے بھٹکتی ہوئی اور گمراہی کی طرف بڑھتی ہوئی دنیا اپنا رخ پھیر کر صراط مستقیم کی طرف آجاتی ہے۔

دوسری صدی ہجری کے لیے نگاہ قدرت نے زمانے کے عظیم ترین اور مشہور عرب وعجم، اسرار شریعت کے نکتہ رس اور اسلام کے صحیح مبلغ فقیہ مصر امام أشہب بن عبد العزیز مالکی کا انتخاب کیا جو منصب تجدید کے مستحق اور "والذی ینبغی أن یکون المبعوث علی رأس المائة رجلا مشھورا معروفا مشارا إلیه وقد کان قبل کل مائة أیضا یقوم بأمر الدین" کے معیار پر پورا پورا اترتے تھے۔ (ملخصاً، مرقاۃ الصعود، سنن ابوداؤد)

خلوص وللّٰہیت، علم وفضل، ذکاوت وذہانت، بلند اخلاقی واعلیٰ ظرفی غرض کہ تمام اعلیٰ صفات ان کے اندر جمع تھیں۔ اسلامی افکار ونظریات کا ناشر ومبلغ عشق رسالت میں کامل، شریعت وطریقت کا سنگم، اسلاف کرام کا اعلیٰ نمونہ، فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کا محافظ، مختصر یہ کہ وہ اپنے زمانہ کی نادر الوجود اور عدیم المثال شخصیت تھی اور جو صفات ایک مجدد کے اندر پائی جانی چاہیے وہ آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں۔

اسم گرامی: شہب، بعض لوگوں نے ان کا نام مسکین اور لقب اشہب بتایا ہے جیسا کہ "سیر أعلام النبلاء" میں ہے:

"يقال: إسمه مسكين و أشهب لقب له" لیکن راجح یہ ہے کہ ان کا نام اشہب ہے۔

کنیت: ابو عمر۔(وفات الاعیان، ج:۱، ص:۲۳۹)

نسب: اشہب بن عبدالعزیز بن داؤد بن ابرہیم قیسی مالکی۔

ولادت: ۱۵۰ھ میں امام اشہب مالکی رحمۃ اللہ علیہ مصر میں پیدا ہوئے۔ابو جعفر بن جزار نے فرمایا کہ ان کی ولادت ۱۴۰ھ میں ہوئی۔(مرجع سابق)

شیوخ: آپ نے ابتدائی اور بنیادی تعلیم اپنے گھر ہی میں حاصل کی اور اعلی تعلیم اپنے وقت کے بڑے بڑے فقہا، محدثین اور مجتہدین اسلام کی بارگاہ سے حاصل کی جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کا حق ادا کیا اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ و السلام کو راہ راست پر لانے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے، ان میں بعض نامور شخصیتیں یہ ہیں:

لیث بن سعد، یحیٰ ابن ایوب، سلیمان بن بلال، بکر بن مضر، داؤد بن عبدالرحمٰن عطاری، فضیل بن عیاض وغیرہ۔

لیکن آپ نے علم فقہ خصوصیت کے ساتھ امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے حاصل کی اور ان کی عنایت نظر سے علم فقہ میں ایسا مقام حاصل کر لیا کہ امام شافعی جیسے جلیل القدر مجتہد اور فقیہ بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور فرماتے ہیں:

"ماأخرجت مصر أفقه من أشهب" یعنی مصر میں ان جیسا فقیہ پیدا نہیں ہوا۔

(وفیات الاعیان، ج:۱، ص:۲۳۹ دارالکتب العلمیہ بیروت)

تلامذہ: آپ نے اپنی زندگی کے ہر ہر گوشے کو خدمت دین، احیاے سنت، دین کی تجدید اور نبی کریم ﷺ کی میراث علم شریعت کو خلق خدا تک پہنچانے میں مشغول رکھا، درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کی خدمت انجام دے کر ایسے ایسے نابغۂ روز گار، عدیم المثال اور جواہرات پیدا کیے جو اپنے اپنے وقت کے عظیم مفتی، فقیہ، محدث اور صوفی بن کر چمکے اپنی پوری زندگی مرجع خلائق بنے رہے اور اس خاک دان گیتی پر تبلیغ دین کا پرچم ہمیشہ بلند کیے رہے، جن کی فہرست یہ ہے:

حارث بن مسکین، یونس بن عبدالاعلی، بحر بن نصر، محمد بن عبدالحکم، محمد بن ابرہیم بن موار، فقیہ مصر سحنون بن سعید، فقیہ اندلس عبدالملک بن حبیب، زونان، ہارون بن الیی وغیرہ۔

اخلاق حسنہ واوصاف حمیدہ: آپ کے اندر وہ تمام اخلاقی محاسن موجود تھے جو ایک انسان کو دنیا وآخرت میں کام یاب اور سرخرو بنانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔زہد وورع اور تقوی و طہارت آپ کا ممتاز اور نمایاں وصف تھا، آپ بڑے قناعت پسند اور خوددار تھے، خود ظلم سہتے لیکن دوسروں کا خیال رکھتے، شجاعت و بہادری بھی آپ کا ایک اہم وصف تھا، عیب جوئی، دوسروں کی غیبت اور بہتان طرازی جیسے مذموم اخلاق سے آپ کا دامن محفوظ تھا۔جود وسخا اور غربا پروری آپ کا خاصہ تھا ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی عزت نفس کا خیال رکھتے تھے۔(طبقات المالکیہ، ج:۱، ص:۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

فضل و شرف اور علمی کمالات: ایک مجتہد کے اندر جس طرح کے فضائل و محاسن اور علمی کمالات پائے جانے چاہیے وہ سارے فضائل و محاسن آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھے۔آپ ایک باصلاحیت اور سلیم الفطرت، صاحب علم، بافیض

فقیہ محقق اور محدث ہونے کے ساتھ ساتھ منصب تجدید پر بھی فائز تھے۔ ذیل میں آپ کے فضل و کرم اور علمی کمالات پر فقہا اور محدثین کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "ماأخرجت مصر أفقه من أشهب لو لا طيش فيه"۔ یعنی سرزمین مصر میں امام اشہب ابن عبدالعزیز جیسا فقیہ کوئی پیدا نہیں ہوا، اگر ان میں جلد بازی نہ ہوتی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۸، ص:۳۲۳)

علامہ ابوعمر ابن عبدالبر نے آپ کے فضل و کمال کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"كان فقيهاحسن الرأى والنظر،فضله ابن عبدالحكم على ابن القاسم فى الرأى فذكر هٰذا لمحمد بن عمر بن لبابة الاندلسى، فقال:إنما قال ذٰلك ابن عبدالحكم لأنه لازم أشهب وكان أخذه عنه أكثر، وابن القاسم عندناأفقه فى البيوع وغيرها".

امام اشہب مالکی اچھی رائے، دور رس اور گہرائی و گیرائی والے فقیہ تھے، ابن عبدالحکم نے اصابت رائے میں اشہب مالکی کو ابن قاسم پر فضیلت اور ترجیح دی، تو یہ بات محمد ابن عمر بن لبابہ اندلسی سے ذکر کی گئی، انہوں نے فرمایا: ابن عبدالحکم نے یہ بات اس لیے کہی کیوں کہ وہ اشہب مالکی کے ساتھ رہے اور انہوں نے اشہب مالکی سے دوسروں کی بنسبت زیادہ اخذ علم کیا تھا۔ ابن قاسم ہمارے نزدیک بیوع وغیرہ میں افقہ ہیں۔ (مرجع سابق)

عظیم فقیہ سعید بن معاذ نے فرمایا کہ میں نے محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کو فرماتے ہوئے سنا، انہوں نے فرمایا: "أشهب أفقه من ابن القاسم مائة مرة"۔ یعنی امام اشہب بن عبدالعزیز مالکی، بن قاسم سے سو درجہ بلند پایہ فقیہ تھے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کی مہارت فی الحدیث کو یوں بیان کرتے ہیں:

"كان أشهب من كبار أصحاب مالك،وماهو بدون إبن القاسم وإن كان إبن القاسم أبصر بفقه مالك عنه لٰكن أشهب اعلم بالحديث من إبن القاسم".

امام اشہب بن عبدالعزیز مالکی کا شمار کبار اصحاب مالک میں ہوتا ہے، فضل و شرف اور حکمت و دانائی میں وہ ابن قاسم سے کم نہیں ہیں اگرچہ ابن قاسم کو فقہ مالکی میں ان سے زیادہ بصیرت حاصل ہے؛ لیکن امام اشہب مالکی علم حدیث میں ابن قاسم سے اعلم ہیں۔ (تاریخ الاسلام، ج:۱۴، ص:۱۱۴)

محمد ابن عاصم معافری نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک پکارنے والا پکار رہا ہے "محمد" تو میں نے اس سے کہا کہ کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا۔

ذهب الذين يقال عند فراقهم ليت البلاد بأهلها تتصدع

وہ لوگ چلے گئے جن کی جدائی پر کہا جاتا تھا، کاش شہر اپنے باشندوں کو نگل جاتا،

پھر محمد ابن عاصم معافری فرماتے ہیں کہ اس وقت امام اشہب مالکی حالت مرض میں تھے اور مجھے اس بات کا کوئی خوف نہیں تھا کہ آپ وفات کر جائیں گے، پھر دیکھا کہ وہ اپنے اسی مرض میں وفات کر گئے۔ (وفیات الاعیان، ج:۱، ص:۳۳۹)

ابو عبداللہ قضاعی اپنی کتاب "خطط مصر" میں لکھتے ہیں کہ امام اشہب مالکی شہر کے رؤوسا، اہل ثروت اور امام مالک کے چہیتے اصحاب میں تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "میں نے اہل مصر میں سے کسی کو ان جیسا نہیں دیکھا" امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو امام مالک کے مصری اصحاب میں سے کسی سے ملاقات حاصل نہیں ہے سوائے اشہب مالکی اور ابن عبدالحکم کے۔

تجدیدی کارنامے: علم فقہ، کلام، حدیث اور تفسیر میں آپ کو خدا نے کمال کی صلاحیت سے نوازا تھا۔ آپ نے انہی خداداد صلاحیتوں سے اپنی کتاب زندگی کے ایک ایک ورق کو احیائے سنت، ابطال باطل، احقاق حق اور اسلام کی بے لوث خدمات سے مزین کیا اور انہی قابل قدر تجدیدی کارناموں کے نتیجے میں آپ مجدد جیسے منصب عظیم پر جلوہ گر ہوئے۔ ذیل میں کچھ تجدیدی کارنامے اختصاراً مذکور ہیں۔

مذہب مالکیت کی ترویج واشاعت: ابتدائی مراحل میں عالم اسلام کو مذہب مالکیت سے روشناس کرانے اور اس کے اصول وفروع پر سختی سے لوگوں کو عمل پیرا رکھنے میں آپ امتیازی شان کے حامل ہیں چناں چہ آپ نے اپنی تصانیف اور ماہر شاگردوں کی ٹیم کے ذریعے ایک جہاں کو مذہب مالکیت کا سچا پیرو کار بنایا نیز اس کے اصول وفروع کو تحفظ وبقا، تدوین وتالیف اور نشر واشاعت کے مراحل سے گزارتے ہوئے مذاہب اربعہ میں مذہب مالکیت کو ایک خاص مقام عطا کیا۔

احیائے سنت اور ابطال بدعات ومنکرات: احیائے سنت، رد بدعات ومنکرات اور وضع حدیث کے سدباب میں آپ کے تجدیدی کارنامے شاہ کار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خصوصاً مصر میں آپ کی نمایاں خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ یہیں تک بس نہیں بلکہ آپ دولت وثروت کے ذریعے بھی تجدیدی خدمات میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

خوارج اور باطل عناصر کا ابطال: آپ کے زمانے میں فتنۂ خوارج عروج پر تھا۔ ان کی بیخ کنی میں آپ نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ یہاں تک کہ آپ ہی کی کوششوں سے ان فتنوں کا زور ختم ہوا اور اسلامی سماج سے ان فتنوں کا سدباب کر کے مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کے تحفظ کو یقینی بنایا۔

وفات: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے اٹھارہ دن بعد بروز سنیچر ۲۲/ شعبان المعظم ۲۰۴ھ کو امام اشہب مالکی رحمۃ اللہ علیہ اس جہاں فانی کو الوداع کہہ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج۸، ص۳۲۹ دار الفکر)

ابو جعفر ابن جزار نے کہا کہ ان کی وفات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے ایک مہینہ بعد مصر میں ہوئی، اور امام شافعی کی وفات ۲۰۴ھ میں ماہ رجب گزرنے کے بعد ہوئی تھی۔

تدفین: اپنے آبائی وطن مصر کے ایک چھوٹے سے قبرستان میں ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ (وفیات الاعیان، ج۱، ص۲۳۹۔ دار الکتب العلمیہ)

☆☆☆☆

محمد شہباز احمد، ارول، جماعت سابعہ۔ Mob. No. 8292566814

اسم گرامی: یحییٰ، کنیت: ابوزکریا، لقب: امام الجرح والتعدیل

سلسلۂ نسب: یحییٰ بن معین بن عون بن زیاد بن بسطام بن عبد الرحمٰن بغدادی۔

ولادت: ۱۵۸ھ موضع "نقیای" "مضافات" انبار" میں ہوئی جو بغداد سے تقریبا ۳۶ر میل دوری پر واقع ہے۔

خاندانی حالت: آپ کے والد ماجد "معین" مقام نقیای میں رہتے تھے اور عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے عہد خلافت میں "رے" کے عامل تھے۔

تعلیم: ابوزکریا یحییٰ بن معین میں بچپن ہی سے آثار تقدس ظاہر تھے، ابتدائی تعلیم کے بعد علم حدیث کی جانب متوجہ ہوئے، اپنے والد ماجد معین بن عون کے انتقال کے بعد ترکے میں دس لاکھ پچاس ہزار درہم پائے، آپ نے وہ ساری رقم علم حدیث کی خدمت میں صرف فرمادی، تقریباً چھ لاکھ حدیثیں اپنے نوک قلم سے تحریر کیں، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ پاؤں میں جوتیاں تک نہ رہیں۔ حضرت خطیب بغدادی لکھتے ہیں: "مات فخلف لِابنه يحيىٰ ألف ألف درهم و خمسين ألف درهم فأنفقه كله على الحديث حتى لم يبق له نعل يلبسه." (تاریخ بغداد، ج:۱۴، ص:۱۸۲ مطبع دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

حصول علم کی خاطر اپنے وقت کے جلیل القدر مشائخ محدثین کی بارگاہوں میں زانوے ادب تہ کیا اور کسب علم فرماکر اپنا دامن گوناگوں علمی جواہرات سے بھر لیا، خاص طور سے فن اسماء الرجال میں اتنا درک و کمال حاصل کیا کہ اس فن کے امام بن گئے۔ جن اکابر سے علم حاصل کیا ان میں سے چند کے اسما یہ ہیں:

اساتذہ: عبد السلام بن حرب، عبد اللہ بن مبارک، حفص بن غیاث، جریر بن عبد الحمید، ہشام بن یوسف، عبد الرزاق، ابن عیینہ، وکیع، ابن ابی عدی، غندر، عمر بن عبد الرحمٰن، حجاج بن محمد، حاتم بن اسماعیل، اسماعیل بن مجالد بن سعید، حسین بن محمد، عبد الصمد بن عبد الوارث، عباد بن عباد، مروان بن معاویہ، قطان، ابو عبیدہ بن حداد، ابو اسامہ، حماد بن خالد، عبد الرحمٰن بن مہدی۔ (تہذیب التہذیب، ج:۶، ص:۱۷۸ مطبع دار احیاء التراث العربی)

امام یحییٰ بن معین زبانی حفظ کے ساتھ ساتھ حدیثوں کو سپرد قرطاس بھی کر لیا کرتے تھے، آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے کتنی حدیثیں تحریر کی ہیں؟ فرمایا: "کتبت بیدی هٰذه ست مائة ألف حديث" میں نے اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ

حدیثیں لکھیں۔ (وفیات الاعیان ج:۵ ص:۱۱۴ مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

علی بن مدینی فرماتے ہیں: "ما أعلم أحدا أكتب ما كتب يحيىٰ بن معين" میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے یحییٰ بن معین کے برابر حدیثیں لکھی ہوں۔ (تاریخ بغداد، ج:۱۴ ص:۱۸۲، مطبع دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

صالح جزرہ نے کہا: "ذكر لي أن يحيىٰ بن معين خلف من الكتب لما مات ثلٰثين قمطرا و عشرين جبا" یحییٰ بن معین کے انتقال کے بعد تیس الماریاں اور بیس صندوق کتابوں سے بھری ہوئی ملیں۔

(تہذیب التہذیب، ج:۶، ص:۱۷۹، مطبع دار احیاء التراث العربی)

علم و فضل: ابن معین خداداد ذہانت اور جہد مسلسل سے علم حدیث میں کمال حاصل کر کے عالم اسلام کی عبقری شخصیت بن گئے، آپ کی ثقاہت اور جلالت فی الحدیث کا اعتراف بڑے بڑے ائمۂ حدیث وفقہ نے کیا ہے۔ مشہور ناقد و محدث علی بن مدینی فرماتے ہیں: "انتهى العلم با لبصر ة الى يحيي بن أبي كثير و قتا دة، وعلم الكو فةإلى أبي اسحاق والأعمش، وانتهىٰ علم الحجاز الىٰ ابن شهاب وعمرو بن دينا ر، وصار علمه هؤ لاء الستة بالبصرة الى سعيد بن أبي عرو به وشعبه ومعمر وحمادبن سلمه وأبي عوانه ومن أهل الكو فه الى سفيان الثورى وسفيان بن عيينه ومن أهل الحجاز الى مالك بن أنس ومن أهل الشام الى الأوز اعى وانتهى علم هؤلاء الى محمد بن اسحاق وهشيم ويحيىٰ بن سعيد وابن أبي زائدة ووكيع وابن المبارك وهو أوسع هؤلاء علما وابن مهدى ويحى بن أدم وصار علم هؤلاء جميعا الىٰ يحيىٰ بن معين."

(وفيات الاعيان ج:۵، ص: ۱۱۴، مطبع دار الكتب العلميه بيروت، لبنان)

یعنی بصرہ میں علم حدیث یحییٰ بن ابی کثیر اور ابو قتادہ پر ختم ہوا، کوفہ کا علم اسحاق اور اعمش پر منتہی ہوا، حجاز کا علم ابن شہاب اور عمرو بن دینار پر تمام ہوا، ان چھ محدثین کا علم بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ، شعبہ، معمر، حماد بن سلمہ اور ابو عوانہ پر ختم ہوا، کوفہ والوں میں سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور اہل حجاز میں مالک بن انس اور اہل شام میں اوزاعی پر مکمل ہوا، ان تمام محدثین کا علم محمد بن اسحاق، ہشیم، یحییٰ بن سعید، ابن ابی زائدہ، وکیع اور ابن مبارک تک پہنچا، ابن مبارک، ابن مہدی اور یحییٰ بن آدم ان سبھوں سے زیادہ وسیع علم کے حامل ہیں، پھر ان جملہ محدثین کا علم یحییٰ بن معین کے پاس جمع ہو گیا ہے۔

خطیب بغدادی: "كان اما مأر بانيا، عالما، حافظا، ثبتا، متقنا" وہ امام ربانی، عالم، حافظ، ثبت فی الحدیث اور صاحب حفظ واتقان تھے۔ (تاریخ بغداد، ج:۱۴ ص:۱۸۲، مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

امام احمد بن حنبل: "السماع من يحيىٰ بن معين شفاء لما فى الصدور" امام یحییٰ بن معین سے سماعت حدیث کرنا سینوں کے لیے شفا ہے۔ (حوالہ سابق، ص:۱۸۵)

ابو سعید حداد: "النّاس كلهم عيال علىٰ يحيىٰ بن معين" علم حدیث میں تمام لوگ یحییٰ بن معین کے خوشہ چیں ہیں۔ (حوالہ سابق، ص:۱۸۳)

آپ کی جلالت علمی اور آپ کے رعب و دبدبہ کا عالم یہ تھا کہ محض آپ کا نام سن کر محدثینِ زمانہ کانپ اٹھتے تھے۔ ہارون

بن معروف فرماتے ہیں:

''بغداد میں ملک شام سے ایک مشہور محدث تشریف لائے، ان کی بارگاہ میں سب سے پہلے میں پہنچا اور ان سے حدیث املا کرانے کی درخواست کی، آپ نے فوراً اپنی کتاب اٹھائی اور حدیثیں املا کرانا شروع کر دیا، اتنے میں دروازہ پر کسی نے دستک دی، آپ نے پوچھا کون؟ جواب ملا احمد بن حنبل شیخ نے فرمایا: آجاؤ! امام احمد بن حنبل آنے کے بعد بیٹھ گئے اور شیخ احادیث لکھواتے رہے، ان کے بعد احمد دورقی، عبداللہ بن رومی اور زہیر بن حرب وغیرہ باری باری مکان میں داخل ہوئے، شیخ نے ان سب کو بیٹھنے کا حکم دیا اور کتاب ہاتھ میں لیے لکھواتے رہے، تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، شیخ نے حسب دستور پوچھا کون؟ جواب ملا یحییٰ بن معین، نام سنتے ہی شیخ پر لرزہ طاری ہو گیا، دونوں ہاتھ کانپنے لگے اور کتاب ہاتھ سے گر پڑی''۔(حوالہ سابق، ص:۱۸۵)

ابن مدینی: ''مار أیت فی الناس مثله'' میں نے لوگوں میں ان کے پایہ کا نہ دیکھا۔

(تہذیب التہذیب، ج:۶ ص:۱۸۰، مطبع دار احیاء التراث العربی)

تلامذہ: آپ کے خرمن علم کے خوشہ چینوں کی صحیح تعداد تو نہیں معلوم، البتہ چند مشہور تلامذہ درج ذیل ہیں: ابراہیم بن عبداللہ بن جنید ختلی، ابوبکر بن ابی خثیمہ، احمد بن محمد بن قاسم بن محرز، جعفر بن محمد طیالسی، ابو معین حسین بن حسن رازی، عبداللہ بن احمد دورقی، عبداللہ بن احمد بن حنبل، عبداللہ بن شعیب صابونی، حسین بن حبان، ابو حاتم رازی، ابوزرعہ دمشقی، ابویعلیٰ موصلی، احمد بن عبدالجبار صوفی۔ (تہذیب التہذیب، ج:۶، ص:۱۷۸)

تجدیدی خدمات: آپ کے کارناموں سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ اپنی پوری زندگی حضور ﷺ کی حدیث کی نگہبانی کے لیے وقف کر دی کہ کہیں کسی طرح اس میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہونے پائے، بلا شبہہ آپ کی زندگی اس حدیث پاک کی مصداق تھی۔ امام بیہقی اور ابن عساکر نے ابن سعید فریابی کی سند سے اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ امام احمد بن حنبل سے مروی ہے ''انّ اللہ یقیض للناس فی رأس کل مائة سنة من یعلم الناس السنن و ینفی عن رسول اللہ ﷺ الکذب'' بیشک اللہ تعالیٰ ہر صدی میں لوگوں کی رہنمائی کے لیے ایسی ذات کو ظاہر فرماتا ہے جو لوگوں کو سنتوں کی تعلیم دے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب جھوٹی باتوں کو دور کرے۔ (التنبئة بمن یبعثه اللہ علی رأس کل مائة، از: جلال الدین سیوطی، ص: ۲۴، دار الثقه للنشر و التوزیع، مکہ مکرمہ، طبعہ اولیٰ: ۱۴۱۰)

جرح و تعدیل: جرح و تعدیل کو ایک اہم فن کی حیثیت حاصل ہے، اس کا مقصد شریعت مطہرہ کا تحفظ اور اس کا دفاع ہے، محدثین عظام کا یہ وہ عظیم کارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ پیش نہیں کر سکتی، حدیث کے راویوں کی جانچ پرکھ کے لیے اس فن کا ایجاد ہوا تاکہ ان کی ثقاہت، عدم ثقاہت، عدالت، حفظ، ضعف، صداقت و امانت اور کذب و نسیان کے متعلق فیصلہ کیا جائے۔ یہ کام پہلی صدی کے آخر ہی میں شروع ہو چکا تھا لیکن دوسری صدی کے محدثین نے اسے ایک مستقل فن کا درجہ دے دیا، اس فن میں امام یحییٰ بن معین کو امامت کا درجہ حاصل ہے۔

جب بدعتیوں نے ذخیرۂ احادیث میں موضوع روایتیں شامل کرنے کی ناپاک کوششیں کیں تو محدثین کرام ان کے مقابلہ کے لیے کمربستہ ہو گئے، امام ابن معین تو باضابطہ موضوع حدیثیں لکھ لیا کرتے پھر انھیں درایت و روایت کی کسوٹی پر رکھتے اور

گڑھی ہوئی حدیثوں کو تنور میں ڈال دیتے،آپ خود فرماتے ہیں : ”کتبنا عن الکذّابین ثم سجّرنا به التنور و أخرجنا به خبزا نضیجاً“ میں نے جھوٹے راویوں سے ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا،اس کے بعد میں نے اپنا تنور گرم کیا،اس سے نہایت عمدہ پکی پکائی روٹیاں تیار کرلیں۔(وفیات الاعیان،ج : ۵،ص:۱۱۵،مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت،لبنان)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:ہم جس زمانہ میں صنعا یمن میں حدیث پڑھنے میں مشغول تھے اور میرے ساتھیوں میں یحییٰ بن معین بھی تھے،ایک دن میں نے دیکھا کہ آپ ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے ہیں،اگر کوئی سامنے آتا تو اسے چھپا لیتے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت انس بن مالک کی طرف منسوب ”ابان“کی روایت سے جو جعلی مجموعہ پایا جاتا ہے اس کو نقل کر رہے ہیں،میں نے کہا:آپ جھوٹی روایتوں کو نقل کر رہے ہیں،آپ نے جواب دیا:میں تو اسی لیے لکھ رہا ہوں کہ ان کو زبانی یاد کرلوں،مجھے معلوم ہے کہ یہ سب موضوع روایات ہیں،میرا مقصد یہ ہے کہ آئندہ اگر کوئی روایات میں ”ابان“کی جگہ ثقہ راوی کا نام لے کر گمراہ کرے گا تو میں اس راز کو فاش کردوں گا۔(تہذیب التہذیب ج:۶ص:۱۸۱مطبع دار احیاء التراث العربی)

امام ابن معین کو اس فن میں اتنا ملکہ حاصل تھا کہ ایک ہی نظر میں حدیث کی صحت وسقم کا فیصلہ فرما دیتے تھے،جب کہ دیگر بڑے بڑے محدثین کا وہاں تک گمان بھی نہیں گزرتا،جیسا کہ ابوسعید سے منقول ہے:”وإنّا لنذهب إلی الحدیث فننظر فی کتبه فلا نریٰ فیها إلّا کلّ حدیث صحیح حتّی یجیئ أبو زکریّا فأول شیئ یقع فی یده الخطاولو لا أنّه عرفناه لم نعرفه“ ہم لوگ جب کسی محدث کی بارگاہ میں حاضری دیتے،جو احادیث ان کی کتابوں میں درج ہوتیں انھیں ہم صحیح سمجھ لیتے،مگر جب وہی روایتیں ابن معین کے سامنے پیش کی جاتیں تو اول نظر میں غلطیوں کو بھانپ لیتے اور غلطی اتنی باریک ہوتی کہ اگر وہ ہمیں توجہ نہ دلاتے تو ہمیں شعور بھی نہ ہوتا۔(حوالہ سابق)

امام احمد فرماتے ہیں: ”هٰهنا رجل خلقه الله تعالیٰ لهٰذا الشان یظهر کذب الکذّابین یعنی ابن معین“ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا شخص پیدا فرمادیا ہے جو کذابوں کی کذب بیانی ظاہر کردیتا ہے،وہ ابن معین ہیں۔(حوالہ سابق)

فن اسماء الرجال : فن اسماء الرجال کا علم،حدیث کا نصف علم ہے۔اس میں بھی آپ کو کامل ملکہ حاصل تھا۔اس فن میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی کون ہیں؟ان کا سلسلۂ نسب اور جائے سکونت کیا ہے؟ولادت کب ہوئی؟حافظہ، دین داری اور تقویٰ کس درجہ کا ہے؟ان کے عقائد کیا ہیں؟آپ قدیم وجدید ہر قسم کے راویوں کا حال جانتے تھے۔اس فن میں آپ کی حذاقت ومہارت کا اعتراف جلیل القدر ائمۂ فن نے کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور ایک محدث عبد الخالق دونوں مغازی کی احادیث سننے کے لیے یعقوب بن ابراہیم کے پاس جاتے تھے، اس زمانے میں یحییٰ بن معین بصرہ میں قیام پذیر تھے،ایک دن امام احمد بن حنبل نے فرمایا : ”لیت أن یحیی هنا“ کاش! ابوزکریا یہاں ہوتے،عبد الخالق نے کہا ”ما تصنع به“ اگر ہوتے بھی تو کیا کرتے؟ امام احمد بن حنبل نے فرمایا : ”یعرف الخطا“ وہ خطا کو پہچان لیتے ہیں۔(حوالہ سابق)

عمرو ناقد:”ما کان فی أصحابنا أعلم با لإسناد من یحییٰ بن معین ما قدر احد یقلب علیه إسنادا قط“ہمارے اصحاب میں یحییٰ بن معین سے بڑھ کر کوئی اسناد کا علم نہ رکھتا تھا،کوئی ان کے پاس اسناد کو الٹ پلٹ کر بیان کرنے

کی جراءت نہ رکھتا تھا۔ (حوالہ سابق، ص ۱۸۰)

احمد بن حنبل: "کان ابن معین أعلمنا بالرجال" ابن معین ہم میں رجال کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (حوالہ سابق)

حق گوئی اور فرط احتیاط: راویوں پر نقد و جرح بڑا اہم کام ہے، اس میں کامل احتیاط برتنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس سلسلے میں دنیاوی وجاہت اور رشتہ و قرابت کا پاس و لحاظ نہیں ہوتا، رجال حدیث کی نقد و جرح کے وقت یہ بھی پیش نظر ہو کہ شخصی تعصب راہ نہ پائے، یحییٰ بن معین اس معاملے میں بہت ہی محتاط اور حق گو تھے، کذب بیانی کی وضاحت اور نقد و جرح کے وقت صرف شریعت مطہرہ کا تحفظ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مقصود ہوتی، جیسا کہ ان کے اس کلام سے واضح ہوتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرماتے تھے "اللھم إن کنت تکلمت فی رجل ولیس ھو کذابا فلا تغفر لی" اے اللہ! اگر میں نے کسی ایسے شخص کی کذب بیانی واضح کی ہو جو اس کا مستحق نہیں تو تو میری مغفرت نہ کرنا۔ (حوالہ سابق)

آپ دوسرے سے روایت حدیث کرنے میں حددرجہ احتیاط کرتے، خود فرماتے ہیں: "انی لأحدث بالحدیث فاسھر لہ مخافۃ ان أکون قد أخطات فیہ" میں کوئی حدیث بیان کرتا ہوں مگر اس خوف سے رات کی نیند اڑ جاتی ہے کہ کہیں روایت میں غلطی نہ ہو گئی ہو۔ (تاریخ بغداد ج:۱۴ ص:۱۸۸ مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

وفات: آپ کی حیات مبارکہ زہد و ورع کا نمونہ تھی، متعدد بار زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے، آخری بار حج کے موقع پر مدینہ منورہ تشریف لائے، قافلہ والوں کے ساتھ واپسی کا ارادہ تھا، رات میں خواب دیکھا کہ ایک منادی کہہ رہا ہے: "اے ابوزکریا! میرے پڑوس سے واپسی کا ارادہ رکھتے ہو؟" اس کے بعد قیام کا ارادہ کر لیا، تین روز بعد آسمان علم و فن کے آفتاب نے ۲۳۳ھ میں اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا اور آخری آرام گاہ جنت البقیع میں خلد آشیاں ہو گئے۔

آپ کو یہ مرتبہ حاصل ہے کہ جس چارپائی پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اقدس رکھا گیا تھا اسی پر آپ کا جنازہ رکھا گیا، اس شان کے ساتھ جنازہ اٹھایا گیا کہ ایک منادی اعلان کرتا جاتا تھا یہ اس شخص کا جنازہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب جھوٹی روایتوں کو دور کرتا تھا جیسا کہ تاریخ بغداد میں ہے: "فحمل علی سریر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجل ینادی بین یدیہ الذی کان ینفی الکذب عن حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (حوالہ سابق ص:۹۰)

آپ کی کرامتوں میں سے ایک بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ کی وفات کے دن ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ تشریف لے جارہے ہیں اور فرما رہے ہیں: "جئت لھذا الرجل أصلی علیہ فانہ کان یذب الکذب عن حدیثی، میں اس شخص (یحییٰ بن معین) کی نماز جنازہ پڑھنے جارہا ہوں جو میری حدیثوں سے جھوٹ کو دور کرتا تھا۔ (تہذیب التہذیب، ج:۶، ص:۱۸۲، مطبع دار احیاء الترث العربی)

حاصل یہ کہ آپ عالم اسلام کی ایک عبقری شخصیت تھے، صاحبان علم و فضل آپ کی بارگاہ میں جبین نیاز خم کرتے اور آپ کی جلالت علمی کا اعتراف فرماتے اور آپ کو امام الجرح والتعدیل تسلیم کرتے، آپ کی جرح و تعدیل کو بسر و چشم قبول کرتے، حدیث کی خدمت کے سبب آپ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کے وصال کے وقت آپ کا جنازہ اس چارپائی پر رکھا گیا جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اقدس رکھا گیا تھا۔ ☆☆☆

محمد توصیف رضا، گریڈیہ (جھارکھنڈ) جماعت: فضیلت Mo: 9651293907

حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات محتاج تعارف نہیں۔ آپ کا نام مبارک زبان پر آتے ہی آپ کا فہم قرآن اور پیچیدہ مسائل میں عمق نگاہی کا ملکہ ہماری نظروں میں گردش کرنے لگتا ہے۔ آپ اپنی کم سنی کے باوجود علوم وفنون اور فضائل وکمالات میں معاصرین پر فائق وبرتر نظر آتے ہیں۔ آپ دوسری صدی کے مجدد ہیں جیسا کہ اس کی صراحت ابن اثیر نے "جامع الاصول" میں، طاہر محدث پٹنی نے "مجمع بحارالانوار" میں اور مولانا لیس اختر مصباحی نے "امام احمد رضا اور جدید افکار ونظریات" میں بحیثیت "مجدد" شمار کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے آپ کے توسل سے یوں دعا کی ہے:

صدق صادق کا تصدق صادق الاسلام کر

بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے

ولادت باسعادت: آپ کی پیدائش مدینہ شریف میں بروز پنج شنبہ ۱۱/ ربیع الآخر ۱۵۳ھ بمطابق ۷۷۰ء بعہد خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی ہوئی۔ (شواہد النبوہ، ص ۱۳۹) بعض نے ربیع الآخر کے بجائے ربیع الاول لکھا ہے۔

نام والقاب: آپ کا اسم گرامی: علی، کنیت: سامی، ابوالحسن اور القاب: صابر، ولی، ضامن اور رضا وغیرہ ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور "رضا" ہے۔

"قیل لأبی جعفر محمد بن علی الرضا رضی اللہ تعالیٰ عنہما: ان اباك سماہ المامون الرضا ورضیہ لولایۃ عھدہ، فقال: بل اللہ سبحانہ سماہ الرضا، لانہ کان رضا اللہ عزوجل فی سمائہ ورضا رسولہ ﷺ فی ارضہ، خص من بین آبائہ الماضین بذالك، لانہ رضی بہ المخالفون کما رضی بہ الموافقون" ابو جعفر محمد بن علی رضا سے کہا گیا: آپ کے والد محترم کا نام مامون نے "رضا" رکھا، اور ان کو ولی عہد بنانے پر راضی تھا۔ تو آپ نے کہا: اللہ سبحانہ نے ان کا نام "رضا" رکھا۔ کیوں کہ وہ آسمانوں میں اللہ کی رضا تھے اور زمین میں اس کے رسول کی رضا تھے۔ آپ کو گزشتہ آباواجداد میں اس بنا پر خصوصیت حاصل ہے کہ آپ سے موافقین کی طرح مخالفین بھی راضی تھے۔ (شواہد النبوۃ، ص: ۱۳۹)

بشارت نبی ﷺ: شواہد النبوۃ میں مذکور ہے: حضرت امام موسی کاظم رضی اللہ تعالی عنہ کی والدہ محترمہ فرماتی

ہیں: ''میں نے اپنے خواب میں رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت کی، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: تم اپنی کنیز نجمہ (ام ولد) کو اپنے بیٹے موسی کاظم کے حوالے کردو، جلد اس سے ایک ایسا فرزند ارجمند پیدا ہوگا جو بہترین اہل زمین میں سے ہوگا'' چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت امام علی رضا رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی والدہ ماجدہ سے مروی ہے کہ ''جب میں ان سے حاملہ ہوئی تو میں نے شکم میں بھاری پن اور کسی تکلیف کا احساس نہیں کیا اور جب میں سوتی تو اپنے پیٹ سے تسبیح وتہلیل کی صدائیں سنتی جس سے میرے دل میں خوف وہراس طاری ہوجاتا اور جب انہوں نے اس دنیا میں قدم رکھا تو اپنے ہاتھوں کو زمین پر ٹکایا اور نگاہ آسمان کی طرف کی اس حال میں کہ ان کی زبان جنبش کررہی تھی گویا کہ کسی سے بات کررہے ہوں اور کسی سے مناجات کررہے ہوں''۔ (شواہد النبوۃ، ص: ۲۴۰)

فضائل وکمالات: رب قدیر نے آپ کی ذات میں تمام خوبیاں جمع کردی تھیں، یہی وجہ تھی کہ مختصر عرصے میں ہی آپ کے علوم وفنون کا شہرہ پوری دنیا میں ہوگیا، حتی کہ اس دور کی عظیم ہستیوں نے بھی آپ کی مقدس بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ جب بھی آپ کی بارگاہ میں کسی نے کوئی پیچیدہ سوال پیش کیا تو تشفی بخش جواب پایا اور اگر کسی سے کبھی مباحثہ ہوا تو آپ نے اپنے سوالات وجوابات سے اس کو محو حیرت کردیا۔

جب خلیفہ مامون نے اپنی شہزادی کا نکاح امام علی رضا علیہ الرحمہ سے کردیا اور دولت وسلطنت سونپنا چاہا تو عباسیوں نے اس بات کو ناپسند کیا، خلیفہ مامون نے وضاحت کی کہ میں نے اسے علم وفضل میں منفرد وبے مثال پایا اس لیے میں نے اس کا ارادہ کیا، لیکن عباسیوں کے ذہنوں میں یہ بات کھٹکتی رہی، انہوں نے امام علی رضا کو ذلیل ورسوا کرنے اور مامون کے دل سے ان کی عزت ومحبت نکالنے کا عزم مصمم کرلیا جس کے لیے ان سے مناظرے کی شکل کی ایک مجلس منعقد کی اور ان کے مقابل ایک بے مثل وبے نظیر مناظر ''یحیی بن اکثم'' کو کھڑا کیا۔

یحییٰ نے آپ سے متعدّد سوالات کیے آپ نے ان کا اطمینان بخش جواب دیا اور ان کو اس قدر واضح کیا کہ مجلس کے لوگ انگشت بدنداں ہوگئے۔ اس کے بعد مامون نے امام سے کہا: ''اب آپ یحییٰ سے سوال کیجیے تاکہ عوام پر آپ کی عزت واحترام راسخ ہوجائے'' آپ نے ان سے ارشاد فرمایا ''صبح کے وقت ایک مرد نے ایک عورت کی طرف دیکھا، اس وقت وہ اس پر حرام تھی، طلوع آفتاب کے وقت وہ اس پر حلال ہوگئی، ظہر کے وقت پھر اس پر حرام ہوگئی، عصر کے وقت پھر حلال، مغرب کے وقت پھر حرام، عشا کے وقت پھر حلال، آدھی رات کو پھر حرام اور فجر کے وقت پھر حلال''۔

آپ اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

یحییٰ بن اکثم یہ سوال سن کر حیران وششدر رہ گئے اور عرض کیا: عالی جاہ مجھے اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔

حضرت امام علی رضا رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے مذکورہ مسئلہ کی یوں توضیح وتشریح کی: صبح کے وقت ایک اجنبی نے کنیز کی طرف دیکھا، اس وقت وہ اس پر حرام تھی، طلوع آفتاب کے وقت اس نے اس کو خرید لیا، وہ اس پر حلال ہوگئی، ظہر کے وقت اس نے اس کو آزاد کردیا تو وہ اس پر حرام ہوگئی، عصر کے وقت اس نے اس سے نکاح کرلیا، وہ حلال ہوگئی، مغرب کے وقت اس نے ظہار کیا، پھر

حرام ہوگئی، عشا کے وقت کفارہ دیا حلال ہوگئی، آدھی رات کو طلاق بائن دی پھر حرام ہوگئی اور فجر کے وقت اس نے نکاح کر لیا پھر حلال ہوگئی۔ (تذکرۂ مشائخ قادریہ، برکاتیہ رضویہ، ص: ۱۶۸ مطبوعہ، قادری کتاب گھر، بریلی شریف)

یہ تسلی بھرا جواب سن کر حاضرین حیرت و استعجاب میں پڑ گئے اور مامون بھی ان کی باریک بینی اور عمیق نظری سے بے حد متاثر ہوا اور مملکت و سلطنت کے جملہ امور ان کے حوالے کرنے کا عزم مصمم کر لیا اور ان کو اس بات سے باخبر کیا لیکن آپ نے انکار کیا جیسا کہ موسی بن سلمہ نے بیان کیا ہے: ”كنت بخراسان مع محمد ابن جعفر ،فسمعت ان ذالر ياستين (طاهر بن الحسين) خرج ذات يوم و هو يقول : و اعجبا ، و قد رأيت عجبا ، سلو نى ما رأيت ، قالو ا: ما رأيت ، اصلحك الله ،قال : رأيت امير المؤمنين المامون يقول لعلى بن موسى : قد رأيت ان اقلدك امر المسلمين و افسخ ما فى رقبتى و اجعله فى رقبتك ، و رأيت بن موسى يقول : يا امير المؤمنين !لا طاقة لى بذالك و لا قوة ، فما رأيت خلافة قط اضيع منها ، امير المؤمنين يقتضى منها و يعرضها على على بن موسى و على بن موسى ير فضها و يا باها“. (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ص: ۱۴۸۰، ج: ۲۱)

جب مسلسل اصرار کرنے سے انکار کی کوئی گنجائش نہ رہی تو چند شرائط کے ساتھ آپ نے منظور کر لیا، الغرض ۵ر رمضان المبارک بروز پنج شنبہ ایک عالی شان کانفرنس منعقد کی گئی جس میں حضرت امام کی تاج پوشی کی گئی اس کے بعد خلیفۂ وقت نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ اولاً تم ان سے بیعت کرو وہ باادب اٹھ کر تعظیم و تکریم بجالایا اور ان سے بیعت کی، مامون نے بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیش بہا زر و جواہرات حاضرین پر لٹائے، پھر حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمد و صلوۃ کے بعد مجمع کثیر سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: ”ايها الناس ! ان لنا عليكم حقاً بر سول الله ﷺ و لكم علينا حق به ، فاذا أديتم الينا ذالك و جب لكم علينا الحكم ، و السلام“ اے لوگو! بے شک رسول اللہ ﷺ کے طفیل ہمارا تمھارے اوپر حق ہے اور تمھارا ہمارے اوپر تو جب تم یہ (حق) ہمیں ادا کر دو تو تمھارے لیے ہم پر فیصلہ واجب ہے والسلام۔ (تشریف البشر، ص: ۹۸)

حضرت امام علی رضا علماے محدثین کی نظر میں: علامہ ابن حجر عسقلانی نے تاریخ نیشاپور سے نقل کیا ہے” جب آپ نیشاپور تشریف لے گئے تو زائرین کے ہجوم و کثرت کی وجہ سے لوگوں کا چلنا دشوار ہو گیا، آپ ایک خچر پر سوار تھے اور لوگ آپ کے سر پر چھاتا لگائے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے عوام آپ کے چہرۂ انور کی زیارت نہیں کر پا رہے تھے، اس وقت ابو زرعہ رازی (م: ۲۶۴ھ) اور محمد بن اسلم طوسی (م: ۲۴۲ھ) نے جو اس زمانے کے مشہور حافظان حدیث تھے، آگے بڑھ کر خچر کی لگام تھام لی، ان کے ساتھ طلبہ و محدثین اس کثرت سے تھے کہ شمار میں نہیں آسکتے، ان دونوں نے نہایت عجز و انکساری سے عرض کیا کہ حضور! ”اپنے جمال باکمال سے لوگوں کو مشرف فرمائیں اور اپنے آباے کرام کی کوئی حدیث سنائیں تو آپ نے خچر روک دیا اور نقاب ہٹا دیا خلقت کی آنکھیں آپ کی طلعت ہمایوں کو دیکھ کر ٹھنڈی ہوئیں، وہ آپ کے فیض کرم سے بہرہ ور ہونے کے لیے اس قدر بے خود ہوئے کہ اگر آپ سے نہ مل پاتے تو آپ کے خچر کے پاؤں چومتے اور اسی کو اپنے لیے باعث

رحمت سمجھتے"۔ اس کے بعد آپ نے حدیث روایت کی: "حدثنی ابی موسی الکاظم عن ابیه جعفر الصادق عن ابیه محمد الباقر عن ابیه علی زین العابدین شهید کر بلا عن ابیه علی المر تضی قال : حدثنی حبیبی و قرة عینی رسول الله ﷺ قال: حدثنی جبر ئیل قال: حدثنی رب العزة وسبحانه و تعالی قال: کلمة لا اله الا الله حصنی ، فمن قالها دخل حصنی ، و من دخل حصنی امن من عذابی" پھر آپ نے اپنے رخ انور سے حائل پردے کو ہٹایا تو لوگوں نے اپنی تشنہ آنکھیں سیراب کیں اور تقریباً بیس ہزار محدثین نے اس حدیث کو نقل کیا ۔(الصواعق المحرقۃ، ص:۲۰۴)

برکات اسنادامام علی رضا: حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "لو قری هذا الاسناد علی مجنون لا فاق من جنونه" اگر یہ اسناد مجنون پر پڑھی جائے تو ضرور وہ شفایاب ہوگا۔(ایضاً)

ابوالقاسم قشیری نے فرمایا:

"یہ حدیث اسی سند سے بعض امرائے ساسانیہ کو پہنچی تو اس کو انھوں نے آب زر سے لکھوایا اور اس قدر انھیں فیض پہنچا کہ اپنے وارثین کو وصیت کی کہ جب میری وفات ہو جائے تو اس کو میری قبر میں رکھ دینا، شاید خدا اسی کی برکت سے مجھے بخش دے۔ دنیا میں ان کی برکت پہنچی ہی حتی کہ مامون کی موت کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ عزوجل نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے جواب دیا کہ "غفر لی بتلفظی بلا اله الا الله و تصدیق ان محمداً رسول الله" اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے لا الہ الا اللہ بولنے اور میرے اس بات کی تصدیق کہ (محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) کی وجہ سے مجھے بخش دیا۔(تذکرۂ مشائخ قادریہ برکاتیہ، ص:۱۶۹)

فہم قرآن: آپ کے مطالعہ کی وسعت اور فکر و نظر کی گہرائی بالخصوص آپ کی قرآن میں باریک بینی کے، وقت کے مایۂ ناز علمائے کرام معترف تھے۔ ایک مرتبہ آپ عمدہ اور قیمتی جامہ زیب تن کیے ہوئے تھے، جب مامون نے دیکھا تو بے اختیار بول پڑا: اے ابن رسول ﷺ کیا یہ کپڑا آپ کے لیے زیب دیتا ہے؟ آپ نے بلا جھجک ارشاد فرمایا: ایسا تو ہمارے سلف صالحین کے بھی لباس ہوتے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام سونے کے تاروں سے بنے ہوئے قبا پہنتے تھے اور زر و جواہرات سے مرصع تخت پر بیٹھ کر حکومت کرتے تھے، نیز یہ قرآن میں یہ موجود ہے " قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ " تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی اور پاک رزق۔(اعراف، آیت:۳۲)

ایک مرتبہ خلیفہ مامون کی طبیعت علیل ہوگئی، اس نے نذر مانی کہ اگر اس بیماری سے شفا پالیا تو زر کثیر خیرات کروں گا، جب مالک حقیقی نے شفا بخشی تو اس نے متعدد علمائے کرام سے پوچھا کہ زر کثیر کا اطلاق کتنے پر ہوتا ہے؟ سب نے اپنے اعتبار سے جواب دیا مگر اس کو تشفی نہ ہوئی بالآخر اس نے یہ عریضہ امام کی بارگاہ میں پیش کیا، آپ نے ایسا معقول جواب دیا کہ سب متحیر ہوگئے، آپ نے ارشاد فرمایا: رب قدیر نے فرمایا: " لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ "(توبہ، آیت:۲۵) "بے شک اللہ نے بہت جگہ تمھاری مدد کی"، اور غزوات و سرایا تراسی تھے۔ مامون نے انہیں کے قول پر عمل کرتے ہوئے تراسی

دینار صدقہ کیا اور اس جواب کی عمق نگاہی سے بہت ہی متاثر ہوا۔(تذکرۂ مشائخ قادریہ برکاتیہ رضویہ، ص:۷۰)

اشاعت اسلام: اس نے دین متین کی بڑی خدمت کی ہے، اشاعت اسلام کی فکر آپ کو ہمہ وقت بے چین کیے رہتی تھی، آپ کی زندگی کے ہر شعبے میں خدمت دین کی جھلک نمایاں ہے، آپ ہی کی سعی و کوشش کا ثمرہ ہے کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ جیسے فرد نے آپ کے دست حق پرست پر ایمان لاکر علوم و فنون اور رشد و ہدایت کا وہ چشمہ جاری کیا جس سے آج تک ایک عالم سیراب ہورہا ہے۔

قلمی جواہر پارے: صرف ایک کتاب کا تذکرہ ملتا ہے جو آپ نے مامون کی فرمائش پر علم طب میں تحریر فرمائی تھی۔

وفات: آپ نے اپنے خادم ہرثمہ بن امین سے پیشین گوئی کی تھی کہ اے ہرثمہ! میری موت قریب ہے اور جلد میرے آباواجداد سے میری ملاقات ہوگی، میری موت اس طور پر ہوگی کہ میں مامون کے پاس انگور اور انار کھاؤں گا؛ جس کی وجہ سے میری موت واقع ہوگی، بالکل اسی کے مطابق ۲۱/رمضان المبارک ۲۰۳ھ بروز جمعہ ۵۵/سال کی عمر میں شہادت ہوئی۔ البتہ شواہد النبوہ کے مصنف نے ۲۰۸ھ لکھا ہے۔

قبر انور: طوس کا ایک قریہ "سناباد" میں آپ کا مزار مرجع عوام و خواص بنا ہوا ہے۔

☆☆☆

عبدالمعبود خان مصباحی، سلطان پور، جماعت: فضیلت: 7897768091

بہر معروف و سری معروف دے بے خود سری
جند حق میں گن جنید با صفا کے واسطے

تعارف: حضرت معروف کرخی مشائخ متقدمین میں سے ہیں اور حضرت سری سقطی کے استاذ و مرشد ہیں۔ آپ کا تعلق طبقہ اولیٰ سے ہے۔ آپ کا نام نامی اسد الدین، مشہور نام "معروف کرخی" اور کنیت ابو محفوظ ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام فیروز ہے۔ آپ کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے آپ اولیاء اللہ کے سات سلسلوں کے پیشوا ہیں۔ طریقت میں آپ کا مقام بہت بلند ہے آپ کا کلام بطون سے لبریز ہے آپ عارفین عہد کے سردار تھے اور کرامات و ریاضت آپ کی مشہور ہے۔ (نفحات الانس اردو، ص:۱۸۶)

ولادت: آپ کی ولادت ۱۵۶ھ میں مقام کرخ میں ہوئی۔ (حاشیہ نفحات الانس، ص:۱۸۷، دانش پبلشنگ کمپنی، دریا گنج، دہلی۔)

تعلیم و تربیت: آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت حضرت موسیٰ کاظم، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت داؤد طائی رضی اللہ عنہم کی خدمت میں ہوئی۔ حبیب راعی سے بھی آپ ارادت و عقیدت رکھتے تھے اور ان سے بھی خرقۂ خلافت پایا۔ اور یوں ہی آپ کی تعلیم خانوادۂ رسول کی اہم یادگار حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ (۱۵۳ھ-۲۰۳ھ) کی بارگاہ میں ہوئی اور آپ ہی کی بارگاہ میں سلوک، معرفت، علوم اور حکمت کے منازل کو طے فرمائے اور خلافت سے سرفراز کیے گئے۔ (کشف المحجوب، ص:۱۷۸، مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۱۷۷۔)

اپنے وقت کی ان عظیم علمی و روحانی ہستیوں کی تعلیم و تربیت اور اپنی جد و جہد سے معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت و طریقت میں مقام بلند حاصل کر لیا تھا اس طرح وہ امام طریقت اور مقتدائے حقیقت بن گئے تھے۔

ابتدائی حالات: ابتدا میں آپ غیر مسلم تھے مگر بچپن ہی سے آپ کے قلب و جگر میں اسلام کی تڑپ اور جوش و عقیدت موجود تھی۔ آپ مسلمان بچوں کے ساتھ نماز پڑھتے اور ماں باپ کو اسلام کی ترغیب دیتے رہے۔ آپ کے والدین نصرانی تھے اس لیے انھوں نے ایک عیسائی معلم کے پاس آپ کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا، اس معلم نے پہلے آپ سے سوال کیا کہ بچے! یہ بتاؤ کہ تمھارے گھر میں کتنے آدمی ہیں؟ آپ نے کہا، میں میری والدہ اور میرے والد کل تین آدمی ہیں۔ معلم نے کہا تو تم کہو "ثالث

ثالاثۃ" آپ فرماتے ہیں کہ عالم کفر میں بھی میری غیرت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ ایک کے سوا دوسرے کو پکاروں اس لیے میں نے فوراً انکار کر دیا اور اس کے جواب میں یہ کہتا رہا "ھو اللہ احد ھو اللہ احد"۔ اس پر معلم نے مجھ کو مارنا شروع کیا وہ جس شدت سے مارتا میں اسی جرأت سے انکار کرتا آخر عاجز ہو کر اس نے میرے والدین سے کہا اس کو قید کر دو! تین روز تک قید میں رہا، ہر روز ایک روٹی ملتی تھی مگر میں اس کو چھوا تک نہیں۔ پھر میں وہاں سے فرار ہو کر سیدھے حضرت علی بن موسیٰ رضا کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا اور انھیں سے بیعت و خلافت بھی حاصل کی لیکن میری جدائی سے والدین کو سخت قلق ہوا کیوں کہ میں والدین کا اکیلا ہی لڑکا تھا۔ کہنے لگے وہ جہاں بھی گیا ہے میرے پاس لوٹ آئے۔ وہ جس مذہب کو چاہے اختیار کرے ہم بھی اس کے ساتھ اپنا دین تبدیل کر دیں گے۔ جب کچھ عرصہ کے بعد آپ گھر لوٹے تو آپ کے احوال سے متاثر ہو کر والدین بھی مسلمان ہو گئے اور ایک مدت تک آپ حضرت داؤد طائی کی خدمت میں رہ کر فیوض باطنی سے سیراب ہوتے رہے۔ (تذکرۃ الاولیا، ص:۲۰۶، رضوی کتاب گھر دہلی، خزینۃ الاصفیا، ج:۱، ص:۷۶)

غربا پروری: آپ کو غربا اور یتیموں سے بے پناہ انس تھا۔ حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے عید کے دن آپ کو کھجوریں چنتے ہوئے دیکھا تو میں نے دریافت فرمایا کہ حضور! آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اس لڑکے کو روتے ہوئے دیکھا اس سے پوچھا کہ تم کیوں رو رہے ہو؟ اس بچے نے جواب دیا کہ میں یتیم ہوں اور آج عید کا دن ہے سب لوگ نئے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ نے کہا کہ میں کھجوریں اس لیے چن رہا ہوں تاکہ اس کو فروخت کر کے اس بچے کو اخروٹ خرید دوں کہ یہ اس سے کھیلے اور اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے نہ روئے۔ حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کام کو انجام دے رہا ہوں آپ بے فکر رہیں پھر میں اس لڑکے کو اپنے ہمراہ لے کر کپڑے کی دکان پر پہنچا اور اس کو نئے کپڑے خرید کر پہنا دیے تو اس کام سے میرے دل میں ایک نور پیدا ہوا اور میری حالت ہی کچھ اور ہو گئی۔ (مسالک السالکین، ج:۱، ص:۲۸۷، مشائخ قادریہ، ص:۱۷۸)

ہمہ وقت باوضو رہنا: ایک دن آپ کا وضو ٹوٹ گیا آپ نے اسی وقت تیمم فرما لیا، لوگوں نے عرض کیا کہ حضور! دریائے دجلہ سامنے ہے تیمم کیوں کر رہے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ممکن ہے کہ دریائے دجلہ تک پہنچتے پہنچتے میرا دم نکل جائے۔ (ایضاً، ص:۲۸۸، خزینۃ الاصفیا، ج:۱، ص:۷۷)

آپ کے خُلق سے ضعیفہ ولیہ ہوگئی: ایک دفعہ آپ نے دریاے دجلہ کے کنارے قرآن شریف اور کپڑے وغیرہ رکھ کر غسل کرنا شروع کیا۔ اسی وقت ایک ضعیفہ آئی اور آپ کے سامان کو لے کر بھاگنے لگی آپ نے اس کا پیچھا کیا اور ایک جگہ روک کر کہا کوئی حرج نہیں میں تمھارا بھائی معروف کرخی ہوں، کیا تمھارا کوئی لڑکا یا بھائی یا شوہر ہے جو قرآن شریف پڑھے؟ اس ضعیفہ نے کہا کہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ قرآن شریف مجھے دے دو اور کپڑے لے لو میں نے دنیا و آخرت میں ہر جگہ تمھیں معاف کیا۔ یہ سن کر ضعیفہ کو اتنی شرم آئی کہ اس نے توبہ کی اور آپ کی برکت سے ولیہ اور متقیہ ہو گئی۔ (تذکرۃ الاولیا، ص:۲۰۷)

کوڑوں سے نفس کی اصلاح: حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ اتنے عظیم اور بلند مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود اپنے رب کی بارگاہ میں بڑی گریہ و زاری فرماتے اور کبھی کبھی آپ اپنے دست مبارک میں کوڑے لے کر اپنے کو مارتے اور یہ کہتے "یا نفسی اخلصی" اے میرے نفس تو اخلاص اختیار کر تاکہ تو خلاصی پا سکے۔ (مشائخ قادریہ رضویہ برکاتیہ، ص:۱۷۹۔)

عبادت و ریاضت: عبادت الٰہی تقرب الی اللہ اور عرفان حق کا بہترین ذریعہ ہے۔ سیدنا معروف کرخی کی یہ عادت تھی کہ آپ کثرت نوافل سے گریز کرتے بلکہ ایسی عبادت فرماتے جس کا علم صرف محبوب و محب کے درمیان ہوتا۔ ''**حلیۃ الاولیاء**'' میں محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ میں نے عبید بن محمد کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ اکثر ابو محفوظ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، اکثر حضرت معروف کرخی غور و فکر میں مشغول رہتے پھر اچانک جزع و فزع کرنے لگتے۔ ابن محمد مزید کہتے ہیں کہ ہمارے جیسوں میں کوئی بھی غور و فکر کے سمندر کا ان سے بڑا تیراک نہ تھا اور میں نے انھیں کبھی نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، البتہ صرف جمعہ کے دن دو خفیف رکعتیں پڑھتے۔ اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ آپ نوافل کی پابندی کم فرماتے اور آیت کریمہ ''وَ یَتَفَکَّرُونَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ'' کے تحت غور و فکر زیادہ کرتے اور جزع و فزع بھی کثرت سے کرتے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۸، ص:۴۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

آپ صائم الدہر بھی تھے مگر آپ شریعت کے سہارے مخلوق کی دل جوئی بھی فرماتے۔ حضرت معروف کرخی کے بھائی عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ مرض الموت میں حضرت کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا اے ابو محفوظ! مجھے اپنے روزہ کی خبر دیجیے! آپ نے (اپنی عبادت کو پوشیدہ رکھنے کی غرض سے) ارشاد فرمایا: حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس طرح روزہ رکھا کرتے تھے، اس نے پھر کہا، اپنے روزے کے متعلق بیان فرمائیے! فرمایا: داؤد علیہ السلام اس طرح روزہ رکھا کرتے تھے، اس نے پھر عرض کی اپنے روزے کی خبر دیجیے! فرمایا: حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح روزہ رکھا کرتے تھے، وہ شخص پھر بھی باز نہ آیا اور پھر پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا: میری ہر صبح روزہ کی حالت میں ہوتی ہے لیکن اگر کھانے کے لیے مدعو کیا جاتا ہوں تو (مخلوق کی دل جوئی کے لیے) کھا لیتا ہوں اور کسی کو اپنے روزے کے بارے میں نہیں کہتا۔ (**صفۃ الصفوۃ**، ج:۲، ص:۲۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

آپ صائم الدہر ہونے کے ساتھ ساتھ کثیر البکا بھی تھے چناں چہ آپ کی گریہ وزاری کے متعلق یہ واقعہ **صفۃ الصفوۃ** میں ہے قاسم بن محمد بغدادی نے بیان کیا کہ حضرت معروف کرخی کو میں نے صبح کے وقت گریہ وزاری کے ساتھ یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا:

(۱) ای شیء ترید منی الذبوب ما یضر الذبوب لو اعتقنی

(۲) شغفت بي فليس عنّي تغيب رحمة لي؟ فقد علاني المشيب

ترجمہ: (۱-۲): گناہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں کہ انھوں نے مجھے مشغول کر رکھا ہے اور مجھ سے زائل نہیں ہوتے، خدایا! اگر تو مجھے اپنی رحمت میں لے لے تو گناہ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے اور میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں۔

اللہ اکبر! یہ گریہ وزاری اور یہ خشیت الٰہی جو مذکورہ واقعات میں نظر آ رہی ہے نہایت کم یاب ہے اور انھیں نفوس قدسیہ میں نظر آتی ہے جو آسمان تصوف کے مہ کامل اور چمن ولایت کے گل لالہ ہیں۔ (ایضاً، ص:۲۱۲، دار **الکتب العلمیہ**، بیروت)

آپ کے بارے میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ کا کوئی وقت ذکر الٰہی سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ اس کے متعلق یہ حکایت ''حلیۃ الاولیاء'' میں منقول ہے کہ ایک حجام حضرت معروف کرخی کی مونچھیں تراش رہا تھا اور آپ اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول تھے۔ (جس کی وجہ

سے مونچھیں پکڑ میں نہیں آرہی تھیں) حجام نے عرض کیا میں آپ کی مونچھیں تراش رہا ہوں اور آپ تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا اے حجام! تو اپنا کام کر رہا ہے اور میں اپنا کام نہ کروں (حلیۃ الاولیاء، ج:۸، ص:۴۰۵)

اس واقعہ کے بعد آپ کی کثرت عبادت کو واضح کرنے کے لیے مزید کسی دلیل کی حاجت نہیں۔

کشف و کرامت: حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ کے بے شمار کشف و کرامات میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) ایک مرتبہ ایک ڈاکو گرفتار ہوا، حاکم نے حکم دیا کہ اس ڈاکو کو سولی دی جائے۔ حکم پاتے ہی اس کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور ڈاکو کا سولی ہی پر انتقال ہوگیا۔ ابھی اس کی لاش سولی ہی پر تھی کہ اس طرف سے حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ لاش کو سولی پر دیکھ کر آپ لرز گئے اور اس کے لئے دعائے مغفرت فرمانے لگے کہ اے رحمٰن و رحیم! اس شخص نے اپنے کئے کی سزا دنیا ہی میں پالی، تو غفور و رحیم ہے اگر اس کی خطا معاف فرمادے اور دارین میں اسے عزت بخش دے تو تیرے بخشش کے خزانوں میں کمی نہیں ہو سکتی۔ یکایک غیبی آواز آئی جس کو سارے شہر والوں نے سنا کہ جو کوئی اس سولی والے کی نماز جنازہ پڑھے گا وہ آخرت میں بڑا رتبہ پائے گا۔ اس غیبی آواز کے سنتے ہی شہر کے تمام لوگ جمع ہو گئے اور ہاتھوں ہاتھ اسے سولی سے اتارا اور بخوبی غسل و کفن دے کر نماز جنازہ پڑھی اور دفن کر دیا۔ رات میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور وہ ڈاکو نمازیوں کے ساتھ وہاں شاندار لباس پہنے ہوئے موجود ہے۔ اس سے پوچھا کہ اتنی عظیم دولت تجھے کس طرح ملی؟ اس نے جواب دیا کہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ کی دعا اللہ رب العزت نے قبول فرمالی اور میری بخشش فرمادی۔ (مسالک السالکین، ج:۱، ص:۲۸۸، و مشائخ قادریہ رضویہ برکاتیہ ص:۱۸۰)

(۲) آپ ایک روز ایک جماعت کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ دریائے دجلہ کے کنارے نوجوانوں کی ایک جماعت دیکھی جو فسق و فجور میں مبتلا تھی آپ کے ساتھیوں نے کہا کہ حضور! ان کے لیے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام بدمعاشوں کو غرق کر دے؛ تاکہ اس کی نحوست پھیلنے نہ پائے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم سب اپنا ہاتھ اٹھاؤ میں دعا کرتا ہوں اور تم لوگ صرف آمین کہنا۔ چناں چہ سب نے ہاتھ اٹھائے اور آپ نے دعا کی کہ الٰہی، جس طرح تو نے ان لوگوں کو اس دنیا میں عیش و عشرت سے نوازا اسی طرح اس جہاں میں بھی عیش و عشرت عطا فرما۔ آپ کی اس دعا پر آپ کے ساتھیوں کو تعجب ہوا اور وجہ دریافت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا تم لوگ ذرا دیر ٹھہرو میرا مقصد بھی ظاہر ہو جائے گا۔ چناں چہ تھوڑی دیر کے بعد اس جماعت کی نظر جوں ہی حضرت پر پڑی تو ان لوگوں نے اپنے باجے گاجے توڑ دیے اور شراب پھینک دیا اور زار و قطار رونے لگے۔ تمام لوگ آپ کے قدموں پر گر پڑے اور صدق دل سے تائب ہو گئے۔ حضرت نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ دیکھ لیا تم لوگوں نے، یہی میری مراد تھی جو حاصل ہوئی بغیر اس کے کہ یہ غرق ہوں یا ان لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچے۔ (تذکرۃ الاولیا، ص:۲۰۷)

(۳) حضرت کے ماموں شہر کے حاکم تھے ایک روز ان کا گزر جنگل میں ہوا وہاں پر حضرت شیخ معروف کرخی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے روٹی تناول فرما رہے تھے اور قریب ہی بیٹھے ایک کتے کو بھی روٹی کھلا رہے تھے۔ آپ کے ماموں نے کہا کہ کتے کے قریب کیوں روٹی کھا رہے ہو؟ آپ نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک پرندہ ہوا میں اڑ رہا ہے اس کو آواز دی پرندہ حکم پاتے ہی نیچے اتر آیا اور آپ کے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا مگر شرم کی وجہ سے اپنا منہ اور اپنی آنکھیں اپنے پر سے چھپالیا۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھو جو شخص خدائے تعالیٰ سے شرم رکھتا ہے ہر چیز اس سے شرم رکھتی ہے۔ آپ کے ماموں نے یہ شان دیکھی تو بڑے شرمندہ ہوئے۔ (تذکرۃ الاولیا، ص:۲۰۸)

ملفوظات: یہ ہمیشہ کا دستور رہا ہے کہ ہر کامیاب انسان کے اقوال تاریخ اپنے سینے میں محفوظ رکھتی ہے۔ اسی قاعدے کے مطابق آپ کے ملفوظات بھی تاریخ نے ضائع نہ ہونے دیا، ذیل میں آپ کے ملفوظات سے چند سپرد قرطاس ہیں:

(۱) آپ نے فرمایا کہ جوان مردوں کی تین علامتیں ہیں: وعدہ پورا کرنا، بغیر کسی غرض کے تعریف کرنا اور بغیر سوال کیے عطا کرنا۔

(۲) زبان کو مدح سے اس طرح بچانا چاہیے جس طرح کہ برائی سے۔

(۳) تصوف نام ہے حقائق کے حصول اور مخلوق کے مال و متاع سے ناامیدی کا اور جو شخص صاحب فقر نہیں صاحب تصوف نہیں۔

(۴) بہشت کی طلب بغیر عمل کے گناہ ہے، شفاعت کا انتظار بغیر سنت کی حفاظت کے ایک قسم کا غرور ہے اور رحمت کی امید نافرمانی کی حالت میں جہالت وحماقت ہے۔

(۵) خدا پر توکل کرنے والا مخلوق کے ضرر سے محفوظ رہتا ہے۔

(۶) رنج و مصیبت آئے تو اس کا علاج اسے چھپانے ہی میں ہے۔

(۷) محبت تعلیم و تربیت سے نہیں بلکہ عطاے رب سے حاصل ہوتی ہے۔

(۸) اس بات سے ڈرو کہ خداے تعالیٰ تم کو مسکینی کے لباس کے سوا کسی اور لباس میں نہ دیکھے۔

(۹) آنکھ کو ہر طرف سے بند کرلے اگرچہ سامنے پری ہو۔

(۱۰) عارف اگرچہ نعمت نہیں رکھتا باوجود اس کے وہ ہمیشہ نعمت میں ہے۔

(مسالک السالکین، ج:۱، ص:۲۹۰، وعوارف المعارف وکشف المحجوب، ص:۱۷۳)

فضائل و مناقب: اب میں آپ کے چند مناقب سپرد قرطاس کرکے اپنی بساط قلم کو سمیٹنے کی کوشش کروں گا۔

''حلیۃ الاولیاء'' میں محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ میں نے عبید بن محمد کو کہتے ہوئے سنا کہ ایک شخص ملک شام سے معروف کرخی کے پاس آیا اور سلام پیش کیا جب اس سے سلام پیش کرنے کی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے جواب دیا کہ میں نے خواب میں سنا کہ مجھ سے کہا جارہا ہے کہ معروف کرخی کے پاس جاؤ اور انھیں سلام کہو؛ اس لیے کہ معروف کرخی زمین و آسمان والوں میں معروف ہیں۔ اس واقعہ کی روشنی میں معلوم ہورہا ہے کہ آپ اس قدر بلند رتبہ تھے کہ ہاتف غیبی کی طرف سے آپ کو سلام بھیجا جاتا تھا۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۸، ص:۴۰۹۔)

اتنا ہی نہیں بلکہ آپ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اس قدر بلند رتبہ تھے کہ آپ کے وسیلے سے مانگی ہوئی دعائیں رد نہیں ہوتیں اور اس کی خبر خود آپ نے اپنے بھتیجے کو بھی دی۔

آپ کی بزرگی کو اللہ عزوجل نے بعد وفات بھی ظاہر فرمادیا۔ اب یہاں پر چند شواہد ہدیہ ناظرین ہیں:

''صفۃ الصفوۃ'' میں منقول ہے عبداللہ بن سعید انصاری نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ عرش کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اللہ عزوجل نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا اے میرے فرشتو! بتاؤ یہ کون ہے فرشتے عرض کرتے ہیں مولیٰ تو بہتر جاننے والا ہے۔ پھر آواز آئی کہ یہ معروف کرخی ہے جس کو ہماری محبوبیت نے بے خود بنادیا ہے۔ اور اب ہمارے دیدار

کے بغیر اس کو ہوش نہیں آسکتا۔(صفة الصفوة، ج:۲،ص:۲۱۳،حلية الاولياء، ج:۸،ص:۳۱۰)

حضرت محمد حسین فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا کہ میری مغفرت فرمادی۔ پھر انھوں نے سوال کیا کہ کیا عبادت و زہد کی وجہ سے مغفرت ہوئی؟ تو فرمایا: نہیں بلکہ میں نے ابن سماک کی اس نصیحت پر عمل کیا تھا ”جو دنیا سے تعلق توڑ کر اللہ کی طرف لو لگالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف توجہ فرماتا ہے“۔(تذکرۃ الاولیا، ص:۲۰۹)

آپ کی فضیلت کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ آپ اذان اس شان سے پڑھتے کہ جب أشهد أن لا إله إلا الله کہتے تو شدت خوف سے رونگٹے اور داڑھی کے بال کھڑے ہو جاتے اور اس قدر بے قرار ہو جاتے کہ معلوم ہوتا کہ آپ زمین پر گر پڑیں گے۔ بارہارات رات بھر مسجد سے آپ کی گریہ وزاری کی آوازیں آتیں اور دعا و استغفار میں مشغول رہتے۔

حضرت عبد الوہاب کا قول ہے کہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ سے بڑا تارک الدنیا میں نے کسی کو نہ دیکھا۔ آپ کے تصوّف کا یہ عالم ہے کہ آپ کی قبر مقدس مصیبت زدہ لوگوں کے لیے تریاق مانی جاتی ہے آپ سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کے نویں امام و شیخ طریقت ہیں۔(کشف المحجوب و مسالک السالکین، ج:۱،ص:۲۸۷)

خلفاء: آپ کے مشہور خلفاے کرام جنھوں نے دین و مذہب کی عظیم خدمات انجام دیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱)حضرت شیخ سری سقطی رضی اللہ عنہ (۲) حضرت شاہ محمد (۳) حضرت شاہ قاسم بغدادی (۴) حضرت عثمان مغربی (۵) حضرت حمزہ خراسانی (۶) حضرت ابو نصر ابرار (۷) حضرت شاہ مستعانی (۸) حضرت شاہ ابو سعید (۹) حضرت ابو ابراہیم داؤدی (۱۰) حضرت ابوالحسن ہارونی (۱۱) حضرت شاہ جعفر خلیدی (۱۲) حضرت شاہ محمد رومی۔ (۱۳) حضرت شاہ منصور عارف ابو کاتب (۱۴) حضرت شاہ عبد الحق حقائق آگاہ (۱۵) حضرت شاہ علی اودباری رضی اللہ عنہم۔(شجرۃ الکاملین، ص:۱۲۸و مشائخ قادریہ، ص:۱۸۰)

وصال: آپ کا وصال ۲/ محرم الحرام جمعہ یا یکشنبہ کو خلیفہ مامون رشید کے عہد میں ہوا۔(صفة الصفوة، ج:۲، ص:۲۱۴)

سن وفات کے سلسلے میں تین قول ملتے ہیں: ۲۰۱ھ، ۲۰۴ھ، اور ۲۰۰ھ۔ انھیں مجدد کا قول کرنے والوں کے نزدیک شروع کے دو میں سے کوئی ایک راجح ہے۔

تجہیز و تدفین: منقول ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو تمام اہل ادیان نے دعوی کیا کہ ہم آپ کا جنازہ اٹھائیں گے یہ دیکھ کر آپ کے ایک خادم نے بتایا کہ آپ کی یہ وصیت تھی کہ جس مذہب کے لوگ زمین سے میرا جنازہ اٹھالیں وہی دفن بھی کریں۔ چناں چہ مسلمانوں کے علاوہ کسی سے بھی آپ کا جنازہ نہ اٹھ سکا اور اسلامی احکام کے مطابق آپ کی تجہیز و تکفین کی گئی۔

(عوارف المعارف، ص: ۶۵۱، خزینۃ الاصفیہ، ج:۱، ص:۷۷)

مزار اقدس: آپ کا مزار مقدس بغداد شریف میں زیارت گاہ خلائق ہے۔ آپ کے مزار مقدس کے بارے میں خطیب بغدادی ارشاد فرماتے ہیں کہ ”قبر مجرب لقضاء الحوائج“ یعنی حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ کا مزار مقدس حاجتیں پوری ہونے کے لیے مجرب ہے۔ حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو تو قسم دے کہ اے رب بحق

معروف کرخی میری حاجت روائی کر، تو اسی وقت دعا قبول ہو جائے گی۔(تاریخ بغداد للخطیب و مسالک السالکین، ص:۲۸۶)

یہ آپ کی حیات طیبہ کے چند گوشے تھے جو میں نے بتوفیق الہی و فیض کرخی نذر قارئین کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اللہ عزوجل حضرت معروف کرخی کے مرقد انور پر رحمت و غفران کی بارش فرمائے اور ان کے علمی و روحانی فیضان و معارف سے ہم سب کو مستفید و مستفیض فرمائے اور ہم سب کو اس محبوب بندے کا صدقہ عطا فرمائے اور گناہ سے آلودگی کو صاف فرما کر صاف و شفاف زندگی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین .

عبدالعظیم قادری، کرناٹک، جماعت: فضیلت Mo: 8009204672

امام احمد بن حنبل اپنے دور کے فقیہ اعظم اور مجتہد فی المذہب تھے۔ عالم اسلام میں فقہ کے جو چار مذاہب مشہور ہیں ان میں سے ایک امام احمد بن حنبل کا بھی مذہب ہے جن کے فقہی اوراجتہادی مسائل پر چوتھی صدی ہجری سے اب تک مسلمانوں کی ایک جماعت عمل پیرا ہے اور حنبلی کے نام سے موسوم ہے۔

اسم گرامی و سلسلۂ نسب: آپ کا نام احمد، لقب شیخ الاسلام اورامام السنہ مروزی اور بغدادی آپ کی نسبتیں ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبانی بن ذہل بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب بن افصیٰ بن عمرو بن جُدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان بن ادبن اودابن الھمیسع بن حمل بن النبت بن قیذان بن اسماعیل ابن الخلیل علیہما السلام۔ (وفیات الاعیان، ج:۱، ص:۴۰)

خاندانی پس منظر: خاندانی جہت سے آپ خالص عربی النسل تھے اور قبیلہ بنی شیبان سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی شجاعت ودلیری اور غیرت وحمیت میں مشہور تھا۔ داداجان ''حنبل'' خراسان کے گورنر تھے جو عباسی تحریک کا مرکز تھا اور آپ اس تحریک کے ایک سرگرم کارکن تھے۔ والد ماجد ''محمد'' ایک بہادر سپاہی تھے اور قومی شرافت اور علم حدیث کے امین کہلاتے تھے۔ دنیوی شان وشوکت کے ساتھ ساتھ علمی اعتبار سے بھی یہ خاندان ممتاز تھا اور اس میں متعدد علما و فضلا اور ماہرین انساب گزرے ہیں۔

ولادت باسعادت: آپ کے والد ماجد ۱۶۴ھ میں مرو سے ترک وطن کرکے بغداد آئے جہاں ماہ ربیع الاول میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ محض تین سال کی عمر ہی میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور کفالت کی ساری ذمہ داری والدہ ماجدہ کے دوش نازک پر آگئی جنہوں نے آپ کی پرورش میں کوئی کسر نہ رکھی یہاں تک کہ یہ در یتیم اقلیم حدیث واجتہاد کا تاج دار بن گیا۔

ظاہری وباطنی علوم سے سرفرازی: اوائل عمری ہی میں آپ سلسلۂ تعلیم سے منسلک ہوگئے۔ محض چار سال کی عمر

میں حفظ قرآن مکمل کر لیا، سات برس میں قرأت حدیث کا آغاز کیا اور پندرہ سولہ برس میں باقاعدہ درس میں مشغول ہو گئے ۔علم و علما کے شہر بغداد میں امام ابو یوسف کے حلقۂ درس میں شرکت کرتے رہے ،بعد ازاں کوفہ ،مصر،شام،یمن،حرمین شریفین، جزیرہ اور ابادانی کا قصد کیا اور وہاں کے فقہاو محدثین سے خوب خوب استفادہ کیا۔

عبادت وریاضت اور خصائل حمیدہ: زہدو تقویٰ اور دنیا سے لاتعلقی آپ کا شعار تھا۔آپ کی تقویٰ شعاری اس قدر غالب تھی کہ خورد و نوش اور طرز زندگی میں سادگی و کفایت پسندی کا ہمیشہ لحاظ رکھتے اور امراو حکام سے نظریں بھی نہ ملاتے، نہ ہی ان کے تحائف قبول کرتے ۔عبادت و ریاضت کے بچپن ہی سے شائق و پابند تھے ،تاہم قائم اللیل ہونا آپ کے اہم اوصاف میں شمار ہوتا ہے۔آپ کے فرزند عبداللہ کا بیان ہے کہ والد روزانہ پورے دن میں تین سو رکعات نفل نماز پڑھتے تھے۔کوڑوں کی ضرب سے بیمار ہو گئے تو ڈیڑھ سو رکعات پڑھتے تھے۔اس وقت عمر شریف تقریبا ۸۰/ برس ہو چکی تھی۔ روزانہ ساتواں حصہ قرآن پڑھتے اور عشا کے بعد کچھ دیر سو کر صبح تک نماز میں مشغول رہتے۔

(محدثین عظام حیات و خدمات، ص:۳۰۲،ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، ناشر: رضا اکیڈمی ممبئی)

قلمی جواہر پارے: اہل علم کے لئے آپ نے اپنی گراں قدر تصنیفات ترکہ میں چھوڑیں۔جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) کتاب المسند (۲) کتاب التفسیر (۳) کتاب الناسخ و المنسوخ (۴) کتاب التاریخ (۵) کتاب حدیث شعبہ (۶) کتاب المقدم والموٗخر فی القرآن (۷) کتاب جوابات القرآن (۸) کتاب المناسک الکبیر (۹) کتاب المناسک الصغیر وغیرہ (مناقب الامام احمد، ص:۵۲، ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن جوزی، مطبع مصر)

فن حدیث میں نمایاں مقام: مندرجہ بالا نگارشات ، مختلف علوم وفنون اور متعدّد موضوعات میں دقیق نظری آپ کی خداداد صلاحیت کی غماز ہیں، خصوصًا فن حدیث میں آپ کی نظر غایت کمال کو پہنچ چکی تھی اور آپ اپنے زمانہ کے جلیل القدر محدث شمار کئے جاتے تھے۔

دینی خدمات و کارنامے:

(۱) المسند کی تخلیق:- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا کارنامہ آپ کی کتاب "المسند" ہے جسے آپ نے خود جمع کیا ہے۔مسند احمد تقریبًا ۲۷/ اجزا پر مشتمل اور ۷۰۰/ صحابہ کرام کی روایت کردہ حدیثوں کا مجموعہ ہے جن کی تعداد بیس ہزار سے چالیس ہزار تک بتائی جاتی ہے۔اس کتاب کو مرتب کرنے کے لیے آپ نے عالم اسلام کا سفر فرمایا اور کبار محدیثن سے ذخیرۂ احادیث اکٹھا فرمایا جس میں کتب مسانید کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب پر حدیثیں مرتب کی گئی ہیں۔اس مجموعہ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتابِ مستطاب ۱۸/ مسندوں پر مشتمل ہے۔(۱) مسند عشرۂ مبشرہ (۲) مسند اہل بیت نبوی (۳) مسند ابن مسعود (۴) مسند عبد اللہ بن عمر (۵) مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص وابي رمثہ (۶) مسند حضرت عباس اور ان کے نامور صاحب زادوں کا (۷) مسند عبد اللہ بن عباس (۸) مسند ابو ہریرہ (۹) مسند انس بن مالک (۱۰) مسند ابی سعید خدری (۱۱) مسند

جابر بن عبد اللہ انصاری (۱۲) مسند مکیاں (۱۳) مسند مدنیاں (۱۴) مسند کوفیاں (۱۵) مسند بصریاں (۱۶) مسند شامیاں (۱۷) مسند انصار (۱۸) مسند عائشہ مع مسند النساء۔ (بستان المحدثین، عبد العزیز محدث دہلوی، ص:۵۲، مطبع کراچی، پاکستان)

(۲) اصول خمسہ کی بنا:- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے عظمت اجتہاد کی پاسداری کے لئے فقہ و فتویٰ میں پانچ اساسی اصول کو اختیار فرمایا ہے۔ **(۱) نصوص قطعیہ:** ان کی موجودگی میں دیگر اقوال قابل عمل نہیں۔ **(۲) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فتوے:** جب کسی مسئلہ میں صحابی کا نظریہ پالیتے تو دیگر غیر صحابہ کے اقوال سے صرف نظر فرما کر صحابی کے قول پر فتویٰ صادر فرماتے۔ **(۳) اختلاف صحابہ کا فیصلہ:** کسی مسئلہ میں اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف الاقوال نظر آتے تو جو قول کتاب و سنت سے قریب تر معلوم ہوتا، اسے اختیار فرماتے ورنہ اختلاف بیان فرما کر کسی بھی طرح کی ترجیح سے گریز کرتے۔ **(۴) حدیث مرسل و ضعیف سے استدلال:** اگر مذکورہ اصول مفقود دیکھتے تو حدیث مرسل و ضعیف سے استدال فرماتے۔ **(۵) قیاس سے استنباط:** اگر مرسل و ضعیف احادیث بھی ناپید ہوں تو بالآخر قیاس سے استنباط فرماتے مگر قیاس سے حتی الامکان گریز کرنے کی عادت تھی۔

(ملخص از اعلام موقعین، ص:۳۸ تا ۴۱)

(۳) فتنوں کا مجتہدانہ مقابلہ:- خلافت عباسیہ میں فلسفۂ یونان کے اثرات نے اسلام کے بنیادی عقائد کی بیخ کنی کرنا شروع کر دیا اور متکلّمین کی ایک بڑی جماعت فلسفیانہ تصورات میں الجھ کر مختلف گروہوں میں منقسم ہوگئی جس کی شہہ پاکر عقلیت پرستی کا پرزور نمائندہ فرقۂ معتزلہ نے اسلام کے اندر نت نئے بے جا مسائل پیدا کر دیے اور باطل نظریات کی ترویج و اشاعت کی ہر ممکن کوشش کی۔ انھیں مسائل میں سے ایک مسئلہ "خلق قرآن" کا تھا، جس کو انھوں نے کفر و ایمان کا مدار ٹھہرا کر ایک عظیم فتنہ میں تبدیل کر دیا اور اس کے نتیجہ میں کئی فقہا و محدثین اور عامۂ مسلمین قید و بند اور قتل و قتال کی آزمائشوں سے دوچار ہوئے۔ مجتہد وقت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جان و مال اور جاہ و منصب کی پرواہ کیے بغیر صبر آزما قربانیاں پیش کیں۔

اس کی ابتدا خلیفہ ہارون رشید کے دور خلافت میں پوشیدہ طور پر ہوئی۔ ہارون رشید کو جب ایک شخص کے بارے میں خبر ملی کہ وہ خلق قرآن کا قائل ہے تو اس کو قتل کرنے کا حلف اٹھایا مگر ہارون رشید کے بعد جب مامون برسر اقتدار ہوا تو خود معتزلہ کے افکار و نظریات سے بے حد متأثر ہوا۔ اس نے ۲۱۲ھ میں اعلان عام کروا دیا کہ کلام الٰہی مخلوق ہے اور جو شخص اسے مخلوق تسلیم نہ کرے گا وہ سخت سے سخت سزا کا مستحق ہوگا اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ اپنے اعلان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی ذات کریمہ سے افضل و اکرم قرار دیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ۲۱۵ھ میں جنگ کے ارادے سے روم تک کا سفر کیا۔

۲۱۸ھ میں مامون نے عقیدۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں کبار علما کی آزمائش کرنی چاہی۔ لہٰذا اس نے بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم خزاعی معتزلی کے پاس علمائے بغداد کے بارے میں لکھا کہ جو خلق قرآن کے عقیدہ کے ہم خیال نہ ہوں ان کو بیڑیوں میں جکڑ کر امیر المؤمنین کے لشکر کی جانب بھیج دو تاکہ امیر المومنین انہیں بحث و نظر سے خلق قرآن کا قائل کرلیں اگر وہ پھر بھی توبہ نہ کریں تو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اسحاق بن ابراہیم نے اس حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے بغداد کے علما

ومشائخ کے سامنے مامون کا خط پڑھ کر سنایا۔ خط سن کر حاضرین نے اس طرز پر جوابات دیے جن میں اقرار و انکار کا پہلو اجاگر نہیں تھا۔ جب حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہو کر آپ کی رائے طلب کی گئی تو آپ نے فرمایا: ''کلام اللہ'' پھر اسحاق نے سوال کیا کہ آیا مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ آپ نے جواب دیا: ''وہ اللہ کا کلام ہے'' اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔ اسحاق نے سب کے جوابات لکھ کر مامون کے پاس بھیج دیے۔ خط پا کر مامون نے تمام علما کے بارے میں سخت کلامی کی اور حقارت آمیز تنقید کرتے ہوئے امام احمد بن حنبل کے بارے میں لکھا کہ احمد سے کہدو کہ امیر المؤمنین اس کے جاہلانہ عقیدہ سے واقف ہیں اور وہ جان لے کہ اسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ حکم نامہ سن کر امام احمد بن حنبل، سجادہ، محمد بن نوح، قواریری کے سوا سارے علما نے قرآن کا مخلوق ہونا تسلیم کر لیا۔ اسحاق نے ان چاروں حضرات کو قید میں ڈلوا دیا، پھر دوسرے دن اس نے قید خانہ جا کر حالت اسیری میں سوالات دہرائے۔ سجادہ نے فوراً اقرار کر لیا۔ زیادہ اصرار کرنے پر قواریری بھی خلق قرآن کے قائل ہو گئے۔ باقی دونوں حضرات اپنے اپنے موقف پر قائم رہے تو اسحاق نے ان دونوں کو مامون کے پاس روم بھیجنا طے کیا۔ پھر جب مامون کو یہ خبر ملی کہ کچھ لوگوں نے اس عقیدہ کا اعتراف جبراً کیا ہے تو اس پر مامون سرخ ہو گیا اور اسحاق کو یہ لکھا کہ جن لوگوں نے جبراً یہ عقیدہ مانا ہے، احمد اور محمد کے ساتھ انہیں بھی روانہ کرو۔ اسحاق نے سب کو روانہ کر دیا مگر ان سب کے پہنچنے سے قبل ہی مامون انتقال کر گیا۔

۲۱۸ھ میں معتصم باللہ خلیفہ بنا تو مامون ہی کی طرح انتہا پسند معتزلی اور خلق قرآن کا داعی تھا۔ اس نے اپنے مقبوضہ ممالک میں پھر سے تجدیدی حکم نامہ جاری کیا کہ لوگ قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کر لیں۔ ساتھ ہی معلّمین کو انتباہ کیا گیا کہ وہ بچوں کے ذہن میں ابتدا ہی سے یہ جاگزیں کر دیں کہ قرآن مخلوق ہے، معتصم نے بھی علما کے ساتھ ظلم و تشدد جاری رکھا اور شروع شروع میں امام احمد کو حیلوں اور بہانوں سے عقیدۂ خلق قرآن کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی مگر جب ناکامی ہاتھ آئی تو ۲۲۰ھ میں آپ کو دربار میں طلب کیا اور بحث و مباحثہ کی غرض سے ایک مجلس مناظرہ منعقد کی۔ حضرت کے مقابلہ میں عبدالرحمٰن بن اسحاق، قاضی احمد بن ابی داؤد اور دیگر فضلا کو مقرر کیا۔ یہ مناظرہ لگاتار تین دنوں تک چلتا رہا۔ چوتھے دن بھی جب امام صاحب کے دلائل و براہین کی پکڑ مضبوط رہی تو درمیان مناظرہ ہی معتصم نے درہ زنی کا حکم صادر کر دیا۔ چناں چہ جلاد نے امام برحق کے جسم پر کوڑوں کی بارش شروع کر دی۔ جب امام کو پہلا کوڑا مارا گیا تو آپ نے فرمایا: ''بسم اللہ'' جب دوسرا کوڑا مارا گیا تو فرمایا: ''لا حول و لا قوۃ الا باللہ'' تیسرے کوڑے پر فرمایا: ''القران کلام اللہ غیر مخلوق'' اور چوتھی ضرب پر فرمایا: ''لا یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا'' بالآخر امام صاحب کو ۲۹؍ کوڑے لگائے گئے، اور شدت تکلیف سے آپ غش کھا کر زمین پر گر گئے۔ اس سزا کے بعد آپ کو کل ۲۸؍ ماہ قید میں رکھا گیا۔

(الاکمال فی اسماء الرجال، ص: ۶۲۲، شیخ ولی الدین ابی عبداللہ خطیب صاحب مشکاۃ، ناشر: رضا اکیڈمی ممبئی)

۲۲۷ھ میں معتصم کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ تخت نشیں ہوا۔ اس نے بھی مسئلہ خلق قرآن میں کافی سختی برتی اور اس کی زد میں بھی بہت سے فقہا و محدثین قتل و اسیری کی سزاؤں سے دوچار ہوئے مگر واثق نے امام صاحب کے

ساتھ کسی طرح کی سختی نہیں کی البتہ ان کو جلاوطن کر دیا۔ امام صاحب اس کے دور خلافت تک روپوش رہے۔ خدا خدا کر کے گردش زمانہ کا رخ بدلا، ماہ ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں واثق باللہ کے انتقال کے بعد متوکل باللہ خلیفہ بنا جس نے ان باطل عقائد کی سرے سے بیخ کنی کی اور یہ اعلان عام کروادیا کہ قرآن مخلوق نہیں ہے جس سے معتزلہ کا سارا زور ٹوٹ کر بکھر گیا اور آخر کار اس فتنۂ عظیم کا خاتمہ ہو گیا اس طرح امام صاحب کو امتحان و آزمائش سے نجات دلا کر اعزاز و اکرام کا فرمان بھی جاری کیا۔

اس عظیم آزمائش میں مذکورہ تمام شدائد کے باوجود آپ اظہار حق اور صدق بیانی سے کبھی باز نہ آئے اور اخیر دم تک عزیمت وثبات قدمی کے ساتھ اپنے موقف پر کار بند رہے۔ حضرت امام موصوف کی اس مثالی عزیمت وثبات قدمی نے اہل حق کو تقویت بخشی اور آپ کی ذات کریمہ اہل اسلام کے لیے سرچشمہ ہدایت بن گئی۔ مشہور محدث اور امام بخاری کے استاذ علی بن مدینی ارشاد فرماتے ہیں: "ان اللہ اعز ھذا الدین برجلین لیس لھما ثالث ابو بکر الصدیق یوم الردۃ و احمد بن حنبل یوم المحنۃ" اللہ جل شانہ نے اس دین کو دو فرد کے ذریعہ اعزاز بخشا، ان دونوں کے علاوہ تیسرے کو یہ منصب حاصل نہیں ارتداد (فتنۂ منکرین زکوۃ) کے موقع سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اور فتنۂ خلق قرآن کے دور میں آزمائش کے موقع پر حضرت امام احمد بن حنبل کے ذریعہ۔ (تاریخ بغداد، ج:۲، ص:۲۱۸، ابو بکر علی بن احمد بن ثابت خطیب بغدادی، مطبع مصر)

وصال پر ملال اور مزار مبارک: یہ پیکر علم متوکل باللہ کے دور خلافت میں ۷۷ر برس کی عمر پاکر ۱۲ر ربیع النور ۲۴۱ھ بروز جمعہ اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ امیر بغداد محمد بن عبد اللہ بن طاہر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ شرکا کا تخمینہ لگایا گیا تو تقریباً ۸ر لاکھ مرد اور ۶۰ر ہزار خواتین تھیں۔ باب حرب کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ ۲۳۰ر سال بعد آپ کی قبر کے پہلو میں ایک قبر کھودی جارہی تھی جس سے آپ کے قبر کا ایک حصہ ظاہر ہو گیا۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ آپ کا کفن صحیح و سالم تھا اور جسم پاک میں کسی طرح کا کوئی تغیر واقع نہ ہوا تھا۔ خدا نے آپ کو وہ بلند رتبہ عطا کیا کہ زندگی کے آخری ایام تک آپ کی اجتہادی شخصیت عوام الناس اور علما و صلحا کے لیے سرچشمۂ علم و حکمت بنی رہی اور بعد وفات بھی آپ کی قبر انور مرکز عقیدت اور آپ کا مسلک حنبلی اور رشحات قلم مرجع خلائق بن گئے۔ (تہذیب التہذیب، ج:۱، ص:۶۵)

☆☆☆

محمد نثار احمد، کولکاتا، جماعت: سابعہ Mo:8420260911

نام: حسن، **کنیت:** ابو علی اور **نسبت:** "لولوئی" تھی۔ والد کا نام زیاد تھا، جو انصار کے غلاموں میں سے تھے۔ آپ اصل کوفہ کے باشندے تھے۔ بعد میں نقل مکانی کر کے بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

لؤلوئی کہے جانے کی نسبت: لولوئی سے آپ مشہور و معروف تھے، کیوں کہ آپ کے بزرگوں میں سے کوئی "لو لو" یعنی موتی کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔

ولادت: ولادت کی کوئی تاریخ نہیں ملتی البتہ شیخ محمد زاہد الکوثری اپنی تصنیف " الامتاع "میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت برہان الاسلام زرلوجی نے تخمیناً ۱۱۶ھ بتایا جیسا کہ آپ اپنی کتاب "تعلیم المتعلم "میں آپ کی تعلیم کے حوالے سے فرماتے ہیں:
" آپ نے چالیس سال تک علم حاصل کیا پھر فقہ و فتاویٰ میں مشغول رہے اور آپ کی تعلیم کی ابتدا ایک اندازہ کے مطابق آٹھ سال کی عمر سے ہوئی تو اس لحاظ سے آپ کی سن ولادت تقریباً ۱۱۶ ھ ہے۔" (الامتاع بسیرة الإمامین الحسن بن زیاد وصاحبہ محمد بن شجاع رحمہما اللہ، ص: ۸۱، ناشر: مکتبہ الازہریہ للتراث)

امام اعظم کی بارگاہ میں: حضرت حسن بن زیاد ہمیشہ امام اعظم ابو حنیفہ کی خدمت میں رہا کرتے تھے، ایک روز ان کے والد نے ان سے کہا کہ میری چند لڑکیاں ہیں۔ اور حسن کے علاوہ میرا کوئی سہارا و مددگار نہیں آپ انہیں ایسا کام کرنے کا مشورہ دیجیے جو ان کے لئے نفع بخش ہو جب حسن بن زیاد آئے تو ان سے امام اعظم ابو حنیفہ نے فرمایا کہ تمھارے والد آئے تھے اور ایسا کہتے تھے۔ تم مجلس فقہ میں پابندی سے حاضری دیا کرو کیونکہ میں نے کسی فقیہ کو فقیر و محتاج نہیں دیکھا۔
(انوار امام اعظم، ص: ۱۷۱، ناشر: مکتبہ ابو بیہ رضا نگر شریف سن اشاعت ۱۴۳۴ھ)

آپ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں بلند پایہ فقیہ ہیں۔ اور مجلس تدوین فقہ حنفی کے اہم رکن تھے۔ مجلس میں سوالات سب سے پہلے آپ ہی پیش کرتے تھے شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا: "الحسن بن زیاد المقدم فی السوال والتقریح" حسن بن زیاد سوال اٹھانے اور دریافت کرنے میں سب سے مقدم تھے۔ (الجواھر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ عبد القادر بن محمد بن نصر القرشی الحنفی م: ۷۷۵، ج: ۲، ص: ۱۲۸، میر محمد کتب خانہ کراچی)

اپنی جودت طبع اور نظر وفکر کی بدولت وہ بڑے نادر سوالات کیا کرتے تھے۔لوگ آپ کے سوالات سن کر دنگ رہ جاتے۔علی بن صالح کا بیان ہے:

ایک مرتبہ آپ قاضی ابویوسف کی درس گاہ میں پہونچے، قاضی صاحب نے اپنے شاگردوں سے کہاتم لوگ ان سے فورا سوالات شروع کردینااگر انھوں نے سوالات پوچھنا شروع کردیاتو پھر تمھارے لئے خاموشی کے سواکوئی چارہ نہ ہوگا۔امام حسن بن زیاد نے مجلس میں آتے ہی سلام پیش کیااور اس کے ساتھ ہی ایک سوال پیوست کردیا۔

"فقد رایت ابا یوسف یلوی وجهه الی هذاالجانب مر من کثرت ادخالات الحسن علیه ورجوعه من جواب الیٰ جواب". (الجواھر المضیئه فی طبقات الحنفیه ،عبد القادر بن محمد بن نصر القرشی الحنفی ،م:۷۷۵،ج:۲،ص:۱۲۸،میر محمد کتب خانه ،کراچی)

میں نے ابویوسف کو دیکھا کہ انھوں نے حضرت حسن بن زیاد کے اشکالات اور سوال وجواب کی کثرت کی بنا پر ادھر ادھر دیکھنا شروع کردیا۔

مصروفیات : حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے اوقات کو مختلف حصوں میں تقسیم کررکھا تھا۔

☆ آپ فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد فروعی مسائل میں غور وفکر کیا کرتے تھے۔

☆ پھر گھر تشریف لاتے اور ظہر کی نماز تک گھریلو کام کاج میں مصروف عمل رہتے۔

☆ نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد عصر تک ملنے جلنے والوں کے لیے خاص تھا۔

☆ عصر تا مغرب آپ دینی مسائل میں اپنے اصحاب کے ساتھ بحث وتمحیص اور مناظرہ میں صرف فرماتے۔نماز مغرب پڑھ کر گھر تشریف لاتے۔

☆ کچھ وقفہ کے بعد پھر واپس آتے اور عشا کی نماز تک پیچیدہ اور تحقیقانہ مسائل پر علمی بحث ومباحثہ کرتے یہ سلسلہ کافی دراز رہتا۔

☆ بعد عشارات کے تہائی حصے تک قوم کی فلاح وبہبود کے لیے دقیق سے دقیق ترین مسائل پر غور وخوض کیا کرتے تھے۔

اساتذہ: آپ نے بہت سے مشاہیر، علما، فقہااور محدثین سے اکتساب فیض کیا جن میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت داؤد نصیر، حضرت حماد بن ابو حنیفہ، حضرت زفر بن ہذیل، حضرت امام ابو یوسف، حضرت سعید بن ابو طائی، حضرت عبد الملک بن جریج، حضرت مالک بن مغول، حضرت وکیع، حضرت ایوب بن عقبہ، حضرت حسن بن عمارہ، حضرت عیسیٰ بن عمر ہمدانی رضی اللہ عنہم۔

آپ کے علمی انہماک کا یہ عالم ہوتا کہ کھانے پینے اور وضو کے وقت بھی فقہی مسائل بیان کرتے رہتے تھے۔ملاعلی قاری لکھتے ہیں۔"کان له جاریة اذ الشتغل بالطعام او الوضوء او بغیر ذلك تقرأعلیه المسائل حتی یفرغ من حاجته". (اثمار الجنیئه فی اسماءالحنفیه،ملّا علی قاری،ص:۱۲۵)

آپ کی ایک باندی تھی، جب آپ کھانے، وضو یا کسی اور کام میں مصروف ہوتے تو وہ آپ سے مسائل پوچھتی یہاں تک کے آپ ضرورت سے فارغ ہوتے۔ چنانچہ پوری کی پوری رات مسائل دقیقہ کی تحقیق وتفہیم میں گزار دیتے آپ خود فرماتے۔ "مکثت اربعین سنت لا ابیت الا والسراج بین یدی" چالیس برس سے ساری رات چراغ میرے سامنے جلتا رہتا تھا۔ (ماخوذ: ائمہ اربعہ، ص:۳۰۱ مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، مطبوعہ کمال بک ڈپو، سن اشاعت: ۱۴۳۶ھ۔۲۰۱۵ء)

منصب قضا پر تقرری: ۱۹۴ھ میں قاضی حفص بن غیاث کے وصال فرمانے کے بعد آپ کوفہ کی قضا کے متولی مقرر ہوئے، مگر جلد ہی اپنے عہدے سے دست بردار ہوگئے۔

اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب آپ قضا میں ہوتے تو اپنے اصحاب سے مسئلہ پوچھ کر حکم دیتے اور جب مجلس قضا سے برخواست ہوتے تو تمام علمی طاقت آپ کی اپنی جگہ پر واپس آجاتی پس اس کی وجہ حاکم بکالی نے کہا: "ویحك انك لم تفق فی القضا وأرجو ان یکون بخیرۃ ارادھا اللہ بك" اللہ آپ پر رحم فرمائے! منصب قضا آپ کے لئے مناسب نہیں اور مجھے امید ہے کہ یہ ایک بھلائی کی وجہ سے ہے جس کا ارادہ آپ کے ساتھ اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے۔

(ماخوذ: الامتاع بسیرۃ الامامین الحسن بن زیاد وصاحبہ محمد بن شجاع رحمہا اللہ، ص:۲۴، مطبوعہ: ناشر، مکتبہ ازہریہ للتراث)

مناقب وفضائل: فقہ واجتہاد وزہد وورع میں آپ یگانۂ روزگار تھے۔ امام بخاری کے استاذ حضرت یحیٰ بن آدم فرماتے ہیں: "ما رایت افقہ من الحسن بن زیاد" میں نے حسن بن زیاد سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔

(الجواھر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ، ص:۱۲۷)

تمر بن حذار سے جب لوگوں نے پوچھا کہ حسن بن زیاد بڑے فقیہ ہیں یا محمد بن حسن تو انھوں نے کہا کہ بخدا میں نے حسن بن زیاد کو ایسا دیکھا ہے کہ جب وہ محمد بن حسن سے کوئی سوال کرتے تو ان کو مضطرب کر دیتے تھے کہ وہ رونے کے قریب ہو جاتے تھے۔ (حدائق الحنفیہ، ص:۱۶۳، فقیر محمد جہلمی رحمۃ اللہ علیہ، ناحد آفسیٹ پرنٹرس دہلی ۶، سن اشاعت: ۲۰۰۶)

خشیت الٰہی اور مسائل میں احتیاط: آپ کے زہد ورع اور خشیت الٰہی کا عالم یہ تھا کہ آپ سے کسی نے فتویٰ دریافت کیا، آپ نے فتویٰ دیا لیکن بعد میں خیال آیا کہ میں نے فتویٰ غلط دے دیا ہے سائل کا نام وپتہ معلوم نہ تھا آپ نے ایک منادیٰ کو اجرت پر رکھا اور پورے علاقے میں ندا کرادی کہ فلاں دن حسن بن زیاد سے فلاں مسئلہ کون پوچھنے آیا تھا حسن بن زیاد نے مسئلہ غلط بتادیا ہے لہذا صحیح جواب جاکر معلوم کرلے۔ جب تک وہ سائل نہ آیا آپ نے فتویٰ دینا موقوف رکھا پھر جب سائل آیا تو آپ نے فرمایا جو جواب دیا گیا تھا وہ درست نہ تھا صحیح جواب یہ ہے۔

پیکر اخلاق وسنیت: حضرت احمد بن عبدالحمید حارثی فرماتے ہیں: "ما رایت احسن من الحسن بن زیاد ولا اقرب ماخذا". میں نے حسن سے زیادہ با اخلاق اور ان سے زیادہ ماخذ کے قریب کسی کو نہیں دیکھا۔

(ماخوذ: تاریخ بغداد، ج:۷، ص:۳۲۶، احمد بن علی ثابت المعروف بہ خطیب بغدادی، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

آپ سنت نبوی کے بڑے محب ومتبع تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی اتباع "البسوھم مما

تلبسون" میں جو کپڑے آپ خود زیب تن فرماتے تھے وہی اپنے غلاموں کو بھی پہناتے تھے۔

(حدائق الحنفیہ، ص:۱۶۳، فقیر محمد جہلمی رحمۃ اللہ علیہ، ناخدا آفسیٹ پرنٹرس، دہلی ۶، سن اشاعت: ۲۰۰۶)

حضرت مسلمہ بن قاسم کا قول ہے "کان ثقة" وہ ثقہ تھے۔ (المستدرك على الصحيحين، ج،۲، ص:۲۰۹، امام عبد الله محمد بن عبد الله حاكم نيشاپوری، مطبوعه دار المعرفه بیروت لبنان)

تجدیدِ دین کا اعتراف: مذہب اسلام کے تعلق سے آپ کے کارنامے اور حدیث رسول پر آپ کی خدمات کو دیکھتے ہوئے علمائے کرام نے آپ کا شمار مجددین اسلام کی فہرست میں کیا ہے۔ چناں چہ "مجمع بحار الانوار" میں طاہر محدث پٹنی نے، "طبقات القاری" کے حوالہ سے "حدائق الحنفیہ" میں فقیر محمد جہلمی نے، "جامع الاصول" میں مجد الدین ابن اثیر جزری نے، "تذکرۂ مجددین اسلام" میں غلام مصطفیٰ مجددی ایم۔ اے پاکستان نے، اور "امام احمد رضا اور جدید افکار و نظریات" میں مولانا لیس اختر مصباحی نے انھیں مجدد شمار کیا ہے

تلامذہ: آپ کے شاگردوں کی فہرست بھی طویل ہے جنھوں نے زانوے ادب تہ کر کے آپ کی بارگاہ سے اکتساب فیض کیا ہے وہ سرخیل طلبہ میں سے چند کے اسما درج ذیل ہیں:

فتح بن عمر کشی، ابوہشام رفاعی، نصیر بن یحیٰ بلخی، محمد بن سماعہ، اسحاق بن بہلول شیوخی، شعیب بن ایوب صریفینی، ولید بن حماد لولوی، ابراہیم بن اسمٰعیل طلحی، طاہر بن ابواحمد، اسمٰعیل بن حماد بن ابوحنیفہ، خلف بن ایوب بلخی، رشید، مامون، نمر بن جدار، امام محمد بن شجاع تلجی، علی بن ہشام مرزوق، محمد بن مقاتل رازی، عمرو بن مہیر، احمد بن سلیمان رہاوی، احمد بن عبد الحمید حارثی، ابراہیم بن عبد نیشاپوری وغیرہ۔ (الإمتاع، ص:۱۹)

تصانیف: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب روایتوں کا مجموعہ "المجرد" کے نام سے ترتیب دیا۔ اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں تصنیف کیں اور وہ یہ ہیں۔ (۱) کتاب آدب القاضي (۲) كتاب الخصال (۳) كتاب معانی الإيمان (٤) كتاب النفقات (٥) كتاب الخراج (٦) كتاب الفرائض (۷) كتاب الوصايا (۸) كتاب الأمالى۔ علامہ بدر العینی نے اپنی کتاب "مغانی" میں ان کی چند مزید تالیفات کا ذکر کیا ہے: کتاب التهمه، کتاب الاجاره اور کتاب الصرف۔

آپ سے مروی احادیث: حضرت امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے کثیر احادیث بھی مروی ہیں، چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ محمد بن سماعہ سے روایت ہے "قال محمد بن سماعه سمعت الحسن بن زياد يقول كتبت عن ابی جريح اثنی عشر ألف حديث كلّها يحتاج إليها الفقهاء"۔ (الجواهر المضيئه فی طبقات الحنفية، ص:۱۲۷) میں نے ابن جریح سے بارہ ہزار ایسی حدیثیں لکھیں جن کی فقہا کو سخت حاجت ہے۔ آپ نے امام اعظم سے بھی کثیر روایات حفظ کی ہیں۔

وفات: آپ کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ ☆☆☆
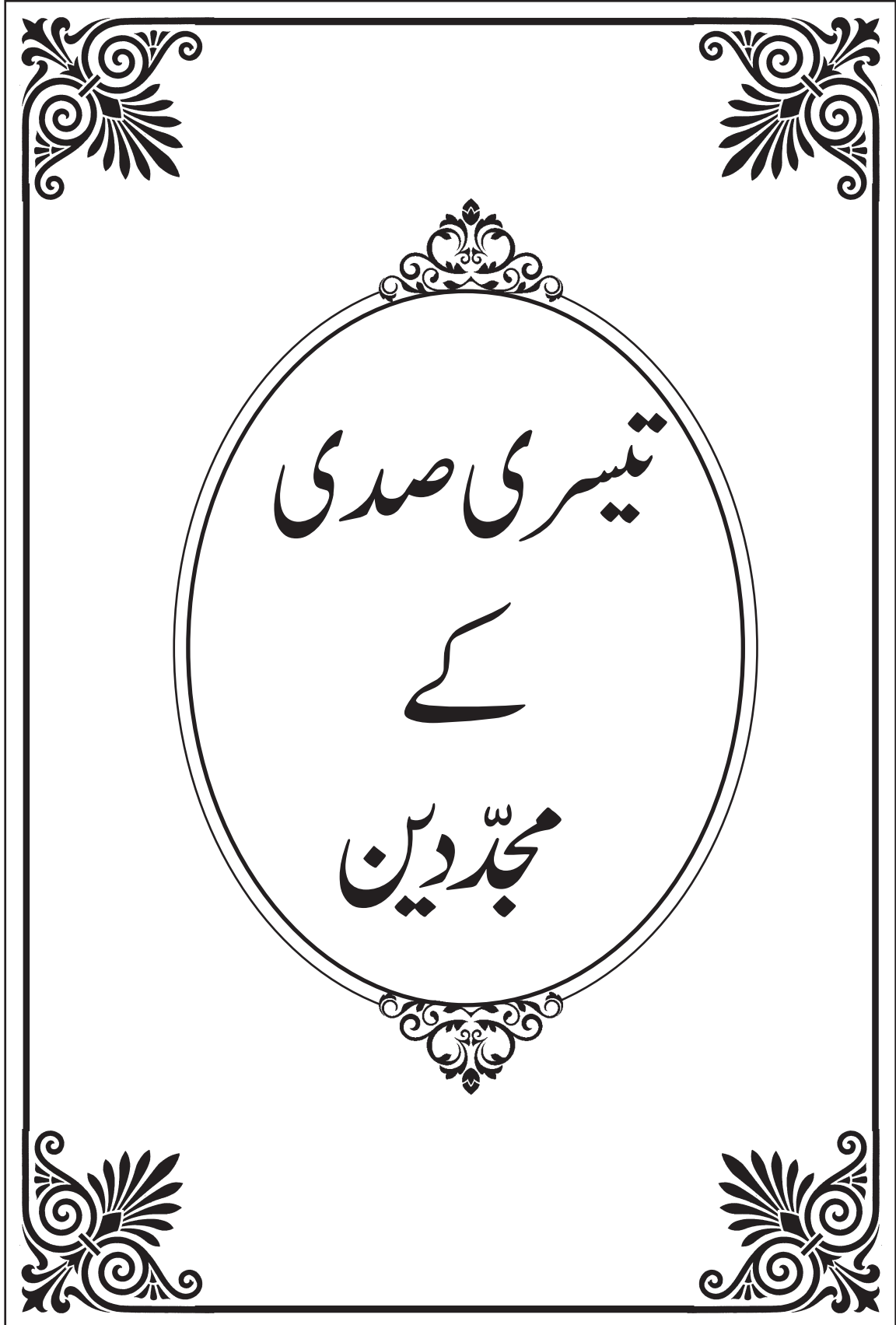
تیسری صدی کے مجدّدین

تیسری صدی کے مجددین

- ★ حضرت ابوحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت ابوالعباس عمر بن سریج شافعی رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت امام احمد بن شعیب بن علی نسائی رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ

از: **محمد رئیس اختر مصباحی بارہ بنکوی**، اختصاص فی الفقہ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

آپ کی کنیت: ابوالحسن، نام: علی، والد کا نام اسماعیل تھا، سلسلۂ نسب مشہور صحابیِ رسول حضرت ابو موسیٰ اشعری سے ملتا ہے پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوالحسن علی بن اسماعیل بن ابو بشر اسحٰق بن سالم بن اسماعیل بن عبداللہ بن موسیٰ بن بلال بن ابو بردہ عامر بن ابو موسیٰ اشعری۔

ولادت و تربیت: آپ کی ولادت بصرہ میں ہوئی تاریخ ولادت کے تعلق سے مورخین نے دو قول ذکر کیے ہیں: (۱) ۲۶۰ھ (۲) ۲۷۰ھ (تاریخ اسلام، حوادث ووفیات ۳۲۱، ۳۳۰ھ، ص:۱۵۴)

آپ کی والدہ نے آپ کے والد اسماعیل کے انتقال کے بعد ابو علی جبائی معتزلی سے نکاح کر لیا تھا جو اپنے وقت میں معتزلہ کے امام اور مذہب اعتزال کے علم بردار تھے، شیخ ابوالحسن اشعری نے انھیں کی آغوش میں تربیت پائی اور بہت جلد ان کے معتمد اور دست راست بن گئے، ابو علی جبائی اچھے مدرس اور مصنف تھے لیکن بحث و مناظرہ پر زیادہ قدرت نہیں رکھتے تھے جب کہ شیخ ابو الحسن اشعری ابتدا ہی سے زبان آور اور بحاث واقع ہوئے تھے، ابو علی بحث و مناظرہ کے موقع پر آپ کو آگے کر دیتے تھے اس طرح آپ بہت جلد ہی سر حلقہ اور مجالس بحث کے صدر نشیں بن گئے، ان تمام قرائن سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ ابو علی کے جانشیں ہوں گے اور مذہب اعتزال کی نشر و اشاعت میں اپنی پوری زندگی وقف کر دیں گے، لیکن مشیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا چنانچہ آپ کی طبیعت میں اعتزال کا ردِ عمل پیدا ہوا اور آپ معتزلہ کی بے جا تاویلات اور غلط قیاس آرائیوں سے متنفر ہونے لگے۔

اعتزال سے رجوع: پھر آپ نے اعتزال سے رجوع کر لیا آپ کے رجوع کے بارے میں احمد بن حسین متکلّم کا بیان ہے کہ میں نے اپنے بعض اصحاب سے کہتے ہوئے سنا کہ شیخ ابوالحسن اشعری کو جب کلام اعتزال میں حد درجہ مہارت ہو گئی تو دوران سبق اپنے استاذ سے اعتراضات کرتے اور اطمینان بخش جواب نہ پاتے اس طرح وہ پش و پیش میں پڑ گئے، خود ان کا بیان ہے کہ ایک رات میرے دل میں عقائد معتزلہ کے تعلق سے خلجان پیدا ہوا میں نے اٹھ کر دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے راہ راست دکھا اور سو گیا، خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ سے اپنے معاملے کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: تم میری سنت کو اختیار کرو، پھر میں بیدار ہوا اور مسائل کلام کو قرآن و سنت کے سامنے پیش کیا، جنھیں ان کے موافق پایا انھیں قبول کر لیا اور ان کے علاوہ کو ترک کر دیا۔ (تبیین کذب المفتری، ج:۱، ص:۳۸.۳۹)

پھر آپ نے بصرہ کی جامع مسجد میں منبر پر چڑھ کر برملا اعتزال سے رجوع کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو مجھے جانتا ہے وہ

جانتا ہے اور جو نہیں جانتا اسے بتاتا ہوں کہ میں ابوالحسن اشعری ہوں، میں معتزلی تھا، فلاں فلاں عقیدوں کا قائل تھا، اب میں توبہ کرتا ہوں اور اپنے سابقہ خیالات سے باز آتا ہوں، آج سے میرا کام معتزلہ کی تردید اور ان کی کمزوریوں اور غلطیوں کا اظہار ہے۔(وفیات الأعیان لابن خلکان، ج:۳، ص:۲۸۵)

اس طرح جو شخص کل تک معتزلہ کی زبان اور ان کا وکیل تھا وہ اہل سنت وجماعت کا ترجمان اور سب سے بڑا حامی بن گیا، اور اپنی بقیہ زندگی اعتزال کی تردید اور مذہب اہل سنت کے عقائد کی تائید میں صرف کی۔

تلامذہ: آپ کے ممتاز تلامذہ یہ ہیں: ابن مجاہد، زاہر، ابوالحسن باہلی، ابوالحسن عبدالعزیز بن محمد بن اسحاق طبری، ابوالحسن علی بن محمد بن مہدی طبری، ابوجعفر اشعری اور بندار بن حسین۔(تاریخ الاسلام حوادث ووفیات ۳۲۱ــــ ۳۳۰ھ ص:۱۵۸)

تجدیدی کارنامے: آپ نے اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ اعتزال کی سرکوبی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، کتاب وسنت کے حقائق اور اہل سنت کے عقائد کو عقلی دلائل سے مزین کیا۔ معتزلہ اور دوسرے فرقوں سے ایک ایک مسئلے اور ایک ایک عقیدے میں انھیں کی زبان واصطلاحات میں بحث کر کے اہل سنت کی صداقت اور حقانیت کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیا۔

آپ خود معتزلہ کی مجلسوں میں جاکر، ان کے سربر آوردہ لوگوں سے مل کر ان کو مطمئن کرنے اور حق کی تفہیم کرنے کی کوشش کرتے تھے، کسی نے آپ سے کہا کہ آپ اہل بدعت سے کیوں ملتے ہیں اور ان کے پاس چل کر کیوں جاتے ہیں جب کہ ان سے کنارہ کشی کا حکم دیا گیا ہے؟ آپ نے جواب دیا: کیا کروں وہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں کوئی حاکم شہر ہے، کوئی قاضی ہے، وہ اپنے عہدے اور وجاہت کی وجہ سے میرے پاس آنے سے رہے، اگر میں بھی ان کے پاس نہ جاؤں تو حق کا اظہار کیسے ہوگا اور ان کو کیسے معلوم ہوگا کہ اہل سنت کا بھی کوئی ناصر وحامی اور دلائل سے ان کے مذہب کو ثابت کرنے والا ہے۔(تبیین کذب المفتری، ج:۱، ص:۱۱۶)

یوں تو آپ ابتدا ہی سے زبان آور، بحّاث اور مناظر طبیعت واقع ہوئے تھے، یہ آپ کا فطری ذوق اور خداداد صلاحیت تھی مگر عرفان حق اور تائید الٰہی نے آپ کی ان صلاحیتوں اور قوتوں کو اور جلا بخشی اور انھیں درجۂ کمال تک پہنچا دیا، آپ عقلیات اور علم کلام میں مجتہدانہ دماغ کے مالک تھے، معتزلہ کے سوالات اور اعتراضات کے جوابات اس آسانی کے ساتھ دیتے تھے محسوس ہوتا تھا کہ کوئی تجربہ کار، کہنہ مشق اور ماہرِ فن استاد، مبتدی طالب علموں کے سوالات کا جواب دے رہا ہے آپ کے ایک شاگرد نے آپ سے اپنی پہلی ملاقات اور ایک مجلس کا تذکرہ یوں کیا ہے:

”میں شیراز سے بصرہ آیا مجھے ابوالحسن اشعری کی زیارت کا شوق تھا، لوگوں نے مجھے ان کا پتا بتایا میں آیا تو آپ ایک مجلسِ مناظرہ میں تھے وہاں معتزلہ کی ایک جماعت تھی اور وہ لوگ گفتگو کر رہے تھے، جب وہ خاموش ہوئے تو ابوالحسن اشعری نے گفتگو کا آغاز کیا، ایک ایک کو مخاطب کر کے کہا: تم نے یہ کہا تھا تمھارا جواب یہ ہے اور تم نے یہ اعتراض کیا تھا، اس کا جواب یہ ہے، یہاں تک کہ آپ نے سب کا جواب دے دیا، جب آپ مجلس سے اٹھے تو میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل دیا اور آپ کو اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگا آپ نے فرمایا: ”کیا دیکھتے ہو؟“ میں عرض کیا: ”دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی کتنی زبانیں ہیں؟ کتنے کان ہیں؟ اور کتنی آنکھیں ہیں؟ کہ آپ سب کی سنتے ہیں سب کی سمجھتے ہیں اور سب کا جواب دیتے ہیں یہ سن کر آپ ہنس پڑے۔(مصدر سابق، ج:۱، ص:۹۵)

آپ کے بیشتر مناظرے ابوعلی جبائی معتزلی کے ساتھ ہوئے جن میں آپ غالب رہے جب آپ کی تالیفات اور مذہب اہل

سنت کی نصرت وحمایت میں اضافہ ہوا تو اہل سنت سے مالکی، شافعی اور بعض حنفی آپ سے وابستہ ہو گئے، اس طرح مشرق و مغرب میں اہل سنت آپ ہی کی زبان سے بولنے لگے اور آپ ہی کے دلائل پیش کرنے لگے۔ (تبیین کذب المفتری، ج:۱، ص:۱۱۷)

آپ علم کلام میں درجۂ امامت پر فائز تھے، بعد کے متکلّمین نے آپ کی خداداد ذہانت، نکتہ رسی، بالغ نظری اور علمی گہرائی اور گیرائی کا لوہا مانا ہے، شیخ ابواسحاق اسفرائینی کا پایہ کلام واصول میں مسلّم ہے وہ فرماتے ہیں کہ "میں (امام ابوالحسن اشعری کے شاگرد) ابوالحسن باہلی کے سامنے ایسا تھا جیسے سمندر کے مقابلے میں قطرہ"، اور شیخ باہلی کہتے تھے کہ "میری حیثیت امام ابوالحسن اشعری کے سامنے ایسی تھی جیسے سمندر کے پہلو میں ایک قطرہ"۔ (مصدر سابق، ص:۱۲۵)

قاضی ابوبکر باقلانی سے جن کو ان کے معاصرین نے ان کی فصاحت، حسن تقریر، قوتِ تحریر کی وجہ سے "لسان الامۃ" کا خطاب دیا تھا کسی نے کہا کہ آپ کا کلام ابوالحسن اشعری کے کلام سے زیادہ عمدہ اور بلند ہوتا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ "میری سعادت یہی ہے کہ میں ابوالحسن کے کلام کو سمجھ لوں"۔ (مصدر سابق، ص:۱۲۶)

امام ابوالحسن اشعری نے معتزلہ اور محدثین کے درمیان ایک معتدل اور درمیانی مسلک اختیار کیا، نہ ہی آپ معتزلہ کی طرح عقل کی غیر محدود فرمانروائی اور طاقت کے قائل تھے اور نہ بعض پرجوش محدثین وحنابلہ کی طرح دین کی نصرت وحمایت اور عقائد اسلامیہ کی حفاظت کے لیے عقل کا انکار اور اس کی تحقیر ضروری گردانتے تھے بلکہ آپ معتزلہ اور فلسفہ زدہ علما سے ان کی اصطلاحات اور علمی زبان میں گفتگو کرتے تھے جن سے مذہب حق اور عقائد اہل سنت کو تقویت ملتی تھی۔

آپ باطل فرقوں کے رد میں ہمہ تن مصروف رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان فرقوں کے معتوب بھی بنے بلکہ ان متشدد محدثین اور جامد حنابلہ نے بھی آپ کو نشانہ بنایا جن کے نزدیک ان مباحث میں حصہ لینا اور فلسفہ کی اصطلاحات کا استعمال کرنا اور نقلی مسائل ومباحث میں دلائل عقلیہ سے کام لینا ہی ایک گمرہی کی بات تھی۔

آپ اس بات کے قائل تھے کہ عقائد کا ماخذ اور الٰہیات ومابعد الطبیعاتی مسائل کے علم کلام کا سرچشمہ کتاب وسنت ہیں، نہ کہ عقلِ محض اور قیاسات یا یونانی الٰہیات، اس کے باوجود آپ اس بات سے متفق نہ تھے کہ زمانے کے اثرات یا فلسفے کے اختلاط سے عقائد کے بارے میں جو مسائل چھڑ گئے ہیں، جن کے نتیجے میں مستقل گروہ اور فرقے بن گئے ہیں ان سے صرف اس بنا پر سکوت اختیار کیا جائے کہ حدیث میں ان مسائل ومباحث اور الفاظ واصطلاحات کا ذکر نہیں ہے، کیوں کہ اس سے شریعت کا وقار مجروح ہوگا، اس لیے آپ ان حقائق وعقائد کے ثبوت میں تائید کے لیے عقلی استدلال اور فلسفیانہ الفاظ و اصطلاحات استعمال کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ وقت کے تقاضے کی بنا پر ضروری سمجھتے تھے۔

بہر حال آپ نے دونوں گروہوں کی رضامندی اور ناراضی سے بے پرواہ ہوکر دین کی نصرت حمایت کے لیے جو طریقۂ کار مناسب سمجھا بڑی لگن اور تن دہی کے ساتھ اس میں مصروف رہے اس طرح آپ کی طاقت، شخصیت، عقلیت اور مجتہدانہ دماغ نے معتزلہ، فلاسفہ اور دیگر باطل فرقوں کے سحر کو باطل کر دیا اور سنت وشریعت کا اقتدار از سرِ نو قائم کر دیا، اکھڑتے ہوئے قدموں کو جما دیا، عقائد اہل سنت کو دلائل عقلیہ سے مبرہن کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل سنت میں ایک نیا اعتماد اور ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی اور وہ احساسِ کہتری ختم ہو گیا جو سوادِ اہل سنت کی جڑوں کو دیمک کی طرح چاٹے جا رہا تھا، معتزلہ آپ کے مقابلے

میں پست ہوگئے۔ انھیں اپنی حفاظت اور اپنے مذہب کے وجود اور بھرم کو باقی رکھنے کی فکر لاحق ہوگئی۔

تصنیفات: امام ابوالحسن اشعری نے صرف بحث ومناظرہ اور زبانی تقریر وتفہیم پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ عقائدِ باطلہ کی تردید میں عظیم الشان اور گراں مایہ تصانیف بھی کی ہیں بعض مولفین نے آپ کی تصنیفات کی تعداد ڈھائی سو سے تین سو تک بیان کی ہے۔(تبیین کذب المفتری، ج:۱، ص:۱۳۶) جن میں سے اکثر معتزلہ کے رد میں اور بعض دوسرے مذاہب وادیان اور فرقوں کی تردید میں ہیں۔

آپ نے اہل سنت کے عقیدے کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر فرمائی (تبیین کذب المفتری، ج:۱، ص:۱۳۶) جو ذہبی کے بقول تیس اجزا پر مشتمل ہے، آپ کی ایک اہم کتاب "الفصول" ہے جس میں آپ نے فلاسفہ طائعین (نیچری)، دہریہ، ہندوؤں، یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کا کارد کیا ہے، یہ بڑی ضخیم کتاب ہے اور بارہ کتابوں کا مجموعہ ہے۔(تبیین کذب المفتری، ج:۱، ص:۱۲۸)

آپ کی بعض مشہور کتابیں یہ ہیں:• اللمع• الموجز• ایضاح البرهان• التبيين عن أصول الدين• الشرح والتفصيل فى الردّ على أهل الإفك والتضليل.(وفیات الأعیان لابن خلکان، ج:۳، ص:۲۸۵)

علوم عقلیہ کے علاوہ علوم شریعت میں بھی آپ نے متعدّد کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں کتاب القیاس، کتاب الاجتهاد، خبر الواحدوغیرہ مشہور ہیں، امام ذہبی نے فرق الاسلامیین واختلاف المصلّیناور الإبانة کا بھی تذکرہ کیا ہے۔(تاریخ الاسلام حوادث ووفیات ۳۲۱ــ ۳۳۰ھ ص:۱۵۷)

تقویٰ و پرہیز گاری: علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ کے ساتھ آپ تقویٰ و پرہیز گاری اور اخلاقِ فاضلہ سے بھی آراستہ تھے، احمد بن علی فقیہ کہتے ہیں کہ میں بیس سال تک شیخ ابوالحسن اشعری کی خدمت میں رہا، میں آپ سے زیادہ پرہیز گار، محتاط، باحیا، دنیوی امور میں شرمیلا اور امور آخرت میں مستعد نہیں دیکھا، متکلّم ابوالحسین ہروی کا بیان ہے کہ شیخ ابوالحسن نے برسوں تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔(تبیین کذب المفتری، ج:۱، ص:۱۴۱)

آپ کے خادم بندار بن حسین کا بیان ہے امام ابوالحسن صرف ایک جائداد پر گزر بسر کرتے تھے جو ان کے دادا بلال بن ابو بردہ نے وقف کی تھی جس کی آمدنی سترہ درہم روزانہ تھی۔(تاریخ الاسلام حوادث ووفیات ۳۲۱- ۳۳۰ھ ص:۱۵۶)

وفات: ۳۲۴ھ میں آپ نے اس دار فانی کو الوداع کہا اور بغداد میں کرخ اور باب بصرہ کے درمیان مدفون ہوئے۔
(وفیات الاعیان، ج:۳، ص ۲۸۴)

آپ کے جنازے کا اعلان یوں کیا گیا کہ آج "ناصر سنت" کا انتقال ہوگیا۔

کتابیات

① تبیین کذب المفتری، امام حافظ ابوالقاسم علی بن حسن بن ھبۃ اللہ ابن عساکر دمشقی، مطبع التوفیس، دمشق ۱۳۴۷ھ

② تاریخ الاسلام، حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، تحقیق: ڈاکٹر عمر عبد السلام تدمری، دار الکتاب العربی، بیروت لبنان، ۱۴۲۳ھ ـــ ۲۰۰۲ء

③ وفیات الأعیان وانباء ابناء الزمان، ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابوبکر بن خلکان، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، دار الثقافہ، بیروت، لبنان

راشد علیم قادری مصباحی، کٹیہار، جماعت: فضیلت Mo:7379610972

اسم شریف: احمد بن عمر بن سریج۔ (تاریخ بغداد، ج:۴، ص:۲۸۷) بعض کتب میں عمر بن احمد بن شریح ہے۔

کنیت: ابوالعباس (الکامل فی التاریخ، ج:۸، ص:۱۱۵) معروف بہ "قاضی شریح"

نسب: احمد بن عمر بن سریج بن یونس بن ابراہیم بن حارث مروزی۔

(مرأۃ الجنان و عبرۃ الیقظان فی معرفۃ ما یعتبر من حوادث الزمان، ج: ۱، ص: ۵۰۸)

جد امجد: حضرت امام صاحب کرامات سریج بن یونس۔

ولادت: ۲۴۰ھ (سیر اعلام النبلاء، ج:۱۴، ص:۲۰۱)

وفات: ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۳۰۶ھ (تاریخ بغداد، ج: ٤، ص: ۲۹۰) یا ۳۰۵ھ

(الفھرست، لابن الندیم، ص: ۲٦۳)

موضع ولادت ووفات: بغداد شریف۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان "إن الله تعالیٰ یبعث لھذه الأمة علیٰ رأس کل مائة سنة من یجددلھا أمر دینھا" (یقیناً اللہ تعالیٰ ہر صدی میں اس امت کے لیے ایک ایسا شخص مبعوث فرمائے گا جو دین اسلام کی تجدید کرے گا) کے مطابق فقیہ النفس، امام الائمہ، مذہب شافعیت کے علمبردار، بدر مشرق، شیخ الاسلام، فقیہ العراقین، صاحب تصانیف کثیرہ و فضائل شہیرہ قاضی ابوالعباس احمد بن عمر بن سریج شافعی بغدادی، تیسری صدی ہجری کا نیر تاباں بن کر منصب تجدید پر جلوہ گر ہوئے۔ جب کہ خلافت عباسیہ انحطاط و زوال کی طرف مائل ہو رہی تھی اور مذاہب اربعہ تدوین و تالیف کے مراحل سے گزر رہے تھے۔ حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، کلام، تاریخ، اسماء الرجال اور گوناں گوں علوم و فنون کی رنگ برنگ بوقلمونیوں سے وہ عہد تاریخ اسلام کا روشن باب تھا۔ اس کے برعکس فتنۂ ظاہریت، فتنۂ وضع حدیث، فتنۂ خوارج اور دیگر بدعات و منکرات اس عہد کے تاریک حصے تھے۔

قاضی ابوالعباس بن سریج شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شان مجددیت سے ایک طرف احیاے سنت، احقاق حق، تبلیغ اسلام اور تشریع

احکام کی بے نظیر خدمات انجام دیں تو دوسری طرف ابطال باطل، رد بدعات و منکرات اور متعدّد فتنوں کی بیخ کنی کر کے گلشن تجدید کے درخشاں پھول بن گئے۔

لب لباب یہ ہے کہ قاضی ابوالعباس بن سریج شافعی رحمۃ اللہ علیہ تیسری صدی ہجری کے جلیل القدر مجدد ہیں۔ تیسری صدی کی مجددانہ مساعی جمیلہ میں آپ جداگانہ خصوصیات کے حامل ہیں۔ آپ نے اعتزال و ظاہریت کی آندھیوں کے روبرو ٹھہر کر ہزاروں مسلمانوں کو منزل ہدایت کی راہ دکھائی۔

تعلیم وتربیت: قاضی ابوالعباس بن سریج شافعی بغداد میں پیدا ہوئے۔ بغداد اور دیگر علمی مراکز کے نامور اور نابغۂ روزگار علماو مشائخ سے کسب فیض کیا۔ چند ہی برسوں میں علمی صلاحیت و لیاقت کی بنیاد پر آپ مرجع خلائق بن گئے اور آپ کا علمی شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔

اساتذہ وشیوخ: یوں تو قاضی ابوالعباس بن سریج شافعی نے کثیر علما و مشائخ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ لیکن ذیل میں چند خاص اساتذہ کے اسمائے گرامی سپرد قرطاس ہیں:

(۱) حضرت امام حسن بن محمد جعفرانی رحمۃ اللہ علیہ جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید ہیں۔ (۲) شیخ الاسلام حضرت امام علی بن اشکاب رحمۃ اللہ علیہ (۳) حضرت امام احمد بن منصور الرمادی رحمۃ اللہ علیہ (۴) استاذ الاساتذہ فقیہ عباس بن محمد الدوری رحمۃ اللہ علیہ (۵) حضرت علامہ ابویحی محمد بن سعید بن غالب العطار رحمۃ اللہ علیہ (۶) حضرت فقیہ عباس بن عبداللہ الترفقی رحمۃ اللہ علیہ (۷) حضرت امام ابو داؤد السجستانی رحمۃ اللہ علیہ (۸) حضرت امام محمد بن عبدالملک الدقیقی حسن بن مکرم رحمۃ اللہ علیہ (۹) حضرت الشیخ حمدان بن علی الوراق رحمۃ اللہ علیہ (۱۰) حضرت محمد بن عمران الصائغ ابوعیف البزوری رحمۃ اللہ علیہ۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ گلشن تجدید کی رونق بنے۔ تمام عمر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات کی تائید و تاکید میں گذاری۔ لہذا آپ کو بجا طور پر فقہ شافعی کا کامیاب وکیل کہا جاسکتا ہے۔ (سیر اعلام النبلا، ج:۱۴، ص:۲۰۱)

تلامذہ: فقہائے اسلام کی کثیر جماعتوں نے آپ سے کسب فیض کیا۔ آپ کے شاگردوں میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو آپ کے بعد نابغۂ عصر اور مرجع خلائق بن گئے۔ (طبقات الفقہا، ص:۱۰۹)

خاص تلامذہ درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابوالقاسم الطبرانی رحمۃ اللہ علیہ (۲) حضرت ابوالولید حسان بن محمد رحمۃ اللہ علیہ (۳) فقیہ ابواحمد بن الغطریف الجرجانی رحمۃ اللہ علیہ

(سیر اعلام النبلا، ج:۱۴، ص:۲۰۱)

فضل وکمال: حضرت قاضی ابوالعباس بن شریح بیک وقت عدیم النظیر محدث اور عالی مرتبت فقیہ تھے۔ آپ کا فقہا اور محدثین کے اعلیٰ طبقات میں شمار ہوتا ہے۔ آپ کثیر التصانیف تھے جن میں حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، کلام، تاریخ اور اسماء الرجال پر بہترین تحقیقات شامل ہیں۔ آپ کے علم و فکر کا لوہا ائمہ عظام اور محدثین کرام نے تسلیم کیا ہے۔ کوئی عقل مند انصاف پسند شک نہیں کرتا کہ قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی احکام قرآن و حدیث کے استنباط میں اثبت اور فقہ میں اپنے غیر سے افقہ ہیں۔ اور روایت میں

محدثین کرام کے شریک ہیں۔" و لقد اثنیٰ علیه السلف و الخلف" (سلف اور خلف نے ان کی تعریف کی ہے)

قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی کبار شافعیہ اور ائمۂ مسلمین میں سے ہیں۔ انھیں "الباز الاشهب" (طاقت ور باز) اور "ولی القضا بشیراز" (ملک شیراز کے ولی قضا) کہا جاتا تھا۔ آپ کو تمام اصحاب شافعی پر فضیلت حاصل ہے یہاں تک کہ حضرت امام ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی۔ (طبقات الفقہا، ص:۱۰۹)

حسین بن فتح کا بیان ہے کہ " ایک مرتبہ بغداد میں قضاۃ، فقہا اور ائمۂ کرام کا اجتماع ہوا اور سب کسی خاص مقام کے ارادے سے نکلے تو سب نے بیک زبان کہا قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی سب سے مقدم اور امیر قافلہ ہوں گے حالاں کہ ان میں ایسے بھی لوگ تھے جو ان کے باپ کی عمر کے تھے تو ابوالعباس بن شریح شافعی نے کہا:"ما اتقدم الاّ علی شریطة إن تقدمتُ فمطرق و إن تأخرتُ فمبذرق" (میں اس شرط پر مقدم ہوں گا کہ اگر مقدم رہوں تو خاموش رہوں گا اور اگر پیچھے رہوں تو نگہبان رہوں گا) (تاریخ بغداد، ج:۴، ص:۲۸۹)

حسان بن محمد نے کہا: " ایک صاحب علم شیخ نے قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی سے کہا "ابشر أيها القاضي فإن الله بعث عمر بن عبدالعزیز علی رأس المائة فأظهر كل سنة و أمات كل بدعة و من الله علی رأس المائتين بالشافعي حتیٰ أظهر السنة و أخفی البدعة و منّ الله علينا علی رأس الثلاث مائة بك حتی قویت كل سنة و ضعفت كل بدعة" (اے قاضی! آپ کو بشارت ہے۔ کیوں کہ بلا شبہہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو پہلی صدی کا مجدد بنا کر مبعوث فرمایا تو انھوں نے ہر سنت کو عام کیا اور تمام بدعات و منکرات کو مٹایا۔ اور دوسری صدی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اللہ کو مبعوث فرما کر احسان فرمایا کہ انھوں نے احیاے سنت اور ابطال بدعات و منکرات کیا اور تیسری صدی میں آپ کو مبعوث فرما کر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا یہاں تک کہ آپ نے تمام سنتوں کو مستحکم کیا اور تمام بدعات کو کمزور کر کے (مٹا ڈالا)

محمد بن حامد السخری کا بیان ہے کہ مین نے ابوالعباس بن شریح شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا "ما التوحید"؟ (توحید کیا ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا: اہل علم اور جماعت مسلمین کی توحید "اشهد أن لا إله إلا الله و أنّ محمدا رسول الله ﷺ" اور اہل باطل کی توحید "الخوض فی الأعراض و الأجسام" (اعراض اور اجسام کے پیچھے پڑنا ہے) اور نبی کریم ﷺ اس سے روکنے کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ (ذم الکلام، ج:۴، ص:۳۸۵)

اکابر علما کے تاثرات: قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل کے اس درجۂ کمال پر فائز تھے کہ جلیل القدر علماے کرام اور دنیاے اسلام کے شاہکار فضلا نے آپ کی شان میں مدح سرائی کی اور آپ کا ذکر خیر اپنی مجالس کا حصہ بنایا۔

چناں چہ ابو حامد اسفرائینی کا بیان ہے: "نحن نجری مع أبي العباس فی ظواهر الفقه دون الدقائق" (ہم علماے کرام قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی کے ساتھ فقہ کے ظواہر میں چلتے ہیں نہ کہ دقائق میں) (طبقات الفقہا، ص:۱۰۹)

ابو حفص المطوعی کا بیان ہے: "إبن سریج سید طبقة بإطباق الفقهاء و أجمعهم للمحاسن بإجتماع

العلماء ثم هو الصدر الكبير و الشافعي الصغير و الإمام المطلق و السباق الذى لا يلحق و أول من فتح باب النظر و علم الناس طريق الجدل" (باتفاق فقہا طبقات فقہا کے سردار، باجماع علما محاسن و کمالات کے سب سے زیادہ جامع، صدر کبیر، شافعی صغیر، امام مطلق، ایسا مقدم جس تک پہنچا نہیں جا سکتا۔ آپ ہی باب نظر کے اولین فاتح اور طریق جدل کے سب سے پہلے معلم ہیں) (طبقات الشافعیۃ الکبری، ج:۳، ص:۲۲)

ابو عاصم العیادی نے کہا: "إبن سريج شيخ الأصحاب، مالك المعانى، و صاحب الأصول و الفروع و الحساب" (قاضی ابوالعباس بن سریج اصحاب شافعی کے شیخ، علم معانی کے مالک، اصول و فروع اور حساب میں کامل دسترس والے تھے) (طبقات الشافعیۃ الکبری، ج:۳، ص:۲۲)

الضیا الخطیب نے کہا: "إن أبا العباس كان أبرع أصحاب الشافعي فى علم الكلام كما هو أبرعهم فى الفقه" (یقیناً قاضی ابوالعباس بن سریج شافعی علم فقہ کے ساتھ ساتھ علم کلام میں بھی اصحاب شافعی میں سب سے زیادہ باکمال تھے۔ (طبقات الشافعیۃ الکبری، ج:۳، ص:۲۲)

تجدیدی خدمات: قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی نے اپنے عہد کے ظاہریہ، معتزلہ اور دیگر فتنوں کا بڑی پامردی کے ساتھ قلع قمع کیا اور دین و سنت کی تجدید و احیا کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ ذیل میں کچھ تجدیدی کارنامے سپرد قرطاس ہیں:

فتنۂ ظاہریہ کا رد بلیغ: قاضی ابوالعباس بن سریج شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے نمایاں تجدیدی کارنامہ "فتنۂ ظاہریہ" کا رد بلیغ ہے۔ فتنۂ ظاہریہ کے بانی ابوداؤد ظاہری اور اس کے بیٹے محمد بن داؤد ظاہری آپ ہی کے ہم عصر تھے۔ جب داؤد ظاہری کے باطل نظریات و عقائد زور پکڑنے لگے تو آپ نے اپنی شان مجددیت سے ہر طریقے سے اس فتنے کا تعاقب کیا۔ یہ آپ ہی کی مجددانہ مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ آج داؤد ظاہری کے متبعین صفحۂ ہستی سے تقریباً کالعدم ہیں۔ ذیل میں کچھ مناظرے جو ابوداؤد ظاہری اور محمد بن داؤد ظاہری سے آپ نے کیے تھے سپرد قرطاس ہیں۔

ابو الحسین عبداللہ بن احمد بن محمد بن المغاس الداودی کا بیان ہے: "كان أبو بكر محمد بن داؤد و أبو العباس بن سريج إذا حضرا مجلس القاضى أبي عمر لم يجر بين فيما يتفاوضانه أحسن مما يجرى بينهما" (جب ابو بکر محمد بن داؤد ظاہری اور ابوالعباس بن سریج شافعی ابو عمر محمد بن یوسف بصری مالکی کی مجلس قضا میں آتے تو ان دونوں کا بحث و مباحثہ سب سے حسین بحث و مباحثہ ہوتا)

ایک دن ابوبکر محمد بن داؤد ظاہری نے قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا "أمهلنى ساعة" (مجھے کچھ وقت کی مہلت دیجیے) تو امام ابوالعباس بن شریح شافعی نے فرمایا "أمهلتك من الساعة إلىٰ أن تقوم الساعة" (میں تجھے ابھی سے قیامت قائم ہونے تک مہلت دیتا ہوں) (طبقات الفقہا، ص:۱۰۹)

حکایت کی گئی ہے کہ "ایک دن ابوالعباس بن شریح شافعی اور محمد بن داؤد ظاہری ایک ساتھ جمع ہوئے تو ابن داؤد نے حجت قائم کی کہ ام ولد کی بیع جائز ہے، کیوں کہ ہم لوگوں کا اجماع ہے کہ باندی کا بیچنا جائز ہے تو جو یہ دعوی کرے کہ یہ حکم باندی

کی ولادت سے بدل جائے گا۔ تو اس پر لازم ہے کہ دلیل قائم کرے۔ تو قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی نے فرمایا ہم لوگوں کا اجماع ہے کہ جب باندی حاملہ ہو جائے تو نہیں بیچی جائے گی تو جو یہ دعوی کرے کہ بیچی جائے گی جب کہ حمل ختم ہو جائے تو اس پر دلیل قائم کرنا لازم ہے، اس پر ابوبکر محمد بن داؤد مبہوت ہو گیا۔ (طبقات الشافعیۃ الکبری، ج:۳، ص:۲۲)

تصانیف: قاضی ابو العباس بن شریح شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مذہب شافعیت کی تلخیص و شرح کی۔ مذہب شافعیت کے اصول و فروع کو تدوین و تالیف کے مراحل سے گزارا نیز خود ساری زندگی ان پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ آپ کثیر التصانیف تھے۔ جن میں حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، کلام اور تاریخ پر زبردست تحقیقات شامل ہیں، آپ کی یہ باقیات صالحات آپ کے علمی و فکری و فقہی تجربہ پر دلالت کرتی ہیں۔ آپ کی تصانیف میں نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مروجہ علوم میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ فقہ و حدیث میں امام بے عدیل اور فاضل بے مثل تھے۔ آپ کی تصانیف جمع و تحقیق اور کثرت فوائد سے لبریز ہیں۔ نیز یہ کہ اصحاب الرای اور اہل الظواہر کے رد میں کثیر کتابیں تصنیف کیں یہاں تک کہ ابوالحسن الشیرجی القرضی نے کہا: قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی نے تقریباً چار سو کتابیں مختلف موضوعات پر تصنیف کیں۔ (طبقات الفقہاء، ص:۱۰۹) ان میں سے چند کتابیں درج ذیل ہیں:

(١) الأقسام والخصال في فروع الفقه الشافعي (٢) تضيف على مختصر المزني (٣) جواب القاشاني في الأسئلة (٤) التقريب بين المزني و الشافعي (٥) الرد على عيسى بن آبان (٦) الرد على محمد بن الحسن (٧) العين و الدين في الوصايا (٨) الغنيه في القروع (٩) الفرود في القروع (١٠) مختصر في الفقه (١١) الوداع لنصوص الشرائع. (طبقات الفقهاء، ص:١٠٩)

وصال پر ملال: وصال سے پہلے قاضی ابوالعباس بن شریح کو ایسے خواب دکھائے گئے اور آپ کے ساتھ ایسے واقعات پیش آئے جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا خاتمہ بالخیر ہوا ہے۔

ابوالحسن عثمان بن السندی کا بیان ہے کہ قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی نے اپنے مرض الموت میں بیان کیا کہ گزشتہ رات میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک کہنے والا کہہ رہا تھا کہ یہ پروردگار عالم ہے جو تم سے مخاطب ہے۔ تو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا "ماذا أجبتم المرسلين؟" (تم نے پیغمبروں کا کیا جواب دیا؟) تو میں نے جواب دیا "بالإيمان والتصديق" (ایمان اور تصدیق سے) پھر ارشاد ہوا "ماذا أجبتم المرسلين؟" تو میرے دل میں یہ بات آئی کہ جواب میں زیادتی مطلوب ہے۔ تو میں نے جواب دیا "بالإيمان و التصديق غير أنا أصبنا من هذه الذنوب" (ایمان اور تصدیق سے البتہ میں نے ان گناہوں کا ارتکاب کیا) تو ارشاد ہوا "أما إني سأغفر لك" (ضرور میں تجھے بخش دوں گا) (تاریخ بغداد، ج:۴، ص:۲۹۰)

علم و فضل کا یہ آفتاب و ماہتاب ۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۳۰۶ھ (تاریخ بغداد، ج:۴، ص:۲۹۰) یا ۳۰۵ھ کو (الفہرست، ص:۲۶۳) غروب ہو گیا۔

آپ نے ۵۷؍ سال اور کچھ مہینے کی عمر پائی۔ (تاریخ بغداد، ج:۴، ص:۲۹۰)

☆☆☆☆☆☆

محمد شہادت حسین، کٹیہار، جماعت: فضیلت Mo:9935967668

حضرت شیخ الاسلام، ناقد الحدیث امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے مایہ ناز محقق، مفکر، محدث اور کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ بچپن ہی سے علم وفن سے حد درجہ دلچسپی اور لگن تھی اور کھیل کود سے نفرت۔ اسی دلچسپی اور نفرت نے آپ کو محدثین کے طبقات میں نمایاں مقام عطا کیا۔ فن حدیث میں کافی شغف تھا اور محدثین عظام کے درمیان بلند مرتبہ حافظ حدیث اور مقتدا کی حیثیت رکھتے تھے۔ عوام وخواص میں بھی انھیں حد درجہ مقبولیت حاصل تھی۔ قوت حافظہ اس قدر قوی تھی کہ محدثین کرام انھیں حافظ وامام کے نام سے یاد کرتے تھے۔

اسم گرامی: احمد بن شعیب۔ **کنیت:** ابو عبدالرحمٰن۔

سلسلۂ نسب: احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنانی بن دینار نسائی۔

ولادت باسعادت: امام نسائی ۲۱۵ھ میں خراسان کے ایک مشہور ومعروف شہر ''نسا'' (نون کے فتح کے ساتھ) میں پیدا ہوئے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد دوم، ص: ۶۹۸، مصنف: امام ابو عبداللہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۷۴۸ھ)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش میں مؤرخین کے اقوال مختلف ہیں۔ امام ابو عبداللہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ میں اور امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب میں سن ولادت ۲۱۵ھ بیان کیا ہے۔ جبکہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بستان المحدثین میں ۲۱۴ھ ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں خود امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو قول فیصل ومعتبر قرار دینا زیادہ واضح اور مناسب ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اشبہ بالحق یہی ہے کہ میرا سال پیدائش ۲۱۵ھ ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد اول، ص: ۲۸۔ مصنف: علامہ ابن حجر عسقلانی۔ مکتبہ: داراحیاء التراث العربی۔)

آپ کا وطن اور جائے پیدائش خراسان ہے لیکن بعد میں آپ نے مصر میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔

(تذکرۃ المحدثین، ص: ۲۹۲۔ مصنف: علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ)

ظاہری وباطنی علوم سے سرفرازی: ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے علم حدیث کی تحصیل شروع کی۔ سب سے پہلے آپ نے قتیبہ بن سعید بلخی کی بافیض درس گاہ میں حاضر ہوکر علم حدیث کی برکتوں سے اپنی دنیا وآخرت

کو تابناک کیا۔ تقریباً ایک سال دو ماہ ان کی بارگاہ میں رہ کر علم حدیث حاصل کرتے رہے۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد دوم، ص: ۶۹۸۔ مصنف: امام ابوعبداللہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی: ۷۴۸ھ)

بعدۂ دوسرے محدثین عظام کی چوکھٹ کی طرف رجوع کرکے جی بھر کر اکتساب فیض کیا۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کو علم دین مصطفےٰ سے اس قدر محبت تھی کہ قرب وجوار کے علما، فقہا اور محدثین سے اکتساب فیض کرنے کے بعد جب علم حدیث میں کامل طور پر سیرابی حاصل نہ ہوئی تو آپ نے مختلف علاقوں اور دور دراز شہروں میں جاکر علم حدیث کا درس لیا اور احادیث مبارکہ کی طلب وجستجو اور روایت کی خاطر مختلف ممالک کا سفر کیا۔ جن ممالک اور شہروں میں جاکر آپ نے علم حدیث کی برکتوں سے خود کو سنوارا ان میں حجاز، عراق، شام، خراسان اور مصر قابل ذکر ہیں۔

اساتذہ ومشائخ: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جن مقدس شخصیتوں اور اپنے وقت کے نادر ویگانۂ روزگار مشائخ کی خدمت میں رہ کر اکتساب فیض کیا ان میں یہ عظیم ہستیاں مشہور ہیں۔ حضرت قتیبہ بن سعید، حضرت اسحاق بن راہویہ، حضرت ہشام بن عمار، حضرت عیسیٰ بن رغبہ، حضرت محمد بن مروزی، حضرت ابوکریب، حضرت سوید بن نصر، حضرت محمود بن غیلان، حضرت محمد بن بشار، حضرت علی بن حجر، حضرت ابوداؤد سلیمان بن اشعث اور امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد دوم، ص: ۶۹۸۔ مصنف: امام ابوعبداللہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۷۴۸)

تلامذہ: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کی فہرست بھی کافی لمبی ہے۔ بے شمار شہروں سے تشنگان علوم نبویہ کا نورانی قافلہ امنڈتے سیلاب کی طرح آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اکتساب فیض کیا کرتا تھا۔ جن طلبا نے آپ کے خوان علم سے خوشہ چینی کی ان میں چند شہرت یافتہ تلامذہ کے اسمائے گرامی ذیل میں بیان کیے جارہے ہیں:

حضرت عبدالکریم بن احمد نسائی، حضرت ابوبکر احمد بن محمد اسحاق بن انس، حضرت ابوعلی حسن بن خضر سیوطی، حضرت حسن بن رشیق عسکری، حضرت حافظ ابوالقاسم اندلسی، حضرت علی بن ابوجعفر طحاوی، حضرت ابوبکر بن حداد فقیہ، حضرت ابوجعفر عقیلی، حضرت ابوعلی بن ہارون، حافظ ابوعلی نیشاپوری اور حضرت ابوالقاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہم۔ (تہذیب التہذیب، جلد: اول، ص: ۲۸۔)

عبادت وریاضت: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ عبادت گزار اور شب بیداری کے دل دادہ تھے۔ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار یعنی صوم داؤدی پر عمل پیرا تھے۔ طبیعت اور مزاج میں حد درجہ استغنا تھا اس لیے حکام کی مجالس میں شرکت سے پرہیز کرتے تھے۔ آپ کی طبیعت میں فیاضی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مسلمان قیدیوں کو آزاد کرائے بغیر آپ کا دل مطمئن نہیں ہوتا۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی کثرت عبادت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حافظ محمد بن مظفر اپنے مشائخ سے روایت کرتے ہیں کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ دن میں امیر مصر سے جہاد کرتے اور رات عبادت میں گزارتے۔ انھوں نے اپنی ساری زندگی اسوۂ رسول کو اپنانے اور اخلاق صالحین کے تخلق میں گزاری۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد: دوم، ص: ۷۰۰۔)

قلمی جواہر پارے: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حد درجہ مصروفیت کے باوجود درجنوں کتابیں تصنیف فرمائیں اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے ایک قیمتی سرمایہ چھوڑ گئے جن سے آج بھی علما وفقہا اکتساب فیض کررہے ہیں۔ یہاں چند نمایاں کتب

کے اسما ذکر کیے جاتے ہیں: السنن الکبریٰ، المجتبیٰ، خصائص علی، مسند علی، مسند مالک، کتاب الضعفاء، مسند منصوری، فضائل الصحابہ، کتاب التمییز، کتاب المدلّسین، کتاب الاخوہ، کتاب الجرح والتعدیل، مشیختہ النسائی، اسماء الرواۃ، مناسک حج۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جب کتاب " خصائص علی " حضرت علی اور اہل بیت اطہار کی شان اقدس میں تالیف فرمائی۔ تو لوگوں نے کہا کہ آپ نے فضائل صحابہ میں کوئی کتاب کیوں تصنیف نہیں کی؟ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جب دمشق آیا تو لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منحرف ہیں اور ان کی شان میں بدگوئی کرتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ اللہ ان لوگوں کو ہدایت عطا کرے اس لیے یہ کتاب تالیف کی۔ (اشعۃ اللمعات (اردو) شرح مشکوٰۃ، جلد اول، ص:۱۹۰۔ مترجم: علامہ محمد سعید احمد نقشبندی، مکتبہ: جیلانی بکڈپو، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے "سنن نسائی کبیر" تصنیف کی پھر اسی کتاب کا اختصار کیا اور اختصار کردہ کتاب کا نام "مجتبیٰ" رکھا۔ اختصار کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ نے سنن نسائی کبیر تصنیف فرمائی تو یہ کتاب امیر رملہ (فلسطین) کے سامنے پیش کی۔ امیر نے دریافت کیا: کیا آپ کی کتاب میں موجودہ جملہ احادیث کریمہ صحیح ہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس کتاب میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث ہیں اس پر امیر نے آپ سے یہ التجا کی کہ خالص صحیح احادیث پر مشتمل ایک الگ کتاب ترتیب دیں تو آپ نے امیر کی خواہش پر ایک نیا مجموعہ ترتیب دیا جسے "مجتبیٰ" کے نام سے موسوم کیا۔ اسی کا معروف نام "سنن نسائی" ہے۔ ہر وہ حدیث جس کی سند میں قیل و قال کی گئی اور نقص و عیب بیان کیا گیا اس کتاب سے خارج کر دیا۔ جب محدثین عظام یوں بیان فرماتے "رواہ النسائی" تو اس سے محدثین کرام کی مراد یہ مختصر کتاب "مجتبیٰ" ہی ہوتی ہے نہ کہ وہ بڑی کتاب۔ اسی طرح بعض دفعہ جب علما فرماتے ہیں "کتب خمسہ یا اصول خمسہ" تو اس سے بخاری، مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور مجتبیٰ (نسائی) مراد ہوتی ہیں۔ (ایضاً، ص:۱۵۹۔)

فن حدیث میں نمایاں مقام: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کو علم حدیث میں کافی مہارت اور نمایاں مقام حاصل تھا۔ حدیث بیان کرنے میں امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی میں سے ہر ایک کا انداز اور اسلوب الگ الگ ہے۔ لیکن امام نسائی نے بیان حدیث کے سلسلے میں ایسا انداز اپنایا کہ ان میں تینوں محدثین کے اسلوب یکجا نظر آتے ہیں۔ جس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ امام نسائی کو جہاں اسناد کے راویوں کی چھان پرکھ پر عبور حاصل تھا وہیں آپ اس روایت کے مختلف طرق پر بھی نگاہ رکھتے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ استنباط مسائل کے لیے جو روایت جس باب میں مناسب تھی آپ نے اسے وہاں بیان کر دیا تاکہ کسی طرح کی دشواری محسوس نہ ہو۔

حافظ ابوعبداللہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ میں نے ابو علی حافظ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آپ اہل اسلام میں چار افراد کو حافظ حدیث کہتے تھے۔ ان میں پہلا نام ابوعبدالرحمٰن نسائی کا لیتے تھے۔ حاکم سے یہی بات منقول ہے کہ انھوں نے ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی سے کئی بار سنا، فرماتے تھے کہ علم حدیث اور راویوں پر جرح و تعدیل کے فن میں امام نسائی کو اپنے زمانے کے تمام لوگوں پر فوقیت حاصل ہے۔ آپ نہایت محتاط اور متقی و پرہیز گار تھے۔ (ایضاً، ص:۱۵۹۔)

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام ابوالحسن نے کہا کہ جب تم محدثین کی روایات پر نظر ڈالو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ جس حدیث کی امام نسائی تخریج کرتے ہیں وہ باقی محدثین کی تخریج کی بہ نسبت صحت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

(مقدمہ زہرالربی، ص:۳۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی۔)

بعض مغاربہ سنن نسائی کو صحیح بخاری پر ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ بعض مغربی محدثین نے تصریح کی ہے امام نسائی کی کتاب امام بخاری کی صحیح سے زیادہ معتبر ہے۔ (فتح المغیث، ص:۱۲)

اور محدث بن احمر نے اپنے بعض مشائخ سے یہاں تک روایت کی ہے کہ سنن نسائی علم کی تمام تصنیفات میں سب سے افضل ہیں۔ اور کتب اسلامیہ میں سنن نسائی اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ (ایضاً، ص:۱۲)

فن حدیث میں نمایاں مقام رکھنے والوں نے حدیث بیان کرنے میں امام نسائی کی شرائط کو بڑی اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ بعض محدثین عظام شرائط کے لحاظ سے امام نسائی کو امام مسلم پر ترجیح دیتے تھے۔ حافظ نیشاپوری بیان فرماتے ہیں کہ رجال میں امام نسائی کے شرائط امام مسلم سے زیادہ سخت ہیں۔ اسی حاکم نیشاپوری اور خطیب بغدادی نے بھی امام نسائی کے شرائط کو امام مسلم کے شرائط سے زیادہ سخت قرار دیا ہے۔

ابن طاہر کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی سے ایک راوی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے اسکی توثیق کی۔ میں نے کہا کہ امام نسائی تو اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ رجال میں امام نسائی کے شرائط امام بخاری و امام مسلم سے زیادہ سخت ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد دوم، ص:۷۰۰)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ بہت سے راوی ایسے ہیں جن کی روایت کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی قبول کر لیتے ہیں لیکن امام نسائی ان سے بھی روایت نہیں لیتے۔ بلکہ امام نسائی نے توصحیحین کے راویوں کی ایک جماعت سے بھی روایت میں احتراز کیا ہے۔ (مقدمہ زہرالربی، ص:۳۵)

محدثین عظام کے ان اقوال سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ امام نسائی بیان حدیث میں حد درجہ احتیاط برتتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو علم حدیث میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

وصال پر ملال: امام نسائی نے جب دمشق کی جامع مسجد میں ''خصائص علی'' کا اقتباس پڑھ کر لوگوں کو سنایا تو لوگ آگ بگولہ ہو گئے اور آپ کو زدو کوب کیا۔ اس واقعہ سے آپ کو شدید ضربیں پہونچیں۔ آپ کے خدام آپ کو مسجد سے اٹھا کر گھر لے آئے۔ آپ نے خدام سے ارشاد فرمایا کہ فوراً مجھے مکہ مکرمہ پہنچا دو تاکہ مکہ یا اس کے راستہ میں میرا انتقال ہو جائے۔ چنانچہ مکہ معظمہ پہنچنے پر ۱۳؍ صفر المظفر ۳۰۳ھ کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ بعض روایات کے مطابق مکہ جاتے ہوئے ''رملہ'' (فلسطین) کے مقام پر آپ خدا کو پیارے ہو گئے اور وہاں سے آپ کی نعش مبارک مکہ مکرمہ پہنچائی گئی۔ حافظ ذہبی کے قول کے مطابق یہی بات صحیح ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد اول، ص:۲۸)

مزار پاک: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پاک صفا اور مروہ کے درمیان واقع ہے جو مرجع عوام و خواص ہے۔

(وفیات الاعیان جلد: اول، ص:۹۸ مصنف: ابوالعباس احمد بن محمد، متوفی: ۶۸۱ھ)

محمد مشاہد رضا، سیتامڑھی، جماعت: سابعہ Mo:9452384296

حضرت امام حافظ ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ تیسری صدی کے مشہور محدث، بے مثال فقیہ اور ملت حنفی کے عظیم پاسبان تھے۔ محدثین وفقہا کے طبقات میں ان کا یکساں شمار کیا جاتا ہے۔ سلف صالحین میں ایسے حضرات بہت کم ملتے ہیں جو حدیث اور فقہ دونوں میں سند کی حیثیت رکھتے ہوں۔ محدثین جن کو حافظ حدیث اور امام کہتے ہوں اور فقہا جن کو مجتہد قرار دیتے ہوں۔ آپ کی شخصیت اساطین امت میں مجمع البحرین کی حیثیت رکھتی ہے۔

نام ونسب: آپ کا اسم گرامی احمد بن محمد، کنیت ابو جعفر، لقب حافظ الحدیث اور امام ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: "ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن عبد الملک بن سلمۃ بن سلیم بن خباب ازدی، حجری، مصری، طحاوی، حنفی"۔

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی، ج:۳، ص:۲۱، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول ۱۹۹۸ء)

عبد القادر بن الوفا قرشی نے آپ کے ازدی، حجری، مصری اور طحاوی ہونے کی نسبت اپنی کتاب " الجواهر المضیئة فی طبقات الحنفیة "میں یہ بیان کی ہے:

"والأزدي نسبة إلىٰ ازد شنوءة، و هو ازد بن العواث بن نبیت بن مالك بن ز يد بن كهلان بن سبأ. والأزدي ايضاً نسبة إلىٰ أزد بن عمران بن عامر، والأزدي ايضاً منسوب إلىٰ أزد الحجر، و هي نسبة أبي جعفر الطحاوی، وذكر ذٰلك السمعاني و الحجري:. بفتح الحاء المهملة و سكون الجيم فی اٰخرها الراء. هذه النسبة إلىٰ ثلاث قبائل اسم كل واحدحجر، إحداها: حجر حمير، منهم: مختار الحجری، والثانية: حجر أعين، منهم: سعيد بن ابی سعيد الحجری حجر أعين، و الثالثة: حجر الأزد الأزد منهم الطحاوی المصری الفقية الحنفی، و كان ثقة نبيلاً فقيها و المصری: بكسر الميم، و سكون الصادفی اٰخر ها راء هذه النسبة إلىٰ مصر، و ديارها سميت بمصر بن حام بن نوح عليه السلام و ينسب إليها كثير من العلماء، و لها تار يخ فی أهلها، والواردين عليها كذا قاله السمعانی، و الطحاوی بفتح الطاء، و الحاء المهملتين، و بعد الألف، والواو نسبة إلىٰ طحا قر ية بصعيد مصر ينسب إليها جماعة

منهم أبو جعفر الطحاوی".

(ألجواهر المضئية فى طبقات الحنفية، عبدالقادر بن ابو الوفا قرشی، ص: ۷۱)

ترجمہ: ازدی ازد "شنوئة" کی طرف منسوب ہے۔ اور وہ ازد بن عواث بن نبیت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا ہیں۔ ازدی ازد بن عمران بن عامر کی طرف بھی منسوب ہے۔ اور ازدی کی نسبت ازد حجری کی طرف بھی ہے۔ یہی نسبت امام ابو جعفر طحاوی کی ہے۔ اسی طرح سمعانی نے بھی ذکر کیا ہے۔ اور حجری "حا" مہملہ کے فتحہ "جیم" کے سکون اور آخر میں "را" کے ساتھ یہ ان تین قبیلوں کی طرف منسوب ہے جن کا نام حجر ہے۔ ان ہی میں سے ایک حجر حمیر ہے۔ مختار حجری اسی قبیلے سے ہے۔ دوسرا اعین ہے جن میں ایک مشہور نام سعید بن ابو سعید حجری حجر اعین، تیسرا قبیلہ حجر ازد ہے۔ جن میں سے امام طحاوی، مصری فقیہ حنفی ہیں، جو ثقہ، نبیل اور فقیہ تھے۔ اور "مصر" میم کے کسرے، "صاد" کے سکون اور آخر کے "را" کے ساتھ یہ نسبت مصر کی طرف ہے۔ اس ملک کا نام مصر بن حام بن نوح علیہ السلام کی جانب نسبت کرتے ہوئے رکھا گیا ہے۔ اکثر علما نے اس ملک کی جانب اپنا انتساب ظاہر کیا، اس کی ایک تاریخ رہی ہے۔ سمعانی نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اور لفظ طحاوی "طا" اور "حا" مہملہ کے فتح کے ساتھ اور الف کے بعد "واو" ہے۔ جو مصر میں ایک وادی کا نام ہے، جو دریائے نیل کے کنارے آباد ہے اسی بستی کی طرف ابو جعفر طحاوی منسوب ہیں۔

ولادت باسعادت: آپ کی ولادت ۱۰؍ ربیع النور ہفتہ کی رات ہوئی۔

(کشف الاستار، حاشیہ شرح معانی الآثار، صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی، ص:۸، مطبوعہ: دائرۃ المعارف الامجدیہ۔ طبع اول ۲۰۰۸ء)

لیکن سال ولادت کے سلسلے میں مورخین کا اختلاف ہے: علامہ ابن حجر عسقلانی لسان المیزان میں۔

(لسان المیزان، علامہ ابن حجر عسقلانی، ج:۱، ص:۴۱۶، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع ثانی ۲۰۰۱ء)

عبدالقادر بن ابوالوفا قرشی الجواہر المضئیہ میں۔ (الجواہر المضئیہ فی طبقات الحنفیہ، عبدالقادر بن ابوالوفا قرشی، ص:۱۷)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بُستان المحدثین مترجم میں (بستان المحدثین، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص:۱۴۴، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع کراچی، سن اشاعت ۱۹۶۹ء) اور مولانا عبدالحی لکھنوی الفوائد البہیہ میں۔ (الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، علامہ عبدالحی فرنگی، ص:۱۸، مطبوعہ: مجلس برکات، سن اشاعت ۲۰۰۱ء) امام طحاوی سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنا سال ولادت ۲۳۹ھ بیان کیا، اس کے برخلاف امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے تذکرۃ الحفاظ میں آپ کا سال ولادت ابن یونس کے حوالے سے ۲۳۷ھ تحریر کیا ہے۔ اکثر مورخین کا یہی قول ہے کہ آپ کا سال ولادت ۲۳۹ھ ہے۔

تحصیل علم: امام طحاوی نے سب سے پہلے اپنی فقیہہ، عالمہ، فاضلہ، والدہ ماجدہ کی بارگاہ میں زانوے تلمذ تہہ کیا، پھر امام ابوزکریا یحییٰ بن محمد عمروس کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر ابتدائی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے۔ یہاں آپ نے حفظ قرآن کے ساتھ اسلوب کتابت و دیگر علوم و فنون کے مبادیات حاصل کیے۔ پھر تعلیمی سفر جاری رہا یہاں تک کہ عنفوان شباب تک آپ نے علوم و فنون کا وافر حصہ حاصل کر لیا۔ اور علماے کرام کی محفلوں میں شرکت اور والد ماجد کی بارگاہ میں حاضر ہوکر علم و ادب کا ایک

بڑا حصہ حاصل کیا۔(کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار، صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی، ص:۸، مطبوعہ: دائرۃ المعارف الامجدیہ۔ طبع اول ۲۰۰۸ء)

پھر آپ فقہ شافعی کی تحصیل کی جانب مائل ہوئے اور اپنے ماموں ابو ابراہیم مزنی کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر فقہ شافعی پڑھنی شروع کی، لیکن آپ کی طبیعت سلیمہ میں جو قوت استقلال کی تلاش اور نظر میں جو باریک بینی تھی اس نے بہت جلد آپ کا رخ شافعیت سے حنفیت کی طرف موڑ دیا۔ چناں چہ ۲۶۸ھ میں آپ نے مصر جا کر اس وقت کے شہرہ آفاق استاذ ابو جعفر احمد بن ابی عمران موسیٰ بن عیسیٰ سے فقہ حنفی کی تحصیل شروع کر دی۔ احمد بن ابی عمران فقہ حنفی میں زبردست دسترس رکھتے تھے۔ اور دو واسطوں سے ان کا سلسلہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔ اس طرح امام طحاوی کی جو سند امام اعظم سے متصل ہے اس کی تفصیل یہ ہے: احمد بن ابی عمران عن محمد بن سماعہ عن ابی یوسف عن ابی حنیفہ۔

(تذکرۃ المحدثین، علامہ غلام رسول سعیدی، ص:۱۵۴، مطبوعہ: ارشد برادرس، دہلی طبع اول ۱۹۷۷ء)

مصر کے بعد امام طحاوی شام چلے گئے اور وہاں کے قاضی القضاۃ ابو حازم سے فقہ حنفی کی تحصیل کی ان کے علاوہ مصر کے باقی مشائخ سے علم حدیث میں استفادہ کیا اور جس قدر مشائخ حدیث ان کی زندگی میں مصر آئے ان سب سے آپ نے علم حدیث میں استفادہ کیا، جن میں سلیمان بن شعیب کیسانی، ابو موسیٰ یونس بن عبد الاعلیٰ الصدفی وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔(مرجع سابق)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علم حدیث میں امام طحاوی کے جن مشائخ کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں: "یونس بن عبد الاعلیٰ، ہارون بن سعید ایلی، محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم، بحر بن نصر، عیسیٰ بن مشرود، ابراہیم بن ابی داؤد الفریس، ابو بکر بکار بن قتیبہ اور امام ذہبی نے ان اساتذہ کے علاوہ عبد الغنی بن رفاعہ کا بھی ذکر کیا ہے"۔(مرجع سابق)

تبدیلیٔ مسلک: آپ ابتدا میں شافعی المذہب تھے، بعد میں شافعیت چھوڑ کر حنفی مسلک اختیار کر لیا۔ تبدیلی مسلک کی مختلف وجہیں مؤرخین نے بیان کی ہیں، امام ذہبی نے اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے:

"كان أولاً شافعياً يقرأ على المزني فقال والله لا جاء منك شيء فغضب من ذلك وانتقل إلى أبي عمران فلما صنف مختصره قال رحمه الله أبا إبراهيم لو كان حياً لكفر عن يمينه".

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی، ج:۳، ص:۲۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول:۱۹۹۸ء)

ترجمہ: "آپ پہلے شافعی تھے اور امام مزنی سے پڑھا کرتے تھے انھوں نے ایک دن آپ سے کہہ دیا بخدا تم سے کچھ بھی نہیں بن پڑے گا اس پر یہ ناراض ہو گئے اور ابن ابی عمران کے حلقۂ درس میں داخلہ لے لیا۔ جب آپ نے اپنی مختصر لکھی تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ ابو ابراہیم پر رحم کرے اگر وہ زندہ ہوتے تو انھیں اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑتا"۔

لیکن راقم کے خیال میں یہ کوئی ایسی وجہ نہیں ہے جس کی وجہ سے آپ اپنا مسلک تبدیل کر دیں، اس کی اصل وجہ یہ ہے جسے عبد العزیز پرہاروی نے بیان کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

"إن الطحاوي كان شافعي المذهب فقرأ في كتابه إن الحاملة إذا ماتت وفي بطنها ولد حي لم يشق

بطنها خلافاً لأبي حنيفة و كان الطحاوي ولداً مشقوقاً فقال لا أرضىٰ بمذهب رجل يرضىٰ بهلاكي فترك مذهب الشافعي و صار من عظماء المجتهدين علىٰ مذهب أبي حنيفة".

(نبراس، علامہ عبدالعزیز پرہاروی، ص: ۷۳، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان)

ترجمہ: "امام طحاوی ابتداءً شافعی المذہب تھے ایک دن انھوں نے امام شافعی کی کتاب میں پڑھا کے جب حاملہ عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو نکالنے کے لیے اس کے پیٹ کو چاک نہیں کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ بچہ کو پیٹ چاک کر کے نکالا جائے گا، اتفاقاً امام طحاوی کو بھی مذہب حنفی کے مطابق پیٹ چاک کر کے نکالا گیا تھا امام طحاوی نے اس کو پڑھ کر کہا میں اس شخص کے مذہب سے راضی نہیں جو میری ہلاکت پر راضی ہو پھر انھوں نے شافعیت کو چھوڑ دیا اور حنفیت اختیار کی اور اس مسلک کے عظیم فقیہ اور مجتہد ہوئے"۔

امام طحاوی اور ائمہ صحاح ستہ سے معاصرت: آپ کو ائمہ صحاح ستہ سے شرف معاصرت بھی حاصل ہے۔ جس دن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا اس وقت آپ کی عمر ۲۷/ سال تھی بقول دیگر: امام طحاوی نے امام بخاری کے بعض شیوخ سے اکتساب فیض کیا۔ اور امام مسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۳۲/ سال کی تھی۔ نیز ان کے بھی بعض شیوخ سے استفادہ کیا۔ اور امام ابن ماجہ کے وصال کے وقت آپ ۴۴/ برس کی عمر طے کر چکے تھے۔ امام ابوداؤد نے جب دنیا سے رحلت فرمائی اس وقت آپ ۴۶/ برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اور ان کے بعض شیوخ کے حلقۂ درس میں شرکت کی۔ امام ترمذی کی وفات کے وقت آپ کی عمر شریف ۵۰/ برس تھی۔ اور ان کے بھی شیوخ کے فیضان سے بہرہ ور ہوئے۔ اور امام نسائی نے جس وقت موت کا جام نوش فرمایا تھا اس وقت آپ کی عمر ۶۴/ سال تھی۔ آپ ان بزرگ ترین ہستیوں سے خوب مستفید و مستفیض ہوئے۔ تعلیمی عمر اکثر انھیں بزرگوں کے زیر سایہ گزاری جس کی وجہ سے آپ بھی انھیں عظیم ترین لوگوں کے زمرے میں شمار کیے جانے لگے۔ (ماہ نامہ اشرفیہ، مضمون: محمد امتیاز رضا علائی، اکتوبر ۲۰۱۴ء)

علم و فضل: امام طحاوی علم و فضل اور زہد و تقوی کے اتنے بلند مرتبہ پر فائز تھے کہ جتنے محدثین و مورخین نے بھی آپ کا تذکرہ کیا ہے وہ سب مدح و توصیف میں متفق نظر آتے ہیں۔

(۱) حافظ ذہبی: "الإمام العلامة الحافظ صاحب التصانيف البديعة".

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی، ج: ۳، ص: ۲۱، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول: ۱۹۹۸ء)

ترجمہ: امام طحاوی بہت بڑے عالم بلند پایہ حافظ حدیث اور بہت سی عجیب و غریب کتابوں کے مصنف ہیں۔

(۲) ابن یونس: "كان ثقة، ثبتاً فقيهاً عاقلاً لم يخلف مثله".

(لسان المیزان، ج: ۱، ص: ۴۱۷، مطبوعہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع ثانی ۲۰۰۱ء)

ترجمہ: آپ ثقہ، ثابت قدم، فقیہ اور عقل مند تھے انھوں نے اپنے پیچھے اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں چھوڑا۔

(۳)ابواسحاق شیرازی:"انتهت إلىٰ أبي جعفر ر یاسة اصحاب أبي حنيفة بمصر".

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی،ج:۳،ص:۲۱،مطبوعہ:دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،طبع اول:۱۹۹۸ء)

ترجمہ: مصر میں امام ابو حنیفہ کے متبعین کی سرداری ابو جعفر پر ختم ہے۔

تلامذہ: آپ کی علمی شہرت دور دراز علاقوں میں پھیل چکی تھی؛اس لیے آپ سے استفادہ کرنے کے لیے دور دور سے تشنگان علوم آتے تھے،جن میں بے شمار لوگوں نے آپ سے علم حدیث میں سماع حاصل کیا ہے۔ان میں سے چند حضرات کے اسما یہ ہیں:"ابو محمد عبدالعزیز بن محمد ہیتمی جوہری،حافظ احمد بن القاسم بن عبداللہ البغدادی معروف بابن الخشاب،ابو بکر علی بن سعدویہ بروعی،ابوالقاسم مسلمہ بن القاسم بن ابراہیم قرطبی،ابوالقاسم عبداللہ بن علی داؤدی،حسن بن القاسم بن عبدالرحمٰن مصری،قاضی ابن ابی العوام،ابوالحسن محمد بن احمد اخمینی،حافظ ابو بکر بن محمد بن ابراہیم بن علی مقری،ابوالحسن علی بن احمد طحاوی،ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی صاحب المعجم،حافظ ابو سعید عبدالرحمٰن بن احمد بن یونس مصری،حافظ ابو بکر محمد بن جعفر بن الحسین بغدادی میمون بن حمزہ عبیدی وغیرہ۔

(الجواهر المضئية فی طبقات الحنفية،عبدالقادر بن ابو الوفا قرشی،ص:۷۱)

حدیث اور فقہ میں مہارت: ۲۷۰ھ کے بعد امام طحاوی نے مصر کے قاضی ابو عبداللہ محمد بن عبدہ کی نیابت کا عہدہ قبول کر لیا۔امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں قاضی کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا،ایک شخص آیا اور کہنے لگا:ابو عبیدہ بن عبداللہ نے اپنی ماں سے اور انھوں نے اپنے باپ سے کون سی حدیث روایت کی ہے؟جب شرکاے مجلس میں سے کسی شخص کو جواب نہ آیا تو میں نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کی:

"حدثنا بكار بن قتيبة نا أبو أحمد نا سفيان عن عبدالله الأعلىٰ الثعلبي عن أبي عبيده عن أمه عن أبيه أن رسول الله ﷺ قال: إن الله ليغار للمؤمن فليغير".

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی،ج:۳،ص:۲۲،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،طبع اول:۱۹۹۸ء)

ترجمہ: آپ فرماتے ہیں کہ ہم سے بکار بن قتیبہ نے حدیث بیان کی،قتیبہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو احمد نے بیان کیا ابو احمد فرماتے ہیں ہم سے سفیان نے بیان کی اور سفیان عبداللہ الاعلیٰ لثعلبی سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابو عبیداللہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنی ماں سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ مومن کے لیے غیرت کرتا ہے اسے بھی غیرت مند ہونا چاہیے"۔

امام طحاوی فرماتے ہیں:مجھے یہ حدیث اس سند سے بھی ملی ہے۔"حدثنا إبراهيم بن أبي داود نا سفيان بن وكيع عن أبيه عن سفيان موقوفاً"۔ جب یہ حدیث امام نے بیان کی تو سائل امام طحاوی سے کہنے لگا:آپ جانتے ہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟معلوم ہے آپ کس فن میں بات کر رہے ہیں؟میں نے کہا:کیوں کیا بات ہے؟بولا:میں نے آپ کو کل شام کے وقت فقہا کے میدان میں دیکھا تھا۔اور اب آپ اصحاب حدیث کے میدان میں نظر آرہے ہیں اور یہ دونوں فن کسی

میں کم ہی جمع ہوتے ہیں۔ میں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا انعام ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ للذھبی، ج:۳، ص:۲۲، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول:۱۹۹۸ء)

علمی جلالت: شافعیہ کا مسلک ہے کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امام طحاوی نے "شرح معانی الآثار" میں اس حدیث کی تمام اسانید پر جرح کی ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے کہ اس حدیث کی تمام اسانید کمزور اور مجروح ہیں جس وجہ سے یہ حدیث لائق استدلال اور قابل احتجاج نہیں ہے۔ امام بیہقی (م ۴۵۸ھ) نے "کتاب المعرفۃ" میں اس بحث کا ذکر کیا ہے ان سے امام طحاوی کے دلائل کا جواب تو نہیں بن سکا فقط اتنا کہہ دیا: "إن علم الحدیث لم یکن من بضاعتہ" کہ علم حدیث امام طحاوی کا فن نہیں تھا۔ لیکن اہل علم کے نزدیک امام بیہقی کے اس بے دلیل قول کا کوئی وزن نہیں ہے۔ فن حدیث میں امام طحاوی کی سطوت کے بارے میں ہم گزشتہ سطور میں حافظ ابن عبد البر اندلسی مالکی (م:۴۶۳ھ) کی شہادت پیش کر چکے ہیں جو مصر اور مغرب کے علما پر امام بیہقی سے زیادہ نظر رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ ابو سعید یونس مورخ مصر اور دیگر ائمہ کبار و علماے رجال نے فن حدیث میں امام طحاوی کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ در حقیقت امام بیہقی کا یہ قول احناف کے خلاف تعصب کے سوا کچھ نہیں اور اسی تعصب کے سبب سے امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں احناف کی موید روایات کی تضعیف اور شوافع کی موید روایات کی تصحیح اور رجال کی تخریج اور توثیق میں شدید لغزشیں کھائی ہیں اور جگہ جگہ غلطیاں کی ہیں۔ چناں چہ شیخ علاء الدین علی بن عثمان معروف بہ ابن الترکمانی (م:۷۵۰ھ) نے "الجواھر الحنفی فی الرد علی البیھقی" میں ان تمام لغزشوں اور غلطیوں کی صراحت کر دی۔ حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں اتقانی سے نقل کرتے ہوئے لکھا: امام طحاوی کی جلالت علم اور ان کے اجتہاد، ورع، تقویٰ اور معرفت مذاہب میں ان کے تقدم کے پیش نظر ان لوگوں کے انکار کا کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ یہ منکرین امام طحاوی سے کافی متاخر ہیں۔ اگر کسی شخص کو امام طحاوی کی مہارت حدیث میں شک ہو تو وہ صرف شرح معانی الآثار کا مطالعہ کرے جو ان کی پہلی تصنیف ہے۔ ہمارا مسلک تو الگ رہا، کیا کوئی شخص کسی مذہب سے بھی اس کتاب کی نظیر لا سکتا ہے؟

(تذکرۃ المحدثین، علامہ غلام رسول سعیدی، ص:۱۵۸، مطبوعہ: ارشد برادرس، دھلی، طبع اول ۱۹۷۷ء)

اعزاز و اکرام: امام طحاوی کی علمی عظمت کا سکہ پورے مصر پر چلتا تھا۔ علما ہوں یا عوام، اعیان سلطنت ہوں یا اصحاب جاہ و منصب سبھی اپنے طرز عمل اور اعزاز و احترام کے رویہ سے آپ کی علمی شوکت کا اعتراف کرتے۔

قال ابن زولاق: " و لمّا ولي عبد الرحمٰن بن اسحاق بن محمد بن معمر الجوھری القضاء بمصر، کان یرکب بعد أبي جعفر و ینزل بعدہ فقیل لہ فی ذلك فقال: ھذا واجب، لانہ عالمنا و قدوتنا و ھو أسن مني باحدیٰ عشرۃ سنۃً ولو کانت احدی عشرۃ ساعۃ لکان القضاء اقل من ان افتخر بہ علیٰ أبي جعفر".

(لسان المیزان، ج:۱، ص: ۴۲۲، مطبوعہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع ثانی ۲۰۰۱ء)

ترجمہ: ابن زولاق بیان کرتے ہیں کہ جب عبد الرحمٰن بن اسحاق معمر جوھری مصر کے عہدۂ قضا پر فائز ہوئے تو وہ امام طحاوی

کے ادب و احترام کا پورا خیال رکھتے تھے۔ اور سواری پر ہمیشہ ان کے بعد سوار ہوتے تھے اور ان کے بعد اترتے تھے جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو کہنے لگے امام طحاوی عمر میں مجھ سے گیارہ سال بڑے ہیں اور اگر وہ گیارہ گھنٹے بھی بڑے ہوتے تو بھی مجھ پر ان کا احترام لازم تھا؛ کیوں کہ عہدۂ قضا کوئی ایسی بڑی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے میں امام طحاوی جیسی شخصیت پر فخر کر سکوں۔

تجدید و اصلاح: تجدید کے معنی یہ ہیں کہ مجدد میں ایک صفت یا چند صفتیں ایسی پائی جائیں جن سے امت محمدیہ کو دینی فائدہ ہو جیسے تعلیم و تدریس، وعظ و نصیحت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر لوگوں سے مکروہات کا دفع اور اہل حق کی امداد۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ، ج:۲، ص:۴۱۹، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات، طبع ۲۰۰۳ء)

علامہ حقی کی تصریح کے مطابق مجدد کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس صدی میں پیدا ہو اس کے خاتمہ اور جس صدی میں انتقال کرے اس کے اول میں مشہور و معروف، مشار الیہ، ما یضاف ہو۔ (مرجع سابق)۔

امام جعفر طحاوی کی ذات والا صفات میں وہ تمام صفتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں جن کا تذکرہ ایک مجدد کے سلسلے میں مذکورہ عبارت میں کیا گیا ہے۔ آپ تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی کے اوائل میں مشہور و معروف ہی نہیں بلکہ مرجع خلائق تھے۔ آپ کی علمی قدر و منزلت کا طوطی بولتا تھا۔ آپ ہمیشہ شریعت مطہرہ اور مذہب حق کی نصرت و حمایت کا فریضہ انجام دیتے تھے اور مخالفین مذہب و ملت کا بحسن و خوبی رد و قدح کرتے، اس میں کبھی نہ کسی لومۃ لائم کی پرواہ کی اور نہ کسی کے طعن و تشنیع کے خیال سے حق کہنے میں کوتاہی فرمائی۔ انھیں خصوصیات کی بنیاد پر مجمع بحار الانوار میں طاہر محدث پٹنی نے، مجد الدین ابن اثیر جزری نے جامع الاصول میں، تذکرۂ مجددین اسلام میں غلام مصطفیٰ مجددی پاکستانی نے اور امام احمد رضا و تجدید افکار و نظریات میں مولانا یٰسین اختر مصباحی نے انھیں مجدد شمار کیا ہے۔

اس سلسلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''لسان المیزان'' میں ایک واقعہ نقل کیا ہے آپ فرماتے ہیں: ''امام طحاوی قاضی ابو عبیدہ کے نائب تھے لیکن ان کو ہمیشہ صحیح روش کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے قاضی صاحب سے فرمایا کہ وہ اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کریں۔ قاضی صاحب نے جواب دیا اسماعیل بن اسحاق اپنے کارندوں کا حساب نہیں لیتے تھے۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ قاضی بکار اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کرتے تھے۔ قاضی صاحب نے پھر اسماعیل کی مثال دی۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کرتے تھے اور اس سلسلے میں ابن بتیتہ کا قصہ سنایا۔ جب کارندوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ غضب ناک ہو گئے اور انھوں نے قاضی صاحب کو امام طحاوی کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا یہاں تک کہ قاضی صاحب امام طحاوی کے مخالف ہو گئے اسی اثنا میں قاضی صاحب کو معزول کر دیا گیا۔ جب امام طحاوی نے ان کی معزولی کا پروانہ پڑھا تو کچھ لوگ کہنے لگے آپ کو مبارک ہو امام طحاوی یہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے قاضی صاحب بہر حال ایک صاحب علم آدمی تھے میں اب کس کے ساتھ علمی گفتگو کیا کروں گا''۔

(لسان المیزان، ج:۱، ص:۴۲۳، مطبوعہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع ثانی ۲۰۰۱ء)

تصنیفی خدمات: امام طحاوی کی خدمات علوم وفنون کے میدان میں مسلم ہیں، لیکن تصنیفی خدمات ان تمام میں نمایاں ہیں۔آپ کثیر کتابوں کے مصنف تھے۔تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، رجال و مناقب ان تمام موضوع پر گراں قدر تصنیفات یادگار چھوڑیں جن کی تفصیل یہ ہیں:

(١) احکام القرآن (٢) شرح معانی الأثار (٣) مشکل الأثار (٤) اختلاف العلماء (٥) کتاب الشروط (٦) شروط الصغیر (٧) شروط الاوسط (٨) مختصر الطحاوی فی الفقه (٩) النوادر الفقهیه (١٠) کتاب النوادر و الحکایات (١١) حکم ارض مکه (١٢) حکم الفئي و الغنائم (١٣) نقض کتاب المدلسین (١٤) کتاب الاشربه (١٥) الرد علی عیسیٰ بن ابان (١٦) الرد علیٰ أبی عبید (١٧) اختلاف الروایات (١٨) الرزیه (١٩) شرح الجامع الکبیر (٢٠) شرح الجامع الصغیر (٢١) کتاب المحاضر و السجلات (٢٢) کتاب الوصایا و الفرائض (٢٣) کتاب التاریخ الکبیر (٢٤) اخبار أبی حنیفه (٢٥) عقیدة الطحاوی (٢٦) تسویه بین اخبرنا و حدثنا (٢٧) سنن الشافعی (٢٨) صحیح الأثار. (مرجع سابق)

شرح معنی الأثار: علامہ طحاوی کی جملہ تصنیفات میں جو شہرت و قبول عام "شرح معانی الأثار" کو حاصل ہوا وہ دوسری تصانیف کے حصے میں نہ آسکا۔ بلا ریب یہ کتاب فن حدیث میں ایک عظیم تصنیف اور حزب احناف کا سرمایۂ افتخار ہے اس کتاب میں حدیث، فقہ اور رجال کے متعدّد علوم کو جس حسن و خوبی کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے صرف مسلک حنفی ہی میں نہیں بلکہ دیگر مسالک میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

علامہ امیر اتقانی فرماتے ہیں:

"فانظر شرح معنی الأثار هل تری له نظیراً فی سائر المذاهب فضلاً عن مذهبنا هذا".

ترجمہ: شرح معنی الأثار پر غور کرو کیا تم ہمارے مذہب حنفی کے علاوہ دوسرے مذہب میں بھی اس کی نظیر پا سکتے ہو؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: "سنن أبي داؤد، جامع ترمذی اور ابن ماجہ پر اس کی ترجیح اس قدر واضح ہے کہ کسی ناواقف ہی کو اس میں شک ہو سکتا ہے۔ وجہ استنباط، تمیز ناسخ و منسوخ، وجوہ معارضات اور کلام کی ترتیب میں یہ کتاب بے مثل ہے۔

(محدثین عظام حیات و خدمات، ڈاکٹر عاصم اعظمی، ص:۴۰۵، مطبوعہ: کمال بک ڈپو، گھوسی، طبع دوم ۲۰۰۸ء)

وفات: امام طحاوی کی پوری زندگی ملت اسلامیہ کی خدمت اور علوم دینیہ کی نشر و اشاعت میں صرف ہوئی۔ انھوں نے اپنی زندگی کی ۸۲/ بہاریں چمن اسلام کو نکھارنے میں گزاریں، یکم ذی قعدہ ۳۲۱ھ کو محبوب حقیقی سے جا ملے اور مصر میں واقع مقام "قرافہ" میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک سے متّصل مدفون ہیں۔ (مرجع سابق)

☆☆☆☆

محمد انیس احمد، شراوستی، جماعت: فضیلت Mo: 9918395639

نام و نسب: اسم گرامی محمد، کنیت: ابو جعفر اور والد گرامی کا نام جریر ہے۔ بقول خطیب بغدادی سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب طبری۔ (تاریخ بغداد، خطیب بغدادی، ج:۲، ص:۱۵۹، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

ولادت باسعادت: آپ صوبۂ طبرستان کے مقام آمل میں اواخر ۲۲۴ھ یا اوائل ۲۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔

(معجم الادباء، علامہ یاقوت حموی، ج:۱۸، ص:۴۰، مطبوعہ: دار الاحیاء التراث العربی)

تحصیل علم: آپ نے ایام طفولیت ہی سے تحصیل علم کی طرف توجہ فرمائی اور صرف سات سال کی عمر میں حفظ قرآن کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے وطن میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ''رَے'' تشریف لے گئے اور وہاں کے علما سے اکتساب فیض کیا۔ تحصیل علم کے سلسلے میں آپ کی کد و کاوش کا یہ عالم تھا کہ احمد بن حماد دولابی جو مضافات ''رَے'' میں رہتے تھے، آپ ان کی مجلس میں شریک ہوتے اور ختم درس کے بعد وہاں سے بڑی سرعت کے ساتھ ''رے'' تشریف لاتے تاکہ یہاں کے علما و مشایخ کی بارگاہ میں حاضر ہو سکیں۔ (مصدر سابق، تلخیص، ص:۴۰ تا ۵۰)

اس کے بعد بغداد تشریف لے گئے۔ یہاں آنے کا مقصد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے علم حدیث سیکھنا تھا، مگر آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ میں وفات پا چکے تھے۔ پھر آپ نے بصرہ، کوفہ، مصر اور شام کا سفر کیا اور ہر جگہ علما و محدثین کی بارگاہ میں تحصیل علم کے لیے حاضری دی، پھر بغداد تشریف لائے اور طبرستان کے دو سفروں کے علاوہ ساری زندگی بغداد ہی میں بسر کی۔

آپ ہی سے منقول ہے کہ والد گرامی اخراجات بھیجتے رہتے اور میں یکسوئی اور انہماک کے ساتھ علم حاصل کرتا رہتا۔ ایک مرتبہ والد گرامی کی طرف سے اخراجات آنے میں تاخیر ہوگئی تو میں نے مجبور ہو کر اپنی قمیص کی دونوں آستین فروخت کر دی۔

(مصدر سابق، تلخیص، ص:۴۰ تا ۵۰)

علم و فضل اور تقویٰ: آپ کا دامن، علم و فضل اور تقوی و طہارت کے گراں قدر جواہرات سے مالا مال تھا۔ آپ کی فضیلت کا اعتراف معاصرین اور بعد کے علما اور محدثین نے کیا ہے۔

امام ذہبی نے فرمایا: '' كان ثقةً، حافظاً، رأساً فی التفسير، إماماً فی الفقه و الإجماع و الإختلاف، علامة فی التاريخ و أيام الناس، عارفاً بالقراءات و باللّغة وغير ذلك''.

آپ ثقہ، حافظ، علم تفسیر میں مرجع، فقہ، اجماع اور اختلاف کے امام، علم تاریخ اور ایام الناس کے عالم اور علم قراءت اور علم لغت وغیرہ سے واقف تھے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۱۱، ص:۲۹۳ مطبوعہ: دار الفکر)

خطیب بغدادی نے فرمایا: "كان ابن جرير أحد أئمة العلماء يحكم بقوله و يرجع إلىٰ رأيه لمعرفته و فضله و قد كان قد جمع من العلوم ما لم يشاركه فيه أحد من أهل عصره، و كان حافظا لكتاب الله، عارفاً بالقراءات، بصيراً بالمعانى، فقيها فى احكام القران القرآن، عالما بالسنن و طرقها و صحيحها و سقيمها و ناسخها و منسوخها، عارفاً بأقوال الصحابة و التابعين و من بعدهم من الخالفين فى الأحكام و مسائل الحلال و الحرام، عارفاً بأيام الناس و أخبارهم".

"علامہ ابن جریر ایک ایسے امام تھے جن کے فتوی پر عمل کیا جاتا تھا۔ علم وفضل کی بنیاد پر ان کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ آپ ان علوم کے جامع تھے جن میں آپ کا کوئی ہم عصر شریک وسہیم نہ تھا۔ آپ کتاب اللہ کے حافظ، قراءت سے واقف، اس کے معانی سے آگاہ اور احکام قرآنی کو سمجھنے والے تھے۔ احادیث رسول، ان کی صحیح وضعیف اسانید اور ناسخ ومنسوخ کے عالم تھے۔ صحابہ و تابعین کے اقوال سے آشنا اور لوگوں کے واقعات اور ان کے حالات سے باخبر تھے"۔ (تاریخ بغداد، ج:۲، ص:۱۶۱)

علامہ ابن خزیمہ نے فرمایا:

" لم أعلم على أديم الأرض أعلم من محمد بن جرير". (مصدر سابق، تلخیص، ص:۱۶۱)

میں روئے زمین پر محمد بن جریر سے بڑا عالم کسی کو نہیں جانتا۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

"لو أشاء لكتبت عشرين ورقة من سيرة هذا الإمام. (سیر اعلام النبلاء، ج:۱۱، ص:۲۹۳ مطبوعہ: دار الفکر)

امام صاحب کے اتنے فضائل ومناقب ہیں کہ اگر میں چاہوں تو ان کی سیرت پر بیس ورق لکھ سکتا ہوں۔

آپ کو مختلف علوم وفنون میں اس قدر مہارت تھی کہ قرآن پڑھنے پر آتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ صرف قاری ہیں۔ مروی ہے کہ رمضان کی کسی آخری شب میں ابوعلی طوماری ابوبکر بن مجاہد کے ساتھ تراویح کے لیے چراغ لیے ہوئے جا رہے تھے۔ ابن مجاہد محمد بن جریر طبری کی مسجد کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ آپ سورۂ "رحمٰن" کی تلاوت کر رہے تھے۔ کافی دیر تک ان کی قراءت سے لطف اندوز ہوئے۔ راستہ میں ابوعلی طوماری نے پوچھا کہ آپ نے لوگوں کو اپنا منتظر رکھا اور خود قرآن سنتے رہے۔ ابن مجاہد نے کہا کہ تمہیں کیا معلوم؟ ایسے خوش الحان قاری روئے زمین پر نہیں ملتے۔ (تاریخ بغداد، ج:۲، ص:۱۶۴)

حدیث بیان کرنے پر آتے تو ایسا لگتا کہ صرف محدث ہیں فقہی مسائل بیان کرنے پر آتے تو ایسا لگتا کہ صرف فقیہ ہیں علم نحو میں کلام کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ صرف نحو سے آشنا ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ منطق وفلسفہ، جبر ومقابلہ، ادب وعروض اور شعر و شاعری میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ (معجم الادباء، ج:۱۸، ص:۶۱)

زہد وتقویٰ، خشوع وخضوع، امانت وصداقت، خلوص وللّٰہیت اور صدق نیت جیسی بے شمار خوبیاں آپ کے اندر موجود

تھیں۔(معجم الادباء، ج:۱۸، ص:۶۰)

آپ کے شیوخ: آپ نے جس ذوق و شوق کے ساتھ مختلف بلاد و امصار کے جن شیوخ و اساتذہ کی بارگاہ میں حاضری دی۔ بلاشبہ ان کی تعداد کافی ہوگی۔ یہاں کچھ مشہور اور نامور اساتذہ کے اسمائے گرامی تحریر کیے جاتے ہیں:

(۱) محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب (۲) اسحاق بن اسرائیل (۳) احمد بن منیع بغوی (۴) ابو ہمام ولید بن شجاع (۵) یعقوب بن ابراہیم دورقی (۶) ابو سعید اشج (۷) عمر بن علی (۸) محمد بن بشار (۹) محمد بن مثنی (۱۰) احمد بن حماد دولابی۔ (تاریخ بغداد، ج:۲، ص:۱۶۰)

آپ کے تلامذہ: علامہ ابن جریر طبری نے علم وفن میں جو نمایاں کمال حاصل کیا تھا اس کا تقاضا تھا کہ دنیا ان کے ارد گرد جمع ہو کر اپنے دامن کو گوہر علم سے بھرے۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ آپ کے چشمۂ علم سے ہزاروں تشنہ کاموں نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ چند اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں:

(۱) ابو شعیب عبد اللہ بن حسن مرّاکی (یہ عمر میں آپ سے بڑے تھے)۔ (۲) ابو القاسم طبرانی (۳) احمد بن کامل قاضی (۴) ابو بکر شافعی (۵) قاضی ابو محمد بن زبیر (۶) ابو احمد بن عدی (۷) مخلد بن جعفر (۸) احمد بن قاسم حشاب (۹) محمد بن احمد ہمدان (۱۰) احمد بن علی کاتب (۱۱) ابن عبد اللہ خضینی (۱۲) محمد بن حسن شیبانی (۱۳) معلیّ بن سعید۔ (مصدر سابق)

علم وفن میں نمایاں مقام: تفسیر، فقہ، حدیث اور تاریخ میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔

(وفیات الأعیان، ج:۲، ص:۲۳۵)

جب آپ نے تفسیر کا ارادہ فرمایا تو اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ کیا تمہیں تفسیر قرآن سے دلچسپی ہے؟ انھوں نے کہا: اس کی ضخامت کس قدر ہوگی؟ فرمایا: تیس ہزار صفحات۔ کہنے لگے ایسی تفسیر پڑھتے پڑھتے عمر ختم ہو جائے گی۔ تو آپ نے اسے تین ہزار صفحات میں مختصر کر دیا۔ (تاریخ بغداد، ج:۲، ص:۱۶۱)

ابو حامد اسفرائینی نے کہا: ''اگر کسی شخص کو علامہ ابن جریر کی تفسیر حاصل کرنے کے لیے چین تک سفر کرنا پڑے تو اس کے لیے یہ سفر دراز نہیں''۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۲، ص:۲۵۲)

امام نووی نے فرمایا کہ اس امر پر پوری امت کا اجماع ہے کہ تفسیر ابن جریر جیسی کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی۔

(الاتقان، ج:۲، ص:۱۹۰)

فقہ واجتہاد: امام طبری بلند پایہ فقیہ اور مجتہد مطلق تھے۔ ''وفیات الأعیان'' میں ہے:

'' كان من الأئمة المجتهدين لم يقلد أحداً''.

آپ ائمہ مجتہدین میں سے تھے، کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔

آپ نے تحصیل علم کے درمیان مختلف مکاتب فقہ کے علما سے فقہ حاصل کیا۔ ابتدا میں وہ امام شافعی کے مقلد تھے اور اسی فقہ کے مطابق دس سال تک فتویٰ دیتے رہے۔ بعد میں علاحدہ مکتب فکر کے بانی ہو گئے اور اپنا الگ فقہی دبستان قائم کیا۔ اس مذہب کے ماننے والے جریریہ کہلاتے تھے۔ ان کا مذہب پانچویں صدی ہجری تک معمول بہ رہا۔ فقہ میں آپ کی مندرجہ

ذیل کتابیں ہیں:

"إختلاف علماء الأمصار فی أحکام شرائع الإسلام، لطیف القول فی أحکام شرائع الإسلام، کتاب بسیط القول فی أحکام شرائع الإسلام"۔ (معجم الادباء، ج:۱۸، ص:۷۵،۷۲،۷۱)

حدیث: علم حدیث میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ زمرۂ محدثین میں خدمت حدیث کے لحاظ سے آپ کا مقام نمایاں ہے۔ امام ذہبی "کتاب الفضائل" کے طرق کے بارے میں فرماتے ہیں:

"رأیت مجلدا طرق الحدیث لإبن جریر فاندھشت له و لکثرة تلك الطرق".

یعنی میں نے ایک جلد پر مشتمل ابن جریر کی یہ کتاب دیکھی ہے جس میں اس حدیث کے تمام طرق اور تمام سندیں جمع کر دی ہیں۔ میں اس کتاب میں حدیث کی اتنی زیادہ سندیں دیکھ کر حیرت میں ڈوب گیا۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۲، ص:۲۵۳)

امام نووی کہتے ہیں کہ ان کا شمار ترمذی و نسائی کے طبقہ میں ہے اور ان کے مشائخ وہی ہیں جو بخاری و مسلم کے مشائخ ہیں۔ (تہذیب الاسماء، ج:۱، ص:۸۲)

تاریخ: آپ نے تاریخ میں ایک کتاب "تاریخ الامم و الملوك" تصنیف فرمائی جس میں اپنی غیر معمولی کوشش کے ذریعہ معلومات کا وسیع اور بیش بہا خزانہ محفوظ کر دیا۔ اس طرح اپنے معاصرین اور بعد کے مؤرخین کے لیے ایک زبردست انسائیکلوپیڈیا فراہم کر دیا۔ ابن خلقان کا بیان ہے کہ یہ کتاب اصح التاریخ ہے۔ اس کتاب کا آغاز ایک طویل تمہید سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد تخلیق کائنات، تخلیق آدم، تاریخ انبیا، پرانی قوموں، ایران کے ساسانی بادشاہوں اور یونان و روم کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالی گئی ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، خلفائے راشدین، خلفائے بنی امیہ، خلفائے بنی عباس کے حالات و کوائف بہترین اسلوب میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ تاریخ ابتدائے آفرینش سے لے کر ۳۰۲ھ تک کے واقعات و حوادث کا احاطہ کرتی ہے۔

قلمی جواہر پارے: آپ نے مختلف علوم و فنون میں متعدّد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کے کثیر التصانیف ہونے کا اندازہ حافظ ذہبی کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے: "یکتب کل یوم اربعین ورقة" یعنی آپ روزانہ چالیس ورق لکھتے تھے۔ آپ کی کچھ اہم کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جامع البیان عن تاویل آي القرآن (۲) تاریخ الأمم و الملوك المعروف بتاریخ الطبری (۳) کتاب تاریخ الرجال (٤) لطیف القول فی أحکام شرائع الإسلام (یہ آپ کے مذہب مختار کا مجموعہ ہے) (٥) کتاب القراءت و التنزیل و العدد (٦) کتاب إختلاف علماء الأمصار (۷) کتاب الخفیف فی أحکام شرائع الإسلام (۸) کتاب التبصیر (اہل طبرستان کی جانب ایک رسالہ) (۹) تهذیب الاثار (۱۰) کتاب البسیط (۱۱) کتاب الفصل بین القراءت (۱۲) کتاب الفضائل (۱۳) کتاب المحاضرات و السجلات (١٤) کتاب ترتیب العلماء (١٥) مختصر المناسك (١٦) مختصر الفرائض (۱۷) کتاب صریح السنّة (۱۸) المسند المخرج (۱۹) ذیل المزیّل (۲۰) کتاب أحادیث غدیر خم (۲۱) عبارة الرؤیا. (ناتمام)

وصال پر ملال: علوم و فنون کا یہ نیر تاباں ۲۶/ شوال بروز سنیچر ۳۱۰ھ میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ محلہ رحبہ

یعقوب میں اتوار کو سپرد خاک کیا گیا جہاں آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔(معجم الادبا، ج:۱۸، ص:۴۰)

چند تجدیدی کارنامے: فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم "إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها" کے مطابق نو پید مسائل کی وجہ سے اللہ تعالی ہر صدی میں ایک یا متعدّد مجدد دین کو مبعوث فرماتا ہے جو سنت کی نصرت و حمایت اور بدعت کی بیخ کنی و استیصال میں سرگرم رہتے ہیں، حفاظت دین کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے ہیں، اسلام دشمن افکار و نظریات کے خلاف سینہ سپر رہتے ہیں، انھیں نفوس قدسیہ کے سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ ذیل میں اس مجدد کے چند تجدیدی کارنامے ذکر کیے جا رہے ہیں:

مدتوں تحصیل علم کے بعد جب علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن طبرستان لوٹے تو دیکھا کہ لوگوں کے عقائد میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔ رفض و تشیع کی بنیاد پر صحابۂ کرام کی شان میں گستاخیاں کی جا رہی ہیں، ان پر سب و شتم کا عام شیوہ ہے بلکہ باستثنائے چند سب کو معاذ اللہ کافر و مشرک قرار دیا جا رہا ہے، خلفاے ثلاثہ کی خلافت راشدہ کو خلافت غاصبہ کہا جا رہا ہے، انبیاے کرام سے ائمہ کو افضل بتایا جا رہا ہے، آپ نے ان حالات میں روافض کی تردید شروع کی اور فضائل شیخین بیان کیے، آخر کار حکومت وقت کی مخالفت کا سامنا ہوا اور ترک وطن کر کے عروس البلاد بغداد میں سکونت گزیں ہو گئے جہاں آپ پوری زندگی بدعتوں کی بیخ کنی و استیصال میں مصروف رہے۔(معجم الادبا، ج:۱۸، ص:۸۶،۸۵)

جب بغداد کے اندر "حدیثِ غدیرِ خم" کی تکذیب کی گئی اور حضرت علی کے فضل و کمال پر انگشت نمائی کی گئی تو آپ نے اس کا دنداں شکن جواب دیا۔ چناں چہ ایک شخص نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "غدیر خم" کے دن حضرت علی کے فضل و کمال بیان کیے اور وہ وہاں موجود نہ تھے بلکہ اس واقعہ کے وقت یمن میں تھے، نیز یہ شخص ہر کہ و مہ سے یہی کہتا پھرتا کہ حدیث "من كنت مولاه فعلي مولاه، أللّهم وال من والاه و عاد من عاداه" کا انتساب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جائز نہیں ہے۔ جو اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے گا وہ "من كذب على متعمداً فليتبوّا مقعده من النار" کا مصداق ہوگا، نیز اس شخص نے "قصیدہ مزدوجہ" کے اندر کچھ اشعار کہے جس میں حدیث "غدیر خم" کے کذب کی طرف اشارہ کیا۔

ثم مررنا بغدير خمّ　　　كم قائل فيه بزور جم

على علي والنبي الأمّي

جب اس فتنہ نے اپنا بال و پر نکالنا شروع کیا تو قریب تھا کہ لوگ اس کے دام تزویر میں پھنس کر محبت اہل بیت سے دور ہو جاتے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اے لوگو تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ تا ہوں، اگر تم انھیں مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، ایک قرآن اور دوسرے اہل بیت۔

جب آپ کو اس فتنہ کی خبر پہنچی تو آپ نے اس کی سرکوبی کی، علی بن ابی طالب کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم کے فضائل و کمالات بیان کیے اور حدیث غدیر خم کی طرق کو اس انداز سے بیان فرمایا کہ بکثرت لوگ اسی کو سننے کے لیے جمع ہو گئے۔(معجم الأدبا، ج:۱۸، ص:۸۴-۸۵)

امام ذہبی نے فرمایا: "جمع طرق حديث غدير خمّ فى أربعة أجزاء، رأيت شطره فبهرني سعة روايا ته و جزمت بوقوع ذالك" یعنی آپ نے حدیث غدیر خم کی اسانید کو چار اجزا میں جمع کیا، میں نے اس کا ایک حصہ دیکھا تو اس کی وسعت روایات نے مجھے حیرت میں ڈال دیا اور اس کے وقوع کا یقین ہو گیا۔

جب بغداد کے اندر ذات شیخین پر کیچڑ اچھالا گیا اور انھیں گالیاں دی گئیں، تو آپ نے لوگوں کی سرزنش فرمائی اور حضرت ابوبکر و عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُما کے فضائل بیان کیے۔ اس سلسلے میں آپ نے "كتاب فضائل أبي بكر وعمر" تالیف فرمائی۔ منقول ہے کہ محمد بن سہل نے محمد بن جریر طبری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو دیکھا کہ صالح اعلم کے ساتھ محوِ گفتگو ہیں۔ اتفاق سے حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی بات چل پڑی تو محمد بن جریر طبری نے فرمایا:

"من قال إن أبا بكر و عمر ليسا بإمامى هدي اييش هو؟ قال ابن صالح :مبتدع فقال ابن جر ير انكاراً عليه مبتدع مبتدع ،هذا يقتل". (سیر اعلام النبلا، ج:۱۱، ص:۲۹۶)

جب بغداد میں جاہل حنابلہ کے اندر امام احمد بن حنبل کے تعلق سے جلوس علی العرش کا عقیدہ زور پکڑنے لگا تو آپ نے اس کی سخت مخالفت کی اور حق بات کہہ دی، اس سلسلے میں آپ کو مصائب و آلام کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ چناں چہ قیام بغداد کے زمانے میں جب حنابلہ نے جلوس علی العرش کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ محال ہے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا:

سبحان من ليس له أنيس ولا لـــه في عرشه جليس

جب متشدد حنبلیوں نے آپ سے یہ بات سنی تو چراغ پا ہو گئے اور ہزاروں کی تعداد میں آپ کے خلاف صف آرائی کی، آپ مجلس سے اٹھے اور اپنے گھر تشریف لے گئے، انھوں نے سنگ باری شروع کر دی۔ جب نازوک نامی پولیس افسر کو معلوم ہوا تو دس ہزار لشکر لے کر آپ کے دفاع کے لیے حاضر ہوا اور لوگوں کو آپ کے دروازے سے منتشر کر کے وہاں سے پتھر اٹھانے کا حکم دیا۔ (معجم الادباء، ج:۱۸، ص:۵۸، ۵۷)

آپ نے اہل اعتزال کے جملہ اقوال خبیثہ کی پر زور تردید فرمائی۔ چناں چہ خلق قرآن کے مسئلے میں امام احمد بن حنبل کا موقف اختیار کیا اور اپنی کتاب میں اس پر دلائل و براہین قائم کیے۔ جب کچھ گمراہ لوگوں نے رویت باری تعالیٰ کا انکار کیا تو آپ نے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا اور حجت قاطعہ سے مزین کر کے یہ ثابت کر دیا کہ رؤیت باری تعالیٰ جائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت میں مومن کو اپنے دیدار سے سرفراز فرمائے گا۔ اور جب کچھ سر پھرے لوگ ابطال شفاعت کے درپے ہوئے، تو آپ نے قرآن و حدیث سے انھیں دنداں شکن جواب دیا۔ ان تمام باتوں کی تصدیق آپ کی کتاب "جامع البيان عن تاويل آي القرآن" سے کی جا سکتی ہے۔

آپ سنت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر سختی سے کاربند تھے۔ اس سے سر مو تجاوز نہ فرماتے تھے۔ جب تک آپ بقید حیات رہے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیاری سنت کو زندہ رکھا۔ چناں چہ مرض الموت میں جب آپ سے کہا گیا کہ نماز ظہر مؤخر کر کے اسے عصر کے ساتھ ملا کر پڑھیے تو آپ نے انکار کر دیا اور نماز ظہر و عصر اپنے اپنے وقت میں ادا فرمائی۔ (مصدر سابق، تلخیص، ص:۵۷ تا ۵۸)

آپ نے تفسیر، فقہ، حدیث، قراءت اور تاریخ وغیرہ مختلف علوم و فنون میں متعدد کتابیں لکھ کر امت مسلمہ کے لیے اسلامی معلومات کا ایسا انسائیکلوپیڈیا فراہم کیا جس کی روشنی میں آج کے علمائے کرام و فقہائے عظام رحمھم اللہ سنتوں کی نصرت و حمایت اور بدعتوں کی سرکوبی میں سرگرم عمل ہیں۔

ان عظیم الشان کارناموں کی روشنی میں آپ کی زندگی کا یہ رخ اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ آپ ایک ایسے جلیل القدر مجدد ہیں جن کی پوری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل میں گزری۔ ☆☆☆
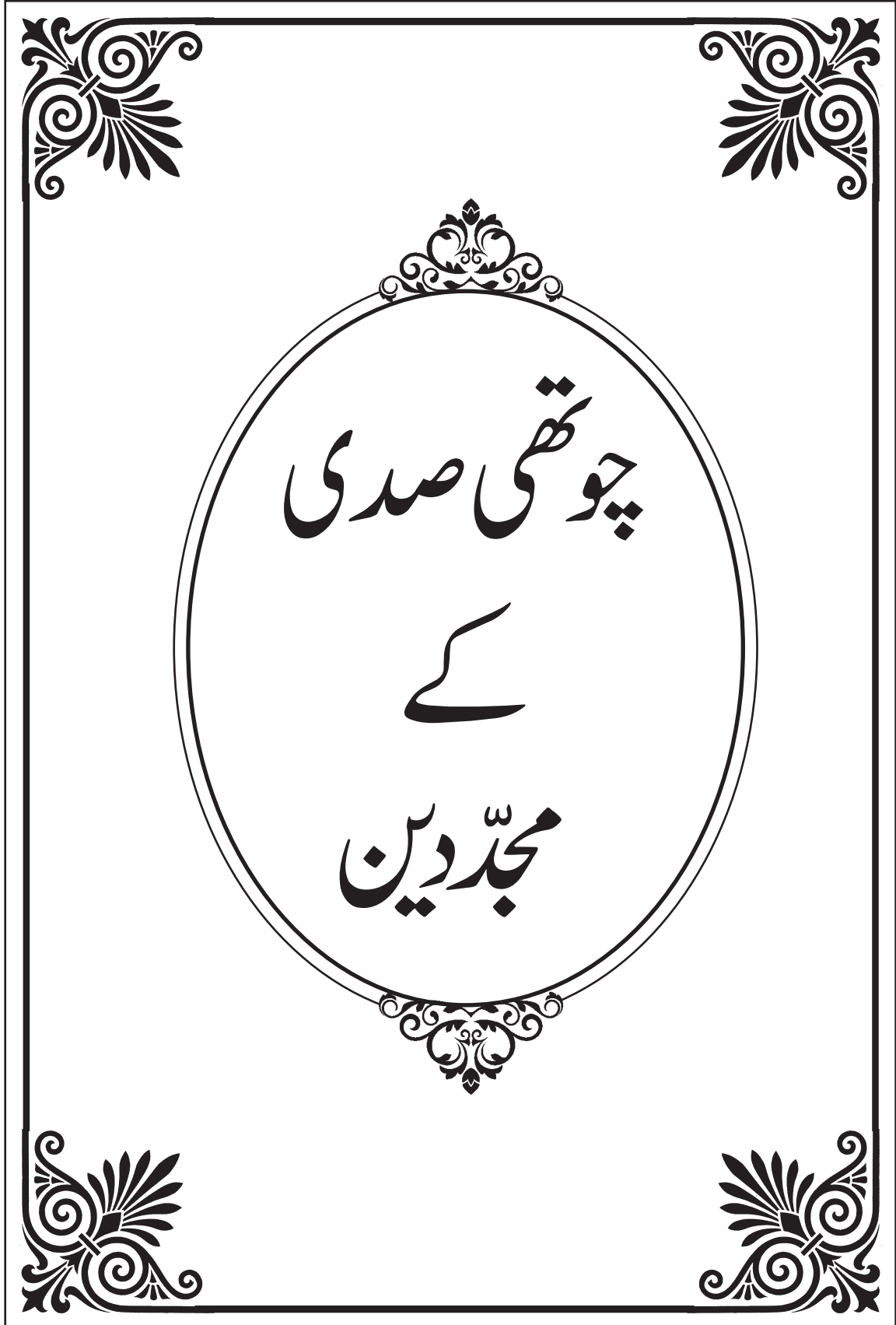
چوتھی صدی کے مجدّدین

چوتھی صدی کے مجددین

★ حضرت امام ابو طیب سہل بن محمد صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت ابو حامد احمد بن محمد اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت قاضی ابو بکر محمد بن طیب باقلانی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت ابو العباس احمد بن متقدر خلیفہ قادر باللہ رحمۃ اللہ علیہ

محمد ہاشمی رضا، کشن گنج، جماعت: فضیلت Mo:9621763330

رب تعالیٰ کی اس وسیع وعریض زمین میں جب بھی باطل قوموں نے اپنا سر اٹھایا اور فتنہ فساد کے فروغ کی راہ ہموار ہوئی، قرآن وسنت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی ناپاک سعی کی گئی، تو ہر صدی میں پروردگار عالم نے اپنے ایسے مخصوص بندوں کو پیدا فرمایا جنھوں نے ٹوٹی چٹائی پر بیٹھ کر اور نان شبینہ پر قناعت کر کے دین وملت کی آبرو بچائی، اور صرف دین کی بقا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامات کی پاسداری کی خاطر اپنی زندگی کے تمام ترلمحات کو نثار کر دیا۔ امت مسلمہ کی انھیں برگزیدہ ہستیوں میں ایک نام حضرت ابو طیب سہل بن محمد صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے جو چوتھی صدی کے نصف اول میں آسمان علم وحکمت پر آفتاب بن کر طلوع ہوئے، آپ کی ذات ستودہ صفات بے شمار کمالات کی حامل تھی، آپ ایک بے نظیر محقق، جامع علوم وفنون، حکمت ودانائی کے مظہر اتم، زبان وادب کے سلطان، مسلک شافعی کے روح رواں اور مذہب اسلام کی آبرو تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے والد ماجد حضرت ابو سہل محمد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خداداد صلاحیت ولیاقت، علمی استعداد اور رشد وہدایت کے ذریں کارناموں کو دیکھ کر کہا کرتے تھے: "سھل والد" (ترجمہ: میرا بیٹا سہل میرے نزدیک میرے والد جیسا ہے) اس مختصر سے مقالہ میں ہم یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتے کہ آپ کی شخصیت سے وابستہ تمام علمی وفنی اور اخلاقی وروحانی پہلوؤں کا احاطہ کر لیا ہے، ہاں! اتنا ضرور ہے کہ ان اوراق سے حضرت کی جو شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے اس سے بخوبی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گلشن مجددیت کے رنگا رنگ پھولوں میں سے ایک حسین وجمیل پھول آپ بھی ہیں۔

نام ونسب: نام: سہل، کنیت: ابوطیب، اور ابواسحاق بھی آپ کی ایک کنیت ہے۔ لقب: شمس الاسلام، سلسلۂ نسب یوں ہے: سہل بن محمد بن سلیمان بن ہارون بن موسیٰ بن عیسیٰ بن ابراہیم بن بشر صعلوکی عجلی، آپ ایک مشہور ومعروف قبیلہ "بنو حنیفہ" سے تعلق رکھنے کی بنا پر نسبتاً "حنفی" بھی کہلاتے تھے، حضرت ابوطیب صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ خراسان کے مشہور شہر نیشاپور کے رہنے والے تھے اور مذہباً شافعی تھے۔ (۱)

تعلیم وتربیت: آپ کے ابتدائی تعلیمی حالات کے سلسلے میں کثیر تلاش وجستجو کے باوجود کوئی خاطر خواہ مواد فراہم نہیں ہوسکا، البتہ متعدّد کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ آپ نے اپنے والد ماجد امام ابوسہل محمد بن سلیمان صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ کے سایۂ عاطفت میں

رہ کر علم فقہ حاصل کیا، ان کی ہی درس گاہ فیض سے سند فراغت حاصل کی، نیز اپنے والد گرامی سے سماع حدیث بھی کیا، اس طرح آپ کی علمی و جسمانی نشو و نما، روحانی تربیت اور گوناگوں فضائل و کمالات سے مزین کرنے میں آپ کے پدر بزرگوار کا مرکزی اوراساسی کردار رہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کی گود ہی آپ کا اولیں مدرسہ رہی ہے۔ [۳]

اساتذہ و شیوخ: حضرت ابوسہل محمد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ آپ نے جن اجلۂ فقہا و محدثین سے اکتساب علوم اور سماع حدیث کیا، ان کے اسما درج ذیل ہیں:

حضرت محمد بن یعقوب اصم، ابوعلی حامد ہروی، محمد بن علی بن اسماعیل ابوبکر شاشی، ابوالحسن محمد بن عبداللہ دقاق، ابن مطر، ابوعمر بن نجیب، ابن مسطور، ابوعلی رفاء، ابوسہل بشر بن یحییٰ احمد بن بشر اسفرائینی مہرجانی اور دیگر بہت سے ہم عصر شیوخ سے مختلف علوم و فنون میں مہارت و کمال حاصل کیا۔

تدریس: آپ کے والد گرامی حضرت ابوسہل رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے فقہ شافعی کے امام، استاذ مطلق اور مفتیٔ خراسان تھے۔ ایک عرصہ تک زمانہ ان کے علوم کی بے پناہ ضیا پاشیوں سے مستفیض و مستنیر ہوتا رہا، ۳۶۹ھ میں آپ کے والد ماجد اس دارفانی سے کوچ کر گئے، چوں کہ زمانہ طالب علمی ہی سے آپ کی اقبال مندی کا ستارہ عروج پر تھا، اورآپ نے کثیر علوم و فنون میں تبحر حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ علما میں علمی ضوفشانی کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اسی لیے والد گرامی کے وصال کے پانچ دن بعد ہی سے ایک خلق کثیر آپ کے علمی سرمایہ سے بہرہ ور ہونے کے لیے آپ کے گرد جمع ہوگئی، چناں چہ اسی وقت سے آپ نے مسند تدریس کی باگ ڈور سنبھال لی، کچھ ہی دنوں بعد آپ منصبِ قضا و افتا پر بھی فائز ہوگئے، کثیر فتاوے جاری کیے، اور پوری زندگی گلشن اسلام کی آبیاری کرتے رہے، اورآپ خراسان کے سب سے عظیم مفتی کہلاتے تھے۔ [۴]

حلقۂ درس کی عظمت و شان: آپ کی علمی جلالت اور تدریسی شان کا بیان بھی کافی اہمیت کا حامل ہے، آپ کی زندگی کا یہی وہ باب ہے جسے پڑھنے کے بعد اقلیم درس و تدریس میں آپ کی شہنشاہی کا آفتاب چمکنے لگتا ہے، تدریس کی مہارت اور مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ آپ کی درس گاہ میں بیک وقت پانچ سو سے زیادہ محدثین کرام سماع حدیث کرتے تھے، آپ ان سے حدیث بیان کرتے اور املاے حدیث کراتے تھے۔ [۵]

تلامذہ: جن مشہور و معروف محدثین کرام اور اجلۂ علماے عظام نے آپ کے علمی سرمایہ سے خوشہ چینی کی سعادت حاصل کی، ان میں سرفہرست مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

ابومنصور عبدالملک ثعالبی نیشاپوری، حسین بن محمد بن محمد بن علی بن حاتم ابوعلی روزباری، امام حاکم ابوعبداللہ صاحب مستدرک، حافظ ابوبکر بیہقی، محمد بن سہل ابونصر شاذیاخی اور ان کے علاوہ نیشاپور اور خراسان کے تمام شہروں کے علما و فقہا نے کثیر تعداد میں آپ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ [۶]

علمی مقام و مرتبہ: آپ عالمگیر شہرت کے حامل تھے، آپ کی ذات ستودہ صفات علوم و فنون میں مرجع خلائق تھی، جملہ اصناف علوم میں ذروۂ کمال تک پہنچے ہوئے ہونے کی وجہ سے لوگ آپ کا نام عزت و احترام کے ساتھ لیا کرتے تھے، آپ کے

علمی سرچشمہ سے سیرابی حاصل کرنے کے لیے تشنگان علوم دور دراز علاقوں سے آپ کی علمی مجلس میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کرتے تھے، آپ کی ذات بابرکات ایک ایسے علمی آفتاب وماہتاب کی حیثیت کی مالک تھی جس سے طویل مدت تک ایک عالم نے ضیاباریاں حاصل کیں اور لاکھوں خفتگان شب غفلت وضلالت کو سعادت وہدایت کی صبح میسر آئی، اسی لیے لوگ آپ کو شمس الاسلام کے مقدس لقب سے یاد کرتے تھے۔ (۷)

فضائل وکمالات: امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۷۶ھ "تهذيب الاسماء واللغات" میں آپ کے فضائل وکمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت ابوالطیب سہل بن محمد صعلوکی فقہ شافعی کے امام تھے، مسلک شافعی کے اجلہ فقہا میں آپ کا اسم گرامی سرفہرست تھا، آپ اصحاب وجوہ میں سے تھے، جس طرح آپ کے والدماجد امام اوراستاذ مطلق تھے، بالکل اسی طرح آپ بھی استاذ علی الاطلاق، فقہ وحدیث میں نابغۂ روزگار اور زبان وادب کے سلطان تھے، علم وفضل اور دیانت وامانت میں عدیم النظیر اور بے مثال تھے، آپ کی امامت پر عوام وخواص سب کا اتفاق تھا، آپ کے زہدوتقویٰ اور سیادت وقیادت کے سبھی معترف تھے۔ حافظ ابویعلیٰ خلیل اپنی کتاب "الإرشاد" میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے علما میں آپ سے زیادہ بلند ہمت اور باحیا کسی کو نہیں دیکھا۔ (۸)

علامہ سبکی (متوفی: ۷۷۱ھ) اپنی طبقات میں حافظ اثیر الدین ابوعبداللہ محمد بن محمد بن حاتم بن ابوزید مقری کے حوالہ سے رقم طراز ہیں: حضرت سہل بن محمد صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم اور تنہا ایک انجمن تھے، آپ امام الدنیا علی الاطلاق اور شافعی العصر بالاتفاق تھے، فقہ شافعی میں آپ کو اس قدر درک اور کامل دسترس حاصل تھی کہ اگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، اور وہ خود اس بات کی گواہی دیتے کہ یہ صدر مذہب شافعی اور اور مسلک شافعی کے روح رواں ہیں۔

علامہ نایف بن صلاح منصوری "السلسبيل النقي" میں علامہ ابوعاصم عبادی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: حضرت ابوطیب صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ فقہ کے علاوہ ادب وبلاغت، علم کلام اور نحو وغیرہ کے بھی امام تھے۔ (۹)

آپ کے اوصاف میں ایک عظیم وصف یہ بھی ملتا ہے کہ آپ غربا پروری اور مسکین نوازی میں بھی اپنی مثال آپ تھے، آپ ایک پاک طینت اور شاہین صفت مرد تھے، جب بھی کوئی حاجت مند آپ کی بارگاہ میں آتا تو آپ اسے بے دیے واپس نہ لوٹاتے، اور حاجت مند آپ کو نہایت نرم خو اور خوش اخلاق پاتا، آپ تمام لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آتے، اور انتہائی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے دربار میں آنے والے اشخاص کا گرم جوشی سے استقبال فرماتے، یہی وجہ ہے کہ آپ دین ودنیا کی قیادت وسربراہی کے حامل تھے، آپ کے معاصر علمائے کرام کا آپ کی سیادت وامامت پر اتفاق تھا، آپ علم وفضل کا حسین سنگم اور اصالت وریاست کا مادۂ اجتماع تھے۔ (۱۰)

علامہ سمعانی (متوفی: ۵۶۲ھ) "الأنساب" میں شیخ ابوالاسحاق کے حوالہ سے آپ کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شیخ ابوالاسحاق کا بیان ہے کہ ہمارے بعض مشایخ کہا کرتے تھے کہ جس شخص کو نجیب ابن نجیب کو جاننے کی آرزو ہو، وہ سہل بن ابوسہل کی زیارت سے شادکام ہو جائے، اس کی یہ خواہش برآئے گی۔ (۱۱)

علامہ سبکی امام حاکم سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہم شہر بخارا میں مقیم تھے، دریں اثنا حضرت ابوالاصبغ عبدالعزیز بن عبدالملک نیشاپور سے ہمارے یہاں تشریف لائے، اس موقع پر ہم نے ان سے دریافت کیا کہ نیشاپور کے اس بنجر خطہ کو کس ذات نے سیرابی عطا کی؟ تو حضرت ابوالاصبغ نے برملا ارشاد فرمایا: سہل بن ابوسہل کے جلوۂ زیبانے، کیوں کہ میں مغرب کے سب سے آخری کنارے کا باشندہ ہوں، اور میں نے اپنے وطن عزیز سے لے کر مشرق کے سب سے آخری ملک تک کا سفر کیا، لیکن علم وفضل میں ان کا مثل کسی کو نہیں پایا۔ (۱۲)

حضرت ابوالطیب رحمۃ اللہ علیہ کی گوناگوں خوبیوں میں سے ایک خوبی آپ کے اندر یہ بھی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی کہ آپ بڑے ہی خوش خط تھے، امام سبکی (متوفی: ۷۷۱ھ) اپنی طبقات میں رئیس ابومحمد میکالی کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ لوگ آپ کے والد ماجد استاذ ابوسہل کی عمدہ کتابت وخوش خطی دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے تھے، جب کہ آپ اپنے والد گرامی سے بھی زیادہ خوش خط تھے۔ (۱۳)

یہی وہ خوبیاں تھیں جن کے سبب آپ اپنے والد کے ہر دل عزیز تھے، وہ آپ کی ذہانت وفطانت، علم وفضل، اخلاق وکردار، خلوص وایثار اور دین وملت کی خدمت کا شوق بے کراں دیکھ کر اس قدر متاثر تھے کہ بطور فخر کہا کرتے تھے: ''سھل والد'' یعنی ابوطیب سہل میرے والد جیسے ہیں، آپ کی جدائیگی ان پر بہت گراں گزرتی تھی۔ (۱۴) چناں چہ امام ابن صلاح اپنی ''طبقات'' میں ابواسحاق کے حوالہ سے رقم طراز ہیں: جب استاذ ابوسہل اپنے ابتداے مرض الموت میں تھے، اور حضرت ابوطیب جاگیر کی طرف گئے ہوئے تھے، تو اسی وقت میں حضرت ابوسہل کی عیادت کے لیے گیا، اور اس وقت استاذ مرض کی وجہ سے شدت تکلیف میں مبتلا تھے، دوران گفتگو انھوں نے فرمایا: ابوطیب کی عدم موجودگی مجھ پر میرے اس مرض کی شدت تکلیف سے زیادہ گراں ہے۔ (۱۵)

عربی ادب میں مہارت وکمال: دل چسپ بات یہ ہے کہ جہاں دیگر تمام علوم میں آپ کو کامل دسترس حاصل تھی، وہیں ادب وبلاغت کے بھی آپ بے تاج بادشاہ تھے، جس طرح شعر وسخن کا ملکہ آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھا، اسی طرح عربی نثر نگاری میں بھی آپ اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، ہم آپ کے ادبی شہ پاروں کی جھلکیاں دکھلانے کے لیے اس بحث کو دو اجزا میں تقسیم کرتے ہیں، اول نظم، دوم نثر۔

نظم: یوں تو آپ نے بہت سے اشعار کہے ہیں، تاہم اس جگہ نمونے کے طور پر چند اشعار نذر قارئین کرتے ہیں جن کا ذکر ابوعاصم عبادی نے اپنی طبقات میں کیا ہے۔

سلوت عن الدنيا عزيزا قبلتها ۔۔۔ وجدت بها لما تناهت بآمالي

علمت مصير الدهر كيف سبيله ۔۔۔ فزايلتها قبل الزوال باحوالي (۱۶)

دوم: نثر، (الف) حِکَم

(۱) من تصدر قبل أوانه ۔۔۔ فقد تصدیٰ لهوانه

(۲) إذا كان رضا الخلق معسوره لايدرك، كان ميسوره لايترك

(۳) إنما يحتاج إلىٰ إخوان العشرة لزمان العسرة۔ [۱۷]

(ب) مقفّی و مسجع فتاوے:

(۱) آپ سے ایسے شخص کے بارے میں استفتا کیا گیا جس کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی جائے، پھر اس کا انتقال ہو جائے، اور اس کے ترکہ میں وہ ودیعت شدہ چیز نہ ملے، تو وہ شخص اس چیز کا ضامن ہوگا یا نہیں؟

آپ نے ادبی پیرائے میں اس کا جامع جواب یہ دیا: ''لا، إن مات عرضا، نعم، إن مات مرضا''

(۲) شطرنج کے کھیل کے بارے میں آپ سے استفتا ہوا تو آپ نے فرمایا: ''إذا سلم المال من الخسران، والصلاة عن النسيان، فذٰلك أنس بين الخلان، كتبه، سهل بن محمدبن سليمان.''

(۳) آپ نے اس مسئلہ پر کہ مشتری، ثیبہ باندی سے وطی کرلے، پھر بھی اسے عیب کی وجہ سے لوٹا سکتا ہے۔

اس مذکورہ مسئلہ پر استدلالاً فرمایا: ''إلمام من غير إيلام، فلا يمنع قياساً علىٰ الاستخدام۔'' [۱۸]

حاضر جوابی: دیگر تمام خوبیوں کے ساتھ اللہ عزوجل نے آپ کے اندر حاضر جوابی و برجستہ گوئی کی صلاحیت بھی ودیعت کر رکھی تھی، الروض الباسم میں ''جواهر المضيئة'' کے حوالہ سے ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ پوری شان و شوکت کے ساتھ ایک جلوس میں کہیں تشریف لے جا رہے تھے، اسی دوران ایک یہودی قصائی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، جو پراگندہ لباس میں ملبوس تھا، اور دھوؤں کی وجہ سے اس کے کپڑے کالے پڑ گئے تھے، آپ کی شان و شوکت کو دیکھ کر قصائی نے کہا: ''آپ کے نبی نے تو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے، اور کافر کے لیے جنت ہے، میں ایک کافر ہوں، اور آپ میرا پراگندہ حال ملاحظہ کر رہے ہیں، آپ ایک مومن ہیں، اور آپ کی شان و شوکت آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے، تو آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟''

آپ نے برجستہ جواب دیا: سن، کل قیامت کے دن جب تم اللہ کے عذاب میں مبتلا ہوگے، تو تمھیں تمھاری یہی پراگندہ زندگی جنت معلوم ہوگی، اور جب میں اللہ عزوجل کی عظیم نعمتوں اور اس کی رضا سے شرف یاب ہوں گا، تو مجھے یہ میری شان و شوکت والی دنیوی زندگی بھی ایک قید خانہ معلوم ہوگی۔ یہودی قصائی آپ کا برجستہ اور دنداں شکن جواب سن کر ساکت و مبہوت ہو گیا، اور وہاں موجود تمام لوگ آپ کی فہم و فراست اور حاضر جوابی پر حیرت زدہ رہ گئے۔ [۱۹]

بارگاہ ایزدی میں آپ کے تفقہ فی الدین کی مقبولیت: آپ اللہ کے برگزیدہ بندے، مقبول عوام و خواص اور محبوب نظر تھے، اہل علم کے طبقہ میں آپ کو سیادت و فرمارَوائی حاصل تھی، آپ کے ہر قول و فعل میں اخلاص و للّٰہیت نمایاں تھی، آپ نے اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو خدمت دین اور خدمت خلق کے لیے وقف کر رکھا تھا، پوری زندگی علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کے لیے سرگرم عمل رہے، سب سے وسیع پیمانہ پر آپ نے جس علم کی خدمت کی وہ فقہ وافتا ہے، اور آپ کی یہ خدمت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کتنی مقبول ہوئی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو طبقات الشافعیہ الکبریٰ میں

مذکور ہے کہ ابوسعید شحام نے وصال پرملال کے بعد آپ کو خواب میں دیکھا، توآپ کو "أیھاالشیخ" کہکر مخاطب کیا، حضرت ابوطیب کوان کا یہ انداز خطاب ناپسند لگا، آپ نے فرمایا: "دع الشیخ" شیخ کہنا چھوڑدو، ابوسعید کوآپ کے اس فرمان پر تعجب ہوا، جب ماجرا سمجھ میں نہیں آیا، توانھوں نے دریافت کیا کہ آپ کو شیخ کہنا کیوں چھوڑ دیں اورآپ کو جو دنیوی قدر ومنزلت حاصل تھی، اس کا کیا؟ توآپ نے جواباًارشاد فرمایا: "وہ شان وشوکت خاطر خواہ نفع بخش ثابت نہ ہوئی" اخیر میں سعید نے سوال کیا: پھر اللہ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا؟ آپ نے جواباً کہا: اللہ عزوجل نے مجھے ان فقہی مسائل کی بدولت بخش دیا جو میں فقہ سے ناآشنالوگوں کو بتایا کرتا تھا۔(۲۰)

مجدد مأۃ رابعہ: کثیر علمائے کرام نے آپ کے مجدد دین وملت ہونے کا قول کیا ہے، اس سلسلہ میں "مراۃ الجنان وعبرۃالیقضان فی معرفۃ حوادث الزمان" میں صاحب کتاب آپ کے متعلق لکھتے ہیں: اختلفوا فیه، وفي القاضي أبو بکر الباقلاني، أیهما کان علی رأس المأۃ الرابعة، في کونه مجدد الدین للامة، فقیل: "هو (ابوالطیب) لکثرۃ فنونه، واشیاع فضائله العلمیة والعملیة، "یعنی کثیر علوم وفنون اور آپ کے بے شمار علمی وعملی فضائل وکمالات کے شائع وذائع ہونے کی وجہ سے آپ چوتھی صدی کے مجدد تھے، اور مذکورہ اختلاف کوئی مضر نہیں ہے، کیوں کہ ایک صدی میں ایک سے زیادہ بھی مجدد ہوسکتے ہیں، اسی طرح "سیر أعلام النبلا" میں امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے لکھا ہے: "وکان بعض العلماء یعد أباالطیب المجددللامة و بینهاعلیٰ رأس الأربع مأۃ، و بعضهم عد ابن الباقلاني، و بعضهم عدالشیخ أباحامد الأسفراییني، وهوأرجح الثلثة، "یعنی بعض علمانے حضرت ابوطیب صعلوکی کو چوتھی صدی کا مجدد کہاہے، بعض علمانے حضرت قاضی ابوبکرباقلانی کواور بعض نے حضرت ابوحامد اسفرائینی کو مجدد شمار کیا ہے، تاہم امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ان تینوں میں راجح حضرت ابوطیب صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ نیز "تبیین کذب المفتری فیمانسب الیٰ ابی الحسن الاشعری" میں بھی آپ کو چوتھی صدی کا مجدد شمار کیا گیا ہے، علامہ ابوالقاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عساکر دمشقی صاحب تبیین کذب المفتری اپنی کتاب میں جملہ مجددین کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "إن أبا الطیب سهل بن محمدبن سلیمان الصعلوکي النیساوري هوالذي کان علیٰ رأس الأربع مأۃ." یعنی حضرت ابوطیب سہل بن محمد بن سلیمان صعلوکی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ چوتھی صدی کے مجدد تھے۔ چند سطور بعد مزید لکھتے ہیں: "فأما أبوالطیب اشتهر ذکره ببلده، وکانت ریاسة أصحاب الشافعی له بنیسابور، ولوالده، ولولده، وکان أبوه أبوسهل محمدبن سلیمان ذا محل خطیر، وذکره فیما بین أهل العلم بخراسان کبیر، لم یزل هو وولده (أبوالطیب) وولدولده یظهرون مذهب الاشعریة، ویجاهدون أهل البدع بنیسابور من المعتزلة، والرافضة، والکرامة، "یعنی حضرت ابو طیب صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شہر میں بہت ہی مشہورومعروف تھے، آپ، آپ کے والدماجد نیز آپ کے فرزندار جمند کو نیشاپور میں اصحاب شافعی کی سربراہی حاصل تھی، آپ کے والد گرامی ابوسہل محمد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ خراسان کے علما میں بہت ہی مشہورومعروف ہستی رہے ہیں، قابل

ذکر بات یہ ہے کہ حضرت ابوطیب صعلوکی، آپ کے والد گرامی، اور آپ کے پسر فیروز بخت خراسان میں تادم حیات مذہب اشعری کی خدمت واشاعت فرماتے رہے، اور اہل بدعت جیسے معتزلہ، رافضی اور کرامیہ سے ہمیشہ نبرد آزما رہے۔[۲۱]

حضرت ابوطیب کے زمانہ میں باطل نے جب بھی اپنا سر اٹھایا، اور غیروں نے اسلام کے تقدس پر حملہ کرنے کی ناپاک کوششیں کیں، تو آپ حق کی حمایت میں سینہ سپر رہے، ہر محاذ پر ان کا مقابلہ کیا، ان سے مناظرے کیے، ان کے مکروفریب سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھنے کے لیے سردھڑ کی بازی لگادی، چناں چہ اس حوالہ سے کرامیہ، معتزلہ اور رافضی وغیرہ اہل بدعت وضلالت سے آپ کا مقابلہ اور مناظرہ آپ کے تجدیدی کارناموں کی ایک زندہ جاوید مثال ہے۔

رحلت: حضرت ابو طیب سہل بن محمد صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وصال کے سلسلہ میں متعدّد اقوال ہیں، ''وفیات الأعیان'' اور ''تهذيب الأسماء و للغات'' میں مذکور ہے کہ آپ نے ۲۳؍محرم ۳۸۷ھ میں اس دارفانی سے کوچ کیا۔ ''هدية العارفين'' میں مذکور ہے کہ ۴۰۲ھ میں آپ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، ''طبقات الشافعيه الكبرىٰ''، ''سیرأعلام النبلا''، ''السلسبيل النقي''، ''اتحاف المرتقي''، اور ''الروض الباسم'' میں آپ کے وصال کی تاریخ رجب ۴۰۴ھ مذکور ہے۔ یہی قول ''مرأة الجنان'' میں بھی ملتا ہے، لیکن اس میں ۴۰۲ھ کا قول بھی ''قيل'' سے بیان کیا گیا ہے۔

اکثر مصنفین کی عبارتوں سے ظاہر یہی ہورہا ہے کہ آپ کی تاریخ وصال کے متعلق مختلف اقوال میں سے راجح قول ۴۰۴ھ کا ہے، اور آپ چوتھی صدی کے مجدد تھے۔(۲۲)

ماخذومراجع

(۱) تهذيب الاسماء وللغات: للامام النووى الشافعى، ج:١، ص:٢٦٠، الطبعة الاولىٰ ٢٠٠٧م.١٤٢٨ھ، مطبع: دارالكتب العلميه، بيروت. /طبقات الفقها الشافعية: للامام ابن الصلاح، ص:٤٨٠، الطبعة الاولىٰ ١٤١٣ھ.١٩٩٢م. مطبع دارالبشائر الاسلاميه، بيروت. السلسبيل النقى فى تراجم شيوخ البيهقى: لنايف بن صلاح بن على منصورى، ج:١، ص:٣٦٦، مطبع: دارالعاصمه، رياض، الطبعة الاولىٰ ١٤٣٢ھ.٢٠٠١م.

(۲) الروض الباسم فى تراجم شيوخ الحاكم: لنايف بن صلاح بن على منصورى، ج:١، ص:٥١٥، الطبعة الاولىٰ، ١٤٣٢ھ.٢٠١١م.، مطبع: دارالعاصمه، رياض.

(۳) طبقات الشافعيه الكبرىٰ: ابو نصر عبد الوهاب بن على بن عبد الكافى السبكى، ج:٣، ص:٥٢، دارالعلميه، بيروت، الطبعة الاولىٰ ١٤٢٠ھ.١٩٩٩م. تهذيب الاسماء واللغات: للنووى، ج:١، ص:٢٦١، دارالكتب العلميه، بيروت، الطبعة الاولىٰ، ١٤٢٨ھ.٢٠٠٧م. وفيات الاعيان: لابن خلكان، ج:٢، ص:٣٦٢، دارالعلميه، بيروت، الطبعة الاولىٰ، ١٤١٩ھ.١٩٩٨م. اتحاف المرتقى فى تراجم شيوخ البيهقى: لمحمود بن عبد الفتاح النحال، ص:١٩٨، دارالميمان، رياض. طبقات لابن الصلاح،

ص:۴۸۰،دارالبشائر الاسلامیہ،بیروت،الطبعۃ الاولیٰ،۱۴۱۳ھ.۱۹۹۲م.

(۴) شذرات الذھب:لعبدالحی بن العماد الحنبلی،ج:۳،ص:۱۷۲، دارالفکر، بیروت.السلسبیل النقی: لنایف بن صلاح بن علی منصوری،ص:۳۶۷، دارالعاصمہ، ریاض،الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۳۲ھ. ۲۰۱۱م. الانساب: لابی سعد عبد الکریم بن محمدبن منصور السمعانی، ج:۸، ص:۳۰۷، مجلس دائرۃ العثمانیہ،حیدرآباد، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۹۷ھ.۱۹۷۷م.

(۵) تھذیب الاسماء واللغات: للنووی، ج:۱،ص:۲۶۱،، دارالعلمیہ ،بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۸ ھ.۲۰۰۷م. السلسبیل النقی:لنایف بن صلاح، ص:۳۶۷، دارالعاصمہ،ریاض،الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۳۲ ھ،۲۰۱۱م. اتحاف المرتقی: لمحمودبن عبد الفتاح النحال، ص:۱۹۸، دارالمیمان، ریاض، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۹ھ.۲۰۰۸م.

(۶) تاریخ الاسلام ووفیات المشاھیر والاعلام:لشمس الدین محمدبن احمدبن عثمان الذھبی، ج:۲۸، ص:۱۰۲،دارالکتاب العربی، بیروت. حوادث ووفیات: ۴۰۱.۴۱۰ھ،۴۱۱.۴۲۰ھ. اتحاف المرتقی: محمود بن عبد الفتاح النحال، ص:۱۹۸، دارالمیمان، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ،۱۴۲۹ ھ.۲۰۰۸م. السلسبیل النقی: نایف بن صلاح،ص:۳۶۷،،دارالعاصمہ،ریاض،الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۳۲ھ.۲۰۱۱م. طبقات الفقھاء الشافعیہ: ابن الصلاح،ص:۴۸۱،دار بشائر الاسلامیہ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ۱۴۱۳ھ .۱۹۹۲م.

(۷) طبقات الشافعیہ الکبریٰ: السبکی،ج:۹،ص:۵۲،دارالعلمیہ،بیروت،الطبعۃ الاولیٰ،۱۴۲۰ھ. ۱۹۹۹م.

(۸) تھذیب الاسماءواللغات:النووی،ج:۱،ص:۲۶۰، دارالکتب العلمیہ،بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۸ھ .۲۰۰۷م. طبقات الشافعیہ الکبریٰ:السبکی،ج:۳، ص:۵۲،دارالعلمیہ، بیروت،الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۰ ھ.۱۹۹۹م.

(۹) طبقات الشافعیہ الکبریٰ:السبکی،ج:۳،ص:۵۲،دارالعلمیہ،بیروت،الطبعۃ الاولیٰ،۱۴۲۰ ھ. ۱۹۹۹م. السلسبیل النقی: نایف بن صلاح منصوری، ص:۳۶۸، دارالعاصمہ، ریاض، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۳۲ھ.۲۰۱۱م.

(۱۰) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ:السبکی،ج:۳،ص:۵۲،دارالفکر،بیروت،الطبعۃ الاولیٰ،۱۴۲۰ھ.۱۹۹۹م. الروض الباسم:نایف بن صلاح منصوری،ج:۱،ص:۵۱۶،الطبعۃ الاولیٰ،۱۴۳۲ھ.۲۰۱۱م.

(۱۱) الانساب:ابو سعدعبدالکریم سمعانی،ج:۸،ص:۳۰۸، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، الطبعۃ الاولیٰ،۱۳۹۷ھ.۱۹۷۷م. اتحاف المرتقی: محمود بن عبدالفتاح النحال، ص:۱۹۹، دار المیمان، ریاض، الطبعۃ الاولیٰ۱۴۲۹ھ.۲۰۰۸م.

(۱۲) الطبقات:السبکی،ج:۳،ص:۵۲،دارالفکر،بیروت،الطبعۃ الاولیٰ،۱۴۲۰ھ.۱۹۹۹م. الطبقات:ابن الصلاح، ص:۴۸۰،دارالبشائر الاسلامیہ،بیروت،الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۳ھ.۱۹۹۲م.

(۱۳)السلسبیل النقی:نایف بن صلاح منصوری، ص:۳۶۷، داراعاصمہ، ریاض، الطبعۃ الاولیٰ،۱۴۳۲ھ ۲۰۱۱م.الطبقات:السبکی،ج:۳،ص:۵۳،باقی تفصیل اوپر(۱۲)نمبرمیں گزری. الطبقات:ابن

صلاح،ص:٤٨١،باقی تفصیل حاشیه (١٢) میں دیکھیں. تهذیب الاسماء واللغات: النووی، ج:١، ص:٢٦١،دارالکتب العلمیه،بیروت،الطبعة الاولیٰ،١٤٢٨ھ.٢٠٠٧م.

(١٤) الطبقات: السبکی، ج: ٣، ص:٥٣ دارالفکر، بیروت،الطبعة الاولیٰ،١٤٢٠ھ.١٩٩٩م. الطبقات:ابن الصلاح، ص:٤٨١،دارالبشائرالاسلامیه،بیروت،الطبعةالاولیٰ،١٤١٣ھ.١٩٩٢م. الروض الباسم: نایف بن صلاح منصوری، ج:١، ص:٥١٥، دارالعاصمة، ریاض، الطبعةالاولیٰ، ١٤٣٢ھ.٢٠١١م.سیراعلام النبلاء: الذهبی، ج:١٣، ص؛١٢٦، دارالفکر، بیروت، الطبعة الاولیٰ، ١٤٢٥ھ.٢٠٠٤م. تاریخ الاسلام: الذهبی، ج:٢٨،ص:١٠٢،دارالکتاب العربی،بیروت،حوادث ووفیات،٤٠١.٤١٠، ٤١١.٤٢٠.

(١٥) الطبقات:السبکی،ج:٣،ص:٥٣،باقی تفصیل (١٤) نمبر میں گزری.

(١٦) الطبقات:السبکی،ج:٣،ص:٥٥،دارالفکر،بیروت،الطبعة الاولی،١٤٢٠ھ،١٩٩٩م.

(١٧) ایضاً. تاریخ الاسلام: الذهبی، ج:٢٨، ص:١٠٢، دارالکتاب العربی، بیروت، حوادث ووفیات، ٤٠١.٤١٠ھ،٤١١.٤٢٠ھ، سیر اعلام النبلاء: الذهبی، ج:١٣، ص:١٢٦، دارالفکر، بیروت، الطبعة الاولیٰ،١٤٢٥ھ.٢٠٠٤م.

(١٨) الطبقات:السبکی،ج:٣،ص:٥٥،دارالفکر،بیروت،الطبعةالاولیٰ،١٤٢٠.١٩٩٩م.

(١٩) السلسبیل النقی:نایف بن صلاح منصوری، ص:٣٦٨، دارالعاصمه، ریاض، الطبعة الاولیٰ، ١٤٣٢ھ. ٢٠١١، الروض الباسم:نایف بن صلاح،ج:١،ص:٥١٧، دارالعاصمه،ریاض،الطبعة الاولیٰ،١٤٣٢.٢٠١١م،

(٢٠) الطبقات:السبکی،ج:٣،ص:٥٤،دارالفکر،بیروت،الطبعة الاولیٰ،١٤٢٠ھ.١٩٩٩م،

(٢١) سیراعلام النبلاء:الذهبی،ج:١٣،ص:١٢٧،١٢٦،دارالفکر بیروت،الطبعة الاولیٰ،١٤٢٥ھ.٢٠٠٤م، تبیین کذب المفتری فیمانسب الیٰ ابی الحسن الاشعری:ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکردمشقی،ص:٥٤،٥٣،القدسی دمشق الشام،سن طباعت،١٣٤٧ھ. مرأة الجنان وعبرة الیقضان فی معرفة حوادث الزمان،المکتبة الشامله، اتحاف المرتقی:محمودبن عبدالفتاح النحال، ص:١٩٩، دارالمیمان،ریاض،الطبعة الاولیٰ،١٤٢٩ھ.٢٠٠٨م، الروض الباسم فی تراجم شیوخ الحاکم:نایف بن صلاح منصوری،ج: ١ ،ص:٥١٧، دارالعاصمه،ریاض،الطبعة الاولیٰ،١٤٣٢ھ.٢٠١١م، وفیات الاعیان:ابن خلکان، ج:٢، ص:٣٦٢، دارالکتب العلمیه، بیروت، الطبعة الاولیٰ، ١٤١٩ھ. ١٩٩٨م،تهذیب الاسماء واللغات: النووی، ج:١، ص:٢٦١،دارالکتب العلمیه،بیروت،الطبعة الاولیٰ، ١٤٢٨ھ.٢٠٠٧م،هدیة العارفین: ج:٥، ص:٤١٢، السلسبیل النقی: نایف بن صلاح منصوری، ص:٣٦٩،دارالعاصمه، ریاض، الطبعة الاولیٰ، ١٤٣٢ھ.٢٠٠١م، سیراعلام النبلاء: الذهبی، ج:١٣، ص:١٢٧،دارالفکر،بیروت،الطبعة الاولیٰ، ١٤٢٥ھ. ٢٠٠٤م، الطبقات: السبکی، ج:٣، ص:٥٤،دارالفکر،بیروت،الطبعة الاولیٰ،١٤٢٠ھ.١٩٩٩م.

☆☆☆☆☆

محمد عارف نعمانی قادری، چریاکوٹ، مئو، جماعت: فضیلت Mo: 7860561136

اسم گرامی: احمد، **کنیت:** ابو حامد، **لقب:** امام الشافعیہ **والد گرامی:** ابو طاہر محمد

سلسلۂ نسب: احمد بن ابو طاہر محمد بن احمد۔ (وفیات الاعیان، ج ا، ص: ۷۲)

ولادت: ۳۴۴ھ میں اسفرائن میں پیدا ہوئے۔ اسفرائن کی طرف نسبت کرتے ہوئے اسفرائنی کہلائے۔ نیسا پور کے اطراف میں جرجان کے نصف راستے پر یہ خراسان کا ایک شہر ہے۔

(طبقات الشافعیہ، ج: ۱، ص: ۳۹، ۴۰، البدایۃ والنھایۃ، ج: ۶، جز ۱۲ ص: ۳۰، وفیات الاعیان، ج: ۱، ص: ۷۲)

خاندانی پس منظر: ان کے خاص شاگرد امام سلیمان بن رازی نے ان کے حالات کے بارے میں لکھا ہے کہ شروع میں معاشی حالت کمزور تھی اس لیے ایک گھر کی دربانی کی خدمت انجام دی اور اسی ملازمت کے دوران وہ اپنے شوق علم کی خوراک بھی مہیا کرتے رہے راتوں کو چوکی داری کے ساتھ دروازے پر رکھے ہوئے چراغ کی روشنی میں اسباق کا مطالعہ بھی کرتے۔ (تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، ۴۱۰-۴۰۱ھ، ص: ۱۳۵، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، للسبکی، ج: ۳، ص: ۲۶)

اس غربت میں بھی امام نے صبر و استقلال اور علو ہمت کا وہ بہترین نمونہ پیش کیا جس کی مثال کم یاب ہے تحصیل علم کی اس ذوق کو ہمیں اپنی زندگی میں داخل کرنے کی ضرورت ہے۔

ظاہری و باطنی علوم سے سرفرازی: سلیم رازی فرماتے ہیں کہ انھوں نے سترہ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ دیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی تعلیم شروع ہی سے عمدہ اور اعلیٰ خطوط پر ہوئی۔ نوجوانی میں ۳۶۴ھ میں بغداد تشریف لائے، آپ نے فقہ کی تعلیم امام ابو الحسن المرزبان بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، للسبکی، ج: ۳، ص: ۲۶)

لیکن ان سے اکتساب فیض کی یہ مدت بڑی مختصر رہی کیوں کہ ۳۶۶ھ میں شیخ کا انتقال ہوگیا ان کے بعد امام ابو القاسم الدارکی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۳۷۵ھ) سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ (البدایۃ والنھایۃ، ج: ۶، جز: ۱۲، ص: ۳۰)

ان کے علاوہ انھوں نے بغداد کے دوسرے فقہا اور ائمہ سے بھی تعلیم حاصل کی۔ نہایت تیزی کے ساتھ آپ نے ظاہری و باطنی علوم حاصل کر لیے، علم کی جستجو اور انہماک ہی ان کی زندگی تھی وہ یکسو ہو کر اپنے شیوخ سے اس طرح استفادہ کرتے کہ تنگی داماں کی شکایت نہ رہتی۔ وہ خود فرماتے تھے کہ جب بھی کسی علم و نظر کی مجلس سے اٹھا تو کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ جو کچھ مجھے یاد

رکھنا چاہیے تھا وہ یاد نہ رکھ سکا۔

علم حدیث میں انھوں نے امام ابن عبدک اسفرائنی کے علاوہ امام عبد اللہ بن عدی، امام ابو بکر اسماعیلی جرجانی، امام ابوالحسن دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کیا گو انھوں نے احادیث کی روایت بہت کم کی مگر علم حدیث میں بھی اس درجہ کو پہنچے کہ امام اصحاب حدیث کہلائے۔

نامور محدثین وفقہا سے استفادہ کے بعد وہ علم وفضل کے اس بلند مقام پر فائز ہوئے کہ انھیں یکتائے روزگار کہا گیا۔ وہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز اور مرجع وماویٰ بن گئے، شیخ ابو اسحاق شیرازی نے اپنی طبقات میں لکھا ہے کہ مکتب شافعی کی ریاست ان پر ختم تھی۔ دین و دنیا، جامعیت و ریاست کا تذکرہ سبھی تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ امام سبکی نے ان کی شان میں حافظ المذہب، امام مذہب، علم کا کوہ رفیع اور امت کا ایک جید ترین عالم القاب نقل کیے ہیں۔

عوام وخواص اور علما و حکمراں سب کی نظروں میں وہ صاحب وجاہت تھے بلکہ خطیب بغدادی کے الفاظ میں ”ان کا رعب و دبدبہ بڑی شان کا تھا۔“ ان کی وجاہت اور رعب و دبدبہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک بار انھوں نے خلیفہ وقت کو لکھا کہ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس منصب پر فائز کیا ہے اس سے آپ مجھے معزول نہیں کر سکتے جب کہ مجھے یہ طاقت بخشی گئی ہے کہ میں خراسان سے چند الفاظ لکھ کر آپ کو خلافت کے عہدہ سے سبک دوش کر سکتا ہوں۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، للسبکی، ج:۳، ص:۲۶)

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ وہ فقیہ، امام، جلیل اور نبیل تھے۔

امام نووی کی رائے یہ ہے کہ امام اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ ہی سے عراق کے شوافع کے مسلک کو فروغ عام حاصل ہوا۔

اپنے زمانے کے احناف کے امام اور نام ور فقیہ امام ابوالحسن قدوری رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہم عصر تھے اور باوجود معاصرت اور اختلاف مذہب کے وہ امام اسفرئنی کی بہت تعظیم کرتے اور سارے فقہاے عصر پر ان کو فوقیت دیتے اور یہ فرماتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھ کر شافعیہ میں اور کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔

بعض دوسرے حضرات شوافع نے آپ کو شافعی ثانی کہا اور یہ بھی لکھا ہے کہ اگر امام شافعی ان کو دیکھتے تو خوش ہوتے۔

ایک دوسرے نام ور حنفی فقیہ امام عبد اللہ صیمری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام اسفرائنی کی جلالت علمی کے اعتراف میں کہا تھا کہ "میں نے امام ابو حامد اور امام ابوالحسن خزری داؤدی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کسی اور فقیہ کو نہیں دیکھا۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور حدیث ہے: إن اللہ عز و جل یبعث لھذہ الأمۃ علی رأس کلّ مأۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا. (کتاب الملاحم، سنن ابو داؤد، حدیث: ٤٢٩١)

بے شک اللہ عزوجل ہر صدی پر اس امت کے لیے ایسے شخص کو پیدا کرتا ہے جو اس کے لیے دین کی تجدید کرتا ہے۔

بعض علما نے لکھا ہے کہ چوتھی صدی میں اس حدیث کے مصداق امام ابو حامد اسفرائنی ہیں۔

ابن اثیر نے جامع الاصول میں زیادہ صراحت کے ساتھ لکھا کہ امام ابو حامد بقول شافعیہ چوتھی صدی کے مجدد ہیں۔

بہر حال یہ طے ہے کہ ان کے تمام ہم عصروں کو ان کی جلالت علمی، فضیلت ذاتی اور نکتہ آفرینی پر اتفاق تھا۔

شیخ شیرازی اور ابن خلکان نے لکھا ہے کہ جودت فقہ، حسن نظر اور وسعت علم میں ان کے تقدم وفضیلت پر مخالف

وموافق سب متفق تھے۔

اساتذہ: امام ابوالحسن بن مرزبان بغدادی، امام ابوالقاسم دارکی، امام ابن عبدک اسفرائنی، امام عبداللہ بن عدی، امام ابوبکر اسماعیلی جرجانی، امام ابوالحسن دارقطنی رحمۃ اللہ علیہم۔

تلامذہ: ابوحاتم قزوینی، ابواحمد ہروی، ابوالطیب طبری اور ابوالحسن ماوردی، سلیم بن ایوب رازی رحمۃ اللہ علیہم۔

یہ چند اسما پیش کیے گئے ممکن ہے تلاش وجستجو کے بعد مزید اور ملیں۔

بیعت وخلافت: بیعت وخلافت کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔

قلمی جواہر پارے: الاعلام للزرکلی، ج۱، ص:۲۱۱ میں ہے کہ آپ کی تصانیف بہت ہیں ان ہی میں سے "مطول" اصول فقہ میں اور "مختصر" فقہ میں ہے جو "الرونق" کے نام سے موسوم ہے۔

"البستان فی النوادر والغرائب" اور آپ نے "مختصر المزنی" کی تعلیق "التعلیقة الکبری" تقریبا پچاس جلدوں میں تحریر فرمائی۔

تقریبا تمام تذکرہ نگاروں نے ان ہی کتابوں کا ذکر کیا ہے حاجی خلیفہ چلپی نے التعلیقة الکبری فی الفروع کے مکمل نام سے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلک شافعی میں یہ عظیم کتاب ہے۔ اس اجمال کی شرح امام نووی کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جمہور فقہا خصوصاً عراق وخراسان کے فقہاے شافعیہ کی کتابوں کا دارومدار اسفرائنی کی اسی تعلیق پر ہے جو کم وبیش پچاس جلدوں پر محیط ہے۔ اس میں اصول وفروع، فقہا کے مسالک، ان کے مفصل دلائل اور اعتراضوں پر مشتمل نہایت عمدہ بحثیں جمع کر دی گئی ہیں بلا شبہہ اس جیسی اور کوئی کتاب نہیں ہے یہ بے مثل ہے۔ (کشف الظنون، ج:۱، ص:۲۹۵)

البستان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ایک مختصر حجم کی کتاب تھی جس میں نادر اور غریب اقوال تھے۔

(البدایة والنھایة، ج:۶، جز:۱۲، ص:۴، کشف الظنون، ج:۱، ص:۲۴۴، وفیات الاعیان، ج:۱، ص:۷۳)

امام سبکی جن کے تبصرے اپنی جامعیت کے لحاظ سے بہت خوب ہوتے ہیں لکھتے ہیں کہ تصانیف کی شہرت، تلامذہ کی کثرت اور اقوال کی وسعت کے لحاظ سے فقہاے شافعیہ میں امام ابن سریج کے بعد امام ابوحامد جیسا کوئی اور نہ ہوا، بہت سے ائمہ مسلک ایسے ہیں جو ان سے زیادہ جلیل القدر رہیں مگر ان میں خوبیوں کے وہ بیک وقت ایسے جامع نہیں جیسے امام ابن سریج اور امام ابوحامد ہیں۔

امام ابوحامد اسفرائنی کو علم فقہ میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ موجوانی میں بغداد آکر آپ نے علم فقہ سیکھا اور اس میں مہارت حاصل کی یہاں تک کہ اپنے ہم عصروں سے فائق ہو گئے ابوالحسن قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے شافعیہ میں ابوحامد سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔ (االبدایة والنھایة، ج:۶، جز:۱۲، ص:۳)

امام ابوحامد نے تدریس کا سلسلہ شروع کیا آپ کے درس کی بہت شہرت ہوئی یہاں تک کہ آپ کی درس گاہ فیض سے بڑے بڑے جلیل القدر علما پیدا ہوئے مثلاماوردی، رازی، سنجی اور قفال وغیرہ۔ وہ منارہ علم تھے ان سے روشنی حاصل کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے۔ بقول امام شیرازی، روے زمین ان کے شاگردوں سے معمور تھی، بغداد کے فقہا اور ائمہ نے تو عام طور سے ان سے اکتساب فیض کیا۔ ان کی ایک ایک مجلس میں تین تین سو تلامذہ تو عام طور سے شریک ہوا کرتے، کبھی کبھی یہ تعداد سات سو تک پہنچ

جاتی، وہ مسجد عبداللہ بن مبارک میں درس دیتے تھے یہ مسجد قطیعۃ الربیع کے قلب میں واقع ہے۔ (ایضاً، وفیات الاعیان، ج:۱، ص:۷۳)

ان کے شاگردوں کی اس کثرت کو دیکھتے ہوئے ان کے نام شمار نہیں کیے جاسکتے، ان کے درس میں شائقین علم کا ہجوم ان کی علمی جلالت اور فنی کمال بین ثبوت ہے۔

انھوں نے نامور محدثین سے حدیث کی سماعت وروایت کی، اگرچہ ان کی مرویات کی تعداد بہت کم ہے مگر وہ ثقہ تھے اور طبقہ محدثین میں بھی درجہ امامت رکھتے تھے۔

تجدیدی خدمات کا اعتراف: مذہب اسلام کے تعلق سے آپ کی خدمات اور کارناموں کو دیکھ کر آپ کو علمائے کرام نے تجدید والی حدیث کا مصداق بتایا ہے، چناں چہ "مقاصد حسنہ" میں امام سخاوی نے، "جامع الاصول" میں ابن اثیر جزری نے، "مجمع بحار الانوار" میں طاہر محدث پٹنی نے، "مرقاۃ الصعود، تحفۃ المھتدین اور التنبئۃ" میں امام سیوطی نے، "تاریخ دمشق" اور "تبیین کذب المفتری" میں ابن عساکر نے، "امام احمد رضا اور جدید افکار ونظریات" میں مولانا یٰسین اختر مصباحی نے انھیں مجدد شمار کیا ہے۔

زہد وورع: آپ کی دینی اور دنیوی وجاہت کا ذکر خاص طور سے کیا جاتا ہے علما وفضلا کے علاوہ اعیان سلطنت آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، امام اسفرائنی کی زندگی تقویٰ، خداترسی اور زہد وورع کی نمونہ تھی، ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ درس وتدریس کے لیے وقف تھا مگر ہر آن وہ مواخذہ نفس کا عمل پیش نظر رکھتے تھے، کلام کی دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں وہ اس کا بڑا لحاظ رکھتے کہ کہیں کوئی نامناسب بات زبان سے سرزد نہ ہو، سبقت لسانی پر اپنا احتساب کرتے۔ (طبقات الشافعیۃ الکبری، ج:۳، ص:۲۹)

ان اوصاف کے پیش نظر آپ کی شخصیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ذکر الٰہی کا حال یہ تھا کہ جلوتوں کے علاوہ خلوت میں بھی زبان ذکر الٰہی میں مشغول رہتی قلم ہاتھ سے رکھ دیتے تو قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگتے یا پھر تسبیح کا ورد کرتے، راستے سے گزرتے وقت بھی تسبیح وتحمید سے زبان تر رہتی۔ (روضات الجنات ص:۱۸)

وصال پر ملال: ۱۹ر شوال ۴۰۶ھ شنبہ کی شب میں انتقال ہوا، اگلے روز باب حرب کے پیچھے ایک نہایت وسیع میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی، جنازہ میں شرکت کے لیے ایک خلقت امنڈ پڑی تھی، بے شمار لوگ تھے اور شدت غم سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ دن لوگوں کی کثرت گریہ وبکا اور رنج وغم کی شدت کا تھا۔ اسی سے ہی امام اسفرائنی کی مقبولیت اور محبوبیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم وصفات حمیدہ کی بنا پر ہر خاص وعام کے دل میں جاگزیں تھے، نماز جنازہ ابوعبداللہ بن مہتدی خطیب جامع منصور نے پڑھائی، امام خطیب بغدادی بھی اس نماز میں شریک ہوئے۔ تدفین ان کے گھر ہی میں ہوئی پھر چار برس کے بعد ۴۱۰ھ میں مقبرہ باب حرب میں دوبارہ تدفین ہوئی، اس تبدیلی کی وجہ معلوم نہ ہوسکی، امام یافعی کہتے ہیں کہ چار برس کے بعد بھی ان کی میت پر کسی قسم کی بوسیدگی کے آثار نہیں تھے بقول امام یافعی اسے ان کے حق میں کرامت کا ظہور ہی کہیں گے۔ ابن جوزی کا بیان ہے کہ ان کی عمر ۶۱ر برس چند ماہ تھی۔ (طبقات الشافعیہ، ج:۱، ص:۳۹، ۱۴۰ البدایۃ والنھایۃ، ج:۶، جز:۱۲، ص:۴، تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام ۴۱۰-۴۰۱ھ، ص:۱۳۷ وفیات الاعیان، ج:۱، ص:۷۴)

محمد اسرار الحق مصباحی، مظفر پور، جماعت: تخصص فی الحدیث Mo:9198560440

نام: محمد بن طیب بن محمد بن جعفر، کنیت ابوبکر اور لقب سیف السنۃ، لسان الامۃ، فخر الامۃ، عماد الدین ہے۔

سلسلۂ نسب: قاضی ابوبکر محمد بن طیب بن محمد بن جعفر بن قاسم بصری ثم بغدادی

ولادت باسعادت: آپ کی ولادت باسعادت بصرہ میں ۳۳۸ھ کو ہوئی۔ طلب علم کے لیے بغداد تشریف لائے اور اکابر علمائے کرام و محدثین عظام سے اکتساب فیض کیا، پھر بغداد ہی میں سکونت اختیار کرلی اور یہیں آپ کا وصال بھی ہوا۔ (۱)

تحصیل علم: آپ نے اپنے عہد کے نامور فقہا و محدثین کے علاوہ دیگر اکابر علمائے علم و فن سے علوم متداولہ و فنون مروجہ میں غیر معمولی کمال حاصل کیا۔ لیکن علم عقائد و کلام کو دیگر علوم پر ترجیح دی اور اس علم کے حصول میں خاصی توجہ اور توانائی صرف کرکے اس میں مکمل عبور حاصل کیا۔

فقہی و اعتقادی مسلک: مسلک میں امام مالک اور عقائد میں شیخ ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہما کے متبع و پیروکار تھے۔

مشہور اساتذہ: شیخ ابوالحسن اشعری کے تلمیذ رشید ابو عبداللہ محمد بن احمد بن مجاہد طائی سے آپ نے علم کلام حاصل کیا۔ اور ابوبکر بن مالک قطیعی، ابومحمد بن ماسی، ابواحمد حسین بن علی نیشاپوری اور ان کے علاوہ دیگر محدثین سے سماعت حدیث کی۔

حلقۂ درس: جامع منصور میں آپ کا حلقۂ درس قائم ہوتا تھا، جس میں تلامذہ کی بڑی تعداد شریک درس ہوکر سماعت حدیث کرتی تھی۔

مشہور تلامذہ: محدثین کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے حدیث روایت کی، جن میں خاص اسمایہ ہیں: حافظ ابوذر ہروی، ابو جعفر محمد بن احمد سمنانی، قاضی موصل اور حسین بن حاتم اصولی۔ آپ کی روایت کردہ احادیث کی تخریج ابوالفتح محمد بن ابو الفوارس نے کی۔ (۲)

علم و فضل: علم کلام میں اپنے معاصرین علمائے متکلمین و اصولیین میں منفرد و اعلیٰ مقام کے حامل تھے۔ تاریخ بغداد میں ہے: "فأما علم الكلام فكان أعرف الناس به و أحسنهم خاطرا و أجودهم لسانا و أصحهم عبارة" (۳)

تصانیف: خداوند قدوس نے آپ کو تصنیف و تالیف کی بیکراں صلاحیت سے بہرہ مند فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے

اندر تحقیق واستنباط کا ملکہ بدرجۂ اتم موجود تھا۔

چنانچہ خیر الدین زرکلی فرماتے ہیں: كان جيد الاستنباط ،سريع الجواب [۴]

فقہ وحدیث، تصوف وکلام میں متعدّد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اس کے علاوہ فرق باطلہ (معتزلہ، رافضی، خوارج، مرجیہ، حشویہ وغیرھم) کے رد میں بھی تصنیف و تالیف کا خاص اہتمام فرمایا۔ آپ کی مشہور زمانہ تصانیف درج ذیل ہیں:

(١) كيفية الاستشهاد في الرد على أهل الجحد و العناد (٢) دقائق الكلام (٣) نقض النقض (٤) الملل والنحل (٥) الإنصاف فيما يجب و لايجوز فيه الخلاف (٦) هداية المرشدين (٧) إعجاز القرآن (٨) التقريب والإرشاد (٩) الكسب (١٠) مناقب الأئمة الأربعة (١١) كشف أسرار الباطنية (١٢) الاستبصار (١٣) الانتصار للقرآن (١٤) الأصول الكبير في الفقه (١٥) التبصره (١٦) تمهيد الأوائل في تلخيص الدلائل (١٧) الفرق بين معجزات النبيين وكرامات الصالحين . [۵]

قوت حافظہ ووسعت علم: قاضی ابوبکر باقلانی کو خداوند قدوس نے بڑی شان کا حافظہ عطا فرمایا تھا، ذکاوت وذہانت میں بھی امتیازی شان رکھتے تھے۔ ان اوصاف میں آپ اپنے زمانے میں نمایاں ترین اور ضرب المثل تھے۔ [۶]

آپ کا علم اتنا وسیع اور حافظہ اتنا قوی تھا کہ جب کسی فرقہ کے رد میں کتاب لکھتے تو ان کے عقائد واعتراضات اور ان کے جوابات اپنی یادداشت سے تحریر فرماتے تھے، مخالفین کے کتابوں کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ وسعت علم، کثرت مطالعہ اور قوت حافظہ کی وجہ سے آپ کی کتاب نہ چاہتے ہوئے بھی طویل ہوجاتی تھی۔ علی بن محمد حربی مالکی فرماتے ہیں:

"كان القاضي أبو بكر الأشعري يهم بأن يختصر ما يصنفه فلا يقدر على ذلك لسعة علمه و كثرة حفظه و قال: وما صنف أحد خلافا إلا احتاج أن يطالع كتب المخالفين غير القاضي، فإن جميع ما كان يذكر خلاف الناس فيه صنفه من حفظه." [۷]

ابوبکر خوارزمی کا بیان ہے: "كل مصنف ببغداد إنما ينقل من كتب الناس إلى تصانيفه سوى القاضي أبي بكر، فإن صدره يحوي علمه و علم الناس." [۸]

زہد وتقویٰ: قاضی ابوبکر باقلانی اپنے زمانہ کے عظیم متکلّم ومحدث اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ سیرت وکردار میں بھی بہت مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ علم وفضل کے ساتھ زہد وورع میں بھی ممتاز تھے۔ نیز عبادت وریاضت اور تلاوت قرآن سے بڑا شغف رکھتے تھے۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ قاضی ابوبکر بعد نماز عشا بلا ناغہ پابندی کے ساتھ بیس رکعات نفل پڑھتے اور ذکر واذکار سے فراغت کے بعد ۳۵/ ورق اپنی یادداشت اور حافظہ کے مطابق لکھتے پھر نماز فجر کے بعد کسی شاگرد کو پڑھنے کا حکم دیتے اور ضرورت کے مطابق املا کرا کے کچھ حذف واضافہ کرواتے۔ [۹]

آپ کے زہد وتقویٰ اور فضل وکمال کو بیان کرتے ہوئے ابوحاتم محمود بن حسین قزوینی فرماتے ہیں:

"قاضی ابوبکر اشعری باقلانی جتنا زہد و تقویٰ اور فضل و کمال کا اظہار کرتے تھے، اس سے کہیں زیادہ آپ متقی اور پرہیز گار تھے۔

جب اس سلسلے میں آپ سے سوال ہوا تو فرمایا کہ میں زہد و تقویٰ کا اظہار یہود و نصاریٰ کو غضب ناک کرنے کے لیے کرتا ہوں تا کہ وہ علمائے حق کو حقیر نہ جانیں۔"(۱۰)

تجدیدی کارنامے: قاضی ابوبکر باقلانی پوری زندگی فرق باطلہ سے برسرپیکار رہے، آپ کے زمانہ میں رافضی، معتزلی اور خارجی فرقے بام عروج پر تھے، آئے دن عقل و قیاس سے اسلام کے بنیادی عقائد پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے، چنانچہ آپ اہل سنت و جماعت کی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ان باطل فرقوں کے مقابل کھڑے ہوئے اور ان کے تمام اعتراضات کے جوابات میں ایسی کتابیں تحریر کر دیں جن کے تعاقب سے مخالفین علما عاجز رہ گئے، ضرورت کے مطابق ان فرقوں کے بڑے بڑے عالم سے مناظرہ بھی کیا اور انھیں شکستیں بھی دیں۔ اس طرح مسلمانوں کو فرق باطلہ کے گمراہ کن عقائد سے بچا کر ان کے ایمان و عقیدے کی حفاظت فرمائی۔

ابن الاہدل نے فرمایا:

"سیف السنة القاضي أبو بکر محمد بن طیب المشهور بإبن الباقلاني الأصولي الأشعري المالکي مجدد الدین علیٰ راس المائة الرابعة علی الصحیح."(۱۱)

مناظرہ: فن مناظرہ میں ید طولیٰ حاصل تھا، مناظرہ کی وجہ سے معاصرین میں معروف و مشہور تھے۔

آپ بہت ہی حاضر جواب اور زیرک تھے، فرق باطلہ مثلاً: رافضی، معتزلی، خوارج کے بڑے بڑے عالموں سے مناظرہ کیا، بحمدہ تعالیٰ مد مقابل آپ کے انداز بیان، طریق تعبیر اور آپ کی پیش کردہ دلائل و نکات کے جواب سے مبہوت ہو کر اپنی شکست تسلیم کر لیتا۔

مشہور مناظرے: (۱) ابن معلم جو رافضیوں کا شیخ اور متکلّم تھا، ایک دفعہ اپنے شاگردوں کے ساتھ مناظرہ کی مجلس میں آکر بیٹھا تھا، قاضی ابوبکر باقلانی جب وہاں تشریف لائے تو ابن معلم نے اپنے شاگردوں سے کہا: "قد جاء کم الشیطان" دیکھو تمھارے سامنے شیطان حاضر ہو گیا۔ قاضی ابوبکر باقلانی نے دور سے ہی ابن معلم کی بات سن لی، جب مجلس میں آئے تو ابن معلم کی طرف متوجہ ہو کر قرآن کی یہ آیت کریمہ تلاوت کی، (الم تر انا ارسلنا الشیٰطین علی الکٰفرین تؤزهم ازّاً)(۱۲) کیا تم نے نہ دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطان بھیجا کہ وہ انھیں خوب اچھالتے ہیں۔

"إن کنتُ شیطاناً فأنتم کفار و قد أرسلت علیکم" اگر میں تمھارے قول کے مطابق شیطان ہوں تو تم کافر ہو، تمھاری طرف میں بھیجا گیا ہوں۔ یہ سن کر ابن معلم بالکل خاموش ہو گیا۔(۱۳)

(۲) صاحب وفیات الاعیان بیان کرتے ہیں: "ایک دن قاضی ابوبکر اور ابو سعید ہارونی کے درمیان مناظرہ ہوا، تو قاضی ابوبکر نے ایک طویل عبارت پڑھی اور بڑی زوردار گفتگو فرمائی، پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: گواہ ہو جاؤ! اگر اس (ابو

سعید ہارونی) نے میری پیش کردہ عبارت کو بعینہ میری طرح بیان کر دیا تو میں اس کی بات تسلیم کرلوں گا۔

ابو سعید ہارونی نے آپ سے کہا: اگر آپ اپنی پیش کردہ عبارت پہلے کی طرح بعینہ بیان فرمادیں تو میں آپ کی بات تسلیم کر لوں گا۔ چنانچہ آپ نے برجستہ بعینہ پوری عبارت دوبارہ بیان کردی۔ وما توفیقی الا باللہ۔ (۱۴)

(۳) قاضی ابوبکر عضد الدولۃ کی طرف سے شاہ روم کے پاس قاصد بن کر گئے، وہاں چند واقعات پیش آئے۔

(۱) جب بادشاہ کو آپ کی علمی جلالت و شان کی خبر ہوئی تو بادشاہ یہ سمجھ گیا کہ یہ میرے سامنے جھکنے والا نہیں (جیسا کہ اس کے درباری اس کے سامنے جھکا کرتے تھے) غور و فکر کے بعد اس نے اپنا تخت ایک تنگ دروازہ کے سامنے لگوایا تاکہ آپ اندر جھک کر داخل ہوں اور بادشاہ اپنے مقصد میں بھی کامیاب ہو جائے۔ جب آپ دروازہ کے پاس پہنچے تو سارا ماجرا سمجھ گئے، اور الٹے قدم بادشاہ کی طرف پشت کر کے جھک کر داخل ہوئے۔ بادشاہ آپ کی ذہانت و عقل مندی دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔

(۲) ایک دن شاہ روم کے پاس کچھ پادری بیٹھے تھے، قاضی ابوبکر جب وہاں تشریف لائے تو ان لوگوں سے دریافت کیا: "کیف الأھل والأولاد؟" اہل و عیال خیریت سے ہیں؟ بادشاہ نے کہا: "أما علمت أن الراھب یتنزہ عن ھذا" آپ کو معلوم نہیں کہ راہب اس سے محفوظ ہوتے ہیں۔ (یہ شادی نہیں کرتے تو اہل و عیال کیسے ہوں گے؟) آپ نے برجستہ اس سے فرمایا: کیسا گھٹیا اور غلط عقیدہ رکھتے ہو؟ ان راہبوں کو تم اہل و عیال سے بری و محفوظ سمجھتے ہو، اور اللہ رب العزت کو اہل و عیال سے منزہ اور پاک نہیں سمجھتے کہ جس نے تمھیں پیدا کیا اور بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ بادشاہ آپ کی بات سن کر لاجواب ہو گیا۔

(۳) بادشاہ مذکور نے قاضی ابوبکر کو خاموش کرنے کے ارادے سے سوال کیا کہ حضرت عائشہ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ آپ نے جواب دیا کہ جو معاملہ حضرت مریم کے ساتھ پیش آیا، یعنی دونوں کی عفت و پاک دامنی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادی۔

لوگوں نے حضرت مریم اور حضرت عائشہ دونوں پر تہمت لگائی، لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت مریم کو فرزند عطا فرمایا، خرق عادت قوت گویائی سے انھیں سرفراز فرما کر حضرت مریم کی عفت و پاک دامنی لوگوں پر ظاہر کردی لیکن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کو کوئی اولاد عطا نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت نازل فرما کر ان کی پاک دامنی و پارسائی کو ثابت فرما دیا۔ لہٰذا حضرت عائشہ کی عفت و پاک دامنی حضرت مریم سے زیادہ واضح ہے۔ ان باتوں کو سن کر بادشاہ حیرت میں پڑ گیا اور اس کے دل میں آپ کا خوف پیدا ہو گیا۔ (۱۵)

وصال: علم و فن، زہد و تقویٰ اور فکر و دانش کا یہ آفتاب عراق کے تاریخی شہر بغداد میں بروز شنبہ ۲۳/ ذی قعدہ ۴۰۳ھ کو ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ إنّا للہ و إنّا إلیہ راجعون.

آپ کے صاحب زادے حسن نے نماز جنازہ پڑھائی، اولاً جسد خاکی کو آپ کی رہائش گاہ "درب مجوس" میں سپرد خاک کیا گیا، پھر وہاں سے منتقل کر کے قبرستان "باب حرب" میں امام ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی تربت انور کے قریب دفنایا گیا۔ (۱۶)

آپ کے جنازے میں اس وقت کے عظیم علما و دانشوران کے علاوہ عوام کی کثیر تعداد نے بھی شرکت کی۔

ابن عساکر شیخ ابوعبداللہ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ شیخ ابوالفضل تمیمی اپنے احباب و متعلقین اور تلامذہ کے ساتھ ننگے پاؤں آپ کے جنازہ میں شامل ہوئے اور جنازہ کے آگے آگے بلند آواز سے یہ اعلان کرنے کا حکم دیا: ”هذا ناصر السنة والدين ،هذا إمام المسلمين ،هذا الذي كان يذبّ عن الشريعة ألسنة المخالفين ،هذا الذي صنف سبعين ألف ورقة رداً على الملحدين “(۱۷)

”یہ امام المسلمین، ناصر ملت و دین ہیں، یہ وہی ہیں جو شریعت مطہرہ سے مخالفین کے اعتراضات کا دفاع کیا کرتے تھے اور یہ وہی ہیں جنھوں نے ملحدین کے رد میں ۷۰؍ہزار صفحات تحریر فرمائے“۔

اور پھر آپ کی تعزیت میں مسلسل ۳؍دن تک اپنے اصحاب کی معیت میں قبر کے پاس قیام فرمایا۔ شیخ ابوالفضل تمیمی کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کو آپ کی قبر کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

آپ کی شان میں کسی شاعر نے کہا ہے:

انظر إلى جبل تمشي الرجال به
وانظر إلى القبر ما يحوي من الصّلف
وانظر إلى صارم الإسلام منغمدا
وانظر إلى درة الإسلام في الصّدف(۱۸)

ابوالفضل عبیداللہ بن احمد بن علی مقری بیان کرتے ہیں کہ میں قاضی ابوبکر باقلانی کی وفات کے ایک مہینہ بعد ابوعلی بن شاذان اور ابوالقاسم عبیداللہ بن احمد بن عثمان صیرفی کے ساتھ آپ کی قبر پر فاتحہ اور ایصال ثواب کے لیے حاضر ہوا، تلاوت کے ارادہ سے قبر کے پاس رکھا ہوا قرآن اٹھایا اور دل ہی دل میں خدا سے دعا کی، یااللہ! قاضی ابوبکر کی حالت سے ہمیں باخبر فرما، پھر قرآن کھولا تو اس میں یہ لکھا ہوا پایا ”يٰقَوْمِ ارءيتم ان كنتُ على بينة من ربّي واٰتٰني رحمة من عنده فعميت عليكم انلزمكموها وانتم لها كٰرهون “(۱۹)

اے میری قوم! بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی تو تم اس سے اندھے رہے۔ کیا ہم اسے تمھارے گلے چپیٹ دیں اور تم بیزار ہو۔

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بیضاوی بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ جس مسجد میں شریک درس ہوتا ہوں اس کے محراب میں ایک بزرگ ہستی جلوہ افروز ہیں اور ایک دوسرا شخص ان کے سامنے بہترین انداز میں قرآن کی تلاوت کر رہا ہے، میں نے دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ جو محراب میں تشریف فرما ہیں وہ اللہ کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جو حضور کے پاس قرآن پڑھ رہے ہیں وہ قاضی ابوبکر اشعری باقلانی ہیں، یہ حضور سے علم شریعت حاصل کر رہے ہیں۔(۲۰)

ابن عساکر نے ”تبيين كذب المفترى“ میں بیان فرمایا کہ قاضی ابوبکر کی قبر کے سرہانے پتھر پر لکھا تھا:

”هٰذا قبر القاضي الإمام السعيد فخر الأمة ولسان الملة وسيف السنة عماد الدين ناصر الإسلام

أبی بکر محمد بن طیب البصري قدس الله روحه و ألحقه بنبیه محمد صلوات الله علیه وسلامه و یزار و یستسقی و یتبرك به"[21]

مآخذومراجع

[۱] تاریخ الاسلام:ج:۲۸،ص:۸۸،دارالکتاب العربی
[۲] سیر اعلام النبلاء،ج:۱۱،ص:۹۷،داراالکتب العلمیة،بیروت تاریخ الاسلام، ج:۲۸، ص:۸۹، دارالکتاب العربی
[۳] تبیین کذب المفتری،ص:۲۱۷
[٤] الاعلام للزرکلی،ج:۷،ص:٤٦
[٥] مرجع سابق
[٦] سیر اعلام النبلاء،ج:۱۱،ص:۹٦، دارالکتب العلمیة،بیروت
[۷] تاریخ بغداد،ج:٥،ص:۳۸۰،دارالفکر
[۸] مرجع سابق
[۹] مرجع سابق
[۱۰] سیر اعلام النبلاء،ج:۱۱،ص:۹۷،دارالکتب العلمیة،بیروت
[۱۱] شذرات الذهب،ج:۳،ص:۱٦۹، دارالفکر
[۱۲] القرآن الکریم،۱۹/۸۳
[۱۳] تاریخ بغداد،ج:٥،ص:۳۷۹،دارالفکر
[۱٤] وفیات الاعیان،ج:٤،ص:۲٦۹،دارالثقافة و سیر اعلام النبلاء، ج:۱۱،ص:۹۷-۹۸،دارالکتب العلمیة،بیروت
[۱٥] تاریخ الاسلام،ج:۲۸،ص:۸۹،دارالکتاب العربی
[۱٦] تبیین کذب المفتری،ص:۲۲۳
[۱۷] مرجع سابق،ص:۲۲۱
[۱۸] مرجع سابق،ص:۲۲۳-۲۲٤
[۱۹] القرآن الکریم،۱۱/۲۸
[۲۰] تبیین کذب المفتری،ص:۲۲۲
[۲۱] مرجع سابق ص:۲۲۳

محمد شوکت علی، پورنیہ، جماعت: فضیلت Mo: 8573069305

جب جب باطل نے سر اٹھایا تو رب قدیر نے اس کی سرکوبی کے لیے اہل حق کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔ فرعون نے جب دعویٰ "أنا رَبکم الأعلیٰ" کر کے اپنی خدائی کا اعلان عام کیا تو اس کو حق وصداقت کا آئینہ دکھانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ نمرود نے جب خدائی کا دعویٰ کر کے عظمت توحید کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھیج کر اس کی سرکوبی فرمائی۔ دنیا نے دیکھا کہ فرعون باوجود تخت وتاج اور سلطنت وسطوت کے قہر الٰہی کی مار سے بچ نہ سکا اور پروردگار عالم نے اسے دریائے نیل میں غرق فرما کر قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے نشان عبرت بنا دیا۔

نمرود کی سلطنت وحکومت روئے زمین کے کسی خاص خطہ میں محدود نہ تھی بلکہ پورے روئے زمین اس کے تخت وتاج کے زیر نگیں تھیں۔ مگر جب قدرت کا دست انتقام اٹھا تو ایک معمولی سے مچھر کے ذریعہ وہ کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا۔

سرور کائنات محمد عربی روحی فدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ورسالت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب کسی طرح کا کوئی نبی قیامت تک پیدا نہیں ہو سکتا۔ مگر فتنے کل بھی پیدا ہو رہے تھے اور آج بھی پیدا ہو رہے ہیں، اس لیے ان فتنوں کی سرکوبی کے لیے علمائے کرام کو انبیا کا وارث بنا کر اس عظیم کام کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی گئی۔

رب قدیر ہر صدی میں ایسے نابغۂ روزگار شخصیتوں کو پیدا فرماتا ہے جو اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر دین میں پیدا شدہ خرابیوں کی اصلاح کرتی ہیں، سنتوں کو زندہ کرتی ہیں، بدعات کا استیصال کرتی ہیں، اور منکرات پر قدغن لگاتی ہیں، انھیں عظیم الشان اور یکتائے روزگار شخصیتوں میں چوتھی صدی کی ایک اہم شخصیت امیر المؤمنین خلیفۂ وقت حضرت ابوالعباس احمد بن مقتدر الملقب بہ قادر باللہ کی بھی ہے۔

نام ولقب: آپ کا اسم گرامی احمد، کنیت: ابوالعباس اور لقب قادر باللہ ہے۔

ولادت: ۳۳۶ھ میں ایک شاہی خاندان میں آپ پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ کا نام دمنہ ہے اور والد کا نام مقتدر باللہ ہے۔

نسب نامہ: حضرت ابوالعباس احمد ملقب بہ قادر باللہ، بن ابوالفضل ملقب بہ مقتدر باللہ، بن ابوالعباس احمد ملقب بہ معتضد باللہ، بن موفق بن جعفر ملقب بہ متوکل علی اللہ، بن ابوالاسحٰق محمد ملقب بہ معتصم باللہ، بن ہارون ملقب بہ رشید، بن محمد ملقب

بہ مہدی، بن ابو جعفر عبداللہ ملقب بہ منصور، بن محمد، بن علی، بن عبداللہ، بن عباس، بن عبدالمطلب اس طرح آپ کا سلسلۂ نسب تیرہ واسطوں سے حضرت عبدالمطلب تک پہنچتا ہے۔

خاندانی پس منظر: حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد آپ کے خلف الصدق حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ چوں کہ سیاسی جھگڑوں سے بالکل کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اس لیے لوگوں نے حضرت محمد بن حنفیہ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ آپ حضرت فاطمہ کے علاوہ حضرت علی کی دوسری بیوی سے ہیں، لہذا سلسلۂ خلافت فاطمی اہل بیت سے علویوں کی جانب منتقل ہو گیا۔ حضرت محمد بن حنفیہ نہایت عبادت گزار، نیک طینت اور پاکیزہ اخلاق و کردار کے حامل تھے آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے ابوہاشم عبداللہ آپ کے جانشیں ہوئے۔ اتفاق سے ان کو ایک ایسے مقام (حمیمہ ملک شام) میں مرض الموت پیش آگیا جہاں حضرت عباس کی اولاد کے سوا کوئی دوسرا رکن اہل بیت موجود نہ تھا۔ اور یہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پوتے محمد بن علی تھے۔ لہذا ابوہاشم نے یہ امانت محمد بن علی کے سپرد کر کے ان کو اپنا جانشیں بنایا اور اپنے خراسانی اتباع وانصار کو وصیت کی کہ میرے بعد محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس میرے جانشیں ہوں گے۔ تم لوگ ان کی طرف رجوع کرنا!

اس وصیت کے مطابق ابوہاشم کی وفات کے بعد خراسانیوں نے محمد بن علی کے دست پر بیعت کی۔ اس طرح خلافت وامامت کا استحقاق حضرت علی کی اولاد سے حضرت عباس کی اولاد میں منتقل ہوا اور یہیں سے عباسی حکومت کا آغاز ہوا۔

تخت نشینی: چوں کہ آپ ایک شاہی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے آپ کی تعلیم و تربیت بھی اسی انداز سے ہوئی۔ آپ کو علم فقہ میں بڑا درک اور کمال حاصل تھا۔ یہاں تک کہ بعض حضرات آپ کو تفقہ میں علامہ ابی بشر الہروی الشافعی پر ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کی جودت طبع، خداداد ذہانت و ذکاوت، علمی گہرائی و گیرائی، تقویٰ و پرہیز گاری اور کمال دانش مندی و خوش اخلاقی کو دیکھتے ہوئے امرائے بغداد نے آپ کو خلافت کے لیے نامزد کر دیا تھا۔ نامزدگی کے وقت آپ بغداد کے بجائے مقام بطیحہ میں موجود تھے۔ اراکین سلطنت آپ کو لینے کے لیے وہاں پہنچے اور نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ لا کر ۳۸۱ھ میں آپ کو مسند خلافت پر بٹھایا۔ مسند نشینی کے وقت آپ کی عمر مبارک ۴۵ سال تھی۔ آپ کی حکمت و دانائی سے عباسی خلافت کا کھوئی ہوئی عظمتِ رفتہ دوبارہ بحال ہو گئی ابتداءً سلطنت کے امور بہاء الدولہ انجام دیتا رہا آپ صرف نام کے خلیفہ تھے امور مملکت میں کوئی دخل نہیں دے سکتے تھے مگر چوں کہ آپ نہایت ذہین، فطین اور زیرک و دانا تھے اس لیے آپ نے حسن تدبیر سے کام لینا شروع کیا۔ آپ نے علما کو وہ مقام و مرتبہ دیا جس کے وہ حقدار تھے، رعایا کے بھلائی کے کام بہاء الدولہ سے کہہ کر کروائے، جس کی وجہ سے آپ رعایا کے درمیان کافی مقبول اور معزز ہو گئے۔ امرا اور حکام پر بھی اس کا اثر ہونے لگا آپ نے حسن تدبیر و سیاست دانی سے خلافت میں ایک نئی روح پھونک دی۔ چناں چہ رفتہ رفتہ سارے اختیارات بہاء الدولہ سے آپ کے ہاتھ میں آگئے، آپ کے عہد میں معاشی، اقتصادی، سیاسی، تعلیمی اور مذہبی اعتبار سے بغداد میں کافی ترقی ہوئی دوسرے علاقوں کے حکام سے تعلقات استوار ہوئے۔ (حافظ جلال الدین سیوطی (مترجم ادیبِ شہیر حضرت شمس بریلوی) تاریخ الخلفا، اردو، ص: ۵۳۲، ناشر اسلامک پبلیشر دہلی، سن طباعت: ۱۴۲۴ھ)

محمود غزنوی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے تقریباً سولہ سترہ مرتبہ ہندوستان پر حملہ کیا بالآخر وہ فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوا، وہ جس خطے کا بھی رخ کرتا آبادیوں کی آبادیاں سر کرتا چلا جاتا۔ تاریخی دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ محمود غزنوی اور حضرت قادر باللہ کے درمیان کافی مستحکم و مضبوط تعلقات تھے۔ ۳۸۹ھ میں محمود غزنوی نے قادر باللہ سے خراسان اور دوسرے مقبوضات کے صداقت ناموں اور فرمان حکومت کی درخواست کی۔ اس کی درخواست پر قادر باللہ نے اسے لواء خلعت اور یمین الدولہ اور امین الملت والی امیر المومنین کا لقب عطا کیا۔ (زین الاخبار گرویزی، ص:۶۲)

بعض تاریخ نویسوں کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمود غزنوی اور خلیفہ قادر باللہ کے درمیان کچھ چپقلش بھی ہوئی اس کی تفصیل یہ ہے کہ محمود نے خلیفہ قادر باللہ کو لکھا کہ خراسان کا بڑا حصہ میرے قبضہ میں آچکا ہے کچھ علاقہ آپ کے غلاموں کے پاس ہے جو مجھے مرحمت فرمائیں۔ قادر نے اس کی درخواست منظور کرلی اور مطلوبہ حصہ محمود کو دلادیا، چند دنوں کے بعد پھر اس نے سمرقند کی خواہش کی خلیفہ قادر باللہ نے اس سے انکار کردیا اور کہلا بھیجا کہ اگر میری اجازت کے بغیر تم نے سمرقند کی طرف قدم بڑھایا تو ساری دنیائے اسلام کو تمھارے خلاف کردوں گا، محمود اس جواب سے بگڑ گیا اور بغدادی قاصد سے کہا کیا تم چاہتے ہو کہ ایک ہزار ہاتھیوں سے بغداد پر حملہ کرکے اسے برباد کردوں اور خاک ہاتھیوں پر لاد کر غزنین لے آؤں۔ قاصد نے واپس جاکر خلیفہ قادر باللہ کو یہ جواب سنایا، اس کے جواب میں خلیفہ قادر باللہ نے لکھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الم، الحمدللہ رب العلمین، والصلوۃ علی رسولہ واٰلہ اجمعین. محمود کے درباریوں میں سے کوئی تحریر کا مطلب نہ سمجھ سکا خواجہ ابوبکر قہستانی اس مطلب کو سمجھ گئے انھوں نے کہا: کہ حضور نے ہاتھیوں سے بغداد پر حملہ کرنے کی دھمکی دی ہے؛ اس لیے اس کے جواب میں "الم" سے "الم تر کیف فعل ربك باصحٰب الفیل" کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سن کر محمود بہت گھبرایا اور رونے لگا اور قاصد سے اپنی گستاخی کی معذرت کرکے ہدایا و تحائف دے کر اس کو بغداد واپس کیا۔ (ماخوذ از تاریخ فرشتہ، جلد اول، ص:۹)

اوصاف وکمالات: حضرت خلیفہ قادر باللہ عقلمند و دانا خلیفہ تھے، بقول علامہ ابن خلدون دیلم اور ترک کے دلوں میں آپ کے رعب کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: "قادر باللہ صاحب دیانت و سیاست تھے تہجد آپ نے کبھی قضا نہیں کی، صدقہ و خیرات خوب کرتے، حسن طریقت میں بھی یکتائے روزگار تھے۔

خلافت بنی عباس کے آپ وہ اول خلیفہ ہیں کہ جس نے تصنیف کی طرف توجہ کی، چناں چہ عصری تقاضوں کو مد نظر رکھ کر فضائل صحابہ، تکفیر معتزلہ اور مسئلۂ خلق قرآن پر کتابیں تحریر فرمائیں۔ آپ کی کتابیں جامع مسجد مہدی میں ہر جمعہ کے دن اصحاب حدیث کے حلقہ میں پڑھی جاتی تھیں۔ (حافظ جلال الدین سیوطی (مترجم ادیب شہیر حضرت شمس بریلوی) تاریخ الخلفاء، اردو، ص:۵۳۲، ناشر اسلامک پبلشر دہلی ۱۴۲۴ھ)

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ علم کے ساتھ ساتھ وہ باعمل بھی تھے ان کی سعادت دینداری، تہجد گزاری، نیکیاں اور صدقات و خیرات کی کثرت وغیرہ خوبیاں اس قدر مشہور تھیں کہ ان سے ہر شخص واقف تھا۔ (خطیب، جلد: سوم، ص:۳۷)

خطیب بغدادی دوسری جگہ لکھتے ہیں وہ (قادر باللہ) حکومت کی صلاحیت رکھتے تھے، حسن سیرت اور حسن اطوار میں ممتاز

تھے۔سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مذہبی عقائد بھی نہایت اچھے تھے۔(ایضاً)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ حلیم الطبع، کریم النفس تھے، بھلائی اور نیکیوں کو محبوب رکھتے تھے، نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے۔(مصنف ابوبکر خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، جلد: چہارم، ص: ۳۷، ناشر: مکتبۃ الخانجی، القاہرہ)

سخاوت: سخاوت میں قادر باللہ بہت بڑھے ہوئے تھے حتیٰ کہ اپنی افطاری تک کے تین حصے کرتے تھے، دو حصے جامع رصافہ اور بغداد کے مساکین کو بھیج دیتے تھے اور ایک حصہ اپنے لیے رکھتے تھے۔ایک مرتبہ ایک نوجوان نے کھانا لینے سے انکار کیا اور تھوڑی دیر کے بعد مسجد کے دروازے پر دوسروں سے مانگ کر چند ٹکڑے حاصل کیے۔یہ دیکھ کر شاہی فراش نے اس سے کہا کہ تجھ کو شرم نہیں آتی کہ خدا کا خلیفہ تیرے لیے رزق حلال بھیجتا ہے اس کے لینے سے تو نے انکار کیا اور در در مانگ کر کھاتا ہے۔اس نے جواب دیا کہ" میں نے اس لیے واپس کیا تھا کہ تم نے مغرب سے پہلے کھانا پیش کیا تھا جس وقت مجھ کو اس کی ضرورت نہ تھی۔جب اس کی حاجت ہوئی تو مانگ کر کھایا، فراش نے واپس جاکر یہ واقعہ حضرت قادر باللہ سے بیان کیا۔وہ سن کر رونے لگے اور فرمایا: ایسے لوگوں کا لحاظ رکھا کرو اور ان کے کھانا قبول کرنے کو غنیمت سمجھو اور افطار کے وقت تک ٹھہرے رہا کرو۔

(مصنف علامہ ابن اثیر۔ابن اثیر: جلد سوم، ص: ۱۴۴۔ناشر: دار الکتاب العربی، بیروت)

عدالت: قیام عدل میں اتنا اہتمام تھا کہ بڑے بڑے ارکان دولت بھی کسی پر زیادتی نہ کر سکتے تھے۔قاضئ بغداد حسین بن ہارون کا بیان ہے کہ کرخ میں ایک یتیم کی قیمتی جائداد محکمہ قضا کی تولیت میں تھی حضرت قادر باللہ کے حاجب کے بعض احباب اس کو خریدنا چاہتے تھے۔حاجب نے مجھ سے کہلا بھیجا کہ میں جائداد کو قضا کی تولیت سے آزاد کردوں تاکہ وہ من مانی قیمت پر خرید لیں میں نے اس کی تعمیل نہیں کی، حاجب نے مجھ کو بلا بھیجا مجھے بڑا خوف پیدا ہوا اور جانے کا وعدہ کر کے حاجب کے شر سے بچنے کے لیے معروف کرخی کے مزار پر دعا کے لیے چلا گیا۔یہاں ایک درویش بیٹھا تھا اس نے پوچھا: کس کے لیے بددعا کرتے ہو؟ میں نے واقعہ بیان کیا۔یہاں سے واپس ہو کر حاجب کے گھر پہنچا، وہ دیکھتے ہی برس پڑا۔بڑے نازیبا الفاظ استعمال کیے اور میرا کوئی عذر نہ سنا۔اتنے میں ایک نوجوان نے ایک رقعہ لاکر حاجب کو دیا اسے پڑھ کر اس کا رنگ اڑ گیا اس نے مجھ سے معذرت چاہی اور پوچھا: کیا آپ نے خلیفہ کو اس واقعہ کی خبر کر دی تھی؟ میں نے انکار کیا بعد میں معلوم ہوا کہ جو درویش معروف کرخی کے مزار پر تھے وہ خود حضرت قادر باللہ تھے۔(ایضاً)

تجدیدی کارنامے: عباسی دور حکومت میں نئے نئے فتنے سر اٹھانے لگے، خدا بیزاری عام ہونے لگی، نفس پرستی اور خود پسندی میں خلقِ خدا گرفتار ہونے لگے، دین سے دور ہونے لگے، نئے نئے باطل فرقے سر اٹھانے لگے۔مگر جب حضرت قادر باللہ رحمۃ اللہ علیہ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو آپ نے ان تمام فتنوں کا انتہائی پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ پوری دیانت کے ساتھ انجام دیا۔آپ کے عہد میں کافی علمی ترقی ہوئی۔آپ احکام شریعت کے مطابق امور سلطنت انجام دیتے۔گو کہ خلافت عباسی کا دائرہ محدود تھا مگر علما کی قدردانی اور عزت افزائی کا بڑا خیال کیا جاتا انھیں مال و دولت سے نوازا جاتا جس کی وجہ سے آپ کی عہد مبارک میں کافی علمی ترقی ہوئی اور کثرت سے علما اور فضلا پیدا ہوئے۔

(مصنف حافظ جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفا، ص:۲۸۸، ناشر: تجار الکتب)

اسی عہد میں شیعیت کا فتنہ اٹھا۔ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابۂ کرام کی شان میں تبرا کہتے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے مختلف ہتھ کنڈے استعمال کرتے جس کی وجہ سے بہت سارے لوگ ان کے فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ ۳۹۸ھ میں بغداد میں شیعوں اور سنیوں میں زبردست فساد ہوا۔ رافضیوں نے یا حاکم یا منصور کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ قادر باللہ نے بڑی مشکل سے اس فساد کو دفع کیا اور جو اہل فارس حضرت قادر باللہ کی حفاظت کے لیے موجود تھے ان کو اہل سنت کی مدد کے لیے بھیجا اور انھوں نے شیعوں کی سرکوبی کر کے اس فتنہ کو ختم کیا، یہ حضرت قادر باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتہائی اہم تجدیدی کارنامہ ہے۔

(حافظ جلال الدین سیوطی (مترجم ادیب شہیر حضرت شمس بریلوی) تاریخ الخلفا، اردو، ص:۵۳۴، ناشر اسلامک پبلیشر دہلی، سن طباعت: ۱۴۲۴ھ)

آپ کے عہد مبارک میں گو کہ فرقہ ہائے باطلہ کے بڑے بڑے سربرآوردہ افراد موجود تھے جن میں رئیس معتزلہ قاضی عبدالجبار، رئیس روافض شیخ مفید، رئیس فرقہ مراکیہ محمد بن الہیثم اور زندیقوں کا پیشوا حاکم بامر اللہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں مگر حضرت قادر باللہ کا رعب و دبدبہ اور جاہ و جلال اس قدر تھا کہ یہ لوگ سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکے۔ (ایضًا)

آپ کے عہد میں ہونے والے نئے کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ "عظیم کتب خانہ" کا قیام ہے کرخ میں ۳۸۲ھ میں آپ کے وزیر ابونصر سابور اردشیر نے عظیم الشان کتب خانے کی عمارت تعمیر کی اور اس کا نام دار العلم رکھا اس نے اس میں جملہ علوم و فنون کی کتابوں کا معتدبہ ذخیرہ جمع کیا اور انتظام کے لیے علما کی ایک مجلس بنائی اور اسے وقف کر دیا۔ (حوالۂ سابق، ص:۵۳۵)

۳۹۵ھ میں ایک حاکم نے مصر میں عمائد و اشراف کی ایک جماعت کو قتل کرا دیا اس کی جرأت اتنی بڑھی کہ مسجدوں کے دروازوں اور شاہراہوں پر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی شان میں گستاخانہ کلمات لکھوائے اور عمال کو حکم دیا کہ صحابۂ کرام کو گالیاں دلواؤ۔ ۳۹۶ھ میں حاکم نے تمام قلمروں میں یہ حکم عام دے دیا کہ جس جگہ یا جس مقام پر میرا نام لیا جائے بازار ہو یا جلسہ عام سننے والا ادب و تعظیم کے لیے کھڑا ہو جائے اور سجدہ کرے۔

تاریخ الخلفا میں مذکور ہے "امر الناس بمصر والحرمین اذا ذکر الحاکم أن یقوموا و یسجدوا" آپ نے ان تمام خرابیوں کی انتہائی حکمت و دانائی کے ساتھ اصلاح کی اور ان کا استیصال کیا۔ (ماخوذ تاریخ الخلفا اردو ص:۵۳۴) مختلف اقوام و مذاہب کے اختلاط کی وجہ سے بغداد ہر قسم کے عقائد و خیالات کا مرکز بن گیا تھا جس سے مسلمان بھی متأثر ہو رہے تھے۔ حضرت قادر باللہ نے اپنی دانائی و ہنرمندی سے اس کی اصلاح کی اور ۴۰۸ھ میں محمود غزنوی کو احیاے سنت کا حکم دیا اس نے سختی سے اس پر عمل کیا۔ (ماخوذ ابن اثیر، جلد ۹، ص:۴۴)

وفات: ۴۲۱ھ میں حضرت قادر باللہ بہت سخت بیمار پڑے اور زندگی سے مایوس ہو گئے؛ اس لیے اپنے لڑکے ابو جعفر عبداللہ کو ولی عہد نامزد کر کے مراسم ولی عہدی ادا کر دیے۔ اس کے ایک سال کے بعد شب دوشنبہ ۱۱ر ذی الحجہ ۴۲۲ھ میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۸۷ر سال کی تھی۔ مدت خلافت ۴۱ر سال، حکومت کا اتنا طویل زمانہ ان کے پیش رؤں میں سے کسی کو نہ ملا تھا۔ (ماخوذ تاریخ الخلفا (اردو) ص: ۵۳۵)

پانچویں صدی
کے
مجدّدین
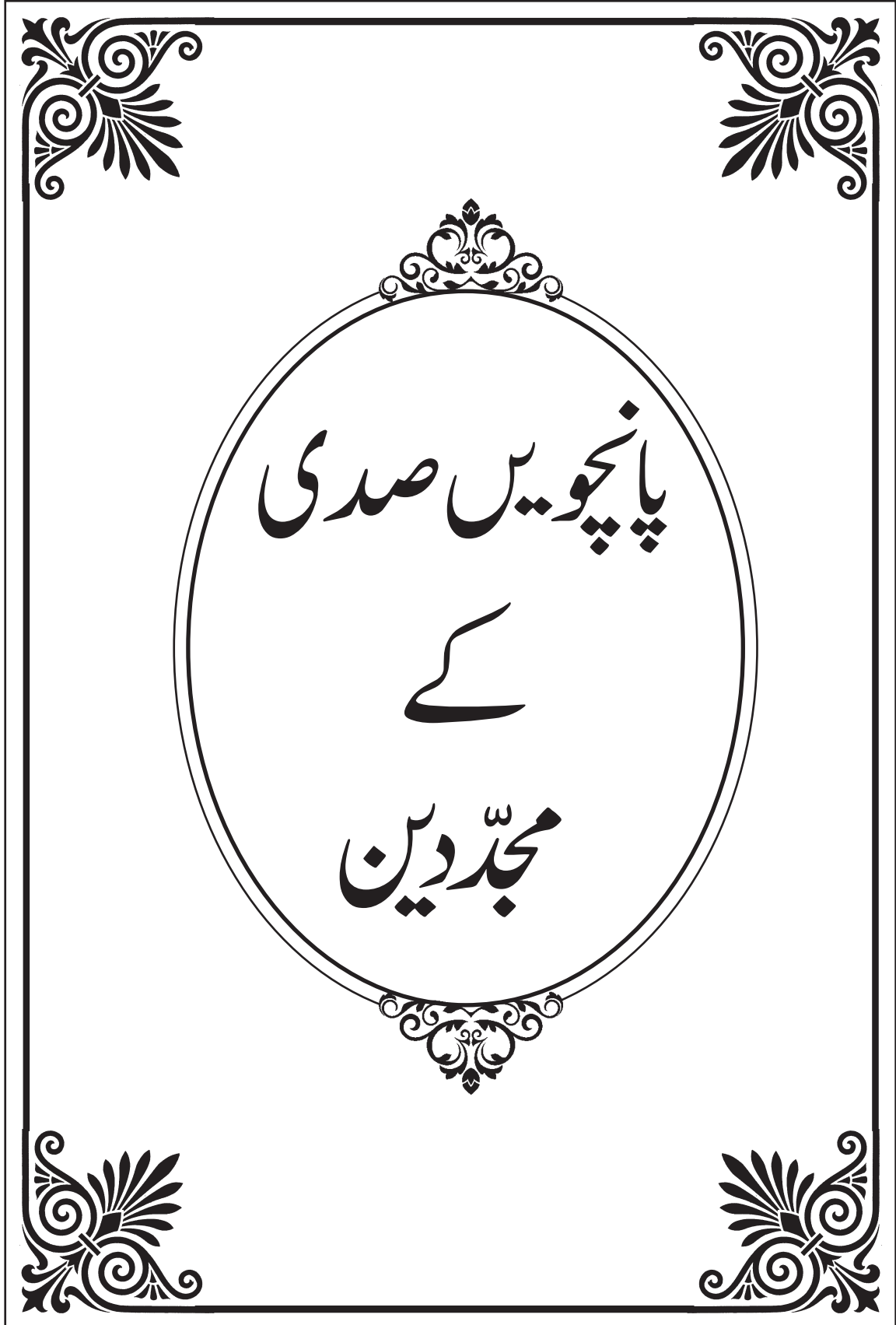
پانچویں صدی کے مجددین

- ★ حضرت امام محمد بن محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت ابو محمد حسین بن مسعود بغوی فرا رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت ابو العباس احمد بن مقتدی خلیفہ مستظہر باللہ رحمۃ اللہ علیہ

محمد ابوہریرہ رضوی، رام گڑھ، (جھارکھنڈ) جماعت: سادسہ Mo:9889283697

ابو حامد محمد بن محمد غزالی اس عبقری شخصیت کا نام ہے جنھوں نے اپنے عہد میں اصلاح امت اور احیاے شریعت کا گراں قدر فریضہ انجام دیا۔ عقائد و اعمال کی اصلاح، فرق باطلہ کے خلاف جہاد اور معاصر فلاسفہ کے گمراہ کن نظریات کے خلاف معرکہ آرائی جیسے متعدّد تجدیدی کارناموں نے انھیں ''پانچویں صدی کے مجدد'' کی حیثیت سے متعارف کرایا اور ''حجۃ الاسلام'' اور ''محی علوم الدین'' کے لقب سے یاد کیے گئے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۴۵۰ھ مطابق ۱۰۵۸ء میں خراسان کے ایک ضلع ''طوس'' کے علاقے ''طابران'' میں ہوئی۔ آپ کے والد ''غزال'' یعنی پنبہ فروش تھے، اسی مناسبت سے آپ ''غزالی'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

نام و نسب: محمد بن محمد بن محمد بن احمد غزالی طوسی۔ کنیت: ابو حامد۔

القاب: حجۃ الاسلام، محی علوم الدین، مجدد قرن خامس وغیرہ۔

تحصیل علم: آپ کے والد ماجد ایک دین دار اور خدا ترس انسان تھے، علم و علما کی صحبت اور فقہ و وعظ کی محفلوں میں شرکت سے ان کو بڑی انسیت تھی، باضابطہ عالم تو نہ تھے البتہ اپنے دونوں بیٹوں (''محمد'' اور ''احمد'') کو عالم دین بنانے کی بڑی تڑپ تھی، چناں چہ دونوں کی ولادت سے قبل آپ بارہا یہ دعا کیا کرتے تھے:

''اللّٰھمّ! ارزقنا ابناً فقیھاً، اللّٰھمّ! ارزقنا ابناً واعظاً''۔ اے اللہ! ہمیں ایک فقیہ لڑکا عطا فرما، اے اللہ! ہمیں ایک وعظ کرنے والا فرزند عطا فرما۔ (منہاج العابدین الی جنۃ رب العالمین، ص:۱۲۶، مطبوعہ مجلس برکات، اشرفیہ مبارک پور، طبعۂ اولی: ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء)

آپ کی یہ دعا باب اجابت سے ٹکرائی اور محمد غزالی میدان فقہ کے شہ سوار ثابت ہوئے اور احمد غزالی نے اپنے وعظ و نصیحت کے ذریعے ہدایت کا پرچم بلند کیا۔ دنیا سے جاتے وقت والد گرامی نے اپنی آرزؤں کی تکمیل کے لیے اپنے ایک صوفی مشرف دوست شیخ احمد بن راذکانی کو بلا کر وصیت کی کہ میری جو بھی مختصر سی پونجی ہے وہ سب ان دونوں کی تعلیم و تربیت پر خرچ کر دینا۔

دوست نے بھی دوستی کا پاس و لحاظ رکھا اور جب یہ معمولی رقم ان کی تعلیم کے لیے ناکافی ثابت ہوئی، تو اپنے جیب خاص سے خرچ کر کے انھیں پروان چڑھایا، تعلیم دی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے طوس کے مدرسے میں داخل کرا دیا۔ اس کے بعد طوس

سے چند ساتھیوں کے ہمراہ جرجان پہنچے۔ وہاں شیخ ابونصر اسماعیلی کی خدمت میں زانوے تلمذ تہ کیا۔ پھر نیشاپور پہنچ کر امام الحرمین ابوالمعالی علامہ جوینی کی خدمت میں آئے جو اس وقت مدرسہ نظامیہ میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز تھے۔ ۲۸/ سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ میں کمال حاصل کر لیا۔

تدریس: جب آپ کے استاذ امام الحرمین کا وصال ہوا تو ان کے جانشین کی ضرورت پیش آئی، نظریں آپ کی طرف اٹھیں، مگر وقت کے علما پر اپنی فوقیت ثابت کیے بغیر یہ عہدہ خالی نہ تھا، چناں چہ آپ نے بغداد میں موجود اصحاب علم و فن سے مناظرہ و مباحثہ کر کے اس طرح کی تمام مجلسوں میں اپنے مد مقابل کو شکست دیتے ہوئے صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ ۴۷۸ھ سے ۴۸۴ھ تک مدرسہ نظامیہ نیشاپور میں "مدرس اعلیٰ" کا عہدہ سنبھالا، پھر ۴۸۴ھ میں شیخ حسین بن علی طبری کے انتقال کے بعد نظام الملک کی خواہش پر مدرسہ نظامیہ بغداد کو بہ حیثیت مدرس اعلیٰ زینت بخشی۔

(منہاج العابدین اردو، مترجم: سعید احمد نقش بندی، ص: ۵،۶ مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

ذہنی کشمکش اور باطنی علوم کی تلاش: علوم و فنون کی تکمیل کے بعد "مدرس اعلیٰ" کے عہدوں پر فائز رہنے اور شہرت کی بلندیوں پر متمکن ہو جانے کے باوجود آپ کو جس باطنی و روحانی راحت کی تلاش تھی وہ حاصل نہ ہو سکی۔ بغداد جو اس وقت مختلف فرقوں، باطل مذاہب کی بے جا مناظروں، مجادلوں کا دنگل بنا ہوا تھا دار الخلافہ پر انتشار فتنہ اور فساد کی کیفیت طاری تھی اس نے آپ کی طبیعت کو اوراچاٹ کر کے رکھ دیا۔ اس وقت بغداد میں چار گروہ تھے: (۱) متکلّمین (۲) باطنیہ (۳) فلاسفہ (۴) صوفیہ۔ آپ نے ان فرقوں کے علوم و عقائد کی تحقیق و تفتیش شروع کر دی۔ اس تحقیق سے اضطراب اور بڑھ گیا، مگر جب تصوف پر موجود کتب کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ صرف علم کافی نہیں بلکہ عمل بھی ضروری ہے۔ اس تحقیق و تفتیش کے دوران شک و ریب اور ذہنی کشمکش کے جن منازل سے آپ گزرے ہیں ان کا ذکر تفصیل سے اپنی کتاب "المنقذ من الضلال و المفصح عن الاحوال" میں کیا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"میں (امام غزالی) نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بغداد کو الوداع کہا، جو کچھ میرے پاس مال و متاع تھا اس میں سے بقدر کفایت رکھ کر سب بانٹ دیا، بغداد سے شام آیا، وہاں دو سال کے قریب رہا، وہاں میرا کام عزلت و خلوت اور مجاہدے کے سوا کچھ نہ تھا، میں نے علم تصوف سے جو کچھ حاصل کیا تھا اس کے متعلق نفس کا تزکیہ، اخلاق کی درستی و تہذیب، ذکر اللہ کے لیے اپنے قلب کو مصفیٰ کرنے میں مشغول رہا، میں مدت تک دمشق کی جامع مسجد میں معتکف رہا، کبھی مسجد کی منارے پر چڑھ جاتا اور تمام دن دروازے بند کیے وہیں بیٹھا رہتا۔

دمشق سے میں بیت المقدس آیا، وہاں بھی روزانہ حجرہ کے اندر چلا جاتا، تمام دروازے بند کر لیتا۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کے بعد طبیعت میں حج و زیارت کا شوق، مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے برکات سے استفادہ کا خیال ہوا۔ چناں چہ میں حجاز گیا، حج کرنے کے بعد اہل و عیال کی کشش اور بچوں کی دعاؤں نے مجھے وطن پہنچا دیا حالاں کہ میں وطن کے نام سے کوسوں دور بھاگتا تھا، وطن میں بھی میں نے تنہائی کا اہتمام رکھا اور قلب کی صفائی سے غافل نہ ہوا، لیکن حوادث و واقعات، اہل و عیال کے افکار، و معاشی

ضروریات طبیعت میں انتشار پیدا کرتی رہتی تھیں۔ دلجمعی اور سکون قلب مسلسل نہیں رہتا تھا۔ لیکن میں اس سے مایوس نہیں ہوتا تھا، وقتاً فوقتاً اس سے لذت یاب ہوتا رہتا تھا۔ دس برس اسی حالت میں گزر گئے۔ ان تنہائیوں میں مجھے جو انکشافات ہوئے، جو کچھ مجھے حاصل ہوا اس کی تفصیل اور اس کا استقصا تو ممکن نہیں، لیکن ناظرین کی نفع کے لیے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیا ہی اللہ کے راستہ کے سالک ہیں۔ ان کی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم، ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔ اگر عقلا کی عقل، حکما کی حکمت اور شریعت کے رمزشناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت واخلاق سے بہتر لانا چاہیں تو ممکن نہیں۔ ان کے تمام ظاہری وباطنی حرکات وسکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نور نبوت سے بڑھ کر روے زمیں پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔(المنقذ من الضلال، ص:۶۱، ۶۲، ناشر: دار الکتب العلمیہ، سن طبع: ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء)

خلوت سے جلوت کی طرف: اب امام غزالی تحقیق وجستجو کے بعد اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ خلوت اور گوشہ نشینی ہی میں عافیت ہے، بقیہ عمر بھی اسی روحانی لذت میں گزار دینا ہے، مگر فطرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، ظاہر ہے کہ اگر علماے ربانیین اس طرح گوشہ نشیں ہونے لگیں گے تو مخلوق خدا کی صحیح رہبری کون کرے گا، علماے سو تو مذہب کا چہرہ ہی مسخ کر ڈالیں گے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذہن خلوت سے جلوت کی طرف پھیر دیا، اس کے بعد خود ان کی طبیعت میں اس بات کا جذبہ پیدا ہوا کہ وہ خلوت سے نکلیں اور درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور اجتماعی زندگی اختیار کریں، خدا کی عطا کردہ نعمتوں، علمی فضل وکمال سے مخلوق خدا کو نفع پہنچائیں کہ یہی عزیمت کا کام ہے، انبیاے کرام علیہم السلام کی نیابت ہے اور وقت کا جبری تقاضا بھی۔ ان احساسات کو خود ان کے لفظوں میں پڑھیے:

"جب میں نے دیکھا کہ لوگوں کے اعتقادات اصل نبوت، حقیقت نبوت اور نبوت کی تعلیمات پر عمل کرنے کے متعلق خراب ہو گئے ہیں اور میں نے مشاہدہ کیا کہ اس سلسلے میں لوگ کئی فرقوں میں بٹ گئے ہیں تو میں نے لوگوں کے اعتقادات کی ذلت اور ان کے ایمان کی کمزوری کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی، تو معلوم ہوا کہ اس فساد دینی واعتقادی کے چار اسباب ہیں :

پہلا: فلسفہ میں انہماک رکھنے والوں کی طرف سے پیدا ہوتا ہے۔

دوسرا: طریق تصوف میں انہماک رکھنے والوں کی طرف سے۔

تیسرا: ان لوگوں کی طرف سے جو امام معصوم سے تحصیل علم کا دعویٰ کرتے ہیں یعنی باطنیہ۔

چوتھا: نام نہاد علما کی کارستانیاں۔

جب میں نے دیکھا کہ مذکورہ اسباب کی بنا پر لوگوں کا ایمان اس درجہ کمزور ہو چکا ہے اور میں نے محسوس کیا کہ میں ان شبہات کی قلعی کھولنے کی صلاحیت رکھتا ہوں؛ کیوں کہ ان لوگوں کا رد میرے لیے پانی کا ایک قطرہ پی لینے سے بھی زیادہ آسان تھا، اس لیے کہ میں ان لوگوں یعنی فلاسفہ، صوفیا، اہل تعلیم اور نام نہاد علما کے علوم اور طرق میں گہری دسترس رکھتا تھا۔ میرے جی میں یہ بات آئی کہ موجودہ وقت اس کام کے لیے متعیّن ہے۔ میرے اندر سے آواز اٹھی کہ تمھیں تنہائی اور گوشہ نشینی کی پڑی

ہے؟ اور بارگاہ خداوندی میں اپنی معذوری کا اقرار کر لیا، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بادشاہ وقت کے دل میں بغیر کسی خارجی تحریک کہ اس بڑھتی ہوئی گمراہی کے سدباب کے لیے خود بخود یہ خیال پیدا ہوا اور انھوں نے بالتاکید مجھے نیشاپور پہنچنے کا حکم دیا۔ اب میرے لیے عذر خواہی کی کوئی سبیل نہ رہی، تو میں نے کچھ اصحاب دل سے مشورہ کیا۔ سب نے بیک زبان گوشہ نشینی کے ترک کا مشورہ دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ خواب میں صالحین کی مسلسل اور متواتر زیارت نے اس خیال کو تقویت بخشی جو اس بات کا ثبوت تھا کہ یہ کام خیر و برکت کا کام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے اختتام پر مقرر فرمادیا ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ہر صدی کے اختتام پر اپنے دین کو تقویت بخشے گا۔

ان شہادات کی روشنی میں امید کی شمع روشن ہوئی، حسن ظن غالب ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ذی قعدہ ۴۹۹ھ میں اس کار خیر کی انجام دہی کے لیے نیشاپور کی طرف کوچ کے اسباب مہیا فرمادیے، میں نے بغداد سے ذی قعدہ ۴۸۸ھ میں کوچ کیا"۔

(المنقذ من الضلال، ص:۷۲۔ تا۔ ۷۶، ملخصا، ناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، اشاعت: ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء)

تجدیدی خدمات: آپ کی پوری زندگی فکر اصلاح امت سے عبارت ہے، ذیل میں ہم ان کی اصلاحی اور تجدیدی کارناموں پر قدرے روشنی ڈالتے ہیں:

فلاسفہ سے معرکہ آرائی: پانچویں صدی ہجری میں فلاسفہ کا دور دورہ تھا، فلسفہ لوگوں کے عقلوں پر اس قدر حاوی ہو گیا تھا کہ وہ اسلام سے متضاد فلسفہ کے افکار و نظریات کو بھی خوشی سے ہضم کیے جا رہے تھے، بلکہ اس کی روشنی میں اسلام کے مستحکم اور مضبوط قوانین تار عنکبوت کی طرح کمزور نظر آ رہے تھے۔ امام غزالی نے فلسفہ کے سارے نشیب و فراز میں در آئی غلطیوں سے پردہ ہٹا کر لوگوں کے ایمان و عقیدے کی حفاظت فرمائی۔

قبل اس کے کہ میں "امام غزالی اور فلسفہ کا رد بلیغ" کے بارے میں گفتگو کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس فلسفہ زدہ ماحول کا ایک منظر نامہ خود امام غزالی کے لفظوں پیش کروں، تا کہ فلسفہ کے رد میں امام غزالی کا اسلوب اور کام کی نوعیت کا ایک واضح خاکہ سامنے آسکے۔ ملاحظہ ہو:

"ہمارے زمانے میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں، جن کو یہ زعم ہے کہ ان کا دل و دماغ عام آدمیوں سے ممتاز ہے۔ یہ لوگ مذہبی احکام و قیود کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انھوں نے سقراط، بقراط، افلاطون کے پر ہیبت نام سنے اور ان کی شان میں ان کے مقلدوں کی مبالغہ آرائیاں اور قصیدہ خوانی سنی، ان کو معلوم ہوا کہ ریاضیات، منطقیات، طبعیات اور الٰہیات میں انھوں نے بڑی موشگافیاں کی ہیں، اور ان کا عقل و ذہن میں کوئی ہمسر نہ تھا۔ اس عالی دماغی اور ذہانت کے ساتھ وہ مذاہب اور ان کی تفصیلات کے منکر تھے۔ اور ان کے نزدیک مذاہب کے اصول و قواعد مصنوع ہیں۔

بس انھوں نے بھی تقلیداً انکار مذہب کو اپنا شعار بنا لیا اور تعلیم یافتہ اور روشن خیال کہلانے کے شوق میں مذاہب کا انکار کرنے لگے، تا کہ ان کی سطح عوام سے بلند سمجھی جائے اور وہ بھی عقلا و حکما کے زمرے میں شمار ہونے لگیں۔

(تہافت الفلاسفہ، ص:۷۷، ناشر: نوری دارالافتا، بلرام پور، اشاعت: ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۳ء)

فلسفہ مذہب اسلام کی جڑوں کو دن بہ دن کھوکھلا کیے جارہا تھا، نت نئے اعتراضات کے ذریعے اسلام کے ماننے والوں کو شک وشبہ میں مبتلا کررکھا تھا، بلکہ کچھ وہ بھولے بھالے بھی تھے جن کی عقل وخرد پر فلسفہ کا خبط اس قدر سوار تھا کہ وہ ایمان سے ہاتھ ہی دھو بیٹھے تھے، اس سے زیادہ حسرت کی بات یہ تھی کہ خود مسلم کہلانے والے حضرات فلسفہ کے افکار ونظریات سے متأثر ہوکر اسلامی افکار کا مذاق اڑارہے تھے۔

ایسے سنگین حالات میں وقت کے علما گو کہ حالات سے نبرد آزما تھے، اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دے رہے تھے اور صفائی کے وکیل بن کر علم کلام کے ذریعے اپنا فریضہ انجام دے رہے تھے مگر ایسے خطرناک حالات میں مدافعانہ کوششوں کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہورہا تھا، ضرورت تھی کہ اقدامی کوشش کرکے دشمن کا زور توڑا جائے اور فلسفہ کی بنیادوں پر ہی تیشہ چلا کر اس کی وہمی فلک کوز میں بوس کردیا جائے، امام غزالی نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر مرض ٹٹول لیا، حالات کے تقاضوں کو سمجھا، فلسفہ کا تنقیدی مطالعہ کیا اور ''مقاصد الفلاسفہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، جو آسان زبان اور سہل پیرائے میں منطق، الٰہیات اور طبعیات کا مجموعہ تھی، پوری غیر جانب داری کے ساتھ فلاسفہ کے نظریات اور مباحث کو مدون کرکے شائع کردیا۔ ساتھ ہی اس کے مقدمے میں اتنی وضاحت بھی ضروری سمجھی: ''ریاضیات میں قیل وقال کی گنجائش نہیں اور دین کا اس سے نفیًا واثباتًا کوئی تعلق نہیں لیکن اصل مذہب کا تصادم الٰہیات سے ہے، منطقیات میں بھی شاذ ونادر غلطیاں ہیں اگر کچھ اختلاف ہے تو اصطلاحات کا، طبعیات میں ضرور حق وباطل کی آمیزش ہے؛ اس لیے اس کا موضوع دراصل الٰہیات اور کسی قدر طبعیات ہے، منطق محض تمہید واصطلاحات کے لیے''۔ (المیزان کا صوفیہ نمبر، ج:۱، ص:۱۷۷، ناشر: صوفی فاؤنڈیشن، دہلی)

ظاہر بیں حضرات نے تو یہ سمجھا کہ یہ کتاب بھی عام کتابوں کی طرح فلسفہ کی ترجمان ہے مگر دور اندیش حضرات نے مقدمے میں مذکور باتوں کو پڑھ کر ہی تاڑ لیا کہ یہ کتاب عام کتاب نہیں بلکہ فلسفہ کی موت کا ایک اشاریہ ہے۔

ہوا بھی یہی کہ اس کتاب کے بعد ایک اور تہلکہ خیز کتاب ''تہافت الفلاسفہ'' کے نام سے آدھمکی۔ یہ کتاب تھی یا زلزلے کا ایک جھٹکا، جس نے ایوان فلاسفہ کے سارے وہمی عمارتوں کو لرزہ براندام کردیا، بلکہ اسے ایک صاف وشفاف آئینہ کہیے جس میں فلسفہ کے چہرے پر لگے سارے داغ دھبے نظر آرہے تھے۔ ایک طرف الٰہیات کی بحث پر کاری ضرب لگائی گئی ہے، تو دوسری طرف طبعیات کی علمی کمزوریوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ امام غزالی کا قلم کبھی فلاسفہ کے استدلالی طریقے کو ضعیف ثابت کرتا ہے تو کبھی فلاسفہ کے باہم تناقض واختلاف کو پوری جرأت وقوت کے ساتھ ظاہر وباہر کرتا ہے۔ لب ولہجہ پر اعتماد، زبان شگفتہ اور دعویٰ دلیل سے مزین ہے۔ کہیں طنزیہ تیر ونشتر بھی چلائے گئے ہیں، مطالعے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ مصنف اوروں کی طرح فلسفہ سے مرعوب نہیں، بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی بات کہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ وجہ تالیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب میں نے یہ رگ حماقت ان بے وقوفوں کی پھڑکتی دیکھی، قدماے فلاسفہ کے رد میں یہ کتاب لکھنے پر کمر ہمت باندھی، اس طرز سے کہ الٰہیات سے متعلق بحثوں میں ان کے نظریات کا تناقض، اور باتوں کا باہمی ٹکراؤ اور ان کی سرحد مذہب کے وہ خلل

وشگاف عیاں کروں، جو علی التحقیق عقلا کے لیے مضحکہ خیز اور سمجھ والوں کے لیے حیرت انگیز ہیں۔"

ذات وصفات باری کے متعلق ایک جگہ فلاسفہ کے عجائبات اور عقول وافلاک کا پورا شجرۂ نسب لکھ کر بڑے طنزیہ انداز میں رقم طراز ہیں:

"یہ سب تحکمات ہیں، اور فلسفہ کی تقلید کورانہ کا خمار اتار کر دیکھو تو اس درجہ تیرہ و تار ہیں کہ اگر کوئی اپنا خواب بھی بیان کرتا، تو لوگ اسے دیوانہ سمجھتے۔ یا ایسی بات فقہیات میں پیش کرتا جہاں منتہائے مطلوب ظن ہے، تو بھی لوگ کہتے کہ یہ تو بے سروپا باتیں ہیں، ان سے غلبۂ ظن کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔" (تہافت الفلاسفہ، مسئلہ ثالثہ، ص:۲۴۸، ناشر: نوری دارالافتا، بلرام پور، ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۳ء)

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:

"مجھے حیرت ہے کہ دیوانہ آدمی بھی ان خود ساختہ باتوں پر کیسے قانع ہو سکتا ہے، چہ جائے کہ وہ عقلا جو بزعم خود معقولات میں بال کی کھال نکالتے ہیں۔" (ایضاً، ص:۲۶۶)

تہافت الفلاسفہ کے اثرات: اس کتاب سے فلسفہ کی خیالی طلسم پر ایسی کاری ضرب لگی اور اس کی وہمی تقدس کو ایسی ٹھیس پہنچی کہ فلاسفہ اوندھے منہ گر پڑے، پوری محفل مضطرب ہوگئی، نتیجتاً جواب کی طرف متوجہ ہوئے مگر خود قوت جواب بھی جواب دے چکی تھی اس لیے قاصر ہی رہے۔ تصویر کا دوسرا رخ یہ تھا کہ کل تک جو مسلمان فلسفہ سے مرعوب ہو کر اسلامی اصول وقواعد کو کمزور سمجھ رہے تھے بلکہ اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، اپنے موقف پر نظر ثانی کر کے اسلام کے مقدس دامن میں پناہ لینے لگے۔ اس طرح سیکڑوں افراد گمراہیت سے محفوظ رہے۔

تیسری جانب متکلّمین کے حق میں یہ ایک زبردست ہتھیار ثابت ہوا، جس کے ذریعے انہوں نے فلاسفہ کی اصولی عمارتوں کو ڈھانے اور کمزور کرنے میں مستعدی دکھائی اور انھیں کامیابی بھی ملی۔

آپ کا یہ عظیم کارنامہ رہتی دنیا کے لیے بے مثال ثابت ہوا ہے، سچ تو یہ ہے کہ فلسفہ کی جراحی کا یہ عمل آپ ہی سے شروع ہو کر آپ ہی پر منتہی ہو گیا ہے۔ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے بجا فرمایا ہے؎

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی   فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

باطنیہ کا استیصال: آپ کے دور میں دوسرا خطرناک فرقہ باطنیہ تھا، جس سے امت مسلمہ کو دور رکھنا از حد ضروری تھا۔ اپنی من گھڑت تاویلوں کے ذریعے عوام الناس کو کافی حد تک مسحور کر لیا تھا، آپ نے وعظ وخطابت، تصنیف وتالیف ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو اس فتنے سے آگاہ کر کے دور رہنے کی تلقین فرمائی، چناں چہ اس کے خوش گوار اثرات بھی مرتب ہوئے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی (ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور) کے حوالے سے باطنیہ کی چند تفصیلات ذکر کر دوں، تاکہ معاملے کی نوعیت سمجھنے میں آسانی ہو:

باطنیہ: اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ یہ ظاہر قرآن کو چھوڑ کر اس کا باطن معنیٰ لینے کے قائل ہیں۔ چناں چہ اس فرقہ نے کہا کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے لیکن مراد باطنی معنیٰ ہے نہ کہ ظاہری معنیٰ جو لغت سے معلوم ہوتے ہیں۔ باطن

کو ظاہر سے ایسے ہی نسبت ہے جیسے گودے کو چھلکے سے ظاہری معنٰی سے استدلال کرنے والا ترک عمل تک پہنچتا ہے۔
اپنے اس دعوے پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول پیش کرتے ہیں، "فَضُرِبَ بَیۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِیۡهِ الرَّحۡمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنۡ قِبَلِهِ الۡعَذَابُ "یعنی تو ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہے اس کے اندر کی طرف رحمت اور اس کے باہر کی طرف عذاب۔

احکام شرعیہ میں تاویل کرتے ہیں، مثلاً: کہتے ہیں:

☆وضو سے مراد امام کی دوستی ہے۔

☆تیمم سے مراد ماذون سے علم حاصل کرنا ہے جو امام کی عدم موجودگی میں حجت ہوتا ہے۔

☆نماز سے مراد ناطق یعنی رسول ہے اور دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں: ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر یعنی یقیناً صلوٰۃ بے حیائی اور برائی سے منع کرتی ہے (وہ کہتے ہیں کہ منع کرنا کسی ناطق ہی کا فعل ہو سکتا ہے؛ اس لیے صلوٰۃ سے مراد رسول ہیں)

☆احتلام سے مراد خواب میں بلا قصد و ارادہ کوئی راز فاش کر دینا ہے۔

☆غسل تجدید عہد کا نام ہے۔

☆زکوٰۃ سے مراد اپنے دین کی معرفت حاصل کر کے نفس کو پاک کرنا ہے۔

☆کعبہ سے مراد نبی، باب کعبہ سے مراد علی۔

☆صفا سے مراد نبی اور مروہ سے مراد علی ہیں۔

☆میقات سے مراد مانوس کرنا ہے۔

☆تلبیہ سے مراد مدعو کا جواب دینا ہے۔

☆کعبہ کے گرد سات چکر لگانے سے مراد سات اماموں کی دوستی ہے۔

☆جنت سے مراد احکام شرعیہ کی تکلیف سے بدن کا راحت پانا۔

☆جہنم سے مراد احکام شرعیہ کی تکلیف میں پڑ کر مشقت اٹھانا۔

☆اللہ تعالیٰ نہ موجود ہے نہ معدوم، نہ عالم ہے نہ جاہل، نہ قادر ہے نہ عاجز۔ (حدوث الفتن وجہاد اعیان السنن، از: محمد احمد مصباحی ۱۴۲۱ھ، مترجم: عبد الغفار اعظمی، ص: ۴۳۰۔ تا۔ ۴۷، المجمع الاسلامی، طبع سوم: ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء)

محترم قارئین! مذکورہ باطنی تفصیلات پر نظر ڈال کر سمجھ سکتے ہیں کہ یہ گمراہ کن افکار کس طرح اسلام کی روح کو پژمردہ کر دینے والے تھے اور اس کا انجام کس قدر بھیانک ہو سکتا تھا، امام غزالی نے امت مسلمہ کو اس کی گمرہی سے بچانے کے لیے کئی کتابیں تصنیف فرمائی اور ہر ممکنہ طریقے پر ان کا رد بلیغ فرما کر قوم مسلم کو گمراہیت سے بچا لیا:

المستظھری: یہ خلیفہ مستظہر باللہ کے اشارے پر آپ نے تصنیف فرمائی، جو باطنیہ کے رد میں کافی موثر اور زود

اثر ثابت ہوئی۔اس کے بعد مسلسل حجۃ الحق،مفصل الخلاف، قاصم الباطنیہ،فضائح الاباحیہ اور مواہم الباطنیہ کے ذریعے پے در پے حملے کرکے انھیں کیفر کردار تک پہنچادیا۔

میدان تجدید واصلاح میں "احیاء العلوم" کا کردار: احیاے علوم دین کا شمار ان کتابوں میں ہوتا ہے جس نے اسلامی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔امام غزالی نے یہ کتاب دراصل اس وقت لکھی تھی ،جب کہ بغداد سے تدریس کو خیر آباد کہہ کے تلاش یقین اور طلب حق "احیاءالعلوم" کے لیے بادیہ پیمائی شروع کی تھی،دس سال کے باطنی سفر کے بعد جب مخلوق کی جانب آنے کا خیال ہوا تو اپنے قلبی تاثرات، علمی تجربات،اصلاحی خیالات اور وجدانی کیفیات پر مبنی یہ سوغات لے کر اہل وطن کے درمیان تشریف لائے۔

"احیاءالعلوم" کے بارے میں اہل علم کے تاثرات:

شیخ ابو محمد کازورونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:اگر دنیا کے تمام علوم مٹا دیے جائیں تو میں احیاءالعلوم سے ان کو دوبارہ زندہ کردوں گا۔(تعریف الاحیاء بفضائل الاعیاء علی ھامش احیاء علوم الدین،ج:۵،ص:۳۵۹،بحوالہ:احیاءالعلوم،ص:۳۳،مکتبۃ المدینہ)

حافظ زین الدین عراقی (م:۸۰۶ھ) جنھوں نے احیاءالعلوم کی احادیث کی تخریج کی ہے ،فرماتے ہیں:امام غزالی کی احیاءالعلوم اسلام کی اعلیٰ ترین تصنیفات میں سے ہے۔(ایضًا)

امام الحرمین کے شاگرد اور امام غزالی کے معاصر شیخ عبدالغافر فارسی کہتے ہیں:احیاءالعلوم کی مثل کوئی کتاب اس سے پہلے تصنیف نہیں ہوئی۔ (تاریخ مدینہ،دمشق،ج:۵۵،ص:۳۸،بحوالہ:احیاءالعلوم،ص:۳۲)

حافظ ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:احیاءالعلوم ایک عمدہ کتاب ہے جو کثیر دینی و شرعی علوم پر مشتمل ہے۔تصوف اور روحانی اعمال سے متعلق باتیں موجود ہیں۔(البدایہ والنہایہ،ج:۱۲/۲۳۲،دار ابی حبان،قاہرہ،مصر)

ملا کاتب چلپی نے فرمایا:اگر دین اسلام کی تمام کتابیں مٹ جائیں اور صرف ایک احیاءالعلوم باقی رہے تو اس کمی کی تلافی کے لیے احیاءالعلوم ہی کافی ہے۔(کشف الظنون،ج:۱،ص:۲۳،دار احیاء التراث العربی،بیروت)

امام سبکی رقم طراز ہیں:احیاءالعلوم ان کتابوں میں سے ہے جن کی حفاظت اور اشاعت مسلمانوں پر لازم ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ مخلوق ہدایت یافتہ ہوں،جو بھی اس کتاب میں غور وفکر کرتا ہے خواب غفلت سے بیدار ہوجاتا ہے...اگر لوگوں کے پاس احیاءالعلوم کے علاوہ کوئی کتاب نہ رہے تو یہی ان کے لیے کافی ہے...میں نے فقہا کی تصنیفات میں فکر ونظر اور نقل واثر کے اعتبار سے اس کتاب کے مثل کوئی کتاب نہیں پائی۔(اتحاف السادۃ المتقین،باب الاحوال المتعلقۃ بمصنف ھذا الکتاب،الفصل التاسع عشر،ج:۱،ص:۳۷،بحوالہ:لباب الاحیاء،ص:۵،ناشر:مکتبۃ المدینہ)

سیدنا سید کبیر علی بن ابوبکر سقاف فرماتے ہیں:اگر کافر احیاءالعلوم کی ورق گردانی کرلے تو مسلمان ہوجائے،اس میں ایسا مخفی راز ہے جو دلوں کو مقناطیس کی طرح کھینچتا ہے۔

(تعریف الاحیاء بفضائل الاعیاء علی ھامش احیاء علوم الدین، ج:۵، ص:۳۵۸، بحوالہ: احیاءالعلوم،ص:۳۲،مکتبۃ المدینہ)

یہ کتاب بگڑے معاشرے پر روشنی ڈال کران کی کمزوریوں اور خرابیوں کواجاگر کرتی ہے تاکہ مرض تلاش لینے کے بعد اس کی دواتجویز کرنے میں آسانی ہو،خاص طور سے علمی اوراقتداری حلقوں کو تنبیہ کرتی نظر آتی ہے جو معاشرے کے مرکز ومحور ہواکرتے ہیں اور جن کے اشارے پر قوم گردش کرتی رہتی ہے: چناں چہ امام غزالی ایک جگہ لکھتے ہیں:

”رعایہ اس وجہ سے ابتر ہوگئی کہ سلاطین کی حالت ابتر ہوگئی ہے اور سلاطین کی حالت دیگر گوں ہوگئی؛اس لیے کہ علما کی حالت بگڑ گئی ہے اور علما میں خرابی اس وجہ سے ہے کہ جاہ ومال کی محبت ان کے دلوں میں گھر گئی ہے۔“(احیاء العلوم،باب امر بالمعروف)

حکام وسلاطین کی اصلاح: احیاء العلوم میں امام غزالی نے اہل دولت وثروت کی کوتاہیوں اوران کی نفسیاتی بیماریوں کو کھول کربیان کیاہے،سلاطین وحکام پر بڑی جرأت مندانہ تنقید کی ہے،ان کے ظلم وستم،خلاف شرع امور اور مال وقوانین کی مذمت میں بھی کئی صفحات لکھ کران کی غلطیوں اور کوتاہیوں کوسامنے لایاہے اوراصلاح کی تلقین کی ہے۔ایسے زمانے میں آپ نے یہ سب باتیں کہی تھیں جب اصحاب اقتدار کے خلاف کچھ بولنا موت کودعوت دینے کے مترادف تھا،مگر آپ نے ان سب خطرات سے خوف کھائے بغیر اعلان حق کرتے ہوئے لکھا:

”بادشاہوں کے مال اس زمانے میں عموماً حرمت سے خالی نہیں،حلال مال ان کے پاس یاتوسرے سے ہوتا ہی نہیں یابہت کم ہوتاہے... سلاطین وقت سے ان رقوم کاقبول کرنا بھی مناسب نہیں،جن کے متعلق یہ گمان ہوکہ یہ مشتبہ اور ناجائز ہیں؛اس لیے کہ اس میں بکثرت دینی مفاسد ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:اب تو بادشاہ اسے ہی عطیات دینے کی طرف مائل ہوتے ہیں جس سے یہ لالچ ہوکہ وہ ان کی خدمت کرے گا،ان کی جماعت کے بڑھنے کاباعث بنے گا،ان کے مقاصد کوپوراکرنے میں مددگار ہوگا،ان کی مجالس میں شامل ہوکران کی رونق بڑھائے گا،ہمیشہ ان کے حق میں دعاکرے گا،تعریف کرے گا،پاکیزگی بیان کرے گااور سامنے بھی اور پیٹھ پیچھے بھی ان کی تعریف کے پل باندھے گا

(۱)اگر عطیات وصول کرنے والامانگنے کے ذریعے اپنے آپ کوذلیل ورسوانہ کرے۔
(۲)پھراس کی خدمت میں مصروف بھی نہ ہو۔
(۳)اس کی تعریف نہ کرے نہ اس کے لیے دعامانگے۔
(۴)نہ ہی اس کے مقاصد میں مددکرے۔
(۵)مجلس اور جلوس کے وقت ان کی تعداد بڑھانے کاموجب نہ بنے۔
(۶)ان کے دشمنوں کے سامنے ان(بادشاہوں)سے محبت اوران کی مددکااظہار نہ کرے۔
(۷)نہ ان کے مظالم،برے اعمال پر پردہ ڈالے۔تووہ اسے ایک درہم بھی نہ دے اگرچہ وہ(مثال کے طور پر)حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسی فضیلت رکھتاہو،تواس صورت میں اس زمانے میں ان سے حلال مال بھی لیناجائز نہیں؛کیوں کہ اس سے ان(مذکورہ بالا)امور کی طرف جاناپڑتاہے توجب معلوم ہوکہ یہ حرام مال ہے یااس میں شک ہوتواس وقت میں لینا کیسے جائز ہوگا؟“ (احیاء العلوم،ج:۲،ص:۳۲۱،مترجم:علامہ صدیق ہزاروی،ناشر:پروگریسو بکس،لاہور)

ایک بار ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا سلطان سنجر جو پورے خراسان کا فرماں روا تھا، اس کے فاخرانہ بھیس کو دیکھ کر امام غزالی نے فرمایا:

"افسوس کہ مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں اور تیرے گھوڑوں کی گردنیں طوقہاے زریں کے بار سے۔" (مکتوبات امام غزالی، ص:۱۹)

محمد بن ملک شاہ کو جو سنجر کا بڑا بھائی اور اپنے دور کا سب سے بڑا بادشاہ تھا ایک ہدایت نامہ لکھ کر بھیجا جس میں اس کو حاکمانہ ذمہ داریوں، خوف خدا اور اصلاح ملکی کی طرف متوجہ کیا۔ (مکتوبات امام غزالی، ص:۱۹)

علما کی اصلاح: یہ بات گزر چکی ہے کہ امام غزالی کی نظر میں معاشرے کے بگاڑ کے ذمہ دار علما و سلاطین ہیں؛ اس لیے جہاں سلاطین و حکمراں کے رویے پر تنقید کی ہے وہیں علما کو بھی ان کی کوتاہیوں اور خرابیوں پر تنبیہ کی ہے۔ ایک جگہ عہد صحابہ اور بعد کے عہد میں علما کی اصلاحی خدمات، دعوتی واقعات اور اس کے فوائد و برکات بتانے کے بعد انھیں ان الفاظ میں جھنجھوڑتے ہیں:

"علماے کرام کا طریقہ یہ تھا کہ وہ بلا خوف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے، بادشاہوں کے دبدبے اور ان کے جاہ وحشمت کی ذرا بھی پروا نہ کرتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد رکھتے تھے اور انھیں اطمینان تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر راضی رہتے تھے کہ وہ ان کو شہادت کا مقام عطا فرمائے گا، چوں کہ ان کی نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی تھی تو ان کے کلام میں یہ تاثیر تھی کہ سخت دل بھی نرم ہو جاتے تھے اور بڑے سے بڑے سنگ دل بھی متاثر ہو جاتے تھے۔ لیکن اب تو حالت یہ ہے کہ دنیا کی طمع نے علما کی زبانیں گنگ کر دی ہیں، اور وہ خاموش ہیں، اگر بولتے بھی ہیں تو ان کے اقوال و احوال میں مطابقت نہیں ہوتی؛ اس لیے کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اگر آج بھی وہ خلوص و صداقت سے کام لیں اور علم کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں تو کامیابی ضرور ان کے قدم چومے گی۔ (احیاء العلوم، ج:۲، ص:۷۹۷، مترجم: مولانا صدیق ہزاروی، پاکستان)

احیاء العلوم میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں جہاں علما کو ان کی منصبی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلایا گیا ہے اور انھیں حق گوئی کے ساتھ ساتھ راست بازی کی بھی تلقین کی گئی ہے۔

مسئلۂ تکفیر میں امام غزالی کا حزم واحتیاط: امام غزالی کے عہد میں فروغ اسلام کے نام پر متعدد فرقے وجود میں آ گئے تھے، ہر فرقہ اپنے مخالف گروہ کی تکفیر کا قائل تھا، کسی کو مباح الدم اور مستحق جہنم قرار دینا ان کے لیے ایک معمولی بات تھی، آپ نے بڑے شد و مد کے ساتھ اس نظریے کی تردید فرمائی اور اس موضوع پر دو کتابیں "الاقتصاد فی الإعتقاد" اور "فیصل التفرقہ بین الإسلام و الزندقة" لکھ کر راہ اعتدال کو اختیار کرنے اور غلو سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

ایک جگہ "الإقتصاد" میں فرماتے ہیں: اگر تکفیر سے بچنے کی کوئی راہ نکل سکے تو تکفیر سے بچنا چاہیے، اس لیے کہ اہل قبلہ جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں ان کے جان و مال کو مباح قرار دینا خطا ہے... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أمرت ان اقاتل الناس حتی یقول لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ، فاذا قالوا فقد عصموا منی دمائھم، واموالھم الابحقھا".

آگے مزید لکھتے ہیں:

”ہمارے نزدیک یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی کہ خطائی التکفیر موجب تکفیر ہے، اس لیے تکفیر کے لیے دلیل کی ضرورت ہے اور کلمہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی وجہ سے عصمت جان ومال وطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے لہٰذا ان کے مباح ہونے کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہے“(الاقتصاد بحوالہ قلمی رشحات، ساجد رضا مصباحی، ص:۱۲۰،۱۲۱، مکتبہ صمدیہ، پھپھوند شریف)

”فیصل التفرقہ بین الاسلام و الزندقۃ“ میں تکفیر میں غلو کرنے والوں کو امام غزالی نے شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے، کیوں کہ متکلّمین کی ایک متعصب گروہ نے عوام المسلمین کے لیے یہ ضروری قرار دیا تھا کہ وہ علما کی طرح عقائد دینیہ ان کے ادلہ کے ساتھ جانیں اگر وہ ایسا نہیں کر پاتے تو وہ ان کی نظر میں کافر ٹھہریں گے۔ اس پر امام غزالی فرماتے ہیں:

”تکفیر میں غلو کرنے والوں میں متکلّمین کا ایک گروہ بھی ہے جنھوں نے عوام مسلمین کی تکفیر کی اور یہ کہا کہ جو ہماری طرح علم کلام کی معرفت نہ رکھے اور عقائد شرعیہ کو ہماری بیان کردہ دلائل کے ساتھ نہ جانے وہ کافر ہیں۔ اس گروہ نے اللہ کے بندوں پر اس کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا اور جنت کو متکلّمین کی ایک مشت بھر جماعت کی جاگیر بنا ڈالا۔ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث سے ناواقف تھے، کیوں کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں مسلمانوں کی ایسی جماعت موجود تھی جنھیں عقائد کا علم تو تھا لیکن وہ دلائل سے واقف نہیں تھے۔ بندے کے دل میں ایمان کا نور متکلّمین کے دلائل سے نہیں پیدا ہوتا یہ تو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے ہوتا ہے۔“(التفرقہ، بحوالہ قلمی رشحات، ص:۱۲۱، مکتبہ: صمدیہ، پھپھوند)

قلمی نقوش: آپ نے احیاء العلوم کے علاوہ دیگر فنون میں بھی مختلف کتابیں لکھ کر اصلاح و تجدید کی خدمت انجام دی ہے۔ چند کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

تفسیر اور اس کے متعلقات میں: یاقوت التاویل (۴۰؍ جلدوں میں) اور جواھر القرآن۔

تصوف واخلاق اور اس کے متعلقات میں: احیاء علوم الدین، کیمیاے سعادت، مکاشفۃ القلوب، جواہر القرآن، جواہر القدس فی حقیقۃ النفس، منہاج العابدین، مشکوٰۃ الابرار اور مجالس غزالیہ۔

فلسفہ اور اس کے متعلقات میں: تھافت الفلاسفۃ اور مقاصد الفلاسفۃ.

فقہ اور اس کے متعلقات میں: الوسیط، البسیط، بیان القول للشافعی، مجموعۃ الفتاویٰ، اور الوجیز فی الفروع.

اصول فقہ اور اس کے متعلقات میں: المستصفیٰ فی اصول الفقہ۔ (یہ امام غزالی کی آخری تصنیف ہے۔)

منطق اور اس کے متعلقات میں: معیار العلم، میزان العمل، محك النظر.

رد عقائد باطلہ میں: المستظھری فی الرد علی الباطنیۃ، حجۃ الحق، مفصل الخلاف، قاصم الباطنیۃ، فضائح الباطنیہ، مواھب الباطنیۃ. الدرج المرقوم بالجداول، القسطاس المستقیم.

خود نوشت سوانح: المنقذ من الضلال.

وصال اور مزار پاک: دوشنبہ ۱۴؍ جمادی الآخرہ ۵۰۵ھ کو اپنا کفن منگا کر آنکھوں سے لگایا اور فرمایا: آقا کا اذن بسر وچشم

منظور ہے۔ قدم مبارک کو پھیلا دیا اور روح بوئے گل کی طرح جسد اطہر سے پرواز کر گئی۔ ایران کے مشہور شاعر فردوسی کے مقبرہ کے قریب طوس میں مدفون ہوئے۔ ☆☆☆

فاروق خان مہائمی مصباحی، (مہاراشٹر)، جماعت: تخصص فی الفقہ Mo: 7860301024

آپ کا نام حسین بن مسعود فرا بغوی ہے۔ کنیت ابو محمد اور لقب محی السنہ ہے، اور تقریباً یہی لقب علم کی جگہ لے چکا ہے۔ اس کے علاوہ ظہیر الدین [۱] اور رکن الدین [۲] بھی آپ کے القاب ہیں مگر یہ اتنے مشہور نہ ہوئے۔ علامہ یاقوت حموی نے اپنی کتاب معجم البلدان میں لکھا ہے: جمادی الاولی ۴۳۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ [۳]

بغوی کی نسبت خراسان کے شہر "بغ" کی طرف ہے جو "مرو" اور "ہراۃ" کے درمیان واقع ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس شہر کا نام بغشور تھا، بغشور اسم مرکب ہے اور اس کے جزو اول کی طرف نسبت ہے جیسا معدیکرب کے رہنے والے کو معدی کہتے ہیں۔ اور واؤ کا اضافہ اس لیے کر دیا گیا ہے تاکہ لفظ "بغ" اس لفظ کے قائم مقام ہو جائے جس کے آخر سے کوئی کلمہ حذف کر دیا جاتا ہے، جیسے "دموی" کہ اس کے آخر میں واؤ کا اضافہ کیا گیا ہے یا اس لیے تاکہ بغی سے التباس نہ ہو جس کا معنی زانی ہے، بعض حضرات نے اس اضافت کے خلاف قیاس ہونے کا بھی قول کیا ہے۔ [۴] اور ایک قول یہ بھی ہے کہ "بغشور" صوبہ کا نام ہے اور "بغ" شہر کا۔ [۵]

آپ کے والد گرامی پوستین بنانے اور بیچنے کا کاروبار کرتے تھے، اس لیے آپ کو "فرا" یا "ابن فرا" بھی کہا جاتا ہے۔ جس کے معنی پوستین ساز اور پوستین فروش کے ہیں۔ [۶]

ابتدائی تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم و تربیت شہر "بغ" میں ہی ہوئی مگر اس کی کیفیت کیا تھی؟ ابتدا میں آپ نے کون کون سی کتابیں پڑھی؟ اور والدین نے آپ کی تربیت کا کیسا اہتمام کیا؟ اس کا سراغ نہیں مل پاتا۔ اتنا ضرور ملتا ہے کہ ۲۷ برس کی عمر میں آپ نے اپنے آبائی وطن کو خیرآباد کہہ کر "مروالروذ" میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یا یوں کہیے کہ اسے اپنا وطن ثانی بنا لیا تھا، جہاں اخیر عمر تک آپ کا قیام رہا۔ [۷]

۲۷ برس کی عمر میں ہی حضرت قاضی حسین بن محمد مروروذی شافعی سے اپنی شاگردی کا رشتہ جوڑ کر آپ سے علم فقہ کا درس لینا شروع کیا۔ اور اس وقت تک پڑھتے رہے جب تک علم فقہ میں مہارت تامہ حاصل کر کے یکتائے روزگار نہ ہو گئے۔ آپ قاضی صاحب کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ [۸]

قاضی صاحب کے علاوہ آپ نے دیگر شیوخ سے بھی استفادۂ فیض کیا اور تمام مروجہ علوم و فنون کے کہنہ مشق عالم دین بن کر ابھرے، ان میں سے بعض شیوخ کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

احمد بن ابو نصر کوفانی، ابو عمر عبد الواحد ملیحی، ابو الحسن عبد الرحمن بن محمد داؤدی، ابو بکر یعقوب بن احمد صیرفی، ابو الحسن علی بن یوسف جوینی، ابو الفضل زیاد بن محمد حنفی، حسان بن محمد منیعی، ابو بکر محمد بن الہیثم ترابی اور ابو الحسن محمد بن محمد شیرازی وغیرہ۔ (۹)

مروجہ علوم وفنون میں کامل دست گاہ حاصل کر لینے کے بعد آپ نے مسند تدریس کو زینت بخشی۔ آپ نہایت جاں فشانی کے ساتھ طلبہ کی علمی اور روحانی پیاس بجھاتے رہے۔ درس و تدریس کے اہتمام کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے کبھی بھی کوئی درس بغیر وضو کے نہ دیا۔ (۱۰)

آپ کے تلامذہ میں ایک سے ایک عظیم اور قد آور شخصیتیں تھیں جو علوم وفنون کے شناور و واداشناس بھی ہیں اور مختلف شعبہ ہائے فضل و کمال میں اپنی مہارت و صلاحیت کا لوہا منوایا ہے۔ مثلاً:

عمر بن حسن بن حسین رازی: یہ امام رازی، صاحب تفسیر کبیر کے والد بزرگ وار ہیں، آپ کے بھائی حسن بن مسعود بغوی، عبد الرحمٰن بن علی نعیمی، محمد بن حسین مروروذی، محمد بن محمد علی طائی، ملکدار بن عمرو قزوینی اور مجد الدین ابو منصور معروف بہ حفدۃ العطاری وغیرہ۔ (۱۱)

آپ تفسیر، حدیث اور فقہ کے امام مانے جاتے تھے۔ (۱۲) پورے خراسان میں آپ کے علمی جلال کا شہرہ تھا (۱۳)، مگر زندگی نہایت سادہ اور درویشانہ گزارتے تھے، آپ کا لباس بالکل سادہ و معتدل ہوتا اور اسلاف کی طرح چھوٹا عمامہ باندھا کرتے۔ (۱۴) آپ کی قناعت کا یہ عالم تھا کہ صرف روکھی روٹی کھایا کرتے، اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب معاصرین آپ کے صوفیانہ طرز عمل پر ریاکاری کا لیبل لگا کر آپ پر ڈھونگی ہونے کا بہتان کسنے لگے، اس پر ان کا منہ بند کرنے کے لیے آپ نے اپنی خوراک میں اضافہ کیا بھی تو صرف تیل اور کشمش کا۔ (۱۵)

دنیا داری اور مال و دولت سے کوسوں دور رہتے، ان کی زندگی "فقیری میں شاہی" کی آئینہ دار تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر کبھی حج بھی فرض نہ ہوا۔ توکل علی اللہ کا حال یہ تھا کہ آپ کی بیوی کا جب انتقال ہوا تو آپ نے ان کے ترکہ سے کچھ بھی نہ لیا۔ (۱۶)

مزاج نہایت ہی محققانہ پایا تھا، جو کچھ بھی لکھتے بہت غور و خوض اور تحقیق و تدقیق کے بعد ہی لکھتے اور وہی لکھتے جسے معتمد اور قوی پاتے۔ (۱۷) اور غالباً یہی وجہ تھی کہ آپ کی تصانیف کو قبول عام کا تاج زریں نصیب ہوا۔

تصنیفات: آپ نے مختلف علوم وفنون میں قلمی یادگاریں چھوڑی ہیں جو آپ کی فکری بالیدگی، وسعت مطالعہ اور علمی لیاقت و قابلیت پر گواہ ہیں جن کی تعداد پندرہ تک پہنچتی ہے، اور وہ یہ ہیں:

۱. اربعون حدیثا ۲. الانوار فی شمائل النبی المختار ﷺ ۳. ترجمۃ الاحکام فی الفروع (یہ فارسی زبان میں ہے) ٤. التہذیب فی الفقہ ٥. الجمع بین الصحیحین ٦. شرح الجامع للترمذی ۷. شرح السنہ ۸. فتاوی البغوی ۹. فتاوی المروذی (یہ آپ کے شیخ قاضی حسین کے فتاوے ہیں جسے آپ نے ترتیب دی ہے) ۱۰. الکفایہ فی الفروع ۱۱. الکفایہ فی القراءۃ ۱۲. مصابیح السنہ ۱۳. المدخل الی مصابیح السنہ ۱٤. معالم التنزیل ۱٥. معجم الشیوخ۔ (۱۸)

وفات: ایک طویل مدت تک علم و فن کا یہ آفتاب عالم پر اپنی علمی و روحانی کرنیں بکھیرتا ہوا شوال ۵۱۶ھ کو غروب ہو گیا۔ اِنّا لِلّٰہِ

وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ"وفیات الاعیان ج:۲ص:۱۱۶پر آپ کی تاریخ وفات ۵۱۰ھ لکھی ہے مگر پہلا قول ہی اکثر مؤرخین کا اختیار کردہ ہے۔

آپ اپنے وقت کے مجدد ہیں، مجدد ہونے کے تمام شرائط آپ میں پائے جاتے ہیں، کئی مؤرخین نے آپ کا شمار مجددین کی صف میں کرایا ہے، اور غالبا مجدد ہونے ہی کے سبب آپ کا لقب "محی السنہ" پڑا تھا۔ راقم الحروف کو مختلف کتب سے جو کچھ میسر آیا اسے اس مقالے میں جمع کردیا ہے۔ اگر آپ کی کوئی مبسوط سوانح حیات ہوتی تو آپ کے تجدیدی کارناموں پر بھی روشنی ڈالی جاتی۔ آپ کی سوانح حیات نہ لکھی جانے کا ایک خاص سبب یہ ہے کہ آپ کا قیام صرف مروالروذ میں رہا۔ اور آپ کسی ایسی جگہ تشریف نہ لے گئے جہاں علم و علما کی قدر کی جاتی۔ علامہ سبکی نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں لکھا ہے: اگر امام بغوی بغداد تشریف لاتے تو وسیع پیمانے پر آپ کی سیرت لکھی جاتی۔[19]

علامہ علی قاری نے آپ کے محی السنہ لقب ہونے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ جب آپ اپنی کتاب "شرح السنہ" کی ترتیب سے فارغ ہوئے تو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا: "أحياك الله كما أحييت سنتي" (اللہ تجھے زندہ رکھے جیسے تو نے میری سنت کو زندہ کردیا)۔[20] مجدد چوں کہ علوم و فنون کا احیا بھی کرتا ہے اور آپ نے شرح السنہ لکھ کر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احیا فرمایا، جس کی بشارت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تو بھلا کون آپ کے مجدد ہونے کا انکار کرسکتا ہے۔

ماخذ و مراجع:

(۱) طبقات الشافعية، لابن ابی شهبة، ج:۱، ص:۳۱۱، دائرة المعارف النعمانية، حيدر آباد. الهند.

(۲) العبر فی خبر من غبر، ج:۲، ص:۴۰۶، دار الکتب العلمية، بيروت.

(۳) معجم البلدان، للحموی، ج:۱، ص:۴۶۸، طبعة دار صادر، بيروت.

(۴) وفيات الاعيان، ج:۲، ص:۱۱۶ ومرقاة المفاتيح، :۱، ص:۵۴، کلاهما طبعا من دار الکتب العلمية، بيروت.

(۵) مفتاح السعادة، ج:۲، ص۹۱، بحواله مقدمه مشکاة المصابيح، از: مولانا نفيس احمد المصباحی، مجلس البرکات. (۶) تذکرة الحفاظ، للذهبی، ج:۴، ص:۱۲۵۷، الطبقة الرابعة عشرة.

(۷) مقدمة مرقاة المفاتيح، ج:۱، ص:۹، دار الکتب العلمية، بيروت.

(۸) طبقات الشافعية الکبری، للسبکی، ج:۴، ص:۲۱۵، دار المعرفة، بيروت.

(۹) ايضاً. (۱۰) سير اعلام النبلاء، للذهبی، ج:۱۴، ص:۳۸۹، دار الفکر، بيروت.

(۱۱) مقدمة مرقاة المفاتيح، ج:۱، ص:۱۱، دار الکتب العلمية، بيروت.

(۱۲) طبقات الشافعية، لابن ابی شهبة، ج:۱، ص:۳۱۱، دائرة المعارف النعمانية، حيدر آباد. الهند.

(۱۳) العبر فی خبر من غبر، ج:۲، ص:۴۰۶، دار الکتب العلمية، بيروت.

(۱۴) سير اعلام النبلاء، للذهبی، ج:۱۴، ص:۳۹۰، دار الفکر، بيروت.

(۱۵) شذرات الذهب، ج:۴، ص:۴۹، دار الفکر، بيروت.

(۱۶) وفيات الاعيان، ج:۲، ص:۱۱۶، دار الکتب العلمية، بيروت.

(۱۷) طبقات الشافعية الکبری، للسبکی، ج:۴، ص:۲۱۶، دار المعرفة، بيروت.

(۱۸) مقدمة مرقاة المفاتيح، ج:۱، ص:۱۱.۱۲، دار الکتب العلمية، بيروت.

(۱۹) طبقات الشافعية الکبری، للسبکی، ج:۴، ص:۲۱۶، دار المعرفة، بيروت.

(۲۰) مرقاة المفاتيح، للعلامة علی القاری، ج:۱، ص:۵۴، دار الکتب العلمية، بيروت.

محمد ظفر الدین صدیقی، دیوریا، جماعت: سادسہ Mo: 8799173488

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا دور بڑا ہی افتراق و انتشار کا دور تھا۔ اخلاقی پستی، دینی بے راہ روی اور شر و فساد کا ہر طرف دور دورہ تھا۔ رعایہ سے لے کر امرا و سلاطین تک شرعی احکام کی پامالی میں مبتلا تھے اور سبھی ایک ہی حمام میں ننگے تھے۔

ایسے پر آشوب اور بلا خیز عالم میں اللہ عزوجل نے حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو منصۂ شہود پر جلوہ گر فرمایا اور امت کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو متحد کرنے کا سامان مہیا فرمایا۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے تحریر و تقریر کے ذریعہ دین کے احیا و تجدید کا کارنامہ انجام دیا اور مذاہب اربعہ کی تہذیب و تبلیغ میں اہم رول ادا کیا اور یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے علما و مشائخ نے آپ کو "محی الدین" کے عظیم الشان لقب سے موسوم کیا۔ آپ نے نہ صرف شرعی احکام پر قائم رہنے کی بڑی شدید تلقین کی بلکہ شریعت کو تصوف و طریقت سے بالکل ہی ہم آہنگ کر دیا۔ اس کے لیے آپ نے صوفیاے کرام اور داعیان اسلام کی ایک بڑی جماعت تیار کر کے مختلف شہروں اور ملکوں میں روانہ فرمایا اور امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کے خلفا و مبلغین اسی زمانے میں شام، مصر، عرب، یمن اور مغرب میں پھیل چکے تھے۔ نیز سلاسل اربعہ مشہورہ کی بنیاد آپ ہی کے عہد مسعود میں پڑی اور ان سب کو آپ کا فیضان حاصل ہوا۔ اس طرح آپ نے اصلاح و ارشاد کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک قائم کیا اور جہاں عوام الناس کی اصلاح پر توجہ دی وہیں اپنے عہد کے امرا و سلاطین کی بھی شرعی کوتاہی پر سرزنش کی اور راہ راست پر چلنے کی تلقین فرمائی۔ آپ کی زندگی کے مختصر حالات درج ذیل ہیں:۔

نام و نسب: آپ کا اسم گرامی عبد القادر، کنیت ابو محمد اور لقب محی الدین محبوب سبحانی ہے۔ آپ نجیب الطرفین تھے آپ کا سلسلۂ نسب والد اور والدہ دونوں کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

سلسلۂ نسب پدری: سید عبد القادر بن ابی صالح موسی جنگی دوست بن ابو عبد اللہ بن یحیٰ زاہد محمد رومی بن محمد بن داؤد بن موسی بن عبد اللہ بن موسی جون بن عبد اللہ ثانی بن عبد اللہ محض بن حسن مثنی بن امام حسن بن سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم و رضی اللہ عنہم۔ (سفینۃ الاولیا، ص:۶۰، سیر الاقطاب، ص:۱۵۶)۔

سلسلۂ نسب مادری: سید عبد القادر بن ام الخیر فاطمہ بنت سید عبد اللہ صومعی بن ابو جمال الدین بن سید محمد بن ابو العطا

عبداللہ بن سید کمال الدین عیسی بن ابوعلاء الدین الجواد بن امام علی رضا بن امام موسی کاظم بن جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین شہید کربلا بن علی کرم اللہ وجہہ الکریم رضوان اللہ علیھم۔(سیرت غوث اعظم، ص: ۱۷)

ولادت: سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت یکم رمضان المبارک بروز جمعہ ۴۷۰ھ / ۱۰۷۷ء میں مقام گیلان میں ہوئی۔ یہ عباسی خلیفہ مقتدی بامر اللہ کا عہد حکومت تھا۔ آپ کے آبا و اجداد کا وطن جیل تھا، جہاں آپ کی ولادت ہوئی۔ یہ شہر نواح طبرستان میں واقع ہے، جسے "جیلان" اور "گیلان" دونوں کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دجلہ کے کنارے بغداد سے ایک روز کی راہ پر جیل نام کا ایک گاؤں ہے۔ بعض مؤرخین اسے مدائن کے قریب بتاتے ہیں۔ مولد کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو جیلانی کہا جاتا ہے۔(سیر الاقطاب، ص:۱۵۸/سفینۃ الاولیا ص: ۶۲)

تعلیم: حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی عمر شریف جب پانچ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ نے شہر جیلان کے ایک مکتب میں آپ کو داخل کیا۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اسی مکتب میں حاصل کی۔ پانچ سال تک آپ اسی مکتب میں زیر تعلیم رہے اور علم دین حاصل کرتے رہے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ جب آپ مکتب تشریف لے جاتے تو عجیب و غریب نورانی صورتوں کو اپنے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے دیکھتے اور جب مکتب کی حد میں داخل ہو جاتے تو وہی صورتیں جو آپ کے پیچھے پیچھے چلتیں یہ آواز دیتیں کہ "اللہ کے ولی کو جگہ دو"۔

جیلان میں حصول علم کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ ماجدہ سے عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں حصول علم کے لیے بغداد جاؤں، والدہ محترمہ نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ تو آپ نے اپنا مقصد بیان فرمایا، وہ سن کر رونے لگیں اور زاد سفر تیار کر کے اجازت دے دی اور آپ سے عہد لیا کہ ہر حال میں سچ بولیں گے، آپ کو رخصت کرنے کے لیے دروازہ تک تشریف لائیں اور فرمایا: اے فرزند جاؤ! خدا کے لئے میں تم سے تعلق منقطع کرتی ہوں، اب قیامت تک میری اور تمھاری ملاقات نہ ہو سکے گی۔(تاریخ مشائخ قادریہ، ج:۱، ص: ۱۲۱)

جب حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو والدہ ماجدہ کی اجازت مل گئی تو انھیں دنوں ایک قافلہ بغداد کی طرف جانے والا تھا، آپ اس قافلہ کے ساتھ ہو گئے، راستہ میں قافلہ کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا، لیکن آپ کی راست گوئی پر تمام ڈاکوؤں نے توبہ کر کے آپ کے غلاموں میں شامل ہو گئے۔

جب آپ نے بغداد شریف کو اپنے قدم مبارک سے نوازا تو وجد و کیف میں بغداد شریف جھومنے لگا کہ اب جھلستی ہوئی نگاہوں اور رستے ہوئے زخموں کو مرہم تسکین دینے والا آ گیا۔(تاریخ مشائخ قادریہ، ج:۱، ص:۱۲۲)

بغداد شریف میں جو ادارے علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت میں مصروف عمل تھے۔ ان میں مدرسہ نظامیہ کو خاصی اہمیت حاصل تھی بلکہ پورے عالم میں اس کا بہت شہرہ تھا۔ وہاں دنیا کی بڑی بڑی علمی شخصیات مسند تدریس سے وابستہ تھیں۔ جس طرح شمع کے گرد پروانے سمٹ آتے ہیں اسی طرح تشنگان علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دور دراز کا سفر کر کے مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوتے تھے اور اپنی علمی تشنگی بجھاتے تھے۔ آپ بھی اسی مدرسہ میں داخل ہوئے اور چند سالوں میں تمام مروجہ علوم و

فنون میں کمال حاصل کر لیا؛ کیوں کہ اساتذہ کی شفقت و محبت کے ساتھ ساتھ تائید خداوندی بھی فیاضی کے ساتھ آپ کے شامل حال تھی۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو حصول علم کے زمانے میں سخت ترین حالات سے دو چار ہونا پڑا، لیکن پریشانیاں آپ کے پائے ثبات کو لغزش نہ دے سکیں۔ آپ کے ذوق جنوں کے سامنے کلفتیں پانی پانی ہو جاتیں۔ گھر سے نکلتے وقت آپ کی والدہ ماجدہ نے جو چالیس دینار دیے تھے وہ چند دنوں میں ختم ہو گئے، یہاں تک کہ فاقوں پر گزر ہونے لگا، تقریباً بیس روز اسی طرح فاقوں میں گزر گئے۔ جب بھوک کی شدت برداشت سے باہر ہوئی تو ایک روز مباح چیز کی جستجو میں کسریٰ کے کھنڈرات کی طرف تشریف لے گئے، جب آپ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ستر اولیائے کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پہلے سے وہاں موجود ہیں۔ آپ نے ان اولیا کے راہوں میں حائل ہونا مناسب نہ سمجھا اور خاموشی کے ساتھ واپس آ گئے۔ اس طرح حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے حصول علم میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور اس راہ میں آنے والی مشکلات کا انتہائی صبر و ضبط کے ساتھ سامنا کرتے رہے۔

بیعت و خلافت: راہ سلوک میں مجاہدہ و ریاضت کی صبر آزما گھڑیاں گزرتی رہیں اور دل نور باطن سے منور ہوتا رہا، تصفیہ و تزکیہ کی منزلیں طے کرنے کے بعد کسی پیر کامل کی آرزو پیدا ہوئی۔ شیخ ابو سعید مبارک مخزومی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت و خلافت حاصل کی اور ان سے طریقت و سلوک کے رسوم و آئین سیکھے۔ اس کے علاوہ شیخ محمد بن مسلم الالیاس قدس سرہٗ سے بھی تعلیم تصوف و معرفت حاصل کی۔ (تذکرہ مشایخ عظام، ج:۱، ص:۱۹۲، مصنف مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، ناشر اسلامک پبلشر، دہلی)

مسند تدریس و ارشاد: کتاب و سنت اور معرفت و سلوک کے رمز شناس ہونے کے بعد حضرت محبوب سبحانی نے علوم اسلامی کی تدریس و ارشاد کی بساط آراستہ فرمائی۔ آپ نے کوئی نیا مدرسہ قائم نہیں کیا، بلکہ اپنے استاد اور شیخ ابو سعید مخزومی علیہ الرحمہ کے مدرسہ میں مسند صدارت کو زینت بخشا اور ابتدا میں وہیں دعوت الی الحق کی مجلسیں بھی منعقد کیں۔ خداوند تعالیٰ نے درس و تدریس اور مواعظ حسنہ میں وہ قوت بخشی کہ کچھ ہی عرصہ میں طلبہ و سامعین کی کثرت کی وجہ سے مدرسہ کی عمارت ناکافی ہو گئی، اور اس کو مزید وسعت دی گئی۔ لیکن جب تشنگان علوم نبوت اور طالبان حقیقت و معرفت کے رجوع عام سے یہ مقام تنگ ہونے لگا تو تقریر و وعظ کے لیے شہر سے باہر وسیع میدان میں منبر رکھا جانے لگا۔ سامعین کی تعداد کبھی ستر ہزار تک پہنچ جایا کرتی تھی۔ چار سو اصحاب قرطاس و قلم آپ کے مواعظ و خطابت تحریر کیا کرتے تھے۔ یہ سلسلۂ وعظ و تذکیر چالیس سال تک جاری رہا۔ اصلاح اور تربیت اخلاق کے لیے ہفتہ میں تین دن جمعہ، یکشنبہ اور دو شنبہ کو اجتماع عام ہوا کرتا تھا۔

خداوند تعالیٰ نے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو وہ وجاہت و مقبولیت عطا فرمائی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو نصیب نہ ہوئی۔ شیخ موافق الدین ابن قدامہ کا بیان ہے: "میں نے کسی شخص کی آپ سے بڑھ کر دین کی وجہ سے تعظیم ہوتے ہوئے نہیں دیکھی۔ بادشاہ اور وزرا آپ کی مجلس میں نیاز مندانہ حاضر ہوتے۔ اور ادب سے بیٹھ جاتے۔ علما و فضلا اور فقہا کا کوئی شمار ہی نہیں تھا"۔

مجلس تذکیر و وعظ کے آغاز کے بارے میں حضرت خود ارشاد فرماتے ہیں:

"شروع زمانے میں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو خواب میں دیکھا کہ مجھے وعظ کہنے کا حکم

فرمارہے ہیں اور میرے منہ میں انہوں نے اپنا لعاب دہن ڈالا۔ بس اس کی تاثیر یہ ہوئی کہ میرے لیے ابواب سخن کھل گئے۔" (اخبار الاخیار، ص:۳۸، بہجۃ الاسرار، ص:۵۸)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ رقم طراز ہیں:

آپ کی مجلس میں کل اولیا و انبیا حیات و اجساد اور اموات ارواح کے ساتھ اور جن و ملائکہ حاضر ہوتے تھے اور حضرت حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی تربیت و تائید کے لئے تجلی فرماتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام تو بسا اوقات حاضرین مجلس میں ہوتے تھے اور مشائخ عصر میں جس سے ملتے اس کو اس مجلس شریف میں حاضر ہونے کی وصیت فرماتے تھے اور کہا کرتے: جس کو فلاں چیز کی خواہش ہو اس کو اس مجلس کی ملازمت لازم ہے۔(اخبار الاخیار، مصنف: ابوالمجد شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مترجمین: مولانا سبحان محمود صاحب و مولانا محمد فاضل صاحب، ناشر: ادبی دنیا، ۵۱۰، مٹیا محل دہلی، طبع اول: ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء)

آپ کی اصلاحی و تجدیدی خدمات: آپ کی ذات ستودہ صفات نے اپنے علم و عمل، کردار و گفتار اور مواعظ و نصائح سے عالم اسلام کے اس تاریک دور کی اصلاح و فلاح کے لیے جو کارہائے نمایاں انجام دیے اور دین متین کو جس عروج پر پہنچایا تاریخ کا ورق ورق اس کی شہادت دے رہا ہے۔

بطور دلیل چند امور سپرد قرطاس ہیں۔

مختلف فیہ امور میں تشدد کرنے والوں کو تنبیہ:۔ فرقۂ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے چاروں فقہی مسالک حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی حق و صداقت اور جادۂ مستقیم پر ہیں۔ جو ان سے منحرف ہو وہ گمراہ بد دین ہے۔ چنانچہ علامہ طحطاوی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں۔

"و هذه الطائفة النا جية قد اجتمعت اليوم فى مذاهب اربعة و هم الحنفيون و المالكيون و الشافعيون و الحنبليون رحمهم الله و من كان خارجا عن هذه الاربعة فى هذا الزمان فهو من اهل البدعة و النار."(طحطاوی علی الدر، ج:٤، ص:١٥٣)

مگر نیرنگئ زمانہ اور شومئ قسمت سے بعد کے دور میں ان ائمہ اربعہ کے کچھ مقلدین علمائے کرام کی وجہ سے آپس میں دست بگریباں ہونے کا جو ماحول پیدا ہو گیا تھا اور معمولی معمولی امر میں بھی جنگ و جدال کا جو بازار گرم ہو جاتا تھا حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اس رویہ پر لوگوں کی سرزنش فرمائی اور راہ اعتدال اپنانے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "جن امور میں علما و فقہا کا اختلاف ہے اور اجتہاد کی گنجائش ہو ان کا رد یا انکار بھی جائز نہیں۔ جیسے امام اعظم کے مقلد کا تہبند پہننا اور بغیر ولی کے عورت سے نکاح کرنا جیسا کہ حنفیہ کا مشہور مسلک ہے کہ امام احمد اور امام شافعی کے مقلد کے لیے اس کے خلاف آواز اٹھانا جائز نہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ کسی فقیہہ کے لیے جائز نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنے مذہب پر ابھارے اور اس سلسلہ میں ان پر سختی کرے۔ حقیقت میں مخالفت کی آواز صرف اسی صورت میں اٹھانا درست ہے جب اجماع (علما) کے خلاف ہو رہا ہو۔"

(غنیۃ الطالبین، ص: ۱۲۷، مترجم: ادیب شہیر حضرت شمس صدیقی بریلوی، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء، ناشر: اسلامک پبلشر مٹیا محل جامع مسجد، دہلی)

مکار اور بے علم صوفیوں کی اصلاح: یہ حقیقت مثل آفتاب درخشندہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی پیروی ہی دارین میں فلاح و بہبود کی ضامن، آخرت کی کامیابی کا مدار اور قرب خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اگر کوئی حدود شرعیہ سے تجاوز کرتا ہے تو اس کے لیے منزل ولایت تو پانا بہت دور، وہ کمال ایمان کا درجہ بھی نہیں پا سکتا ہے۔ غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :"اگر حدود شریعت میں سے کسی میں خلل آجائے تو جان لے کہ تو فتنہ میں پڑا ہوا ہے بیشک شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے۔" (طبقات اولیا، ج:۱، ص:۳۱۱)

مگر بعض نام نہاد صوفی شریعت سے بیگانہ، احکام شرع کا تمسخر و استہزا کرنے، علم اور علماے دین کا مزاق اڑانے، رشد و ہدایت کے نام پر بدعت و ضلالت اور گمراہی و جہالت پھیلانے میں سرگرم تھے۔ آپ نے ایسے صوفیوں کی سخت تنقید فرمائی اور کھلم کھلا ایسی جماعت متصوفہ کی مذمت کی۔ چناں چہ اپنی ایک پاکیزہ مجلس میں ان نام نہاد صوفیوں پر یوں برق باری فرماتے ہیں:

"اے منافقو! اے آخرت کو دنیا کے عوض بیچنے والو! اے حق کو مخلوق کے عوض اور باقی کو فانی کے عوض بیچنے والو! تمھارے کاروبار تجارت میں ٹوٹا ہے اور تمھارا اصل مال بھی گارت ہو گیا تم پر افسوس ہے کہ تم اللہ کے غضب و غصہ کا خود کو نشانہ بنانے والے ہو؛ کیوں کہ جو ایسی چیز سے اپنا بناؤ سنگار کرتا ہے جو اس میں نہیں ہوتی اس پر اللہ تعالیٰ غصہ فرماتا ہے۔ تو مکاری نہ کر۔ اپنے ظاہر کو آداب شریعت سے اور باطن کو اس میں مخلوق کو نکال دینے سے آراستہ کر۔ (ارشادات غوث اعظم، ص:۲۴۴)

اے غلام! تیرا نفاق تیری فصاحت و بلاغت، چہرہ کے زار بنا لینے، تیرے پیوند گانٹھ لینے، مونڈھوں کے سکڑ لینے اور رونے رلانے سے خدا کی بارگاہ سے تیرے لیے کچھ نہ آئے گا۔ یہ تمام باتیں تیرے نفس شیطانی اور مخلوق کو شریک خدا سمجھنے اور ان سے دنیا طلبی کے سبب سے پیدا ہو گئی ہیں ذرا سوچ! (ایضا، ص: ۲۰۸)

اے خانقاہوں اور گوشوں میں بیٹھنے والو! آؤ میرے کلام وعظ سے اگر چہ ایک ہی حرف کا ہو مزہ چکھ لو۔ تم میری صحبت میں ایک دن یا ہفتہ بھر رہو، تاکہ تم اپنی نفع کی باتیں مجھ سے سیکھ لو۔ تم پر افسوس تم میں سے اکثر تو سراپا ہوس ہی ہوس ہو۔ تم اپنی خانقاہوں میں بیٹھ کر مخلوق کی پوجا کرتے رہتے ہو۔ یہ امر محض خلوتوں میں بیٹھنے سے جہالت کے ہوتے ہوئے حاصل نہیں ہو سکتا ہے جہالت چھوڑ دو"۔ (ایضا، ص: ۲۱۰)

علما و زہاد کا چشم کشا اسلوب: ہر دور میں ایسے علما کا وجود رہا ہے جو امرا و سلاطین کی تملق و چاپلوسی اور خوشامد سے اپنی دنیا آباد اور آخرت برباد کرتے رہے۔ برصغیر میں ابوالفضل، فیضی، تنگ خاندان، محمد اسمٰعیل دہلوی اور قاسم نانوتوی وغیرہ کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے، جن کی بدولت ملت اسلامیہ نامعلوم کتنے فتنے میں مبتلا ہو گئی۔ کچھ ایسے ہی علما حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھے۔ آپ نے ان کو مخاطب فرما کر لوم لائم کی پرواہ کیے بغیر ان کی اصلاح یوں فرمائی:

" اے عالمو! اے زاہدو! تم کب تک بادشاہوں اور حاکموں کے لیے نفاق برتتے رہو گے تاکہ تم ان سے دنیا کا مال و زر، شہوات و لذات حاصل کرتے رہو۔ تم اور اکثر شاہان وقت اللہ کے مال اور اس کے بندوں کے متعلق ظالم اور خائن ہو"۔

" اے اللہ! منافقوں کی شان و شوکت توڑ دے اور ان کو ذلیل فرما۔ ان کو توبہ کی توفیق دے اور ظالموں کا قلع قمع فرما،

زمین کو ان سے پاک کردے یا ان کی اصلاح فرما۔ آمین" (غنیۃ الطالبین مقدمہ، ص: ۲۱)

سلاطین وقت کی اصلاح کا طریقہ: سلطنت و اقتدار کی حرص و ہوس بے شمار مفاسد و منکرات کے ساتھ ساتھ ظلم و ستم اور جبر و تشدد کا بھی باعث بنتی ہے۔ جب امرا و سلاطین ہوس کا شکار ہوتے ہیں تو اس کے لیے ظلم و تعدی کے تمام حدود توڑ کر اپنی ناکام منزل تک پہنچنا ان کے نزدیک عین انصاف بن جاتا ہے۔ چناں چہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی ایسے سلاطین و امرا موجود تھے جن کے دست ظلم و بربریت سے ملت طمانچے کھا رہی تھی ان کے جور و استبداد کا نشانہ بنی ہوئی تھی مگر آپ ان کی شان و شوکت، جاہ و حشمت، رعب و دبدبہ اور سطوت و حکومت سے کبھی مرعوب نہ ہوئے اور بے خوف و خطر ایسے ظالم حکمرانوں کو ظلم و ستم سے روکا اور ان کی اصلاح فرمائی۔ اس حوالہ سے علامہ شطنونی قدس سرہٗ نے متعدد واقعات بیان کیا ہے، یہاں ایک واقعہ جو بڑا ہی نصیحت آمیز اور عبرت خیز ہے ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

غوث پاک کی خدمت میں بادشاہ مستنجد باللہ ابو المظفر یوسف حاضر ہوا۔ اس نے آپ کو سلام کیا اور نصیحت چاہی۔ آپ کے سامنے دس تھیلیاں رکھ دیں جن کو دس غلاموں نے اٹھا رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا مجھے ان کی حاجت نہیں اور قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس نے بڑی عاجزی کی تب آپ نے ایک تھیلی کو اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا اور دوسری بائیں ہاتھ میں اور دونوں کو ہاتھ سے نچوڑا تو وہ خون ہو کر بہہ گئیں۔ آپ نے فرمایا: اے ابو المظفر کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے کہ لوگوں کا خون لیتے ہو اور میرے سامنے لاتے ہو۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔

(بہجۃ الاسرار، اردو، ص: ۱۷۸، مصنف: امام ابوالحسن شطنونی، مترجم: مولانا حافظ احمد علی شاہ لاہوری، ناشر: مکتبہ رضویہ، لاہور)

ایک مرتبہ بادشاہ وقت خلیفہ المقتفی بامر اللہ نے قاضی ابوالوفا یحییٰ بن سعید بن یحییٰ بن مظفر کو قاضی بغداد مقرر کیا۔ لوگوں نے حضرت قدس سرہٗ سے خلیفہ کی اس عوام دشمنی کی شکایت کی تو آپ نے بر سر منبر خلیفہ کو (جو آپ کی بارگاہ میں موجود تھا) اس طرح پھٹکارا۔ تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنا دیا ہے جو اظلم الظالمین ہے۔ کل قیامت کے دن اس رب العالمین کو جو ارحم الراحمین ہے کیا جواب دو گے۔ یہ سن کر وہ لرزہ بر اندام ہو گیا اور اس پر خشیت الٰہی سے لرزہ طاری ہو گیا۔ اس نے اسی وقت موجودہ قاضی کو قضا کے عہدہ سے معزول کر دیا۔ (غنیۃ الطالبین، ص: ۱۶)

ظالموں کو قیامت کی ہولناکیاں بتا کر انہیں ظلم سے باز رہنے کے لیے ایک عمومی خطاب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اے قوم! قیامت کے دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔ اس دن قدم لغزش میں آجائیں گے۔ مسلمانوں میں سے ہر ایک اپنے ایمان و تقویٰ کے قدم پر کھڑا ہو گا۔ ثابت قدمی موافق اندازۂ ایمان ہو گی۔ اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کر کھائے گا کہ کیوں اور کیسے ظلم کیا تھا۔" (ارشادات غوث اعظم، ص: ۱۹۸)

اہل بغداد کو دل پذیر نصیحت: ۔ بغداد معلیٰ جو کبھی علم و فن اور عظمت و وقار کا بلند مینار تھا، چھٹی دہائی میں اس کی عظمت کا بلند مینار بھی زمین بوس ہو چکا تھا۔ طہارت و پاکیزگی اور شرافت و پرہیزگاری کے بجائے فسق و فجور، معصیت و نافرمانی، عیاشی و فحاشی کا دور دورہ تھا۔ غرض یہ کہ بغداد کا پورا معاشرتی اور سماجی نظام ہلاکت کے بھنور میں پھنس چکا تھا۔ حضور سیدنا

غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے بغدادیوں کی عیش وعشرت میں ڈوبی ہوئی زندگی کو تباہ وبربادی کے طوفان سے نکال کر منزل مقصود تک پہنچانے اور ان کی اصلاح کے لے ہر ممکن کوشش جدو جہد فرمائی۔ چناں چہ خصوصیت کے ساتھ اہل بغداد کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اے اہل بغداد! تمھارے اندر نفاق زیادہ اور خلوص کم ہو گیا ہے۔ اقوال بلا اعمال بڑھ گئے ہیں اور عمل کے بغیر قول کسی کام کا نہیں۔ تمھارے اعمال کا بڑا حصہ جسم بے روح ہے، کیوں کہ روح اخلاص و توحد او رسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم ہے غفلت مت کرو اپنی حالت کو پلٹو تاکہ تم کو راہ ملے۔ جاگ اٹھو اے سونے والو! اے غفلت شعارو بیدار ہو جاؤ! اے سونے والو جاگ اٹھو۔ (غنیۃ الطالبین مقدمہ، ص:۱۵)

ایک بزم میں آپ نے اہل عراق کو یوں مخاطب فرمایا:

اے اہل عراق! تم علم و ذکا کے مدعی ہو تم ذکا کا دعویٰ کرتے ہو حالاں کہ تم پر یہ امر مخفی ہے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے؟ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے؟

تمھیں حق و باطل میں تمیز نہیں، تمھارے جھٹلانے کا نقصان تمھیں پر لوٹنے والا ہے اور مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ خدا کا چاہنے والا' اس کی جنت کا چاہنے والا اس کی دوزخ سے خائف نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اس کی ذات کو چاہتا ہے اور اس کی دوری سے ڈرتا ہے تو' تو شیطان نفس اور شہوات کا قیدی بنا ہوا ہے اور تو کچھ نہیں رکھتا، تیرا قلب مقید ہے اور تجھے کچھ معلوم نہیں۔ (ارشادات غوث اعظم، ص: ۲۸۱)

نوجوانان ملت کے نام آپ کا اصلاحی پیغام: عہد شباب کو دیوانگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انسان اس منزل میں آکر لذات وشہوات کی طرف زیادہ مائل ہو جاتا ہے اور فسق و فجور کا دلدادہ بن جاتا ہے۔ سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ نوجوانوں کے کردار و عمل کی درستگی کے پیش نظر بالخصوص ان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اے نوجوانو! تم توبہ کرو کیا تم اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھتے کہ وہ بلا سے تمھاری آزمائش کرتا ہے تاکہ تم توبہ کرلو، مگر تمھیں سمجھ نہیں آتی اور اس کے گناہوں پر اصرار کر رہے ہو۔ اس زمانے میں سوائے چند مخصوص آدمیوں کے جس کی بھی آزمائش بلا سے ہو رہی ہے، اس کے لیے آزمائش عذاب ہے نہ کہ نعمت۔ گناہوں کی سزا ہے نہ کہ درجوں میں اور کرامتوں کی زیادتی۔ (ایضا، ص: ۲۶)

اے قوم! تم بارگاہ خداوندی میں اپنے نفوس کو پیش کرنے اور ان کی جانچ پڑتال میں تاخیر نہ کرو۔ اس بارے میں اپنے نفوس پر قبل آخرت کے دنیا میں ہی جلدی کرلو۔ ارشاد نبوی ہے: اللہ اپنے نیک بندوں پر جنھوں نے دنیا میں پرہیزگاری کی ہے، حساب کرنے میں شرمائے گا، حساب نہ لے گا۔

تو تقویٰ اختیار کرو ورنہ کل تیرے گلے میں رسوائی کی رسی ہوگی۔ تو اپنے تصرفات دنیوی میں تقویٰ لازم کرو ورنہ تیری خواہشات دنیا و آخرت میں سراپا حسرتیں بن جائیں گی۔ (ارشادات غوث اعظم، ص:۲۵۲)

آپ کی ان مواعظ حسنہ اور خطبات حکیمانہ کا یہ اثر ہوا کہ بغداد جو عیش وعشرت کا گہوارہ، رندی اور سربستہ کا ٹھکانہ تھا،

جہاں کے نوجوان رئیس زادے اور شرفا آداب و شرافت اور سیادت بھلا چکے تھے، بہت جلد راہ راست پر آ گئے۔ان کی سر مستیاں ماند پڑ گئیں، ہزاروں افراد نے آپ کے دست حق پر توبہ کی۔صرف مسلمان ہی تائب نہیں ہوئے بلکہ صدہا یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔چناں چہ مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ بغداد کی ایک بڑی آبادی نے حضرت والا کے دست پاک پر توبہ کی اور بکثرت یہود و نصاریٰ اور اہل ذمی مسلمان ہوئے۔ (ماخوذ:اخبار الاخیار،ص: ۳۸)

وصال: حضرت شیخ نے نوے سال کی عمر میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔۱۱/یا ۱۷/ربیع الثانی ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء شب دوشنبہ بعد نماز عشا مرض نے شدت اختیار کی۔تو آپ کے صاحب زادے شیخ عبدالوہاب نے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمایئے تاکہ آپ کے بعد اس پر عمل کروں۔اس جامع وصیت کے بعض اقتباسات ہدیۂ قارئین ہیں:

”ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو۔اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔اپنی تمام ضروریات خدا کے سپرد کر دو۔صرف اسی پر بھروسہ رکھو۔توحید اختیار کرو؛کیوں کہ توحید پر سب کا اجماع ہے۔جب دل خدا کے ساتھ درست ہو جاتا ہے تو کوئی چیز اس سے چھوٹتی اور نہ کوئی چیز اس سے باہر نکل جاتی ہے“۔

بوقت وفات تین بار اللہ اللہ فرمایا۔پھر خاموش ہو گئے۔اور رحمت حق سے جاملے۔نماز جنازہ حضرت سید سیف الدین عبدالوہاب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔آپ کے جنازہ میں پورا بغداد اور اطراف و جوانب کے لاتعداد لوگوں نے شرکت کی۔

مزار مقدس آپ کے مدرسہ کے رواق میں باب ازج کے نزدیک شہر بغداد میں واقع ہے۔یہاں ہر روز صبح و شام زائرین کا اژدہام ہوتا ہے اور لوگ فیوض و برکات سے مالامال ہوتے ہیں۔(تذکرہ مشائخ عظام،ج:۱،ص:۲۱۳)

تصنیفات: وعظ و تقریر کے علاوہ تحریر و تصنیف سے بھی آپ نے اصلاحِ امت کا فریضہ انجام دیا۔آپ کی بیش بہا تصنیفات اور گران قدر کتب و رسائل آج بھی پوری دنیا کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

(۱)الغنية الطالبين طريق الحق فى الاخلاق و التصوف والادب الاسلامية (۲)الفتح الربانى(۳)فتوح الغيب (٤) حجب بشائر الخيرات فى الصلاة على صاحب الأيات البينات (٥) جلا, الخاطر ممن كلام الشيخ عبد القادر(٦)حزب الرجا,والانتها, (٧) الرسالة الغوثية (٨)معراج لطيف المعانى (٩)يواقيت الحكم(١٠)المواهب الرحمانية (١١) وصايا الشيخ عبد القادر (١٢)القصيدة الامية الغوثية (١٣)سر الاسرار فى التصوف (١٤) رسائل الشيخ عبد القادر (١٥) ديوان الشيخ عبد القادر (١٦) كتاب الفيوضات الربانية (١٧) ثنية الغيبى يلىٰ رو يةالنبى ﷺ (١٨)الرس علىٰ الرافضه (١٩) حجب عبد القادر الكيلانى (٢٠) مسك الختام (٢١)الكبريت الاحمر—— (الشيخ عبد القادر الجيلانى للدكتور عبد الرزاق الكيلانى ،ص: ٣٢٠—— مطبوعه: مرکز اهل سنت برکات رضا ، گجرات)

ان تصانیف کے علاوہ مزید اور تصانیف کے بارے میں مؤرخین نے ذکر نہیں کیا ہے۔ہو سکتا ہے کہ تاتاریوں نے جب

بغداد میں عظیم طوفان برپا کیا، علما کا قتل عام کیا، بغداد کی لائبریریاں جلا کر ان کی راکھ دریائے دجلہ کے سپرد کر دی کہ تین دن تک اس راکھ سے اس کا پانی سیاہ ہو کر بہتا رہا۔ اسی فتنے میں وہ کتابیں بھی ان ظالموں نے نذر آتش کر دی ہوں، بہر حال کتب تاریخ میں جن تصانیف کا ذکر ملا، ان کی فہرست اوپر درج ہوئی۔ اب ان میں کچھ کتابوں پر ایک عبوری نظر بھی ڈالتے چلیں۔

(۱)**غنیۃ الطالبین:** دین اسلام، مسائل شرعیہ اور علوم معرفت کے بارے میں ایک مستند اور لازوال کتاب ہے۔ دینی و اخلاقی اور علمی افادیت و ہمہ گیری کے لحاظ سے ایک زندہ و جاوید تصنیف ہے۔ جو مصنف ﷺ کی بلند پایہ علمی و دعوتی سیرتی و شخصیت کا آئینہ ہے۔

(۲) **فتوح الغیب:** علم تصوف و سلوک پر بلند پایہ کتاب ہے جو ۸۰ مقالات پر مشتمل ہے۔

(۳)**فتح الربانی:** یہ کتاب حضرت شیخ کے دو سالہ ارشادات و مواعظ کا مجموعہ ہے۔ جس میں تیراسی خطبات یکجا کیے گئے ہیں۔ الفاظ و عبارت وہی ہیں جو بوقت وعظ شیخ کے دہن مبارک سے نکلے۔ اسی لیے قاری پر وہی اثر طاری ہوتا ہے۔ جو شیخ کی مجلس میں بیٹھنے والے پر ہوتا تھا۔

(۴) **القصیدۃ الامیۃ الغوثیہ:** یہ قصیدہ عربی زبان میں ہے۔ جو عالم جذب میں زبان مبارک سے صادر ہوا جس کے پڑھنے سے محبت الٰہی دل میں موجزن ہونے لگتی ہے۔

(۵)**دیوان الشیخ عبدالقادر:** حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ ستھرے شعری ذوق کے مالک تھے۔ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں بلند پایہ علمی و روحانی اشعار زبان مبارک سے بے ساختہ صادر ہوا کرتے تھے۔ ایک فارسی دیوان آپ کی جانب منسوب ہے۔ جو اعلیٰ اخلاقی و روحانی اشعار کا گنجینہ ہے۔

یہ تمام کتابیں حضرت محبوب سبحانی کی شریعت و طریقت میں وہ معرکہ آرا کتابیں ہیں۔ جن سے اہل علم استفادہ کرتے آرہے ہیں۔ اور یہ تصنیفات حضور محبوب سبحانی کی آخری یادگار ہیں۔ جو علوم و معارف کا خزانہ اور طریقت و سلوک کا گنج گراں سرمایہ ہیں۔ (تذکرہ مشائخ عظام، ج:۱، ص:۲۱۲)

☆☆☆☆☆☆

محمد شاداب، التفات گنج، امبیڈکر نگر، جماعت: سادسہ Mo:8423484540

نام و نسب: آپ کا اسم گرامی احمد، کنیت: ابوالعباس اور لقب: **مستظہر باللہ** ہے۔ آپ کے والد خلیفہ ابوالقاسم عبداللہ الملقب بہ مقتدی بامراللہ ہیں۔ (تاریخ الخلفا مترجم: امام جلال الدین سیوطی، مترجم: اقبال الدین ص: ۴۰۳، ناشر: نفیس اکیڈمی، کراچی)

آپ نبی اکرم ﷺ کے مشفق چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہیں۔

سلسلۂ نسب یہ ہے: احمد بن عبداللہ بن محمد بن قائم بامراللہ بن قادر باللہ بن مقتدر باللہ بن معتضد باللہ بن موفق بن متوکل علی اللہ بن معتصم باللہ بن ھارون رشید بن مہدی بن منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب۔

ولادت: آپ کی ولادت ماہ شوال ۴۷۰ھ بغداد میں ہوئی۔ (تاریخ الخلفا، ص: ۴۰۳)

خاندانی پس منظر: آپ کا خاندان بنو عباس کے نام سے مشہور و معروف ہے، جس کے مورث اعلیٰ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ خاندان دولت بنو امیہ کے خاتمہ کے بعد منصب خلافت پر فائز ہوا۔ سب سے پہلے ۳/ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو عبداللہ سفاح نے تخت خلافت پر قدم رکھا اور کوفہ کو دارالخلافہ بنایا۔ لیکن خلیفہ منصور نے اسے بغداد میں منتقل کر دیا۔ یہ خاندان ۶۵۵ھ تک خلافت بغداد پر قائم رہا۔ یہ خلافت پورے عالم اسلام کے لیے مرکزی حیثیت رکھتی تھی، اس کے عہد خلافت میں جتنی بھی حکومتیں قائم ہوئیں سب کو اس کی بالادستی اور سیادت تسلیم تھی۔

آپ کے آبا واجداد میں آپ کے دادا محمد اور موفق کے سوا منصور تک سب کے سب خلافت کے عظیم منصب سے سرفراز ہوئے۔ ان خلفا میں سب کے سب بلند ہمت خلیفہ تھے۔ خلیفہ قادر باللہ سے پہلے دیالمہ اور بنو بویہ جو شیعہ تھے، خلافت پر پوری طرح سے حاوی ہو گئے تھے۔ لیکن قائم بامراللہ نے اپنی فراست و دانائی کو بروئے کار لا کر سلجوقیوں کی مدد سے خلافت کو ان سے آزاد کرایا۔ آپ کے دادا محمد کا انتقال آپ کے پردادا قائم بامراللہ کے دور خلافت میں ہی ہو گیا تھا۔ اس لیے قائم کے بعد خلافت آپ کے والد کے حصے میں آئی اور آپ ۱۹/ سال خلیفہ رہے۔ والد کی وفات کے بعد آپ نے منصب خلافت کو زینت بخشی۔

علمی قابلیت: آپ وسیع علم اور عظیم فضل کے مالک تھے۔ خط نہایت پاکیزہ تھا۔ انشا پردازی اور ادب میں بلند ذوق تھے۔ خط کی خوبصورتی اور توقیعات کی عمدگی میں کوئی آپ کا مقابل نہ تھا۔ آپ کی مختصر توقیعات آپ کے ذوق ادب کا نمونہ ہیں۔ ابن اثیر نے آپ کے یہ اشعار بطور نمونہ اپنی تاریخ میں نقل کیے ہیں۔

اذاب حرالهوى فى القلب ما جمدا ۔ لما مددت إلى رسم الوداع يدا
وكيف أسلك نهج الإصطبار وقد ۔ أرى طرائق فى مهوى الهوى قددا
قد أخلف الوعد بدر قد شغفت به ۔ من بعد ما قد وفى دهرى بما وعدا
إن كنت انقض عهدالحب فى خلدى ۔ من بعد هذا فلا عاينته أبدا

(الکامل فی التاریخ لابن اثیر، ج:۱۰، ص:۲۳۱، دار صادر، بیروت)

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے: آپ کاتب، حافظ قرآن، فصیح و بلیغ، شاعر اور کثیر علم والے تھے۔ امور خلافت کا اچھا علم تھا۔ (البدایہ والنھایہ، ج:۱۲، ص:۱۸۲)

آپ کے اقوال آپ کے علم و فضل کی ترجمانی کرتے ہیں۔ امام ذہبی نے سیر اعلام النبلا میں آپ کے درج ذیل اقوال ذکر کیے ہیں۔

(۱) خير ذخائر المرء لدنياه ذكر جميل و لآخرته ثواب جزيل.
(۲) شح المرء بفلسه من دناءة نفسه.
(۳) ألصبر على الشدائد ينتج الفوائد.
(٤) أدب السائل أنفع من الوسائل.
(٥) بضاعة العاقل لا تخسر، وربحها يظهر فى المحشر.

(سیر اعلام النبلا، امام ذهبی، ج:۱۹، ص:۳۹۹)

ترجمہ: (۱) انسان کا اس کی دنیا کے لیے سب سے بہترین ذخیرہ ذکر جمیل اور آخرت کے لیے اجر جزیل ہے۔ (۲) انسان کا اپنے پیسے میں بخل کرنا اس کے نفس کی خساست ہے۔ (۳) مصیبتوں پر صبر کرنا مفید ہوتا ہے۔ (۴) سائل کا ادب، وسائل سے زیادہ نفع بخش ہے۔ (۵) عاقل کے سرمایہ میں خسارہ نہیں ہوتا ہے اور اس کا نفع محشر میں ظاہر ہوگا۔

خلافت: ۱۵ر محرم الحرام ۴۸۷ھ کو آپ کے والد خلیفہ مقتدر باللہ نے اچانک داعیِ اجل کی پکار پر لبیک کہا اور اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔ ان کے وزیر نے آپ کو معاملے سے آگاہ کیا اور بار خلافت اٹھانے کے لیے تیار کیا۔ سب سے پہلے وزیر نے ہی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلطان برکیارق کے پاس قاصد بھیجا۔ قاصد نے برکیارق کو حالات کی خبر دی اور اس سے خلیفہ مستظہر باللہ کی بیعت لی۔ مقتدی کی موت کے تیسرے دن اعلان کیا گیا۔ اس کے بعد برکیارق کا وزیر عز الملک اس کا بھائی بہاء الملک، امرائے سلطنت، تمام ارباب مناصب، قاضی القضاۃ، امام غزالی، شاشی ان کے علاوہ دیگر علما اور نقبا اپنے ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کے وقت آپ کی عمر ۱۶ر سال ۲ ر مہینہ تھی۔ (ابن اثیر، ج:۱۰، ص:۲۰۶)

اوصاف و کمالات: آپ جامع اوصاف خلیفہ تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے آپ کو پانچویں صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔ (التنبئہ، امام سیوطی ص:۶۱، دار الثقۃ للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ، طبع اول: ۱۴۱۰ھ)

ابن اثیر نے بیان کیا ہے کہ آپ نرم خو، پسندیدہ خصال، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے تھے۔ ثواب اور نیکی کے کاموں میں بڑے تیز دست اور مستعد تھے۔ کسی عزت و شرف کے سوال کو رد نہ کرتے، عمال پر کامل اعتماد رکھتے، ان کے

بارے میں کسی کی چغلی اور شکایت پر کان نہ دھرتے تھے۔ خود غرض لوگوں کی باتوں سے آپ کے عزم میں فرق نہ آتا اور نہ ہی اپنی رائے بدلتے تھے۔(ابن اثیر، ج:۱۰ص:۵۳۶،۵۳۵)

حسن انتظام اور رعایا کے سکون و راحت اور فارغ البالی کے اعتبار سے بھی آپ کا دور ممتاز تھا۔(مصدر سابق)

آپ کا زمانہ رعایا کے لیے سرور و شادمانی کا دور اور اپنی گوناگوں خوبیوں کے اعتبار سے گویا ہر روز، روز عید تھا۔ آپ سلطان اور اس کے نائب کے حکم کی بھی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔(مصدر سابق)

ذہبی نے سیر میں ابن نجار کا قول نقل فرمایا ہے کہ آپ کے اندر جود و سخا کا وصف نمایاں تھا۔ علما اور اہل دین کو محبوب رکھتے اور مساکین کی دل جوئی فرماتے تھے۔ بلند ہمت، نیک سیرت، اچھے افعال والے اور راست گو تھے۔

(سیر اعلام النبلا، ذہبی، ج:۱۹، ص:۳۹۸المکتبۃ الاسلامیہ، مصر)

تاریخ الخلفا میں ہے کہ آپ دشمنوں کے سامنے سینہ سپر رہتے، لوگوں کو منصب، جاگیر اور خلعت وغیرہ بھی عطا کیا کرتے تھے۔(تاریخ الخلفا مترجم ص:۴۰۷)

آپ عابد و زاہد تھے، نماز انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرماتے۔ علامہ ذہبی نے سیر میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ رمضان میں امام نے تراویح کی پہلی دو رکعتوں میں ایک ایک آیت تلاوت کی جب سلام پھیر کر نماز ختم کی تو مستظہر نے ان سے کہا زیادہ تلاوت کرو تو امام نے دو دو آیتیں تلاوت فرمائیں پھر مستظہر نے کہا اور زیادہ تلاوت کرو تو امام صاحب ہر رات میں ایک ایک پارہ پڑھنے لگے۔(سیر اعلام النبلاج:۱۰، ص:۳۹۸)

وفات: اس بات پر سب متفق ہیں کہ آپ کی وفات تراقی کے مرض میں ہوئی۔ لیکن تاریخ وفات کے سلسلے میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔

سیر اعلام النبلا میں ہے کہ آپ کی وفات جمعرات کے دن سحر کے وقت ۱۷/ ربیع الآخر ۵۱۲ھ میں ہوئی۔ عمر ۴۱/ سال ۶/ دن ہوئی۔ (مصدر سابق ص:۴۰۰)

حیات الحیوان میں آپ کی تاریخ وفات ۲۳/ ربیع الآخر ۵۱۱ھ مذکور ہے۔ اس طرح کل عمر ۴۱/ سال ہوئی۔

(حیات الحیوان، علامہ محمد بن موسیٰ الدمیری، ج:۲، ص:۳۰۸)

علامہ جلا الدین سیوطی نے تاریخ الخلفا میں تحریر فرمایا: آپ کی وفات بدھ کے دن ۱۳/ ربیع الاول ۵۱۲ھ میں ہوئی۔ مدت خلافت ۲۵/ سال ہے۔ (تاریخ الخلفا، سیوطی، ص:۴۰۷)

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ آپ کی وفات ربیع الآخر ۵۱۲ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر ۴۱/ سال ۶/ مہینے ۶/ دن ہے۔ مدت خلافت ۲۴/ سال ۳/ مہینے ۱۱/ دن ہے۔ آپ کی نماز جنازہ آپ کے صاحب زادے خلیفہ مسترشد باللہ نے پڑھائی اور آپ بغداد میں مدفون ہوئے۔(ابن اثیر ج:۱۰، ص:۵۳۴)

موت کے وقت آپ نے یہ فرمایا تھا: یا کوکبا ما کان أقصر عمرہ و کذلك عمر کواکب الأسحار۔(سیر اعلام النبلاج:۱۰، ص:۴۰۰)

ترجمہ: اے ستارے تیری عمر کتنی کم ہے یہی حال سحر کے ستاروں کی عمر کا ہے۔☆☆☆
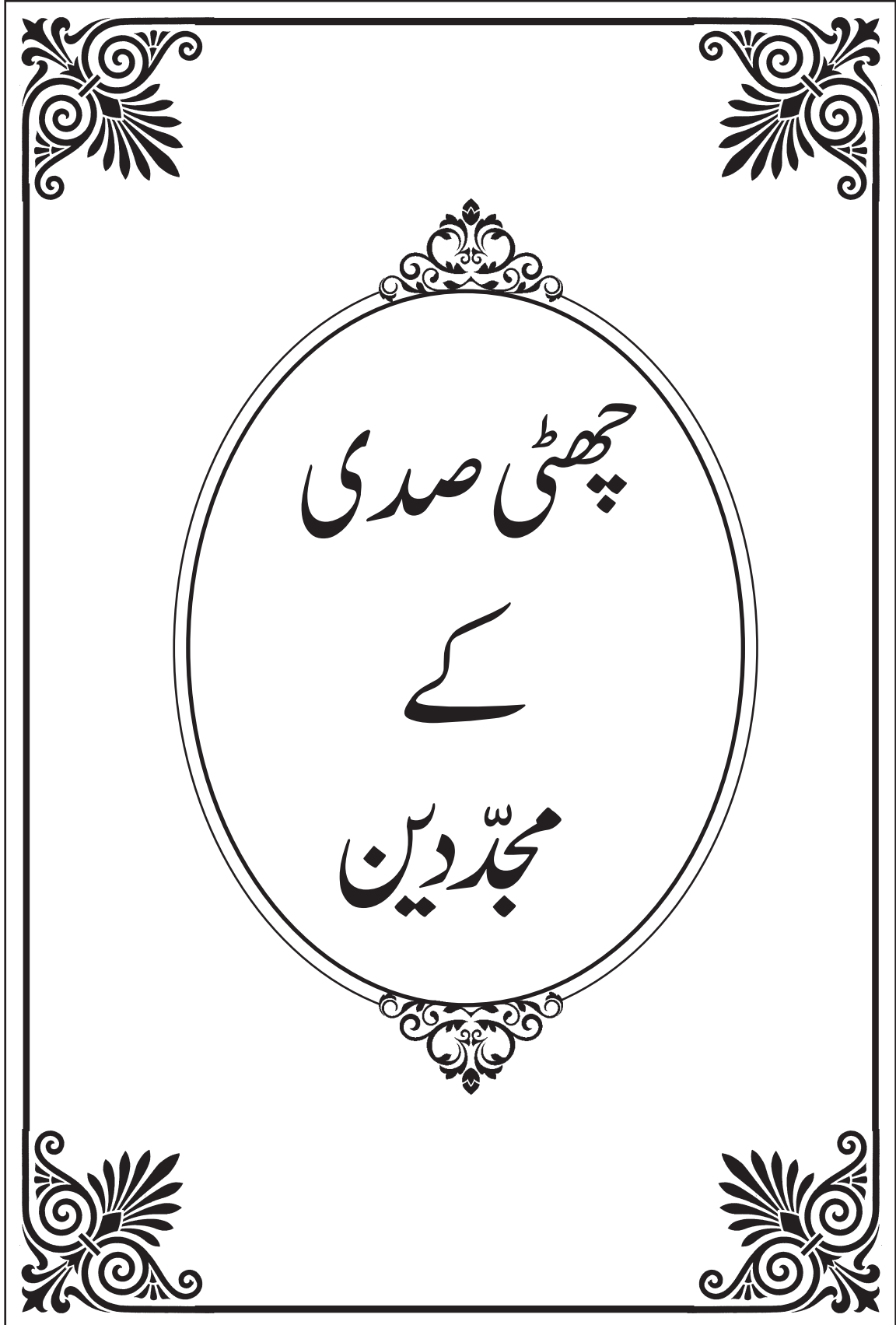
چھٹی صدی
کے
مجدّدین

چھٹی صدی کے مجددین

★ حضرت امام فخرالدین محمد بن عمر رازی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ

حامد رضا نرالے ،پورنیہ، جماعت: فضیلت Mo:9170690735

چھٹی صدی کا زمانہ ابھی اپنے نصف اول کی تکمیل سے تقریباً چھ قدم دور تھا کہ سرزمین "رے" میں ایک باکمال بچہ پیدا ہوا، دینی و عصری علوم سے فراغت کے بعد اپنی خداداد صلاحیت کی بنیاد پر دین اسلام کی آبیاری کا بیڑا اٹھایا اور خدا کا نام لے کر اس عظیم کام کے لیے اٹھ کھڑا ہوا؛ دین اسلام کے گرد و غبار سے اَٹے ہوئے گوشوں کو پھر سے نکھارا اور چمکایا، باطل سے ہر موڑ پر پنجہ آزمائی کی، احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے جن چیزوں کی ضرورت تھی ان تمام کو بروئے کار لاکر باطل کے تمام چیلنجز کا مکمل طور سے سامنا کیا تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے رکھ دیا، آخری دم تک دین اسلام کی آبیاری کرتا رہا اور چمن اسلام کو سرسبز و شاداب کر کے خالق حقیقی سے جاملا۔

اس باکمال شخص کو دنیا "امام فخر الدین الرازی" کے نام سے جانتی ہے، جنہیں ان کی اعلیٰ خدمات اور تجدیدی کارناموں کی وجہ سے متاخرین علماے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹی صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے۔

ذیل میں انہی کے حیات و خدمات کا مختصر خاکہ پیش کیا جا رہا ہے:

نام و نسب: آپ کا نام نامی اسم گرامی: محمد ہے۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج:۴، ص:۲۸۳۔ طبعۂ اولیٰ ۱۹۹۹ء۔ مکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

کنیت: ابو عبداللہ (وفیات الاعیان) اور ابو المعالی ہے۔ (النجوم الزاہرہ)

آپ کو ابو الفضل، (اخبار العلما) ابن خطیب رَے اور ابن خطیب بھی کہا جاتا ہے۔

(تاریخ الاسلام و وفیات المشاہیر و الاعلام، ج:۴۳، ص:۲۱۴، مکتبہ دار الفکر، بیروت، لبنان)

آپ کا لقب: امام فخر الدین رازی ہے۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج:۴، ص:۲۸۳۔ طبعۂ اولیٰ ۱۹۹۹ء۔ مکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)، جبکہ مقام "ہرات" میں شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ (تاریخ الاسلام و وفیات المشاہیر و الاعلام، ج:۴۳، ص:۲۱۴، مکتبہ دار الفکر، بیروت، لبنان)

آپ کے والد ماجد کا اسم شریف عمر اور لقب ضیاء الدین ہے۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج:۴، ص:۲۸۳۔ طبعۂ اولیٰ، ۱۹۹۹ء۔ مکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

آپ کا سلسلۂ نسب یوں ہے: محمد بن عمر بن حسن بن حسین تیمی بکری قرشی، آپ طبرستانی الاصل ہیں۔
(مقدمۂ تفسیر کبیر، ص: ۳، مطبوعہ ۱۹۹۰ء، مکتبہ دارالفکر، بیروت، لبنان)

خاندانی پس منظر: آپ نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولیں وہ گھرانا صاحب علم وفضل تھا، خود آپ کے والد ماجد مقام رے میں اپنی علمی لیاقت کی بنیاد پر پہچانے جاتے تھے، دینی علوم میں قابلیت وصلاحیت کی بنیاد پر آپ کو "ضیاء الدین" جیسے اہم لقب سے ملقب کیا گیا تھا، گو کہ دنیاوی اعتبار سے آپ کا خانوادہ بہت حد تک قابل اعتنا نہ تھا، لیکن علوم عقلیہ ونقلیہ کے مشاغل نے آپ کے خاندان کو معزز ومکرم بنادیا تھا۔

ولادت: علم وفضل سے مزین اس بافیض گھرانے میں رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں مقام "رے" میں آپ کی پیدائش ہوئی، (مصدر سابق) سن ولادت میں مورخین اور علمائے اخبار کے درمیان قدرے اختلاف ہے۔

تاج الدین سبکی نے اپنی کتاب " طبقات الشافعیہ الکبریٰ" میں اولاً ۵۴۳ھ ذکر کیا ہے پھر "قیل" کہہ کر ۵۴۴ھ لکھا ہے۔

علامہ ابن کثیر دمشقی نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف "البدایہ والنہایہ" میں ابن اثیر کے حوالہ سے ۵۴۳ھ بیان کیا ہے۔

علامہ شمس الدین محمد بن احمد نے اپنی کتاب "تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام" میں ۵۴۴ھ بتایا ہے۔

امام فخرالدین کی کتاب "مفاتیح الغیب معروف بہ تفسیر کبیر" کے مقدمہ میں روزنامہ "ازہر" کے مدیر جناب خلیل المیس نے علامہ سمعانی کی کتاب "انساب" کے حوالہ سے ۵۴۴ھ درج کیا ہے۔

جب کہ "مفتاح السعادۃ" میں علامہ احمد بن مصطفیٰ نے دونوں تاریخوں کا ذکر کیا ہے۔

ظاہری و باطنی علوم سے سرفرازی: آپ نے ابتدائی علوم اپنے والد ماجد ضیاء الدین عمر بن حسن سے حاصل کیے، اپنے والد سے استفادۂ علوم میں آپ نے کسی فن کا اختصاص نہیں کیا بلکہ تمام تر دینی وعصری علوم کی تحصیل کا ایک سلسلہ جاری رکھا، چناں چہ ابھی آپ نے علومِ ضروریہ کی تکمیل بھی نہ کر پائی تھی کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ پھر آپ نے دوسرے شیوخ اور معروف علمائے کرام کی بارگاہوں میں بصد ذوق وشوق زانوئے تلمذ تہ کیا، جن میں محی السنہ ابو محمد بغوی صاحبِ معجم البغوی سے عرصۂ دراز تک علم کی تشنگی بجھاتے رہے۔ اصول کی تکمیل کے بعد آپ نے علمِ حکمت کے حصول کا ارادہ کیا اور مقامِ "مراغہ" پہنچے، جہاں امام غزالی کے شاگرد رشید، صاحب تصانیف، بزرگ عالم دین امام "مجد جیلی" علم حکمت کے گوہر آبدار مشتاقان حکمت کی جھولیوں میں ڈال رہے تھے، آپ نے بھی ان سے خوب خوب فیض حاصل کیا، پھر علم فقہ کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے اور علامہ کمال سمنانی سے اس کی تکمیل کی۔

(خلاصہ طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج:۴، ص:۲۸۵۔ طبعۂ اولیٰ ۱۹۹۹ء۔ مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

آپ کی ذہانت ومحنت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے امام الحرمین کی علم کلام میں لکھی گئی کتاب "شامل" کو حفظ کر لیا تھا، (مصدر سابق) امام غزالی کی کتاب "المستصفیٰ" اور ابوالحسین معتزلی کی کتاب "المعتمد" کے بھی حافظ تھے۔

(مقدمۂ تفسیر کبیر، ص: ۴، مطبوعہ ۱۹۹۰ء، مکتبہ دارالفکر، بیروت، لبنان)

قلمی جواہر پارے: امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ نے علوم دینی وعصری کی تکمیل کے بعد ہی تالیف و تصنیف کو اپنا اہم مشغلہ بنالیا اور تقریباً دو سو کتابیں مختلف علوم وفنون میں لکھیں، جن میں مخصوص کا ذکر کیا جاتا ہے

(۱) تفسیر کبیر: اس کا نام خود امام رازی نے "مفاتیح الغیب" رکھا تھا۔ دونوں ناموں میں سے کسی بھی نام سے موسوم کیا جائے مسمّیٰ پر حرف بہ حرف صادق آئے گا، کیوں کہ یہ تفسیر حجم و معلومات کے اعتبار سے تمام تفسیروں میں تقریباً بڑی ہے اور واقعتاً طالبوں کے لیے غیب کی کنجیاں اس میں جمع کی ہوئی ہیں۔ اس تفسیر کی تعریف میں خود صاحبِ تفسیر رحمۃ اللہ کا ایک بیان شافی وکافی ہے، فرماتے ہیں کہ: یاد رکھو! بعض اوقات میری زبان پر یہ بات گزری ہے کہ سورۂ فاتحہ کے فوائد اور اس کے محاسن سے دس ہزار مسائل کا استنباط کیا جانا ممکن ہے، تو بعض حاسدوں نے اسے بعید سمجھا، اس لیے میں نے اس کتاب کی تصنیف کر دی اور ایک مقدمہ لکھا تاکہ یہ اس کے اوپر دلیل ہو جائے جو میں بیان کروں کہ یہ امر ایسا ہے جو بالکل ممکن الحصول ہے۔ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کے اندر ہر غریب و نادر چیزوں کو جمع کر دیا ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے، لیکن وہ اس کی تکمیل نہیں کر پائے، شیخ نجم الدین احمد بن محمد القموی نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن وہ بھی تکمیل سے پہلے دارِ بقا کی طرف چل بسے، پھر قاضی شہاب الدین بن خلیل دمشقی نے اس کو مکمل کیا۔ (مصدر سابق)

(۲) نہایۃ العقول: جس کا پورا نام "نہایۃ العقول فی الکلام فی درایۃ الاصول" ہے، علم فقہ میں ایک جامع کتاب ہے۔

(۳) اساس التقدیس: علم کلام میں لکھی گئی ہے، جس میں جسمانیت اور عوارض جسمانیت سے بحث کی گئی ہے۔

(۴) اسرار التنزیل و انوار التاویل: اس کے چار حصے ہیں: پہلا اصول میں، دوسرا فروع میں، تیسرا اخلاق میں، چوتھا مناجات و دعا میں؛ لیکن ابھی پہلی جلد بھی مکمل نہ ہو پائی تھی کی حضرت کا انتقال ہو گیا۔

(۵) تفسیر فاتحہ، بقرہ اور اخلاص: تفسیر کبیر کے علاوہ ان سورتوں کی بھی مکمل علاحدہ تفسیر فرمائی ہے۔

(۱۵ کشف الظنون، ص:۱۷۰۶)

(۶) معالم فی اصول الدین: جس میں عقائد کے مباحث کو بیان کیا گیا ہے۔

(۷) معالم فی اصول الفقہ: جس میں فقہی قواعد کا بیان ہے۔

(۸) معالم فی الکلام: جس میں علمِ کلام کے نکات بیان کیے گئے ہیں۔

(۹) الاربعین فی اصول الدین: اس میں علم کلام کے چالیس مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

(۱۰) المحصول: اس میں فقہی اصول و قواعد کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، چناں چہ متعدّد حضرات نے اس کی تلخیصیں کی ہیں، ملخصین کی صف میں خود امام رازی رحمۃ اللہ بھی شامل ہیں۔

(۱۱) شرح الاشارات: بوعلی سینا نے علم منطق اور علمِ حکمت میں "اشارات" نامی نہایت جامع اور مختصر کتاب لکھی تھی، حضرت نے "کتاب الانارات" نام سے اس کی شرح کی اور بوعلی سینا پر اس کثرت سے اعتراضات وارد کیے کہ لوگوں نے اس کتاب کو "جرح" سے موسوم کر دیا۔

(۱۲) بحر الانساب: کتاب کے نام سے ہی اس کا موضوع ظاہر ہے، یہ کتاب ضخامت کے اعتبار بہت عظیم ہے۔ (مصدر سابق)

(۱۳) مناقبِ امام شافعی: امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ چوں کہ مسلکاً شافعی تھے؛ اس لیے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات پر یہ کتاب تصنیف فرمائی۔ (خلاصہ مصدر سابق)

(۱۴) المطالب العالیہ: تین جلدوں پر مشتمل یہ کتاب علم کلام میں ہے اور نامکمل ہے، مصنف ابھی اس کتاب کو تصنیف فرما ہی رہے تھے کہ داعیٔ اجل کا پیغام آیا اور آپ دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ (مفتاح السعادہ، ج:۲، ص:۱۰۸، طبعۂ ثالث ۲۰۰۲ء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

(۱۵) البیان والبرھان فی الرد علی اھل الزیغ والطغیان. (۱٦) المباحث العمادیہ. (۱۷) عیون المسائل. (۱۸) ارشاد النظار. (۱۹) اجوبة المسائل النجاریہ. (۲۰) تحصیل الحق. (۲۱) عیون الحکمة. (۲۲) شرح الاسماء الحسنیٰ. (۲۳) التبیان فی المعانی وغیرھا. (تاریخ الاسلام و وفیات المشاھیر و الاعلام، ج:۴۳، ص:۲۱۷، مکتبہ دار الفکر، بیروت، لبنان)

حضرت نے تصنیف کے علاوہ تشریحی کام میں بھی اپنا زورِ قلم صرف کیا اور جن کتابوں کی شروحات کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی ان کی شرحیں کیں، چناں چہ علامہ زمخشری کی علم نحو میں لکھی گئی کتاب "مفصل الزمخشری"، امام غزالی کی علم فقہ میں لکھی گئی کتاب "وجیز الغزالی" اور علامہ ابو العلی کی "سقط الزند" کی شرحیں لکھیں۔ نیز ابو المظفر سبط ابن جوزی اور ابو شامہ بیان کرتے ہیں کہ امام رازی نے ابن سینا کی بھی متعدّد کتابوں کی شرحیں کی ہیں۔

(مفتاح السعادہ، ج:۲، ص:۱۱۰، طبعۂ ثالث ۲۰۰۲ء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

مختصر یہ کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کثیر التصانیف عالم دین تھے جنھوں نے تقریباً اس وقت کے تمام رائج علوم پر کتابیں تصنیف کیں، یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ "السر المکتوم فی مخاطبۃ النجوم" نامی کتاب، جو کہ علم نجوم میں ہے ان کی طرف نسبت کرتے ہیں، حالاں کہ یہ ان کی تصنیف نہیں ہے۔ (تاریخ الاسلام و وفیات المشاھیر والاعلام، ج:۴۳، ص:۲۱۵، مکتبہ دار الفکر، بیروت، لبنان۔)

آپ نے شعر و شاعری میں بھی طبع آزمائی کی اور نہایت پر مغز اشعار کہے، بلکہ اشعار میں بھی علم کلام کی الجھی زلفوں کو سنوارتے رہے۔

آپ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

(۱) نهاية اقدام العقول عقال — واكثر سعى العالمين ضلال

(۲) واروا حنافى غفلة من جسو منا — وحاصل دنيانا اذى ووبال

(۳) ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا — سوى ان جمعنا فيه قيل وقالوا

(٤) وكم من جبال قد علت شرفاتها — رجال فزالوا والجبال جبال

(٥) وكم قد رأينا من رجال و دولة — فبادوا جميعا مزعجين وزالوا

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج:۴، ص:۲۸٦۔ طبعۂ اولیٰ، ۱۹۹۹ء۔ مکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

(۱)عقل و خرد کی پیش قدمی کی بے انتہا بیڑیاں ہیں اور پوری دنیا والوں کی اکثر سعی و کوشش باعث گمرہی ہوتی ہے۔

(۲)ہماری روحیں، ہمارے جسموں کے تعلق سے غفلت میں ہیں اور ہماری دنیا کا حاصل و خلاصہ اذیت و پریشانی اور وبال و مصیبت ہے۔

(۳)ہم نے اپنی پوری عمر، اپنی تلاش و جستجو اور تحقیق و تفتیش سے کچھ بھی استفادہ نہ کیا سوائے اس کے کہ اس میں ہم نے قیل اور قالوا جمع کر لیے۔

(۴)اور کتنے بلند و بالا پہاڑ ایسے ہیں کہ جن کی چوٹیوں پر بہت سارے مرد مجاہد چڑھ گئے لیکن پھر گر بھی گئے اور پہاڑ اپنی ہیئت پر برقرار رہا۔

(۵)اور کتنے جیالے بہادر مردوں اور ارباب سلطنت کو ہم نے دیکھا کہ وہ سب کے سب حیران و پریشان ہو کر ہلاک ہو گئے اور ختم ہو گئے۔

فن میں نمایاں مقام: یوں تو امام رازی علیہ الرحمہ عظیم فقیہ، دقاق اصولی، ماہر متکلّم، بلند خیال فلسفی، نبض شناس طبیب، نادر مفسر، بلند پرواز مفکر، ساحر البیان مقرر، بذلہ سنج حکیم، مستغرق صوفی اور نکتہ گو شاعر تھے۔ (مصدر سابق، ص:۲۹۲) لیکن آپ کو علم کلام و فلسفہ میں ایک منفرد مقام حاصل تھا، آپ کی شہرت بطور متکلّم جتنی تھی اتنی کسی دوسرے فن کے اعتبار سے نہ تھی۔ (شذرات الذہب، ج:۵، ص:۲۱، دار الفکر، لبنان) چناں چہ طبقات الشافعیہ کے مصنف نے آپ پر سلسلۂ کلام "امام المتکلّمین" سے شروع کیا ہے اور لکھا ہے کہ علم کلام کے معاملہ میں ان کے سامنے تمام کے تمام خاموش ہیں۔ (مقدمۂ تفسیر کبیر، ص:۶، مطبوعہ ۱۹۹۰ء، مکتبہ دار الفکر، بیروت، لبنان) انہوں نے علم کلام کے ذریعے اہل بدعات کا بھرپور رد کیا۔ آپ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں یکساں خطاب فرماتے، آپ جب خطاب فرماتے تو سامعین پر حال طاری ہو جاتا۔ ایک مرتبہ آپ سلطان شہاب الدین غوری کی مجلس میں وعظ فرما رہے تھے کہ خطابت کے اثر نے ان پر رقت طاری کر دی اور وہ دیوانوں جیسے پکارنے لگے "یا سلطان العالم؛ سلطانک یبقی ولا تلبیس الرازی وان مردنا الی اللہ"۔ آپ کے علمی ہیبت و جلال کا یہ عالم تھا کہ خوارزم شاہ آپ کے پاس آتے، تاکہ علم و فن کے فیضان کو اس پر جاری کریں اور وہ علمی فیضان سے مالا مال ہوں اور اس انداز سے آتے کہ تین سو کی تعداد میں علما و فقہائے کرام اس کے جلو میں چلتے۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج:۴، ص:۲۸۶۔ طبع اولیٰ، ۱۹۹۹ء۔ مکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

تجدیدی کارنامے: امام رازی کا زمانہ آج کے زمانے کی طرح نہ تھا، بلکہ وہ زمانہ ایسا تھا کہ علوم و فنون اپنے عروج و ارتقا کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا، کیا غریب اور کیا امیر سبھی کو دینی و عصری علوم میں دلچسپی تھی، خود امام رازی اور خوارزم شاہ بطور دلیل پیش کیے جا سکتے ہیں، ایسے وقت میں ہدایت و گمراہی دونوں کے لیے کتابوں کا استعمال کیا جاتا تھا، چناں چہ کچھ باطل پسند عناصر، علم کلام و فلسفہ کے ذریعے اسلامی تعلیمات کی روح اور مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل کرنے کے درپے ہو گئے اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ کلام و فلسفہ کے فاسد نظریات کو دین اسلام پر جبراً چسپاں کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے امام رازی جیسے بالغ نظر شخص کو پیدا فرما کر متکلّمین و فلاسفہ کی شر پسندی سے اسلام کو بچایا، چناں چہ آپ نے اکثر کتابیں صرف رد میں تحریر فرمائیں، جس فلسفہ اور کلام کے ذریعے حملہ آوروں نے اسلام کو چیلنج کیا، اسی فلسفیانہ طریقے سے آپ نے ان علوم کو اسلام کی سربلندی کا سبب بنا دیا۔ خدائے قدیر نے آپ

کو علم کلام میں وہ مہارت عطا کی تھی کہ بڑے سے بڑا متکلّم آپ کے سامنے طفل مکتب معلوم ہوتا، چناں چہ آپ نے بہت سی تحریکوں اور باطل فرقوں کی تردید محض علم کلام کے ذریعے کیا اور واصلیہ، کرامیہ، عمریہ، ہذیلیہ، کعبیہ وغیرہ کے سوالات کا وہ دندانشکن جواب دیا کہ بہتیروں نے اسلام کی حقانیت کو سمجھ لیا اور بے دریغ دین حق کی پناہ میں آگئے۔ (خلاصہ مصدر سابق)

آپ کے زمانے میں بدعقیدوں نے ہر چہار جانب سے دین اسلام پر حملے کیے اور اس کی روحانیت کو بدلنے کی کوشش کی، لیکن آپ نے نہایت سنجیدگی سے تمام طرح کی مشکلات کا سامنا کیا، باطل فرقوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اسلام کا پرچم حق بلند و بالا کر دیا۔ جب آپ نے روافض کی جانب رخ کیا تو ان کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا، جب شیعہ پر حملے کیے تو ان کے قلعوں کو مسمار کر دیا، جب فرقۂ معتزلہ کی طرف بڑھے تو ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی لیکن معتزلہ اور اس کی شاخیں اتنی زیادہ پھیل چکی تھیں کہ محض تحریر کے ذریعے انہیں خاموش کرنا ایک مشکل امر تھا، ضرورت تھی کہ لوگوں کے سامنے زبانی بحث ہو، حقانیت ظاہر ہو، باطل روپوش ہو جائے اور عالم و جاہل میں سے ہر ایک اسلام کے صحیح عقائد کو سمجھ جائے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر آپ نے معتزلیوں سے مناظرے کیے اور، ان کی پوری پوری جماعت پر آپ تنہا غالب ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر انہیں اپنی بے عزتی کا احساس ہوا اور انہوں نے آپ کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ صاحب طبقات الشافعیہ لکھتے ہیں: آپ نے ان کی زیادتیوں سے تنگ آکر مقام خوارزم چھوڑ دیا اور ماوراء النہر چلے گئے، یہاں بھی اہل باطل کا ایک گروہ فتنہ انگیزیوں میں مصروف عمل تھا، چناں چہ آپ نے ان سے بھی مناظرے کیے اور ان پر بھی غلبہ حاصل کر لیا تو "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کے مصداق وہ پھر آپ کو پریشان کرنے لگے، جب ان کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئیں تو آپ اپنی جائے پیدائش "رے" میں تشریف لائے اور تائید غیبی کے ساتھ تائید ظاہری حاصل کرنے کے لیے سلطان شہاب الدین غوری اور علاء الدین خوارزم شاہ سے تعلقات استوار کیے پھر باطل گروہوں کا رخ کیا۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج:۴، ص:۲۸۶۔ طبعۂ اولیٰ، ۱۹۹۹ء۔ مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

اور انہیں ایسا پسپا کر دیا کہ وہ بکھر کر رہ گئے۔

انتقال پر ملال: دین اسلام کا یہ چمکتا دمکتا سورج ۶۰۶ھ میں روپوش ہو گیا۔

(مفتاح السعادہ، ج:۲، ص:۱۰۸/ طبعۂ ثالث ۲۰۰۲ء، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

(ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو فرقۂ کرامیہ کے ذریعے زہر دیا گیا تھا)

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج:۴، ص:۲۸۶۔ طبعۂ اولیٰ، ۱۹۹۹ء۔ مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

اور قوم مسلم کو کتابوں کی شکل میں وہ بیش قیمت سرمایہ عطا کر گیا جو صدیوں کے بعد بھی جوں کا توں باقی ہے۔ (آپ کے مزار پر انوار کا کتابوں میں تذکرہ نہیں ملتا) و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و اٰلہ و اصحابہ و اولیائہ اجمعین

☆☆☆

محمد دانش رضا مصباحی، اتر دیناج پور، جماع فضیلت، Mob. No. 7607445167

"حضرت سید خواجہ معین الدین حسن چشتی علیہ الرحمۃ خطۂ سجستان کے قصبہ سجز میں ۱۴؍ رجب المرجب کو پیدا ہوئے۔ آپ کی سنہ ولادت کے سلسلے میں تین قول: ۵۳۰ھ، ۵۳۴ھ اور ۵۳۷ھ ملتے ہیں، جن میں ۵۳۴ھ کو اہلِ تحقیق نے ترجیح دی ہے۔

مقام ولادت کے متعلق تاریخ فرشتہ میں ہے:

"تولد او در بلدہ سجستان بود" [۲/۳۷۵] "ان کی ولادت شہر سجستان میں ہوئی۔" (ایضاً ص: ۷۸)

خاندانی حالات: آپ کے والد گرامی علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے وہ آفتاب تھے، جس کی ضیا باریوں سے ایک خلق کثیر نے استفادہ کیا، چناں چہ اقتباس الانوار ص: ۳۴۷؍ میں "سیر الاقطاب" کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت خواجۂ بزرگ کے والد ماجد، خواجہ غیاث الدین حسن جن کا مزار عراق میں ہے نہایت ہی صالح اور پرہیز گار تھے۔

آپ کا سلسلۂ نسب بارہ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے جاملتا ہے۔ (اقتباس الانوار، ص: ۳۴۶)

نسب نامۂ پدری یہ ہے: خواجہ معین الحق والدین بن سید غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبد العزیز بن سید ابراہیم بن سید محمد مہدی بن امام حسن عسکری بن امام نقی بن امام موسیٰ رضا بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ عنہم اجمعین۔ (اہل سنت کی آواز نومبر ۲۰۰۸، ص: ۷۹)

نسب نامہ: آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ بی بی ماہ نور بھی انتہائی عابدہ اور زاہدہ تھیں، ان کی کنیت ام الورع اور لقب خاص الملکہ تھا۔ نسب نامۂ مادری اس طرح ہے: خواجہ معین الحق والدین بن بی بی ماہ نور بنت سید داؤد بن عبد اللہ اسماعیل بن سید زاہد بن سید مورث بن سید داؤد بن سید موسیٰ بن سید عبد اللہ غنی بن سید نا حسن مثنی بن امام حسن بن سید نا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔

(اہل سنت کی آواز، نومبر ۲۰۰۸ء، ص: ۸۰)

بچپن کے حالات: نہایت ہی عمدہ اور پاکیزہ ماحول میں بڑے ہی ناز و نعم کے ساتھ آپ کی نشو و نما ہوئی، لہو و لعب سے ہمیشہ دور رہتے، آپ بچپن ہی سے سخی الصفت تھے، دوسرے بچوں کو کھلا پلا کر بہت مسرور ہوتے، آپ کی پیشانی سے نور چمکتا تھا؛ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی لکھتے ہیں: عہد طفولیت خوش حالی اور نیک نامی کے ساتھ گزرا۔ بروایت "ہفتاد اولیا

"آثار ولایت وعرفان بچپن ہی سے ناصیۂ سعادت پر نمایاں تھے، اللہ تعالیٰ نے دولت وثروت سب کچھ دے رکھی تھی، ناز ونعم کے ساتھ پلے بڑھے تھے۔(ایضاً، ص:۷۹، بحوالہ ہفتاد اولیا، ص:۲۸۸)

پھر صفحہ ۸۰ر پر مولانا موصوف یوں رقم طراز ہیں:

آپ اپنے بچپن کے خوش گوار ایام میں بھی نیک طبع، خوش خلق، پیکر صبر ورضا اور شان غریب نوازی کے حامل تھے۔ معین الاولیا کے حوالے سے عہد طفولیت میں ان کی شان غریب نوازی کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت خواجہ غریب نواز اپنے عہد طفلی میں ایک مرتبہ عید کے موقع پر نہایت عمدہ لباس زیب تن کیے ہوئے نماز دوگانہ ادا کرنے کے لیے عید گاہ کی جانب تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں آپ کی نگاہ ایک لڑکے پر پڑی، وہ لڑکا اندھا تھا اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ آپ اس لڑکے کو دیکھ کر رنجیدہ ہوئے اور فوری طور پر شان غریب نوازی کو جوش آیا، آپ نے اپنے کپڑے اتار کر اس غریب اور اندھے لڑکے کو دے دیے اور خود پرانے کپڑے پہن کر اس لڑکے کو اپنے ہمراہ لے گئے۔

(ایضاً، ص:۸۰ر بحوالہ ہفتاد اولیا، ص:۳۷۔۳۸)

روحانی انقلاب اور تعلیم وتعلم: آپ ابھی پندرہ برس کے ہی ہوئے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، وراثت میں ایک باغ اور ایک پن چکی ملی تھی، اسی کو ذریعۂ معاش بنایا، باغ کی سینچائی کرتے، اس میں پانی ڈالتے اور اسی سے اپنا گزر بسر کرتے، مگر اللہ جل جلالہ نے آپ کو محض اسی کام کے لیے پیدا نہیں فرمایا تھا، بلکہ اسے تو آپ کے ذریعہ ایک عالم کو راہ راست پر لانا تھا، اس لیے اس کے حکم سے ایک صاحب حال وقال کا وہاں سے گزر ہوا، جن کی ایک نظر کیمیا نے آپ کو خدا تک پہنچنے اور دوسروں کو پہنچانے کا راستہ دکھا دیا اور آن واحد میں آپ کے دل کی دنیا بدل گئی، آپ نے اپنا سب کچھ فروخت کر کے ناداروں میں تقسیم کر دیا اور تعلیم وتعلم میں لگ گئے۔

مرآۃ الاسرار صفحہ ۵۹۳ر میں "سیر العارفین" کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب آپ کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو آپ والد بزرگوار خواجہ غیاث الدین قدس سرہ نے جو نہایت ہی متقی و پرہیز گار تھے، وفات پائی، آپ کا ایک باغ تھا جس کے آمدنی سے بسر اوقات ہوتی تھی، وہاں ایک مجذوب رہتے تھے جن کا نام ابراہیم تھا، ایک دن ان کا گزر حضرت خواجۂ بزرگ کے باغ میں ہوا، آپ نے ان کو نہایت عزت وتکریم کے ساتھ درخت کے نیچے بٹھایا، انگوروں کا خوشہ پیش کیا اور ادب سے ان کے سامنے بیٹھ گئے، ابراہیم نے بغل سے کھلی نکالی اور چبا کر حضرت خواجۂ بزرگ کے منہ میں ڈال دی، اسے کھاتے ہی آپ کے باطن میں نور معرفت چمکنے لگا، چناں چہ آپ گھر بار، ملک واملاک سے متنفر ہو گئے، دو تین دن کے اندر آپ نے اپنا باغ اور سامان فروخت کر کے درویشوں میں تقسیم کر دیا اور طلب حق میں روانہ ہو گئے، مدت تک آپ سمرقند اور بخارا میں رہے، کلام پاک حفظ کیا اور علم ظاہر حاصل کیا۔(مراۃ الاسرار، ص:۵۹۳)

مولانا مبارک حسین مصباحی فرماتے ہیں:

معین الاولیا میں ہے: اس زمانے میں بغداد، سمرقند اور بخارا اسلامی علوم کے مرکز تصور کیے جاتے تھے، چناں چہ غریب

نواز سب سے پہلے خراسان میں رونق افروز ہوئے، خراسان میں ٹھہرنے کے بعد آپ توکل بخدا سمرقند جانے والی سڑک پر چل دیے اور وہاں کے نامور (عالم) مولانا شرف الدین سے آپ نے جملہ علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی اور بہت جلد علوم ظاہری پر دسترس حاصل کر لی۔ آپ سمرقند سے بخارا پہنچے اور وہاں کے شہرۂ آفاق عالم مولانا حسام الدین بخاری کی شاگردی حاصل کی، اکثر روایات کے مطابق سمرقند و بخارا میں حضرت کا زمانۂ قیام مجموعی طور پر پانچ سال ہے۔ (معین الاولیا، ص:۴۰۔۴۱)

مگر ''تذکرۃ المعین فی ذکر الکاملین'' میں ہے:

بغرض تحصیل علم حقہ راہ خراسان لی، وہاں قرآن مجید حفظ کیا، پھر سمرقند ہوتے ہوئے بخارا پہنچے اور مولانا حسام الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چوتیس سال تحصیل علم ظاہری، فقہ و تفسیر اور حدیث میں مشغول رہے۔

(اہل سنت کی آواز، نومبر ۲۰۰۸ء، ص:۸۲، بحوالہ تذکرۃ المعین، از: غلام زین العابدین، مطبع: معینیہ اجمیر، ص:۲)

بیعت و خلافت اور سلوک و معرفت: تاریخ بیعت و خلافت میں سوانح نگار حضرات مختلف الآرا ہیں، ''سوانح معین الدین چشتی'' کے مصنف کی رائے ہے کہ بیعت ۵۵۸ھ میں ہوئی اور مولفِ ''معین الارواح'' کا خیال ہے کہ بیعت ۵۶۲ھ میں ہوئی۔'' (اہل سنت کی آواز، ص:۸۳، بحوالہ معین الارواح، ص:۲۲)

اقتباس الانوار میں ہے: آپ نے تلاش شیخ میں عراقِ عرب کا سفر اختیار کیا، جب آپ قصبۂ ہارون میں پہنچے جو نیشاپور کے نواح میں ہے تو حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوئی اور ڈھائی سال حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر شدید ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے، جب مرتبۂ تکمیل کو پہنچے تو حضرت شیخ نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور رخصت کر دیا، لیکن خواجۂ بزرگ ''انیس الارواح'' میں لکھتے ہیں کہ جب میں بغداد میں حضرت خواجہ عثمان کی خدمت میں پہنچا، مشائخ کبار آپ کی خدمت میں حاضر تھے، اس فقیر نے زمیں بوسی کی تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دوگانہ نماز ادا کرو! میں نے حکم کی تعمیل کی، اس کے بعد فرمایا کہ قبلہ رو ہو کر بیٹھو! میں نے تعمیل کی، آپ نے فرمایا کہ سورۂ بقر پوری پڑھو! میں نے سورۂ بقر پڑھی، آپ نے فرمایا بیس دفعہ کلمۂ سبحان اللہ پڑھو! جب میں نے پڑھ لیا تو آپ کھڑے ہوگئے اور آسمان کی طرف منہ کر کے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا، یہ کہہ کر آپ نے قینچی اٹھا کر میرے سر پر پھیری اور کلاہِ چار ترکی اس درویش کے سر پر رکھی، اس کے بعد گلیم خاص عطا فرمایا اور فرمایا کہ بیٹھ جاؤ! جب میں بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: کہ ایک ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھو! میں نے حکم کی تعمیل کی تو آپ نے فرمایا: ہمارے سلسلہ میں یہی ایک شبانہ روز کا مجاہدہ ہے۔ جاؤ! آج کا دن اور آج کی رات مشغول رہو، چناں چہ اس فقیر نے حکم کی تعمیل میں ایک شبانہ روز عبادت اور شغل باطن میں بسر کیا۔ (اقتباس الانوار، ص:۳۴۷۔۳۴۸)

زیارتِ حرمین اور بشارتِ با برکت: بیعت و خلافت کے بعد ایک زمانے تک عبادت و ریاضت اور سیر و سیاحت میں مرشد کامل کے ساتھ رہے، ایک خادم کی طرح شیخ کا توشۂ سفر اور زاد راہ سر پر اٹھائے، شیخ کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت اور حج و عمرہ کا شرف بھی حاصل ہوا، آپ خود فرماتے ہیں:

(شیخ نے) فرمایا کہ چند روز میرے پاس رہو، میں نے عرض کیا کہ غلام حاضر ہے، اس کے بعد آپ نے کعبۃ اللہ کا سفر

اختیار کیا، جب ہم کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو وہاں بھی حضرت شیخ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے خداے تعالیٰ کے سپرد کیا اور پرنالۂ رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر میرے حق میں دعا کی، غیب سے آواز آئی کہ ہم نے معین الدین حسن کو قبول کر لیا۔ وہاں سے ہم مدینہ منورہ پہنچے، روضۂ اقدس پر پہنچے تو شیخ نے فرمایا کہ سلام کرو! جب فقیر نے سلام عرض کیا تو اندر سے آواز آئی "علیکم السلام یا قطب المشائخ" جوں ہی یہ آواز آئی تو شیخ نے فرمایا: جاؤ! تم کمالات کو پہنچ گئے۔(اقتباس الانوار، ص:۳۴۸)

آمد ہند سے پہلے ہندوستان کی حالت: ہندوستان میں حضرت خواجہ غریب نواز کے قدم میمنت لزوم کے وارد ہونے سے پہلے باشندگان ہند، جبر و ظلم اور کفر و شرک کی تاریک اور غبار آلود فضا میں گھٹ گھٹ کر جی رہے تھے، ہر چھوٹی بڑی چیز کو معبود سمجھ کر اس کی پوجا پاٹ کر کے اسے ذریعۂ نجات خیال کرتے، جادو ٹونا کا دور دورہ تھا، گھٹیا اور بے بنیاد مراسم پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت آدم علی نبینا علیہ السلام کے بعد سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالی نے کسی نبی یا رسول کو ہندوستان کی جانب مبعوث نہیں فرمایا تھا، اگرچہ حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے زمانے سے آمد خواجہ سے پہلے تک فرزندان اسلام ہندوستان کی جانب آتے رہے، مگر اس وسیع و عریض ہندوستان میں وہ گمنام رہے اور تبلیغ وارشاد کا کام اعلیٰ پیمانے پر نہ ہوا، آمد خواجہ کے بعد اس خطہ میں ایک عظیم انقلاب آگیا اور اس کی تاریکی نور اسلام سے بدل گئی، جہاں مشرکانہ صدائیں بلند ہوتی تھیں وہ نعرۂ تکبیر و رسالت سے گونجنے لگی۔

"مرأۃ الاسرار" میں ہے: حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک تک ملک ہندوستان مین کوئی نبی مبعوث نہیں ہوئے، چناں چہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے پانچ سو سال تک آپ کے سوا حق تعالیٰ نے کسی ولی اللہ کو اس قدر تصرف عطا نہیں کیا کہ جس نے پورے ہندوستان کو جو ابتدائے آفرینش سے شرک کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، اپنی ولایت کی قوت سے نور وحدانیت سے منور کر دیا، جیسا کہ اظہر من الشمس ہے، اس بارے میں اس زمانے کے ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے۔

همه غافل از حکم دین شریعت　　همه بے خبر است خدا و پیمبر
نه هرگز کسے دید منجار قبله　　نه هرگز شنیده کس الله اکبر

ترجمہ: سب لوگ شریعت کے احکام سے غافل اور خدا اور رسول سے بے خبر تھے، نہ کسی نے کعبہ دیکھا تھا نہ کبھی اللہ اکبر کی آواز سنی تھی۔

از فیض او بجائے صلیب وکلیسا　　در دار کفر مسجد ومحراب و منبر است
آں جا که بود نعرۂ فریاد مشرکاں　　اکنوں خروش نغمۂ الله اکبر است

(ص:۵۹۳)

ترجمہ: ان کے فیض سے کفرستان میں صلیب و کلیسا کے بجائے مسجد، محراب اور منبر ہے۔ جس جگہ مشرکوں کے فریادی نعرے تھے اب (وہاں) اللہ اکبر کی صدائیں ہیں۔

ہندوستان میں آمد: حضرت خواجہ غریب نواز کو ہندوستان آنے کا حکم بارگاہ نبوی سے ملا تھا اور مختارِ کائنات نے اس کی ولایت بھی انہیں عطا فرمادی چنانچہ آپ ایک دن مدینہ کی مقدس زمین پر مصروفِ عبادت تھے کہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو یہ بشارت ملی :

"اے معین الدین !تو میرے دین کا معین ہے ،میں نے تجھے ہندوستان کی ولایت عطا کی ،وہاں کفر و ظلمت پھیلی ہوئی ہے ،تو اجمیر جا، تیرے وجود سے ظلمتِ کفر دور ہوگا اور اسلام کی رونق بڑھے گی ۔" (سیر الاقطاب ،ص:۱۲۴)

اس ارشاد و بشارت کے بعد چند خدا رسیدہ خادموں کو لے کر بغداد، چشت، خرقان، جہنہ، بخارا، تبریز، اصفہان، ہرات، سبزوار اور مختلف مقامات میں توحید و رسالت کی شمع روشن ،درجنوں مردانِ خدا سے ملاقات ،سینکڑوں نفوس کا تزکیہ اور ہزاروں قلوب کا تصفیہ کرتے ہوئے لاہور آئے اور سید علی ہجویری داتا گنج بخش کے مزارِ مبارک سے فیض یاب ہوئے۔
(خلاصہ مرآۃ الاسرار ص:۵۹۶۔۵۹۷)

رخصت ہوتے وقت حضرت داتا کی شان میں آپ نے یہ شعر کہا۔

گنج بخشِ فیضِ عالم،مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیرِ کامل ، کاملاں را رہ نما

یعنی حضرت داتا کا فیض پورے عالم میں ہے اور آپ نورِ خدا کے مظہر ہیں .راہ طریقت میں جو ناقص ہے اس کے لیے پیرِ کامل ہیں اور کاملوں کے رہنما ہیں۔ (فیضان خواجہ غریب نواز ،دعوتِ اسلامی ،ص:۱۲)

لاہور سے پنجاب پھر اجمیر تشریف لائے ،اس زمانے میں پتھورا (پرتھوی راج چوہان)اجمیر کا حکمراں تھا ،"اہلِ سنت کی آواز" میں ہے :آپ رائے پتھورا کے دورِ حکومت میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر سے اپنی اصلاحی تحریک کا آغاز کیا جو ان دنوں رائے پتھورا کا دار السلطنت تھا اور کفر و شرک کی آماج گاہ بھی۔(اہلِ سنت کی آواز ،نومبر ۲۰۰۸ ،ص:۱۶۴)

رائے پتھورا انتہائی ہی مغرور اور سرکش راجا تھا ،اس کی ماں جانوروں کی بولی سمجھتی تھیں ،ایک دن رانی کے محل پر ایک مرغ نے آکر بانگ دی ،مرغ یہ کہہ رہا تھا:

"اب اس سرزمین پر اسلام کا دور دورہ ہوگا ،اور تمھارا راج ختم ہو جائیگا ،یہاں ایک مرد کامل آئے گا ،جس کی بدولت تیری سلطنت زوال پذیر ہو جائے گی۔" (اہلِ سنت کی آواز ،نومبر ۲۰۰۸ ،ص:۱۵۸ بحوالہ خواجہ غریب نواز ص:۲۷ ملخصا)

راجا کی ماں نے زوال سلطنت کی یہ خبر اسے آمد خواجہ سے بارہ برس پہلے ہی دے دی تھی۔ (دینی دعوت جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، ص:۱۲۵) یہ خبر راجا کے لیے انتہائی دل دوز ،جگر سوز اور جاں گسل تھی اس لیے اس نے حضرت خواجہ کی آمد پر انھیں اور ان کے پیرو کاروں کی ایذا رسانی اور ریشہ دوانی میں ہزاروں ناکام اور بے سود کوششیں کیں ،پھر بھی تبلیغ و ارشاد کے سلسلے میں اس درویش کے پائے ثبات میں سرِ مو لغزش نہ آئی ،آپ نے اپنا کام جاری رکھا ،آپ کے جمال باکمال اور خرق عادات افعال دیکھ کر راجا کے کارندے ،ہرکارے ،راجپوت اور دیگر لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے حتیٰ کہ راجا کے معتمدِ خاص رام دیو اور جے پال نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

اونٹوں کا نہ اٹھنا: اجمیر پہنچنے کے بعد آپ نے ایک درخت کے نیچے سکونت اختیار کی، وہاں ایک میدان تھا جس میں راجا کے اونٹ بیٹھا کرتے تھے، سار بانوں نے آپ سے بشدت کہا کہ یہاں سے اٹھ جاؤ! یہاں راجا کے اونٹ بیٹھا کرتے ہیں، آپ نے یہ کہہ کر ”اچھا ہم جاتے ہیں، تمھارے اونٹ یہاں بیٹھیں“ اناساگر کے کنارے قیام فرمایا، یہ بہت ہی صاف ستھری اور خوب صورت جگہ تھی، آپ وہاں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوگئے، ادھر اونٹوں کے پیٹ زمین سے اس طرح چمٹ گئے کہ ہزار ہا کوششوں کے باوجود اٹھایا نہ جاسکا، سار بانوں نے متحیر ہوکر راجا سے یہ ماجرا بیان کیا، راجا نے کہا کہ تم لوگ اس درویش کے پاس جاکر معافی مانگ لو! سار بانوں نے جب معافی مانگی تو پیکرِ عفو نے کہا کہ جاؤ! تمھارے اونٹ اٹھ گئے ہیں۔ اس کرامت نے درجنوں دلوں سے کفر کا زنگ چھڑا کر اسلام کا رنگ چڑھا دیا۔ (خلاصہ اقتباس الانوار، ص:۳۶۱)

رام دیو کا اسلام: اناساگر کے ارد گرد بے شمار بت خانے تھے، جن پر روزانہ درجنوں من تیل اور ہزاروں پھول صرف ہوتے تھے، صبح سے شام تک لوگوں کا ازدحام رہتا تھا، حضرت کے خدام روزانہ وہاں گائے خرید کر ذبح کر کے کھاتے تھے، یہ دیکھ کر پجاریوں اور برہمنوں کے دل میں غیض و غضب کی چنگاری بھڑک اٹھی، چناں چہ ایک دن راجہ اور اہل شہر پوجا کے لیے حاضر ہوئے تو مہنتوں کا سردار ”رام دیو“ ایک بڑی جماعت لے کر خوجۂ اقدس کی جانب بڑھا، آپ مصروف عبادت تھے، آپ کا نورانی چہرہ دیکھ کر سبھی ساکت وصامت اور بے زباں ہوگئے، ان کے اجسام پر رعشہ طاری ہوگیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو کفار کی طرف مڑ کر دیکھا، آپ کی ایک ہی نگاہ نے رام دیو کے دل کی دنیا بدل دی اور وہ مشرف بہ اسلام ہوگیا، لکڑی اور پتھروں سے کفار کو مار مار کر آپ کے گرد سے بھگا دیا، آپ نے اس کا نام شادی دیو رکھا۔ (خلاصہ اقتباس الانوار، ص:۳۶۳)

جے پال کا اسلام: پرتھوی راج چوہان نے جب رام دیو کو دامن اسلام سے وابستہ دیکھا تو اسے انتہائی قلق ہوا، اس نے خواجۂ بزرگ سے مقابلہ کرنے کے لیے ہندوستان کے ساحر کبیر ”جے پال“ کو مدعو کیا، جے پال جوگی اپنے سیکڑوں چیلوں کے ساتھ رزم گاہ پہنچا، آگ، سانپ اور طرح طرح کے شعبدوں کے ذریعہ خواجۂ بزرگ کو تکلیف پہنچانا چاہا، خواجۂ بزرگ نے اس کے تمام حربے پیوست خاک کر دیے، پھر اس نے فضائی حملہ کی دھمکی دی، تو آپ نے فرمایا:

تو کار زمین را نکو ساختی — کہ بآسماں نیز پرداختی

یعنی تم نے زمین پر کیا کر لیا ہے کہ آسمان پر اڑنا چاہتے ہو۔ مگر کبر و نخوت کا لبادہ پہن کر وہ آسمان کی جانب اڑا اور اتنا اوپر گیا کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوگیا، خواجۂ بزرگ نے اپنے نعلین چوبیں کو اس کی گرفتاری کا حکم دیا، حکم پاتے ہی دونوں کفش نے پرندوں کی طرح فضا میں پرواز شروع کر دی، چند ساعت نہ گزری تھی کہ لوگ اسے خواجہ کے سامنے لرزاں و ترساں دیکھ رہے تھے، پاپوش کی ضرب کاریوں نے اس کے دل دماغ سے اوہام پرستی اور اسلام دشمنی کا خمار اتار کر طاعت الٰہی اور الفت خواجہ کا قابل بنا دیا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے وہ دولت اسلام سے مالا مال ہوگیا، خواجہ غریب نواز نے اس کا نام عبد اللہ رکھا، اور اپنی عطا کردہ تصرفات سے اسے قیامت تک کی زندگی دے دی۔

(ایضاً، ص: ۳۶۵۔۶۶۔۶۷ و خلاصہ خواجہ غریب نواز، ص:۱۰۶۔۱۰۷، ناشر: فاروقیہ بک ڈپو دہلی، از ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی)

اناساگر کا کٹورے میں آجانا: رائے پتھورا نے حضرت خواجہ غریب نواز کو دبانے، تبلیغ اسلام سے باز رکھنے اور اجمیر سے نکالنے کی کوشش میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، مگر خائب و خاسر ہی رہا، حتیٰ کہ خواجۂ اقدس اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کر نے کے لیے اناساگر پر بھی پہرہ لگا دیا، مگر خواجہ کے حکم سے شادی دیو ایک کٹورا لے کر اناساگر پہنچا اور پانی کو آواز دی تو سارا پانی کٹورے میں سما گیا اور اس نے کٹورا لاکر خواجہ کے سامنے رکھ دیا، اناساگر ایسا خشک ہو گیا کہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہاں پانی ہی نہیں تھا، مگر لوگوں کی فریاد، پیاس و غسل کی دہائی اور آہ وبکاں سن کر خواجۂ بزرگ نے فرمایا کہ اسے وہیں ڈال آؤ! چناں چہ ایسا ہی کیا گیا ، پھر اناساگر پہلے ہی کی طرح لبالب ہو کر موجیں مارنے لگا، اس کرامت سے متاثر ہو کر ہزاروں افراد نے دفتر اسلام میں اپنا نام درج کرالیا۔ (خلاصہ اقتباس الانوار، ص:۳۶۵۔ خلاصہ خواجہ غریب نواز، ص:۱۰۷، ناشر: فاروقیہ بک ڈپو، از ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی)

رائے پتھورا کی محرومی اور قتل : دن بدن، گروہ در گروہ لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کے سبب رائے پتھورا پریشان ہو گیا، دوسری جانب اس کی کاہنہ ماں کی زوال سلطنت کی پیشین گوئی اسے خار ببول بن کر چبھ رہی تھی، اس لیے اس نے مسلمانوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا، انہیں نت نئی تکلیفیں پہنچانے لگا، اس کے برعکس خواجہ غریب نواز نے اسے اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ اسلام قبول کرلو! تمھاری بھلائی اسی میں ہے، یہ سن کر اس نے حضرت خواجہ کی شان میں کچھ نازیبا کلمات منہ سے نکالے، تو خواجہ نے فرمایا : ”من پتھورا را زندہ گرفتہ بدست لشکر اسلام دادم“ یعنی پتھورا کو میں نے زندہ گرفتار کر کے لشکر اسلام کے ہاتھوں دیا، چناں چہ ان ہی ایام میں سلطان شہاب الدین غوری ہندوستان پر حملہ آور ہوئے ، اور پتھورا مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا، پھر مسلمانوں نے اسے قتل کر دیا، اسی دن سے ہندوستان میں اسلام مستحکم ہو گیا۔

(خلاصہ مرأۃ الاسرار، ص:۵۹۹)

میر سید غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں :

سلطان (شہاب الدین غوری) فتح یاب ہوا اور پتھورا زندہ گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا، اسی وقت سے دین کی جڑیں اس دیار میں مستحکم ہوئیں اور کفر کی بنیادیں روز بروز منہدم ہوتی گئیں۔

(اہل سنت کی آواز، نومبر ۲۰۰۸ء ص:۱۶۵: بحوالہ میر سید غلام علی آزاد، مآثر الکرام ص:۱۷۔۲۷ جامعۃ الرضا بریلی شریف)

اسی وجہ سے شاہ مراد سہروردی نے سیر الاخیار (محفل اولیا) میں، مولانا لیٰس اختر مصباحی نے ”امام احمد رضا اور جدید افکار و نظریات“ میں اور میر سید علی بلگرامی نے مآثر الکرام میں مجددین میں آپ کا شمار کرایا ہے۔

میر سید غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں :

سلطان (شہاب الدین غوری) فتح یاب ہوا اور پتھورا زندہ گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا، اسی وقت سے دین کی جڑیں اس دیار میں مستحکم ہوئیں، اور کفر کی بنیادیں روز بروز منہدم ہوتی گئیں، اسی وجہ سے خواجہ ہندوستان کو ساتویں صدی کا مجدد کہا جاتا ہے۔

(اہل سنت کی آواز، نومبر ۲۰۰۸ء، ص:۱۶۵، بحوالہ میر سید غلام علی آزاد، مآثر الکرام، ص:۱۷۔۲۷ جامعۃ الرضا بریلی شریف)

حاکم محمد یادگار کا سنی ہونا: آمد اجمیر سے پہلے آپ نے متعدّد مقامات کا دورہ کیا، در جنوں میدان سلوک کے شہسوار

اور بحر معرفت کے شناور سے ملے، بے راہ روؤں اور گم گشتگان راہ کی کثیر تعداد کو صحیح راہ دکھائی، چناں چہ سبزوار سے جب آپ کا گزر ہوا تو ایک متعصب اور فاسق وفاجر شیعہ حاکم محمد یادگار کے باغ میں آپ نے پڑاؤ ڈالا، اس کی عصبیت کا حال یہ تھا کہ اگر کوئی اپنے بیٹے کا نام ابوبکر، عمر یا عثمان رکھتا تو وہ اسے قتل کر دیتا، وقت مقررہ پر خدم وحشم کے ہمراہ شراب نوشی کے نشہ میں چور و مخمور وہ باغ میں داخل ہوا، حضرت خواجہ اور ان کے مریدین کو دیکھ کر وہ چراغ پا ہو گیا، اس نے حضرت خواجہ کو گزند پہنچانا چاہا مگر خواجہ کی ایک نگاہ نے اسے مرتعش اور لرزہ براندام کر دیا، اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی، اس کے خدام کی بھی یہی کیفیت تھی، جب اسے افاقہ ہوا تو حضرت خواجہ کے قدموں سے لپٹ کر اپنے خدام وغلمان سمیت سنی مسلمان ہو گیا۔

(خلاصہ مرأة الاسرار، ص:۵۹۲ وخلاصہ دینی دعوت جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

مولانا ضیاء الدین کی توبہ: سبزوار سے بلخ تشریف لے گئے اور وہاں کے مشایخ سے ملنے کے بعد فرجام کے مقام پر شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں آپ نے چندماہ قیام فرمایا، وہاں ایک مشہور فلسفی مولانا ضیاء الدین رہتے تھے، جو تصوف کے منکر تھے اور اہل تصوف سے سختی کے ساتھ ملتے تھے، ایک دن خواجہ اقدس ایک درخت کے نیچے نماز میں مصروف تھے، مولانا ضیاء الدین کا ادھر سے گزر ہوا، جب حضرت نماز سے فارغ ہوئے تو مولانا نے حضرت کو سلام کیا اس بیچ آپ کے ایک خادم نے کباب پیش کیا، آپ نے کچھ کباب مولانا کے سامنے رکھ دیئے، کھاتے ہی تمام اعتراضات ان کے دل سے صاف ہو گئے، پیشانی نور سعادت اور ضوء معرفت سے چمکنے لگی، اور قدموں میں گر کر وہ بیعت سے مشرف ہو گئے۔ (خلاصہ مرأة الاسرار، ص:۵۹۷ وسیر الاقطاب)

صوفی حمید الدین ناگوری کی توبہ: حضرت صوفی حمید الدین ناگوری خواجۂ اقدس کے اجلۂ خلفا میں شمار ہوتے ہیں، آپ کی جوانی کے ایام نہایت عیش پرستی، خود نمائی اور انتہائی رواروی میں گزرے، آپ حسن وجمال کے اعلیٰ منزل پر فائز تھے، آپ کو دیکھنے کے بعد عورتیں، شیدا، فریفتہ اور دلدادہ ہو جاتی تھیں، خواجۂ بزرگ کی ایک نظر نے آپ کے دل کی دنیا، تہ وبالا کر دی، اور گناہوں سے ایسا تائب ہوئے کہ پھر کبھی گناہ کا تصور بھی نہیں ہوا اور اپنے وقت کے ولی کامل ہو گئے، سیر العارفین میں ہے: "وہ (صوفی حمید الدین) ابتدائی زمانے میں بہت پریشان حال تھے، چناں چہ جو عورت ان کو دیکھتی تھی فریفتہ ہو جاتی تھی، جب انہوں نے حضرت معین الملۃ والدین کی صحبت پائی تو تائب ہو گئے، توبہ کر لینے کے بعد ان کے ہم نشینوں نے پھر فسق وفجور کی طرف بلایا، انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کمر بند کو اتنا مضبوط باندھ لیا ہے کہ معلوم نہیں کہ بہشت کے حوروں پر بھی کھولوں یا نہیں، انہوں نے تائب ہونے کے بعد حضرت شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یکبارگی ترک وتجرید اختیار کر لی، اور جو کچھ ان کی ملکیت میں تھا فقرا کو دے دیا۔"

(اہل سنت کی آواز، نومبر ۲۰۰۸ء، ص:۱۷۳، بحوالہ سیر العارفین، ص:۱۵ ناشر: اردو سائنس بورڈ لاہور)

خواجہ غریب نواز کا فقہی مذہب: حضرت غریب نواز مسلکاً حنفی تھے، آپ کی حنفیت کے ثبوت میں مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی نے "اہل سنت کی آواز" کے اندر متعدد شواہد پیش کئے ہیں، ان میں سے دو یہاں پر پیش کئے جاتے ہیں:

دلیل العارفین میں ہے: بعد ازاں فرمایا کہ میں نے فقہ ہدایہ میں شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ حدیث

دیکھی ہے۔حدیث شریف :"اسفر وا بالفجر فانہ اعظم للاجر "یعنی صبح کی نماز سفیدی میں ادا کرو تاکہ ثواب زیادہ ہو۔
ظہر کی نماز میں سنت طریقہ یہ ہے کہ اس قدر تاخیر کی جائے کہ ہوا سرد ہو جائے اور جاڑے میں جب سایہ ڈھلے تو ادا کی جائے، چناں چہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ "ابردوا بالظھر فان شدۃ الحر من فیح جھنم "یعنی گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں ادا کرو!(اہلِ سنت کی آواز نومبر ۲۰۰۸ء/ص:۱۴۴/بحوالہ دلیل العارفین مترجم ص:۱۱)

اسی کتاب (دلیل العارفین) میں حضرت خواجہ فرماتے ہیں: فتاویٰ ظہریہ میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ آدمی کا منہ پاک رہتا ہے، جب تک جنب کی حالت میں رہے جوکچھ پانی وغیرہ پئے وہ ناپاک نہیں ہوتا،اگرچہ وہ بے طہارت ہے، یا جنبی ہے یا حائض، مومن ہو یا کافر اس کا منہ پاک ہے۔(ایضاً ص:۱۴۵/بحوالہ ایضاً ص:۶)

ہدایہ فقہِ حنفی کی مشہور کتاب ہے، فتاویٰ ظہیریہ بھی فقہِ حنفی کے مسائل کا مجموعہ ہے، پیش کردہ دونوں شواہد میں اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ حضرت خواجہ نے یہاں پر تین مسئلے بیان کئے ہیں (۱)فجر میں اسفار، (۲)گرمی میں ظہر کو تاخیر سے ادا کرنا، (۳)ہر حالت میں انسان کے جوٹھے کا پاک ہونا، یعنی اگر انسان جنابت، حیض یا کفر کی حالت میں پانی پی لے تو بچے ہوئے پانی سے طہارت جائز ہے، یہ تینوں مسئلے مذہبِ حنفی کے مطابق اور شوافع کے برخلاف ہیں۔

حضرت خواجہ غریب نواز کا فقہ حنفی کے مطابق مسائل بیان کرنا ان کے حنفی ہونے پر ثبوتِ قاطع ہے۔

ملفوظات:لوگوں کی ظاہری وباطنی اصلاح کے لیے حضرت خواجہ کی زبان حق ترجمان سے جو الفاظ نکلے وہ آپ کے ملفوظات کہلائے، ان میں بیشتر کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے لکھ کر ایک کتاب ترتیب دے دی جس کا نام "دلیل العارفین" رکھا۔ان میں سے چند یہ ہیں :

(۱)جو بندہ رات کو باطہارت سوتا ہے، تو فرشتے گواہ رہتے ہیں اور صبح اللہ تعالی سے عرض کرتے ہیں، اے اللہ !اسے بخش دے، یہ باطہارت سویا تھا۔(ہشت بہشت، ص:۷۷)

(۲)جو شخص جھوٹی قسم کھاتا ہے وہ اپنے گھر کو ویران کرتا ہے اور اس کے گھر سے خیر وبرکت اٹھ جاتی ہے۔ (ایضا،ص:۸۴)

(۳)نماز ایک راز کی بات ہے جو بندہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے، چناں چہ حدیث پاک میں آیا ہے "ان المصلی ینا جی ربہ "یعنی نماز پڑھنے والا اپنے پردگار سے راز کی بات کہتا ہے۔ (ایضا،ص:۷۵)

(۴)خدا کا دوست وہ ہے جس میں یہ تین خوبیاں ہوں: سخاوت دریا جیسی، شفقت آفتاب کی طرح اور تواضع زمین کی مانند۔(فیضان خواجہ غریب نواز، دعوت اسلامی، ص:۲۰/بحوالہ خوفناک جادوگر، ص:۲۵)

(۵)مصیبت زدہ لوگوں کی فریاد سننا اور ان کا ساتھ دینا، حاجت مندوں کی حاجت روائی کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، اسیروں کو قید سے چھڑانا، یہ باتیں اللہ کے نزدیک بڑا مرتبہ رکھتی ہیں۔(معین الہند حضرت خواجہ معین الدین اجمیری، ص:۱۲۴)

آپ کی تصانیف:(۱)انیس الارواح (پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات)(۲)کشف الاسرار (تصوف کے مدنی پھولوں کا گلدستہ)(۳)گنج الاسرار (سلطان شمس الدین التمش کی تعلیم وتلقین کے لیے لکھی) (۴)رسالہ آفاق وانفس

(تصوف کے نکات پر مشتمل)(۵)رسالہ تصوف منظوم(۶)حدیث المعارف(۷)رسالہ موجودیہ۔

(فیضان خواجہ غریب نواز،ص:۱۸،بحوالہ معین الہند حضرت خواجہ معین الدین اجمیری،ص:۱۰۳،تا۱۰۶،ملتقطا)

خواجہ غریب نواز اور اتباع سنت: اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر انسان درویش کامل بن ہی نہیں سکتا،اس لیے کہ یہ اس کے لیے بنیاد واساس ہے،حضرت خواجہ غریب نواز،کامل درویشی کے اس مرتبۂ علیا پر فائز تھے جہاں زہد وورع،سلوک و معرفت اور تزکیہ وتصفیہ کے تمام شرائط پائے جاتے ہوں،اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ اتباع سنت آپ کی زندگی کا ایک حصہ تھا۔ حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی نے "مونس الارواح،سیدالاقطاب اور راحت القلوب" کے حوالے سے حضرت خواجہ کی حیات طیبہ کے متعدد واقعات وارشادات نقل کیے ہیں جن سے خواجۂ پاک کے اتباع سنت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی،عمدہ دوتائی اوڑھا کرتے تھے،اگر وہ پھٹ جاتی تو جس قسم کا بھی پرانا کپڑا مل جاتا اس کا پیوند لگالیتے،وہ کبھی بھی کسی شخص پر غصہ نہیں ہوتے،ہمیشہ باوضو رہا کرتے،قضائے حاجت کے علاوہ ان کا وضو کبھی فاسد نہیں ہوتا، عفوو درگزر میں تو نمایاں مقام رکھتے تھے،چناں چہ ایک شخص آپ کے قتل کا ارادہ لیے آیا تھا،بالہام الٰہی آپ اس کے ارادے پر واقف ہوگئے اور وہ شخص قدموں میں گر پڑا اور عرض کیا کہ مجھے سخت سے سخت سزا دیجیے!لیکن آپ نے اسے معاف کردیا، اور اس کے لیے دعا بھی کی،اگر پڑوسیوں میں سے کسی کا انتقال ہوجاتا تو آپ اس کے جنازے کے ساتھ چلتے اور تدفین کے بعد ہی لوٹتے۔(خلاصہ اہل سنت کی آواز،نومبر ۲۰۰۸ء ص:۱۲۵)

پیوند لگانا،ہمیشہ باوضو رہنا،عفوودرگذاری اور جنازے کے ساتھ چلنا،سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ستودہ صفات ہیں۔(مشکوٰۃ)

عبادات: حضرت خواجہ غریب نواز،خوف خدا اور خشیت الٰہی سے ہمیشہ لرزہ براندام رہتے اور گریہ وزاری،لوگوں کو خوف خدا کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:اے لوگو!اگر تم زیر خاک سوئے ہوئے لوگوں کا حال جان لو تو مارے خوف کے پگھل جاؤ۔(معین الارواح،ص:۱۸۵،ملخصا)

جب نماز میں کھڑے ہوتے تو چوب خشک معلوم ہوتے کہ پرندہ بیٹھ جائے تو اٹھنے کا نام نہ لے،رات رات بھر عبادات میں مصروف رہتے حتیٰ کہ عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرنا آپ کا معمول بن چکا تھا،تلاوت قرآن سے اس قدر شغف تھا کہ دن میں قرآن پاک دو مرتبہ ختم کرلیتے،رات میں بہت ہی کم کھانا تناول فرماتے تاکہ کھانے کی کثرت کے سبب سستی اور غنودگی، عبادت میں رکاوٹ نہ بن جائے۔(مرأۃ الاسرار،ص:۵۹۵،بہ تغیر)

عائلی زندگی: عبادات وریاضات،اورادووظائف اور اصلاح وتبلیغ میں اشتغال کے سبب خواجۂ اقدس،نکاح اور ازدواجی زندگی سے علیحدہ تھے،ایک دن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور فرمایا:"تو معین دین ماہستی وسنتے از سنت من ترک می دہی،،تم ہمارے دین کے معین ومددگار ہو اور میری ایک سنت کو چھوڑ رہے ہو،دوسری صبح ملک خطاب نامی ایک مرید نے جنگ میں گرفتار شدہ ایک دختر راجا کو آپ کی خدمت میں پیش کیا،آپ نے قبول کرکے اس کا نام بی بی امۃ اللہ رکھا،ان کے بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جن کا نام بی بی حافظہ جمال رکھا گیا۔

چند دنوں کے بعد سید وجیہ الدین کو امام جعفر صادق نے خواب میں فرمایا کہ اپنی دختر کا خواجہ معین الدین سے نکاح کرو ! جب یہ معاملہ خواجہ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو خواجہ نے ان کی بیٹی ''بی بی عصمت،، سے بھی نکاح کر لیا، ان کے بطن سے دو نابغۂ روزگار فرزند پیدا ہوئے، ایک شیخ فرید الدین، دوسرے شیخ حسام الدین۔ (مرأۃ الاسرار، ص:۶۰۳/ ملخصًا)

ڈاکٹر سید لیاقت حسین معینی نے لکھا ہے کہ: من جملہ تین صاحبزدگان اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں، فرزند اکبر خواجہ سید فخر الدین نے سرواڑ شریف کو اپنا مرکز رشد و ہدایت بنایا، دوسرے صاحبزادے خواجہ سید ابو سعید نے اجمیر میں سکونت اختیار کی، سوئم صاحبزادہ خواجہ حسام الدین اوئل عمری میں ابدالوں میں شامل ہو گئے۔ (اہلِ سنت کی آواز نومبر ۲۰۰۸ء، ص:۶۰)

وصالِ پر ملال: آپ کے ذمہ جو عظیم خدمت سپرد کی گئی تھی اسے بحسن و خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ۶/ رجب المرجب ۶۳۲ھ کو آخر کار آپ اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے، دوسری روایت کے مطابق یکشنبہ، ماہ ذی الحجہ ۶۳۳ھ آپ کی تاریخِ وصال ہے ، آپ کی تاریخِ وصال ''آفتابِ ملک ہند'' سے نکلتی ہے۔ (اقتباس الانوار، ص:۳۸۵)

مرأۃ الاسرار میں ہے کہ جس رات خواجۂ بزرگ نے رحلت فرمائی، چند اولیاء اللہ نے حضرت رسالت مآب کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں ''اللہ کے دوست معین الدین آرہے ہیں، ہم ان کے استقبال کو آئے ہیں،، انتقال کے وقت آپ کی پیشانی پر ہرے رنگ کے نور سے یہ لکھا تھا ''حبیب اللہ مات فی حب اللہ'' ترجمہ: اللہ کے دوست نے اللہ کی دوستی میں وفات پائی۔ (مرأۃ الاسرار، ص:۶۰۹)

سجادہ نشین و خلفا: حضور سیدی خواجہ غریب نواز کے خلفا میں سب سے قریبی اور محبوب حضرت سیدنا قطب الدین بختیار کاکی ﷺ تھے، خواجہ صاحب کے وصالِ ظاہری کے بعد آپ ہی سجادہ نشین ہوئے۔

(فیضانِ خواجہ غریب نواز، ص۲۰ ۳ بحوالہ معین الہند حضرت خواجہ معین الدین اجمیری، ص۲۰)

ان کے علاوہ دیگر جلیل القدر خلفا میں حضرت قاضی حمید الدین ناگوری ، سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی اور حضرت شیخ عبد اللہ بیابانی (سابقہ جے پال جوگی) رحمہم اللہ تعالیٰ کا شمار ہوتا ہے۔ (اقتباس الانوار، ص:۳۸۸)

مزار اور عرسِ مبارک: آپ کا مزارِ مبارک ہندوستان کے مشہور شہر ''اجمیر'' میں واقع ہے، ہر سال ۶/ رجب المرجب کو بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ عرس کی تقریب سجائی جاتی ہے، جس میں ملک اور بیرونِ ملک کے ہزاروں افراد، وارفتہ اور پروانہ وار آکر اپنی عقیدت و محبت کا خراج پیش کر کے آپ کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

ساتویں صدی کے مجدّدین
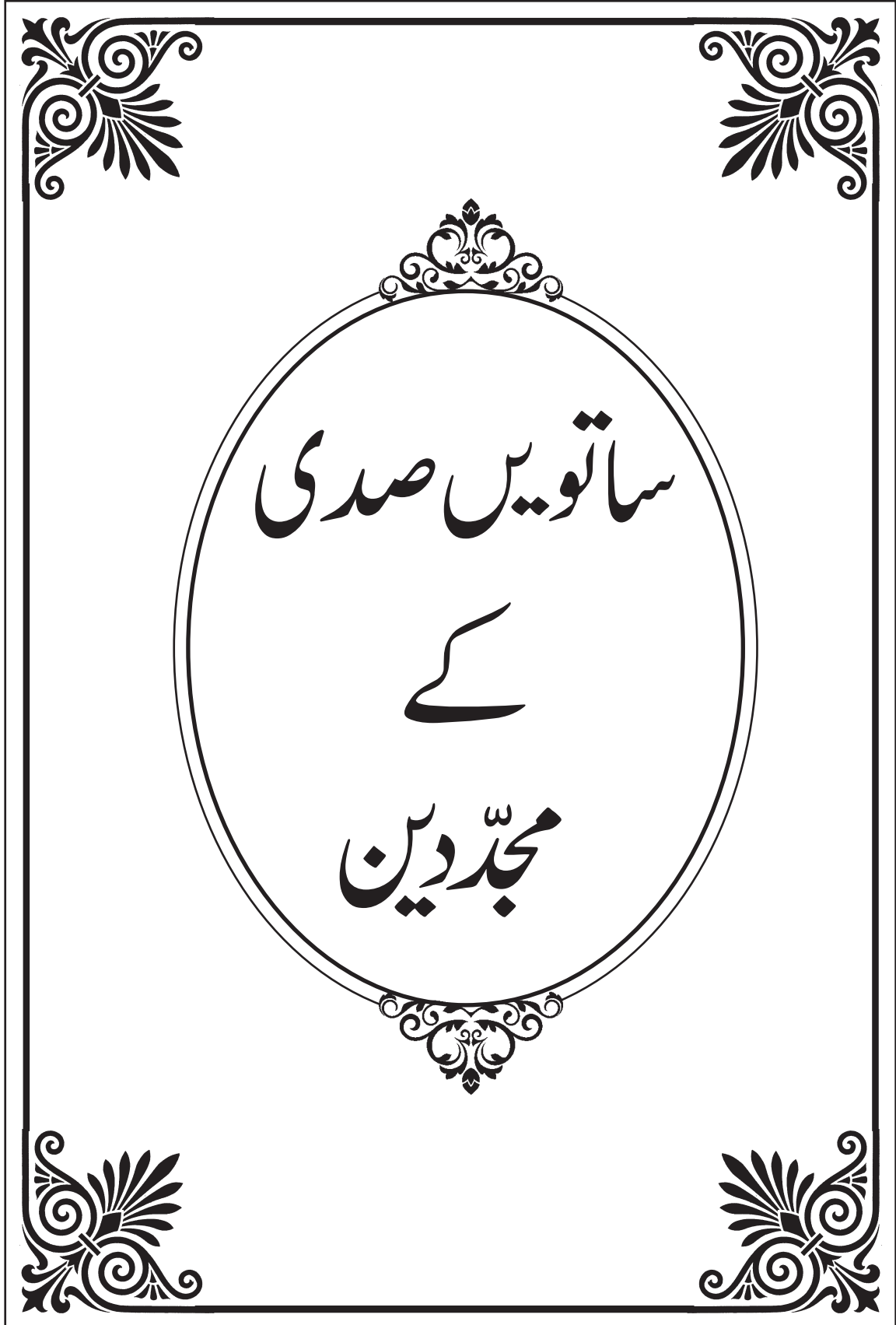
ساتویں صدی کے مجددین

★ حضرت تقی الدین محمد بن دقیق العید قشیری رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

محمد اعظم، مبارکپور، جماعت: سابعہ Mo:8604774976

نام ونسب: آپ کا اسم گرامی: محمد، کنیت: ابوالفتح، لقب: تقی الدین ہے۔ آپ ابن دقیق العید کے نام سے مشہور ہوئے۔ والد کا نام: علی، والدہ شیخ مقترح کی دختر ہیں۔ آپ کریم الطرفین ہیں۔

سلسلہ نسب: محمد بن علی بن وہب بن مطیع بن ابوالطاعہ قشیری۔

ولادت: حجاز کے مشہور شہر "ینبع" کے قریب ۲۵/ شعبان المعظم ۶۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ وطن کا نام "منفلوط" ہے، جس کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو منفلوطی بھی کہا جاتا ہے۔

شیخ تقی الدین کے والد "قوص" سے مکہ مکرمہ کی طرف حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے، راستے میں آپ کی ولادت ہوئی۔ والد ماجد نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو خانہ کعبہ کا طواف کرایا اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یہ دعا کی: اے اللہ! میرے بیٹے کو عالم اور عامل بنادے۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج:۵، ص:۱۱۶، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تحصیل علم: ابن دقیق العید کو خالق کائنات نے تحصیل علم کی اعلیٰ استعداد اور ذوق طلب سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ نے متعدّد شیوخ اور اساتذہ سے اکتساب علم کیا، جن کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

والد ماجد حضرت علی، امام ابوالحسن بن المقیر، ابن رواج، امام ابن جمیزی، سبط السلفی، حافظ ذکی الدین، علامہ رزین خالد، علامہ احمد بن عبد الدائم، ابوالبقا خالد بن یوسف وغیرہم۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۲، ص:۱۸۲، دار الکتب العلمیہ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج:۵، ص:۱۱۶)

علم وفضل: حضرت علامہ تقی الدین علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ صلاحیتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ زہد وورع میں اپنے معاصرین پر سبقت لے گئے۔ علمائے اسلام نے آپ کی شان میں خطبے پڑھے ہیں، چند نمونے درج ذیل ہیں:

حافظ قطب الدین حلبی فرماتے ہیں: "وھو خبیر بصناعۃ الحدیث، عالم بالاسماء والمتون واللغات والرجال ولہ الید الطولیٰ فی الاصلین والعربیۃ والادب"

(الدرر الکامنۃ فی اعیان المأۃ الثامنۃ، ج:۲، ص:۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت شیخ ابن دقیق العید فن حدیث کے جان کار، علم اسماء، رجال حدیث، متون اور لغات کے عالم تھے دونوں اصل (کتاب وسنت) اور عربی زبان وادب میں انھیں ید طولیٰ حاصل تھا۔

ابن زملکانی فرماتے ہیں: "امام الائمة فی فنه وعلامة العلماءفی عصره بل ولم یکن من قبله من سنین مثله فی العلم والدین والزهد والورع،تفردفی علوم کثیرة وکان یعرف التفسیروالحدیث وکان یحقق مذهبین تحقیقاً عظیماً ویعرف اصلین والنحوواللغة وإلیه النهایة فی التحقیق والدقیق والغوص علی المعاني،أقرله الموافق والمخالف وعظمتة الملوك،وکان السلطان لاحین ینزل له عن سریره ویقبل یده وکان صحیح الإعتقادقویاًفی ذات الله".

(الدرر الكامنة في أعيان المأة التامنة،ج:۲،ص:۵۹)

ترجمہ: آپ اپنے فن میں امام الائمہ اوراپنے زمانے میں علما کی شناخت تھے بلکہ ادھر چند سالوں میں علم ودینداری اورزہدوورع میں آپ کے مثل کوئی پیدانہ ہوا۔ بہت سے علوم وفنون میں منفرد، علم تفسیر اور حدیث کے عالم تھے، دونوں مذہبوں (مالکی، شافعی) کی خوب تحقیق فرماتے، دونوں اصل (کتاب وسنت) نحواور لغت کے جانکار تھے، تحقیق، تدقیق اور معانی کے ادراک کے سلسلے میں آپ ہی کی طرف رجوع کیا جاتا۔ موافق اور مخالف سبھوں نے آپ کا اعتراف کیا ہے، بادشاہوں نے آپ کی تعظیم وتکریم کی، سلطان لاحین آپ کے لیے اپنے تخت سلطنت سے اترجاتا اورآپ کے دست مبارک کا بوسہ دیتا، ذات باری تعالیٰ کے سلسلے میں صحیح الاعتقاد اور ٹھوس تھے۔

شہاب محمود فرماتے ہیں:

لم ترعینی آدب منه ولولم یدخل فی القضاءلکان ثوری زمانه وأوزاعی.(ایضاً)

ترجمہ: میری آنکھوں نے آپ سے زیادہ باادب نہ دیکھا اوراگر آپ قضا میں مشغول نہ ہوتے تو اپنے عصر کے ثوری اوراوزاعی ہوتے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"کان من أذکیاء زمانه واسع العلم کثیرالکتب مزکإ للسهر مکباًعلی الإشتغال ساکناً وفوراً ورعاعاً قل أن تری العیون مثله".(تذکرة الحفاظ،ج:۲،ص:۱۸۲،ناشر:دارالکتب العلمیه،بیروت)

ابن دقیق العید اذکیاے زمانہ میں شمار ہوتے تھے، وسیع علم وکمال والے تھے، کتابوں پر کثرت سے نظر رکھتے تھے، عابد شب زندہ داراور ہروقت تعلیم وتعلم میں مشغول رہتے تھے، پروقار، پرسکون، صاحب ورع اور تقویٰ شعار تھے، آپ جیسے صاحب فضل وکمال کو کم ہی آنکھوں نے دیکھا ہے۔

کشف وکرامات: حضرت علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ صاحب علم وفضل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم صوفی اور ولی کامل بھی تھے۔ آپ سے بہت سی کرامتوں کا ظہور ہوا۔ بستان المحدثین، طبقات الشافعیہ وغیرہ میں آپ کی کرامتوں کا تذکرہ

موجود ہے بعض کرامتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تاتاریوں نے اپنی یلغار اور حملہ سے عالم اسلام اور بلاد اسلام میں عجیب حالت پیدا کر دی تھی، جس بستی میں جاتے گھر کا گھر ویران کر دیتے۔ جب انھوں نے بلاد شام کا رخ کیا تو بادشاہ نے ان کے فتنوں اور حملوں سے امن پانے کے لیے علما کو حکم دیا کہ بخاری شریف ختم کریں تاکہ اس کی برکتوں سے یہ بلائے عظیم دفع ہو جائے۔

چناں چہ علمانے بخاری شریف کا دور کیا، جب آخری حصہ رہ گیا تو انھوں نے اسے چھوڑ دیا تاکہ جمعہ مبارکہ کے دن بخاری شریف ختم کریں۔ جمعہ کے دن شیخ الاسلام تقی الدین علما کے پاس جامع مسجد میں تشریف لائے اور پوچھا کہ بخاری شریف کے ختم سے فارغ ہو گئے؟ سب نے عرض کیا کہ ہم نے آج ہی کے دن کے لیے تھوڑا سا حصہ چھوڑا ہے اور اسے آج ختم کریں گے۔ تو حضرت ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''إنفصل الحال من أمس العصر و بات المسلمون علیٰ کذا'' یعنی مقدمے کا فیصلہ کل عصر کے وقت ہی ہو گیا یعنی تاتاری فوج شکست کھا گئی اور مسلمان اس وقت فلاں مقام پر قیام پذیر ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا ہم اس خبر کو عام کر دیں؟ فرمایا: ہاں! چناں چہ چند روز کے بعد وہی خبر موصول ہوئی جس کی آپ نے بشارت دی تھی۔ (ملخصًا، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج:۵، ص:۱۱۷)

(۲) ایک امیر جو قاہرہ سے نکل رہا تھا اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ قاہرہ واپس نہیں لوٹے گا چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ وہ قاہرہ دوبارہ نہ جا سکا۔ (ایضًا)

زہد و عبادت: حضرت ابن دقیق العید عابد شب زندہ دار تھے۔ اپنے اکثر اوقات عبادت و ریاضت، درس و تدریس اور مطالعۂ کتب میں گزارتے تھے، بسا اوقات ایک رات میں ایک جلد یا دو جلد مطالعہ کر لیتے، کبھی ایک ہی آیت کی تکرار پوری رات کرتے اور صبح ہو جاتی۔ ایک مرتبہ آپ نے آیت کریمہ ''فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ'' (المومنون:۱۰۱) کی تلاوت کی اور نماز فجر تک اسی ایک آیت کی تکرار کرتے رہے۔ (ایضًا)

امام شہاب الدین احمد بن ادریس مالکی فرماتے ہیں: چالیس سال تک رات میں نہ سوئے، ان ایام میں صبح کی نماز ادا کر کے چاشت کے وقت تک اپنے پہلو پر لیٹ جاتے۔ (الدرر الکامنہ، ج:۲، ص:۶۰)

خدمات و کارنامے: حضرت ابن دقیق العید نے دین متین کی بے شمار خدمتیں انجام دیں۔ لوگوں کے مسائل کا حل فرماتے، درس و تدریس کے ذریعے کتاب اللہ اور احادیث رسول کی تبلیغ فرماتے۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ علمائے اسلام نے آپ کی خدمات اور کارنامے کی بنیاد پر ساتویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے۔ حضرت علامہ تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب سبکی فرماتے ہیں:

''ولم ندرك أحدا من مشايخنا يختلف في انّ ابن دقيق العيد هو العالم المبعوث علیٰ رأس سبع مائة المشار إليه في الحديث النبوي صلی اللہ علیہ وسلم. (طبقات الشافعية الكبریٰ، ج:٥، ص:١١٦)

ترجمہ: ہمارے مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابن دقیق العید وہ عالم ہیں جو ساتویں صدی ہجری میں بھیجے گئے، جس کی

طرف حدیث نبوی میں اشارہ کیا گیا ہے۔

تلامذہ: آپ کے علمی کمالات سے بہت سے لوگوں نے اکتساب فیض کیا۔ان میں چند حضرات کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

قاضی القضاۃ شیخ علاء الدین قونوی، شیخ علم الدین بن اخنائی اور حافظ قطب الدین وغیرہ۔(تذکرۃ الحفاظ،ج:۲،ص:۱۸۲)

عہدِ قضا: ابن دقیق العید کی فقہی عظمت وصلاحیت کی بنیاد پر آپ کو مصر کا قاضی مقرر کیا گیا۔ آپ نے اس عہدہ کی قبولیت سے کئی بار انکار فرمایا اور کئی بار آپ نے استعفا بھی دیا، مگر ہر بار عہدۂ قضا منظور کرنے پر آپ کو مجبور کیا گیا۔(ایضًا)

تصانیف: درس وتدریس اور عبادت وریاضت کی مشغولیت کے باوجود کئی نادر اور علمی حقائق سے لبریز کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔

(۱)كتاب الالمام فى أحاديث الأحكام(۲)شرح العمده (۳)أربعين فى الرواية عن رب العالمين (٤)علوم الحديث (٥) الأربعون(٦)شرح مقدمة المطرزي وغيره.

شعروشاعری: علم وادب اور شاعری میں آپ اعلیٰ کمال کے حامل تھے۔ عربی زبان میں بہت سے اشعار بھی لکھے ہیں، آپ کی شاعری کا دیوان، ''دیوان ابوالفتح'' کے نام سے مشہور ہے۔ بطور نمونہ چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

كم ليلة فيك وصلنا السرى　　لا نعرف الغمز ولا نستريح

واختلف الأصحاب ماذا الذى　　يزل من شكواهم أويريح

فقيل تعريسهم ساعة　　وقيل بل ذكراك وهوالصحيح

وفات: صفر ۷۰۲ھ میں علم وفضل کا آفتاب دیار مصر میں ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔ انا لله و انا اليه راجعون.

☆☆☆☆

محمود احمد، سلطان پور، جماعت: رابعہ Mo:9807856370

شمالی و مشرقی ہندوستان میں مسلم حکومت کی تاسیس کے دورِ اوّل سے پہلے ہی خانوادۂ چشت کے عظیم روحانی سلسلے کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ سرزمینِ ہند میں سلسلۂ چشتیہ میزبان اور باقی تمام سلاسل طریقت مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سلطان المشائخ، محبوبِ الٰہی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں خانوادۂ چشت کے چوتھے سربراہ ہیں، جنھوں نے اپنے پیش رو اکابر طریقت حضرت خواجہ معین الدین اجمیری، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہم کے روحانی و اصلاحی مشن کو فروغ دینے کے لیے اپنی زندگی وقف کردی اور اپنے عظیم روحانی، اخلاقی اور تجدیدی کارناموں کے ذریعے تصوف و روحانیت کی تاریخ میں ایک منفرد و ممتاز مقام حاصل کیا۔ آپ نے اپنے عہد میں تجدید انسانیت اور خدمت خلق کا نہایت ہی بے نظیر کارنامہ انجام دیا، سلاطین و امرا کے دربار میں جھکنے والی پیشانیوں کو اللہ وحدہ لا شریک کی بارگاہ میں جھکایا، سلاطینِ وقت کے غیر شرعی کاموں پر ہمیشہ تنقید کرتے رہے۔ آپ نے سات بادشاہوں کا زمانہ پایا ،لیکن آپ کبھی بھی کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں گئے اور نہ ہی انھیں اپنی خانقاہ میں حاضر ہونے کی اجازت دی۔ ہندوستان کے مشرکانہ سماج میں اپنی غیر معمولی حکمتِ عملی سے ہندوستانی مزاج کے مطابق اسلام کے روحانی و اخلاقی نظام کو پیش کیا اور خدمت انسانیت کے ذریعے خلق کو اسلام سے قریب کیا جس کے اچھے اثرات یہاں کی غیر مسلم قوموں پر پڑے، ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے دستِ اقدس پر داخل اسلام ہوئے اور فسق و فجور سے توبہ کی۔ آپ کی ذات فقر و درویشی، زہد و ورع کی ایسی تصویر تھی جسے دیکھ کر معصیت کاروں کی زندگی میں انقلاب برپا ہو جاتا تھا۔

ولادت باسعادت: سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۲۷ر صفر المظفر ۶۳۶ھ مطابق ۱۲۳۶ء کے آخری بدھ کو ہوئی۔ آپ کے سن ولادت میں اختلاف ہے، تذکرہ نگاروں نے اپنی اپنی کتابوں میں مختلف سن ولادت کا ذکر کیا ہے مگر قول محقق اور راجح ۶۳۶ھ ہے۔

نام و نسب: آپ کا نام نامی اسم گرامی سید محمد، القاب مبارکہ شیخ المشائخ، سلطان المشائخ، نظام الدین اور محبوب الٰہی ہے۔ آپ نجیب الطرفین حسینی سیّد تھے۔ (محبوب الٰہی از ڈاکٹر عاصم اعظمی، ناشر: الحاج نظام الدین اشرفی، ص:۱۰۶)

والد ماجد: حضرت محبوب الٰہی کے والد ماجد حضرت خواجہ سید احمد مادر زاد ولی اور باعمل عالم تھے، بادشاہ دہلی نے آپ کے زہد و تقویٰ سے متاثر ہو کر آپ کو بدایوں کا قاضی مقرر کر دیا تھا، لیکن چوں کہ آپ کو اس کام سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لیے اس منصب کو ترک کر کے عبادت و ریاضت میں مصروف رہنے لگے۔ آپ اپنے دور کے بدایوں کے علما و مشائخ میں بڑی امتیازی شان کے حامل تھے۔ آپ کی وفات ۶؍ ذی الحجہ ۶۴۱ھ کو ہوئی، مزار پاک بدایوں میں مرجع خلائق ہے۔ (مرجع سابق، ص:۱۰۵)

تعلیم و اساتذہ: والدہ ماجدہ سیدہ بی بی زلیخا خدا ترس اور پارسا خاتون تھیں، وہ اپنے شوہر کی موت سے دل گرفتہ نہ ہوئیں بلکہ وہ اپنے طور پر ناموافق حالات کا مقابلہ کر کے اپنے لخت جگر کی تعلیم و تربیت کے لیے کمربستہ ہوگئیں۔ سب سے پہلے تعلیم قرآن کی غرض سے خواجہ شادی مقری کی خدمت میں بھیجا۔ آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ نے جس کو بھی قرآن ناظرہ پڑھادیا اس نے عمر کے کسی نہ کسی حصے میں ضرور قرآن پاک حفظ کر لیا۔ (مرجع سابق، ص:۱۰۷)

شیخ نظام الدین اولیا پر مولانا علاء الدین اصولی کی متوکلانہ زندگی اور آپ کے تبحر علمی کا بڑا گہرا نقش پڑا۔ آپ نے بدایوں میں رہ کر صرف و نحو، ادب و لغت، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ (خیر المجالس، حمید شاعر القلندر، ناشر: واحد بکڈپو، ص:۱۹۴)

۱۶؍ سال کی عمر تک سلطان المشائخ بدایوں میں رہ کر تحصیل علم کرتے رہے، اس کے بعد آپ نے مزید تعلیم اور علماے دین سے اکتساب فیض کی غرض سے سفر دہلی کا ارادہ ظاہر کیا تو مادرِ مہربان بدایوں سے ہجرت کر کے دہلی جانے پر خوشی کے ساتھ راضی ہوگئیں۔

جب شیخ المشائخ دہلی پہنچے تو سلطان ناصر الدین محمود کا دورِ حکومت تھا، وہاں دہلی پہنچ کر آپ نے وہاں کے علماے کرام سے باضابطہ استفادہ کیا، جس کی وجہ سے انھوں نے مروجہ علوم و فنون میں کامل دسترس حاصل کر لی۔ اپنی فطری ذہانت اور وسعتِ معلومات کی بنا پر آپ رفقاے درس میں ایک الگ شان رکھتے تھے۔ (محبوب الٰہی، ص:۱۱۰-۱۱۱)

روحانی تربیت: بی بی زلیخا نے حضرت محبوب الٰہی کی پرورش کچھ اس طرح کی تھی کہ زندگی کے ابتدائی ایام ہی سے ان کے اندر صلاح و تقویٰ اور توکل و قناعت کے جوہر کھلنے لگے۔ اس کے بعد شیخ الشیوخ بابا فرید الدین کے برادرِ خرد شیخ نجیب الدین متوکل اور قاضی منہاج السراج کی صحبت و نصیحت سے آپ کی روحانی زندگی پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ مردانِ حق کی بشارتیں اور شیخ الشیوخ کے روحانی تذکرے اندر ہی اندر دل کی دنیا میں انقلاب برپا کر رہے تھے، بالآخر وہ گھڑی آگئی کہ شیخ الشیوخ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

تقریباً نوے سال کی عمر میں ۷۵؍ سال بندگانِ خدا کی رہبری کرنے کے بعد بابا فرید الدین کی نگاہیں نیابت کے لیے کسی جوہر قابل کی متلاشی تھیں، چناں چہ آپ کی نظر جب شیخ نظام الدین پر پڑی تو بے ساختہ فرمایا:

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ

سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

”تیری جدائی کی آگ نے دل کو کباب کر دیا اور تیری ملاقات کے اشتیاق نے جان کو تباہ کر ڈالا“۔ (فوائد الفواد، ص:۱۹۷)

بیعت و خلافت: حضرت شیخ نظام الدین بابا فرید الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے دست حق پرست پر بیعت

ہوئے، بابا فرید الدین نے اپنا ایک کرتا اپنے ہی ہاتھ سے پہنا کر حاضرین سے فرمایا: "آج میں نے ایک ایسا درخت لگایا ہے جس کے سائے میں بہت سی خلقِ خدا آرام پائے گی"۔ (محبوب الٰہی، ص:۱۲۹)

سلسلۂ بیعت و ارشاد: بابا فرید الدین سے خلافت حاصل کرنے کے بعد حضرت شیخ نظام الدین نے بیعت وارشاد کا سلسلہ شروع کر دیا، آپ سے جو بھی بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کرتا آپ اسے بلا تامل فوراً دست بیعت دے دیتے۔ حضرت کی وعظ و تذکیر کا یہ خوش گوار اثر پڑا کہ لوگ گفتگو میں مسائلِ شرعیہ دریافت کرتے، نوافل، تلاوتِ قرآن اور ادعیۂ ماثورہ کا تذکرہ کرتے۔ درحقیقت اللہ جلّ مجدہ نے آپ کو جنید و بایزید کے مثل پیدا کیا تھا اور اپنی ذات کے عشق سے آراستہ کیا تھا۔

حضرت کی خانقاہ میں قلب و روح کا تزکیہ ہوتا تھا، سیرت و اخلاق کی اصلاح بھی کی جاتی تھی، احکام شریعت کی پاس داری کا درس بھی دیا جاتا تھا، فقرا و مساکین کے لیے کھانا اور کپڑا بھی فراہم ہوتا تھا۔ آپ نے ارشاد و ہدایت اور فقر و درویشی کا ایسا معیار قائم کر دیا تھا جہاں تک رسائی بعد کے زمانے میں کسی اور شیخِ طریقت کے لیے ممکن نہ ہو سکی۔ (مرجع سابق، ص:۱۶۴، ۱۶۳)

مذہبی و اخلاقی تعلیمات و ارشادات: شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین نے عوام الناس کی اصلاح کے لیے جو تعلیمات وارشادات فرمائی ہیں، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

دعا: دعا کے وقت خدا کی رحمت کا خیال کرنا چاہیے، اپنے گناہوں کا خیال نہ کرنا چاہیے، دعا آفت آنے سے پہلے کرنا چاہیے تا کہ آفت نہ آئے اور آفت آنے کے بعد بھی کرنا چاہیے تا کہ آفت کم ہو جائے۔ لیکن یہ سمجھانے کے بعد فرماتے: دعا صرف تسکین دل کے لیے ہے، خدا جانتا ہے کہ کیا کرنا چاہیے۔ (فوائد الفواد، جمع کردہ: خواجہ امیر حسن سنجری، ترجمہ: خواجہ حسن ثانی نظامی، ص:۲۳۳)

عبادت: عبادت خواہ مالی ہو یا بدنی یا مخلوق سے خوش اخلاقی سے پیش آنا، اگر اس میں سے ایک بھی قبول ہو گئی تو اس کے طفیل میں سارے کام بن جاتے ہیں۔ (مرجع سابق، ص:۴۶۷، ۴۶۶)

زہد اور ترک دنیا: اگر کوئی اپنے دن روزے رکھ کر گزارے، راتیں نماز پڑھتے ہوئے بِتائے اور حرمین طیبین کا زائر بھی ہو، اصل بات جب ہو گی کہ دنیا کی محبت اس کے دل میں نہ ہو۔ (مرجع سابق، ص:۲۷۸)

ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا: "ترک دنیا کے یہ معنٰی نہیں ہیں کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا کر لے اور لنگوٹا باندھ کر بیٹھ جائے، بلکہ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس پہنے اور کھانا کھائے، البتہ جو کچھ ملے اسے خرچ کرتا رہے، جمع نہ کرے اور اس سے رغبت نہ رکھے اور دل کو کسی چیز سے اٹکائے نہ رکھے۔ (مرجع سابق، ص:۴۲۸)

جماعت: اگر دو آدمی بھی ہوں جماعت کرنی چاہیے، اگرچہ دو آدمیوں سے جماعت نہیں ہوتی مگر جماعت کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ (مرجع سابق، ص:۳۱۸)

استقامت: استقامت کے تعلق سے حضرت شیخ المشائخ نے فرمایا کہ انسان کی راہ میں کشف و کرامات حجاب راہ ہیں، اصل کام تو استقامت ہے۔ (مرجع سابق، ص:۳۵۴)

صدقہ: صدقہ کے بارے میں فرمایا کہ جب دولت آجائے تو اسے خرچ کرنا چاہیے کہ اس سے کمی نہیں ہوتی، اور جب

دولت کسی سے منھ پھیر لے تب بھی اسے خرچ کرنا چاہیے، کیوں کہ جب اسے جانا ہی ہے تو بہتر یہ ہے کہ آدمی خود اپنے ہاتھ سے دے ڈالے۔ (مرجع سابق، ص:۳۲۸)

تراویح: تراویح کے تعلق سے آپ نے فرمایا کہ تراویح سنت ہے اور تراویح میں قرآن ختم کرنا بھی سنت ہے، خواہ ایک رات میں ہو یا تیس راتوں میں، ایک ختم تراویح میں سن لینا چاہیے۔ عرض کیا گیا: یہ سنت رسول اللہ ﷺ کی ہے یا صحابہ رضی اللہ عنہم کی؟ ارشاد فرمایا: صحابہ کی سنت ہے۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے تین رات ادا فرمائی ہے اور دوسری روایت کے مطابق ایک رات، لیکن اس کی پابندی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں کی۔

کسی نے عرض کیا: کیا صحابہ کی سنت کو بھی سنت کہتے ہیں؟ جواباً ارشاد فرمایا: ہمارے مذہب حنفی میں تو کہتے ہیں، لیکن امام شافعی کے مذہب میں سنت وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ (مرجع سابق، ص:۴۰۷، ۴۰۸)

ختم قرآن پر سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھنے کی بابت فرمایا کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر ختم کے دوران کچھ کمی رہ گئی ہو تو سورۂ اخلاص کے تین مرتبہ پڑھنے سے ختم مکمل ہو جائے گا، کیوں کہ سورۂ اخلاص کو حدیث شریف میں تہائی قرآن کہا گیا ہے۔

ختم قرآن کے بعد سورۂ فاتحہ اور بقرہ کی چند ابتدائی آیتیں پڑھنے کی ترغیب دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ فرمایا: ''الحال والمرتحل'' حال اسے کہتے ہیں جو کسی محل پر اترے اور مرتحل اسے کہتے ہیں جو روانہ ہو جائے۔ اور یہ اشارہ اس طرف ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھتا ہے اور ختم کرتا ہے تو گویا ایک منزل آکر اترتا ہے اور جب دوبارہ شروع کرتا ہے تو گویا دوبارہ روانہ ہو جاتا ہے۔ پس انسانوں میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن ختم کرتے ہی فوراً شروع کر دے، ایسے شخص کو رسول اللہ ﷺ نے ''الحال والمرتحل'' کی صفت سے یاد فرمایا ہے۔ (مرجع سابق، ص:۳۷۶)

حضرت شیخ المشائخ نے اپنے خلفا و مریدین خاص کی روحانی تربیت بڑے ہی انہماک کے ساتھ فرمائی تھی۔ خواجہ مؤید الدین سلطان علاء الدین خلجی کے بڑے معتمد رازدار تھے، وہ خواجہ کے ارادت مندوں میں شامل ہو کر شاہی دربار کے جھمیلوں سے دست بردار ہو گئے، اس پر سلطان علاء الدین نے کہا کہ حضرت تو سب کو اپنے ہی جیسا بنانا چاہتے ہیں۔ شیخ المشائخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ '' اپنے جیسا کیا اپنے سے بہتر بنانا چاہتا ہوں''۔ (محبوب الٰہی، ص:۳۵۸)

حضرت شیخ المشائخ نے اپنے خلفا کے اندر وہ تمام اوصاف و کمالاتِ روحانی پیدا کرنے کی جد و جہد فرمائی جو اولیاے کرام پر جلوہ افروز ہونے والوں کے لیے ناگزیر تھے، حضرت اپنے خلفا سے مجاہدات کراتے، ان کے قلوب کی نگرانی کرتے، جو لوگ نور علم سے عاری تھے ان کی تعلیم کا بندوبست کیا، اصلاح و تربیت کا جو عالم گیر کام آپ کے پیش نظر تھا اور اپنے خواص واصحاب سے جو دین کی دعوت کا کام لینا تھا اس میں جو چیز ضرر رساں نظر آئی آپ نے اسے ترک کر دیا۔

خلفا: حضرت شیخ المشائخ کے خلفا کی تعداد ''فوائد الفواد'' میں ایک سو گیارہ شمار کرائی گئی ہے، جن میں خواجہ احمد بدایونی، امیر خسرو، برہان الدین صوفی، بدر الدین محبوب، شیخ بہاء الدین، خواجہ رشید، قاضی فخر الدین، شیخ نظام الدین پانی پتی، قاضی محی الدین کاشانی، شیخ نصیر الدین محمود، شیخ قطب الدین منور، شیخ وجیہ الدین یوسف اور شیخ حسام الدین ملتانی وغیرہ کے اسماے

مبارکہ شامل ہیں۔ (فوائد الفواد، ص:۱۱۹)

شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے خلفا اور مریدین و احباب نے برّ صغیر ہند کے مختلف خطوں میں دینِ برحق کی اشاعت کی اور سلسلۂ چشتیہ کو فروغ بخشا۔ جن کی بے لوث دینی و اصلاحی سرگرمیوں سے سرزمینِ ہند پر علم و عرفاں کی شمعیں ہر سو جگمگا رہی تھیں۔

سلطان المشائخ نے اپنے خلفا و مریدین کے دلوں میں ایسا اعتقاد جازم بسا دیا تھا کہ وہ اپنے مرشد و مولیٰ کے علاوہ کسی اور سے استعانت کرنا گوارا نہیں کرتے تھے، چناں چہ سرخیل عاشقاں حضرت امیر خسرو کا عشق و محبت سے لبریز ایک واقعہ بہت ہی مشہور ہے جو درج ذیل ہے:

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بہت ہی چہیتے مرید حضرت امیر خسرو کو ایک بار پرانی دلی کسی کام سے بھیجا، جب وہ یہاں پہنچے تو کیا دیکھا کہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ سے سڑک جام ہے، ادھر سے ادھر جانا ہمالہ پیمائی کے مثل ہے۔

حضرت امیر خسرو نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ ازدحام کیسا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: حضرت! آج اللہ کے اس ولی کا وصال ہو گیا ہے جس نے اپنے وصال سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جو میرے جنازے کو کاندھا دے گا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ چناں چہ آج اسی محبوب بندے کا جنازہ جا رہا ہے، بھلا یہ سننے کے بعد اب کون گھر میں رہ سکتا ہے، گویا جنت لینے کے لیے سبھی دوڑے جا رہے ہیں۔

مگر یہ سنتے ہی حضرت امیر خسرو نے اپنے آپ کو ایک کالی کوٹھری میں چھپا لیا، جنازہ نکل جانے کے بعد جب راستہ صاف ہوا تو باہر نکلے اور سامان لے کر حضرت سلطان المشائخ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

محبوب الٰہی نے فرمایا: خسرو بہت دیر ہو گئی۔ جواباً عرض کیا: حضور راستہ خالی نہیں تھا۔ فرمایا: کون سی ایسی بات تھی؟ عرض کیا کہ اللہ کے ایک ایسے ولی کا جنازہ جا رہا تھا جنھوں نے اپنے وصال سے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ جو میرے جنازے کو کاندھا دے گا وہ جنتی ہو جائے گا۔

محبوب الٰہی نے فرمایا: تم بھی کاندھا دینے چلے گئے تھے اسی لیے دیر ہو گئی؟

امیر خسرو نے عرض کیا: حضور ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ سننے کے بعد میں نے اپنے آپ کو کوٹھری میں چھپا لیا تھا۔

محبوب الٰہی نے فرمایا: حیرت کی بات ہے، جنت مفت میں مل رہی تھی، تم لینے کیوں نہیں گئے؟

امیر خسرو نے عرض کیا: ان کا ولی ہونا برحق، ان کا فرمان بھی سر آنکھوں پر، لیکن حضور! یہ معلوم ہونے کے بعد کہ جو جنازے کو کاندھا دے گا، جنتی ہو جائے گا، اب اگر میں جنازے کو کاندھا دینے جاتا تو میں دنیائے عشق و محبت کا مجرم قرار پاتا۔ دنیا مجھے طعنہ دیتی کہ خسرو کو اپنے پیر پر اعتماد نہیں تھا جبھی تو دوسرے سے جنت لینے گیا تھا۔ میرے سرکار! آپ کے پاس کس چیز کی کمی ہے؟ جنت بھی لوں گا تو آپ سے اور آپ ہی والی۔ (ماہنامہ المسعود، جون، جولائی، اگست ۱۹۹۳ء ص: ۲۳، ۲۴، بہرائچ شریف)

ہندوستان کی تاریخ میں دعوت و عزیمت اور سلوک و تصوف کے اعتبار سے سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا کو ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ حضرت والا نے اسلامی معاشرے کی تطہیر اور مسلمانوں کے ظاہر و باطن کے تزکیہ کا کام جو

دہلی میں بیٹھ کر انجام دیا وہ اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ المشائخ نے اپنے عہد میں تجدید واحیاے دین اور دعوت و اصلاح کے ذریعے مردہ دلوں کو زندگی عطا کی تھی اور سرکشی و طغیانی کی پُر پیچ وادیوں میں بھٹکنے والے انسانوں کی رہنمائی فرمائی تھی، وہم وگمان کی تاریکیوں میں یقین واذعان کی شمعیں فروزاں کی تھیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اخلاقی و روحانی تصورات کو ایک ہمہ گیر عالمی تحریک کی شکل دے دی تھی، روحانیت و اصلاح کی یہ طاقتور تحریک آپ کے نامور خلفا و مریدین کے ذریعے گجرات، دکن، بنگال، اودھ، مالوہ اور برصغیر ہند کے اکثر شہر وقریہ تک پہنچ گئی۔ آپ کے خلفا و مریدین اپنے وقت کے ایک عظیم مبلغ و مصلح بن کر افق اصلاح و تبلیغ پر چھا گئے اور ان کی خانقاہیں روحانیت و تصوف کی عظیم تربیت گاہ بن گئیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے دور میں ہندوستان میں لوگوں کے درمیان حکومت کی بہت بڑی وقعت ہوا کرتی تھی، بادشاہوں کے دربار میں عوام الناس کے علاوہ علماے کرام کا جم غفیر ہوا کرتا تھا، مگر حال یہ تھا کہ بادشاہ جو کچھ کہہ دیتا علماے کرام و مفتیان عظام اسی پر سر تسلیم خم کر دیتے لیکن آپ نے بادشاہوں سے نہ کوئی تعلق رکھا اور نہ ہی ان کی کوئی بات سنی بلکہ ان کی مخالفت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مردان خدا کی روش اختیار کی اور حق بات کو واضح طور پر پیش کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے دلوں میں بادشاہوں کے دربار کی جگہ صوفیاے کرام کی خانقاہوں کی طرف رغبت پیدا ہونے لگی، لوگ علماے کرام سے مسائل شرعیہ جاننے اور ان پر عمل کرنے لگے اور علماے کرام کے حلقۂ درس میں اضافہ ہونے لگا ساتھ ہی لوگ برائیوں کو ترک کر کے نیک کاموں کی طرف پیش قدمی کرنے لگے۔

وفات: انانیت و آمریت کے اس تاریک دور میں لوگوں کو حق گوئی و بے باکی کا درس دینے والا یہ آفتاب عالم تاب ۸۹/ سال تک اپنی ہدایت و سعادت کی کرنوں سے لوگوں کے دلوں کو روشنی اور روحوں کو جلا بخشتا رہا۔ بالآخر اس کے بھی غروب کا وقت آگیا اور ۱۸/ ربیع الآخر ۷۲۵ھ مطابق اپریل ۱۳۲۵ء کو بدھ کے دن آپ نے مالک حقیقی کی دعوت پر لبیک کہا اور اس جہان فانی سے خود کو روپوش فرمالیا۔ إنا لله وإنا إليه رٰجعون.

خانوادۂ چشت کے اس روحانی سربراہ کا جنازہ ہزاروں سوگواروں کے کاندھوں پر سفر کرتا ہوا اپنی آخری آرام گاہ تک پہنچا، شیخ الاسلام ابوالفتح رکن الدین نے نماز جنازہ پڑھائی۔

وصیت کے مطابق جسد خاکی کو ایک غیر آباد خطے میں دفن کیا گیا۔ (محبوب الٰہی، ص:۲۲)

وفات کے بعد سلطان محمد بن تغلق نے مزار پاک پر شاندار مقبرہ تعمیر کرا کے نذرانۂ عقیدت پیش کیا، اس کے بعد آنے والے امرا و سلاطین نے بھی اپنے اپنے انداز میں عقیدت و ارادت کا مظاہرہ کیا اور آج بھی عوام کی عقیدت و محبت شیخ المشائخ کی ذات پاک سے اسی طرح قائم ہے جس طرح آپ کی ظاہری زندگی میں تھی۔

مولیٰ تعالیٰ تمام بزرگان دین بالخصوص شیخ المشائخ کے مزار اقدس پر رحمت و نور کی بارش فرمائے، اپنے تمام محبوبوں کا صدقہ خصوصاً خانوادۂ چشت کے اکابرین کے علم و عمل کا ایک چھوٹا سا حصہ ہم گنہ گاروں کو بھی عطا فرمائے اور ان کے وسیلے سے تمام امت محمدیہ کی مغفرت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین.

آٹھویں صدی
کے
مجدّدین
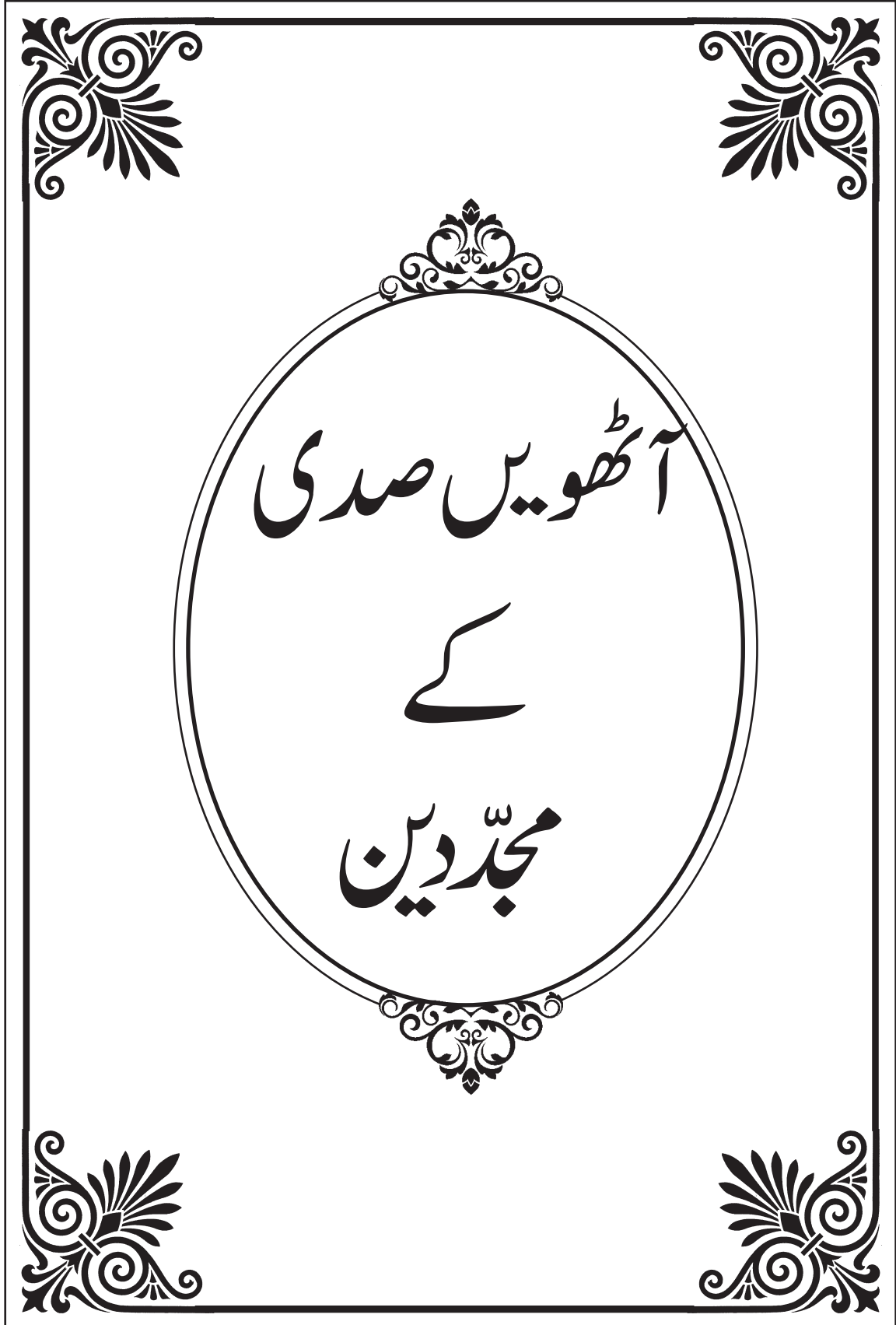
آٹھویں صدی کے مجددین

★ حضرت عبدالرحیم بن حسین زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت ابو حفص عمر سراج الدین بلقینی شافعی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت خواجہ شمس الدین محمد بن محمد جزری رحمۃ اللہ علیہ

سراج احمد، سیتامڑھی، جماعت: تخصص فی الحدیث Mo: 9695326928

نام، کنیت، لقب اور والد گرامی: آپ کا نام عبدالرحیم، کنیت ابوالفضل، لقب زین الدین اور والد کا نام حسین بن عبدالرحمن ہے، آپ حافظ عراقی سے مشہور ہیں۔

(خیر الدین الزرکلی الأعلام، ج:۳، ص:۳۴۴دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، طبع: ۲۰۰۲ء، پندرہواں ایڈیشن)

سلسلۂ نسب: آپ کا نسب نامہ کچھ اس طرح ہے: عبدالرحیم بن حسین بن عبدالرحمن بن ابی بکر بن ابراہیم الذین العراقی الاصل الکردی۔ (ابن قاضی شہبہ الدمشقی، طبقات الشافعیہ، ج:۴، ص:۳۳، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد، ۱۹۸۰ء پہلا ایڈیشن)

خاندانی پس منظر اور ولادت: آپ اصلاً کردی تھے، آپ کے آباو اجداد صوبہ "اعمال اربل" شہر رازناں میں رہتے تھے، جہاں آپ کے آباو اجداد عبادت و ریاضت میں خوب مشہور تھے، ان کے فضائل و مناقب کے خوب چرچے تھے، آپ کے والد گرامی بچپن ہی میں اپنے بعض قرابت مندوں کے ساتھ مصر چلے آئے اور خانقاہ رسلان کے شیخ تقی الدین محمد بن جعفر القناوی الشافعی کی خدمت میں رہنے لگے، جب آپ جوان ہوئے تو ایک نیک سیرت اور صابرہ و قانعہ خاتون سے نکاح ہوا، شیخ تقی الدین القناوی نے بشارت دی کہ تمھیں ایک لڑکا پیدا ہوگا تم اس کا نام جد اعلی کے نام پر رکھنا، چناں چہ ۱۱/ جمادالاولی ۷۲۵ھ مصر میں علامہ زین الدین العراقی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

آپ کے والد گرامی آپ کو لے کر شیخ تقی الدین القناوی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے حضرت نے انھیں پیار و محبت کی نگاہوں سے دیکھا اور خوب برکت کی دعائیں دیں۔

(شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی، الضوء اللامع لأ ھل القرن التاسع، ج:۴، ص:۱۷۱، دار مکتبۃ الحیاۃ بیروت، لبنان)

ظاہری و باطنی علوم سے سرفرازی: آپ نے آٹھ برس کی عمر میں قرآن پاک یاد کر لیا تھا، اس کے بعد فقہ شافعی کی کتاب "التنبیہ" پوری اور "الحاوی" کا اکثر حصہ از بر کر لیا، پھر ابن دقیق العید کی کتاب "الالمام" بھی یاد کر ڈالی یاد کرنے کا حال یہ تھا کہ کبھی کبھی "الالمام" کی ۴۰۰/ سطریں دن بھر میں یاد کر ڈالتے تھے، اس کے بعد آپ نے علم قرأت حضرت ناصر الدین محمد بن ابی الحسن بن عبدالملک بن سمعون سے حاصل کی، اس سے فارغ ہو کر ابن عدلان، عماد محمد بن اسحاق البلبیسی اور جمال

الاسنوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں فقہ اور الشمس بن اللبان رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اصول کی تحصیل کی اور ان دونوں میں کمال پیدا کیا، اسی اثنا میں عز بن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ کے اشارے پر علم حدیث کی طرف میلان پیدا ہوا تو قاہرہ میں شیخ علاء الدین ترکمانی حنفی سے، مکہ میں الصلاح العلائی سے اور شام میں تقی الدین السبکی کی خدمت میں رہ کر علم حدیث میں مہارت حاصل کی۔

(امام سخاوی، الضوء اللامع لأهل القرن التاسع، ج: ٤، ص: ١٧١، دار مكتبة الحياة بيروت، لبنان)

اس کے بعد آپ نے طلب حدیث کی خاطر مختلف ملکوں کا سفر کیا، مثلاً: قاہرہ، شام، حجاز، حلب، حماۃ، حمص، بعلبک، طرابلس، اور اسکندریہ وغیرہ۔(ابن قاضی شہبہ طبقات الشافعیہ، ج:۴، ص:۴۳، مجلس: دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، ۱۹۸۰ء پہلا ایڈیشن)

آپ نے کئی بار حج ادا کیے، نیز حرمین شریفین کی مجاورت کی سعادت بھی حاصل کی، ایک مرتبہ ۷۶۸ھ میں آپ نے اہل و عیال کے ساتھ حج ادا کیا، اس مرتبہ آپ کی معیت میں آپ کے صاحبزادے ولی الدین عراقی اور آپ کے چچازاد بھائی برہان الدین بن محمد اور حافظ نور الدین ہیثمی کے علاوہ شہاب بن نقیب بھی تھے، پہلے چند ماہ مدینہ میں قیام کرنے کے بعد مکہ گئے، اسی سفر میں شہاب نے ان کی کتاب " الفقیہ الحدیث "کو اپنے ہاتھ سے نقل کیا، اور ان کے درس میں شریک ہوئے، تین سال سے زائد آپ مدینہ منورہ میں قضا کے عہدہ پر فائز رہے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے املائی مجلس قائم کی اور اس کے چار سو سالہ جلسوں میں مختلف مضامین کا املا کیا مثلاً اربعین امام نووی کی تخریج اور مستدرک کا مستخرج، وغیرہ۔

آپ محدثین کو مختلف جگہوں پر درس حدیث دیا کرتے تھے، مثلاً: کاملیہ، ظاہریہ قدیمہ، القراسنقوریہ اور جامع ابن طولون کے دار الحدیث میں محدثین عظام کو درس حدیث دیا کرتے تھے اور "فاضلیہ" میں فقہائے کرام کو درس دیتے تھے، آپ نہایت صاف دل، باحیا، بے تکلف، کم گو، نورانی صورت اور متواضع تھے۔ حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ میں نے کبھی حافظ عراقی کو نہیں دیکھا کہ انھوں نے تہجد ترک کیا ہو، وہ عموماً فجر کی نماز کے بعد اسی جگہ قبلہ رو بیٹھے ہوئے طلوع آفتاب تک تلاوت میں مشغول رہتے تھے، پھر چاشت کی نماز پڑھتے، ہر ماہ میں تین دن اور شوال کے چھ دنوں کے روزے مسلسل رکھتے تھے، جب سواری میں ہوتے تو تلاوت فرماتے رہتے۔

خلاصہ یہ کہ آپ حد درجہ متقی، صالح، عبادت گزار اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب بندے تھے، جس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ نور الدین ہیثمی جو علامہ زین الدین عراقی کے ہم عصر اور اچھے دوست کی حیثیت سے تھے فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام جلوہ بار ہیں اور بائیں طرف حضرت زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ جلوہ افروز ہیں، آپ کی دعا اللہ رب العزت کی بارگاہ میں قبول ہوئی تھی جیسا کہ منقول ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ لوگوں کو نماز استسقا پڑھائی نماز سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں نے بے شمار برکتوں کا مشاہدہ کیا۔(ابن قاضی شہبہ طبقات الشافعیہ، ج:۴، ص:۳۸، مجلس: دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، ۱۹۸۰ء پہلا ایڈیشن/امام سخاوی، الضوء اللامع لأهل القرن التاسع، ج:۴، ص:۱۷۴-۱۷۵، دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، لبنان/ابو الفضل المکی لحظ الالحاظ بذیل الطبقات الحفاظ، المطبوع مع ذیل تذکرۃ الحفاظ ج:۵، ص:۱۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۰ء پہلا ایڈیشن)

آپ کے اہم شیوخ و اساتذہ : المقری محمد بن ابی الحسن بن عبدالملک بن سمعون ،الاصولی محمد بن اسحاق بن البلبیسی، الاصولی عبدالرحیم بن الحسن بن علی الاسنوی، الاصولی محمد بن احمد بن عبدالمومن المصری المعروف بابن اللبان، المحدث عبدالرحیم بن عبداللہ بن یوسف المعروف بابن شاہدالجیش المحدث محمد بن محمد بن ابراہیم المیدوی، المحدث محمد بن محمد بن محمد ابن سید الناس، محدث محمد بن اسماعیل بن عبدالعزیز، الامیر سنجر بن عبداللہ الجاوی، فقیہ علی بن عبدالمجلس ابن الرفعہ محدث عبدالرحمن بن عبد الھادی المقدسی، محدث علی بن عبدالکافی السبکی، محدث خلیل بن کیکادی العلائی، محدث عبداللہ بن احمد بن محمد الطبری، محدث یحیی بن عبداللہ بن مروان الفارو قی، محدث احمد بن عبدالرحمن بن محمد المرداوی۔(مصدر سابق، ص:۱۴۵)

علمی مقام اور آپ کے متعلق علما کے اقوال : علامہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے محدث مانے جاتے تھے جن کا علوم حدیث کی معرفت میں کوئی ثانی نہیں تھا، آپ بہت زیادہ ذہین اور قوی حافظہ کے مالک تھے، آپ کے علمی کمال کا اعتراف ملت اسلامیہ کے برگزیدہ علمی شخصیتوں نے کیا ہے:

☆عزالدین بن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"کل من یدعی الحدیث فی الدیار المصریۃ سواہ فھو مدع."

ترجمہ: دیار مصر میں ان (حضرت زین الدین عراقی) کے علاوہ جو حدیث دانی کا دعوی کرتا ہے وہ نرا مدعی ہے۔

(امام سخاوی، الضوء اللامع لأهل القرن التاسع، ج:٤، ص:۱۷۳، دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، لبنان)

☆حافظ تقی الدین بن رافع نے فرمایا:"ما فی القاہرہ محدث إلا ھذا او القاضی عز الدین ابن جماعہ."

ترجمہ: قاہرہ میں آپ (حضرت زین الدین عراقی) کے اور حضرت عزالدین ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہما کے علاوہ کوئی اتنا بڑا محدث نہیں ہے۔

اور جب عزالدین بن جماعہ کی وفات ہوگئی تو آپ نے فرمایا:

"ما بقی الآن بالقاھرۃ محدث الا الشیخ زین الدین العراقی".

ترجمہ: اب قاہرہ میں کوئی محدث نہیں بچا سوائے شیخ زین الدین عراقی کے۔(ابو الفضل المکی لحظ الأحاظ بذیل الطبقات الحفاظ المطبوع مع ذیل تذکرۃ الحفاظ ج:٥ ،ص:١٤٨،ناشر:دارالکتب العلمیہ ،بیروت ،١٩٨٠ءپہلا ایڈیشن)

☆ابن قاضی شہبہ فرماتے ہیں:

"الحافظ الکبیر المفید المتقن المحرر الناقد، محدث الدیار المصریۃ، ذو تصانیف المفیدہ".

ترجمہ: وہ (زین الدین عراقی) حافظ کبیر، نفع پہنچانے والا صاحب اتقان، محرر ناقد دیار مصریہ کے محدث صاحب تصانیف مفیدہ تھے۔ (ابن قاضی شہبہ طبقات الشافعیہ، ج:۴، ص:۳۳، مجلس: دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، ۱۹۸۰ء پہلا ایڈیشن)

قلمی جواہر پارے : آپ کی کتابوں کی فہرست دو قسموں پر مشتمل ہے، پہلی قسم میں وہ کتابیں ہیں جو آپ نے علوم حدیث

کے علاوہ دوسرے علوم میں لکھیں، مثلاً: فقہ، اصول اور علوم القرآن وغیرہ۔

اور دوسرے علوم میں وہ کتابیں ہیں جو فن حدیث میں لکھیں۔

پہلی قسم : (۱)أجوبة ابن العربی(۲) أحیاء القلب المیت بدخول البیت (۳) ألإستعاذه بالواحد من إقامة جمعتین فی مکان واحد (٤) الالفیه فی غریب القرآن (٥) تتمات المهمات (٦) تاریخ تحریم الربا (۷) ترجمةالا سنوی (۸) تفضیل زمزم علی کل ماء قلیل زمزم (۹) الرد علی من انرقد ابیاتاً للصرصری فی مدح النبی (۱۰) التحریر فی اصول الفقه (۱۱) اسماء الله الحسنی (۱۲) العدد المعتبر فی الاوجه التی بین السور (۱۳) فضل غار حرا (١٤) محجة القرب إلی محبة العرب (١٥) قرة العین بوفاء الدین (١٦)الکلام علی مسئلة السجود لترك القنوت (۱۷) مسئلة الشرب قائما(۱۸۹) مسئلة قص الشارب (۱۹) منظومة فی ضوء المستحب (۲۰) المورد الهنی فی مولد السنی (۲۱) النجم الوهاج فی نظم المنهاج (۲۲) نظم السیرة النبویه (۲۳) النکت علی منهاج البیضاوی (۲٤) هل یوزن فی المیزان أعمال الأولیا والانبیا أم لا؟

دوسری قسم: علوم حدیث میں آپ کی کتابیں:

(۱) الأحادیث المخرجه فی الصحیحین التی تکلم فیها بضعف او انقطاع (۲) أربعون بلدانیة (۳) أطراف صحیح ابن حبان (٤) الأمالی (٥) الباعث علی الخلاص من حوادث القصاص (٦) بیان ما لیس بموضوع من الأحادیث (۷) تبصرة المبتدی و تذکرة المنتهی (۸)ترتیب من له ذکر تخریج او تعدیل فی بیان الوهم و الایهام لابن القطان علی حروف المعجم (۹)تخریج أحادیث منهاج البیضاوی (۱۰) اربعون تساعیه للمیدوی (۱۱) تقریب الأسانید و ترتیب الأسانید (۱۲) التقیید و الایضاح لما أطلق و أغلق من کتاب ابن الصلاح (۱۳) تکملة شرح جامع الترمذی لابن سید الناس (١٤) جامع التحصیل فی معرفة رواة المراسیل (١٥) ذیل علی ذیل العبر للذهبی (١٦) ذیل علی کتاب أسد الغابة (۱۷)ذیل شیخة البیانی (۱۸)ذیل شیخة القاضی ابی الحرم القلانسی (۱۹)ذیل میزان الاعتدال للذهبی (۲۰)ذیل علی وفیات ابی الحسین بن ابیك (۲۱) رجال سنن الدار قطنی (۲۲) رجال صحیح ابن حبان (۲۳) شرح التبصره والتذکره (۲٤) شرح تقریب النوی (۲٥) طرح التثریب فی شرح التقریب (۲٦) عوالی ابن الشیخة (۲۷) عشاریات العراق (۲۸) فهرست مرویات البیانی (۲۹)الکلام علی الأحادیث التی تکلم فیها بالوضع و هی فی مسند الامام احمد (۳۰)الکلام علی حدیث ؛التوسعه علی العیال یوم عاشوره (۳۱) الکلام علی الحدیث صوم ست من شوال (۳۲) الکلام علی الحدیث من کنت مولاه فعلی مولاه (۳۳) الکلام علی الحدیث الموت کفاره لکل مسلم (۳٤) الکلام علی الحدیث الوارد فی اقل الحیض و أکثره (۳٥) المستخرج علی مستدرك الحاکم (۳٦) معجم مشتمل علی تراجم جماعة من أهل القرآن الثامن (۳۷)

المغنی عن حمل الأسفار فی الأسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار (۳۸) مشیخۃ لابن القاری عبد الرحمن (۳۹) مشیخۃ القاضی ناصر الدین بن التونسی (۴۰) مشیخہ محمد بن محمد المربعی التونسی و ذیلھا (۴۱) من روی عن عمرو بن شعیب من التابعین (۴۲) من لم یرو عنھم الا واحدا (۴۳) نظم الاقتراح (۴۴) شرح الترمذی فی خزانۃ الرباط (۴۵) الفیۃ فی مصطلح الحدیث (۴۶) شرحھا فتح المغیث (۴۷) الفیۃ السماۃ بالتبصرۃ والتذکرہ فی علم الحدیث (۴۸) الکشف المبین عن تخریج احیاء علوم الدین (۴۹) تکملۃ شرح المھذب للنوی (۵۰) الدرر السنیہ فی نظم السیر الزکیۃ (۵۱) الانصاف، وغیرہ۔

آپ کی تصنیفات میں: الفیۃ الحدیث، الفیۃ السیرۃ اور تخریج احادیث الاحیا وغیرہ کو شہرت حاصل ہے۔

(ابو الفضل المکی لحظ الألحاظ بذیل الطبقات الحفاظ المطبوع مع ذیل تذکرۃ الحفاظ، ج:۵ ،ص:۱۵۰-۱۵۱،دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۰ء،پہلا ایڈیشن /حافظ جلال الدین السیوطی ذیل الطبقات الحفاظ المطبوع مع ذیل تذکرۃ الحفاظ، ج:۵ ،ص :۲۴۵، دار الکتب العلمیہ ،بیروت ،۱۹۸۰ء پہلا ایڈیشن /امام سخاوی، الضوء اللامع لأھل القرن التاسع ،ج :۴ ،ص:۱۷۳ ،دار مکتبۃالحیاۃ، بیروت، لبنان/ ابن حجر عسقلانی ،ذیل الدرر الکامنہ ، ص:۹۳،دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء پہلا ایڈیشن/خیر الدین الزرکلی ،الأعلام ،ج : ۳ ،ص : ۳۴۴-۳۴۵ ، دارالملایین، بیروت، لبنان ،۲۰۰۲ء پندرھواں ایڈیشن /امام جلال الدین السیوطی ، حسن المحاضرہ فی اخبار مصر و القاھرہ ج ۱، ص :۳۰۷ ،دارالکتب العلمیہ، بیروت،۱۹۹۷ء پہلا ایڈیشن / علامہ اسماعیل باشا بغدادی ، ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون ،ج: ۴ ،ص: ۹۶، دار احیاء التراث العربی ، بیروت/ ابن قاضی شھبہ طبقات الشافعیہ ،ج: ۴،ص: ۳۶-۳۷،مجلس دائرۃالمعارف العثمانیہ ، حیدر آباد ، ۱۹۸۰ء ،پہلا ایڈیشن)

فن حدیث میں نمایاں مقام: یوں تو آپ نے مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی مثلاً: فقہ، اصول فقہ، نحو، علم قرأت اور علم حدیث مگر آپ کو جس علم کے ذریعہ شہرت ملی وہ فن حدیث ہے، اس فن میں آپ کا انہماک اتنا بڑھا اور اس کی اتنی مزاولت کی کہ صرف اسی فن میں مشہور ہوئے، درج ذیل کچھ شواہد پیش کیے جا رہے ہیں جن سے ثبوت فراہم ہو گا کہ علامہ زین الدین عراقی کا مقام فن حدیث میں نمایاں اور بلند تھا:

☆امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی اپنی کتاب "الضوء اللامع" میں فرماتے ہیں: "کان عالماً بالنحو او اللغۃ و الغریب و القرأۃ و الحدیث و الفقہ و اصولہ غیر انہ غلب علیہ فن الحدیث فاشتھر بہ و انفرادا بالمعرفۃ فیہ مع العلم"۔

ترجمہ: زین الدین عراقی علم نحو، لغت، غریب، قرأت، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے عالم تھے، مگر آپ کے اوپر فن حدیث غالب تھا جس کی وجہ سے آپ کو شہرت ملی اور اس فن میں بلند مقام حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ منفرد نظر آئے۔

(امام سخاوی، الضوء اللامع لأھل القرن التاسع، ج:۴، ص،۱۷۵، دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، لبنان)

☆حافظ ابن حجر عسقلانی "ذیل الدرر الکامنہ" میں فرماتے ہیں: "صار المنظور الیہ فی ھذا الفن"۔

ترجمہ: حضرت زین الدین عراقی اس فن (حدیث) میں مرجع خلائق بن گئے۔

(ابن حجر عسقلانی ذیل الدرر الکامنہ ص:۹۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء پہلا ایڈیشن)

☆علامہ سخاوی نے فرمایا: "به تخرج وعليه انتفع".

ترجمہ: علامہ الترکمانی الحنفی ہی بدولت فن حدیث میں عراقی کمال وفضیلت کے درجہ پر پہنچے، اور انہی سے وہ فیض یاب ہوئے۔ (الضوء اللامع لاھل القرن التاسع، لامام سخاوی، ج:۴، ص:۱۷۲، دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، لبنان)

☆ابن جماعہ نے فرمایا "كل من يدعى الحديث بالديا المصريه سواه فهوا مدع".

ترجمہ: دیار مصر میں ان (زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ) کے علاوہ جو حدیث دانی کا دعوی کرتا ہے وہ نرا مدعی ہے۔

(المرجع السابق، ص:۱۷۳)

☆امام جلال الدین سیوطی نے فرمایا: "و أحب الحديث اكثر من السماع و تقدم فی فن الحديث".

ترجمہ: زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے علم حدیث سے لگاؤ رکھ کر کثرت سماع حدیث کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اس فن میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ (ذیل الطبقات الحفاظ المطبوع مع ذیل تذکرۃ الحفاظ، حافظ جلال الدین السیوطی، ج:۵، ص:۲۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۸ء پہلا ایڈیشن)

مذکورہ اقوال کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ علم حدیث کے ماہر اور اس فن میں بلند اور نمایاں مقام کے حامل تھے۔ اس کا اندازہ آپ کی ان کتابوں سے لگایا جاسکتا ہے جو فن حدیث میں تصنیف کی گئیں ہیں، ان کتابوں کی کثرت ہمیں اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ آپ کو واقعی علم حدیث میں بلند و بالا مقام حاصل تھا۔

تجدیدی کارنامے: ہر زمانے کا یہ معمول رہا ہے کہ اسلام کے دشمنوں نے اسلام کا قلع قمع اور اس کی بیخ کنی کرنے کے نہ جانے کیسے کیسے ناپاک حربے استعمال کیے، مگر ان ناپاک کوششوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے اللہ کے فضل و کرم سے ہر صدی میں مجدد پیدا ہوتا رہا جیسا کہ حدیث پاک "ان الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها" (حافظ سليمان بن الأشعث ابی داؤد السجستانی، سنن ابی داؤد كتاب الملاحم، ج:۲، ص:۵۸۹، مطبع: اصح المطابع) اس کی روشن دلیل ہے۔

مجدد دین اسلام کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ جو لوگ کتاب و سنت پر عمل ترک کر چکے ہوں اور سنتیں مٹتی جا رہی ہوں تو وہ مردہ سنتوں کو زندہ کریں، اور کتاب و سنت پر عمل کرنے کا حکم دیں اور باطل پرستوں سے جہاد کریں، بالکل بعینہ یہی صورت حال علامہ زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تھی، اس وقت بھی کئی فتنے رونما ہوئے، اسلام کے صحیح افکار و نظریات کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی، اسلامی تعلیمات اور نبوی تعلیمات کے مفاہیم کو غلط ٹھہرانے اور صفحۂ ہستی سے مٹانے کی ناکام سعی کی گئی، حدیث "التوسعة على العيال يوم عاشوراء صوم ست من الشوال" اور "من كنت مولاه فعلى مولاه" کے حقیقی مفاہیم مطالب پر پردہ ڈالنے کی زبردست کوششیں کی گئیں، مگر آپ نے حدیث پر پڑے پردے کو چاک

کرکے ان کے صحیح معانی ومطالب سے لوگوں کو روشناس کرایا، اوران احادیث کے معانی کو مسخ کرنے والوں کا چہرہ عیاں فرمایا، اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محو کی جانے والی سنتوں کا احیا فرمایا۔

آپ نے مختلف علوم وفنون میں کتابیں تصنیف فرمائیں جن کے مطالعہ سے آپ کے تبحر علمی اورآپ کی جامعیت اورآپ کی احیاے سنت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، آپ کی تصنیفات کم وبیش ۷۵ ہیں، آپ نے ساری کتابیں عربی زبان میں تحریر فرمائی ہیں جو تحقیقات کا انمول خزانہ ہیں جن کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے آپ کو ہر علم وفن میں کمال عطا فرمایا تھا، خلاصہ یہ کہ قدرت نے آپ میں وہ ساری خوبیاں بیک وقت جمع فرمادی تھیں جو ایک مجدد کے لیے ضروری ہیں، آپ نے ساتویں صدی کا آخری زمانہ اورآٹھویں صدی کے شروع کا زمانہ بھی پایا، عشق رسول تو گویا آپ کی رگ رگ میں موجزن تھا آٹھویں صدی کے شروع میں آپ کی ذات سے لوگوں نے بے پناہ فائدہ اٹھایا، اس کے علاوہ آپ نے ایک گراں قدر اور زبردست احیاے سنت کا اہم فریضہ یہ انجام دیا کہ برسوں سے املاے حدیث کا سلسلہ ختم ہوچکا تھا، آپ نے اس محو شدہ سنت کو زندہ فرمایا چناں چہ ۷۹۶ھ سے آپ نے املاے حدیث کا سلسلہ شروع فرمایا، آپ نے املا کی مجلس قائم کی اور چار سو سے زائد مجلس میں املا کرایا، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وشرع فی املاء الحدیث من سنة ست تسعین فاحیاالله به سنة الاملاء فأملی اکثر من اربع مأة مجلس." (ذیل طبقات الحفاظ المطبوع مع ذیل تذکرة الحفاظ ،امام جلال الدین السیوطی، ج:٥، ص:٢٤٥. ٢٤٦ ،دار الکتب العلمیه ،بیروت،١٩٩٨ء)

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ گوناگوں کمالات اور خوبیوں کے جامع تھے آپ صاحب تصانیف کثیرہ تھے، مختلف علوم وفنون میں مہارت کے ساتھ علوم حدیث میں دست گاہ تام اور دسترس کامل رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی توجہ علم حدیث کی اشاعت کی طرف مبذول فرمائی بلکہ سچائی یہ ہے کہ آپ نے خدمت علم حدیث کے لیے خود کو وقف فرمادیا تھا اور علم حدیث کے املا کی سنت کے احیا کی سعادت حاصل ہوئی، آپ کا یہ زریں کارنامہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے جب تک دنیا قائم رہے گی آپ کا یہ زریں کارنامہ آپ کا نام روشن کرتا رہے گا، اور طالبان علوم حدیث کو علوم حدیث کے جواہر پاروں کو بخشتا رہے گا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خداے بخشندہ

وصال پرملال اور مزار پاک: آپ نے ۸ شعبان بدھ کی رات ۸۰۶ھ میں وفات پائی، اورآپ کا مزار مبارک قاہرہ کی زینت بنی ہوئی ہے۔

☆☆☆☆

محمد ساجد الرحمٰن مصباحی سمستی پور۔ جماعت تخصص فی الحدیث Mo: 8009482382

نام ونسب: آپ کا اسم گرامی : عمر، کنیت: ابوحفص، لقب: شیخ الاسلام، فقیہ الزماں، ملک العلما اور سراج الدین ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: عمر بن رسلان بن نصیر بن صالح بن شہاب بن عبدالخالق بن عبدالحق بن محمد بن مسافر کنانی، بلقینی، شافعی۔ (طبقات المفسرین، ص:۳۰۴، ذیل تذکرۃ الحفاظ، ج:۵، ص۱۳۵)

ولادت باسعادت: آپ کی ولادت ۱۲/ شعبان المعظم شب جمعہ ۷۲۴ھ کو مصر کے مغربی علاقہ "بلقینیہ" میں ہوئی ۔آپ کا تعلق قبیلہ کنانہ سے تھا، اس لئے قبیلہ کی جانب نسبت کرتے ہوئے کنانی اور موضع ولادت کی طرف نسبت کرتے ہو ئے بلقینی لکھتے تھے۔ بعض مورخین نے آپ کو عسقلانی بھی لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اجداد عسقلان سے تعلق رکھتے تھے۔ (الضوء اللامع، ج:۶، ص:۸۷، الاعلام، ج:۵، ص:۴۶)

تحصیل علم: سات سال کی عمر میں آپ نے حفظ قرآن کے ساتھ علم قراءت کی مشہور کتاب "شاطبیہ"، علم نحو میں " کافیہ ابن مالک" اور اصول میں "مختصر ابن حاجب" کو زبانی یاد کرلیا۔ (ذیل تذکرۃ الحفاظ، ج:۵، ص:۱۳۵)

بارہ سال کی عمر میں والد ماجد کے ساتھ قاہرہ تشریف لائے اور موضع "کاملیہ" میں اقامت گزیں ہوے۔ یہاں تشریف آوری کا ایک حیرت انگیز واقعہ امام سخاوی نے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"جب آپ کی آمد موضع "کاملیہ" میں ہوئی تو یہاں کے سردار سے آپ نے ایک گھر دینے کی درخواست کی، اس نے انکار کر دیا، اسی درمیان ایک شاعر نے سردار کی شان میں قصیدے کے اشعار پڑھے جب وہ خاموش ہو گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے یہ قصیدہ یاد ہو گیا تو سردار قوم نے کہا اگر ایسا ہے تو میں تمھیں ایک گھر عنایت کروں گا پھر آپ نے فوراً وہ تمام اشعار سنا دیے۔" (الضوء اللامع، ج:۵۔۶، ص:۷۹)

قاہرہ موضع "کاملیہ" میں مستقل سکونت کے بعد آپ نے یہاں کے ارباب علم وفضل سے خوب استفادہ کیا۔ آپ کی زبردست ذہانت وفطانت بے مثال قوت حافظہ اور سرعت ادراک سے علما وفضلا بہت متعجّب ہوئے۔ یہاں آپ نے فقہ، اصول، فرائض اور نحو وصرف کی تعلیم بڑی محنت وجفاکشی کے ساتھ حاصل کی اور ان علوم میں اپنے تمام رفقا سے فائق وبرتر ہو گئے۔ پھر علم حدیث کا رخ کیا اور اس کے متون ورجال کو اس طرح یاد کیا کہ نصوصِ شافعیہ کے سب سے بڑے حافظ شمار کیے جانے لگے۔ جن شیوخ سے آپ

نے سماع حدیث کیا ان میں سر فہرست شمس الدین ابن القماح، ابن عبد الہادی میدومی، ابن شاہد جیش احمد بن کشغری اور اسماعیل تفلیسی ہیں۔ ان کے علاوہ حافظ ذہبی، مزی اور ابن جوزی نے آپ کو اجازتِ حدیث سے نوازا۔ نحو وصرف اور عربی ادب کی تعلیم ابن حیان سے حاصل کی۔ علم فقہ ابن عدلان، شیخ نجم الدین اسوانی، زین الدین کتنانی اور تقی الدین سبکی سے اور علم اصول واجازت افتا شمس الدین اصبہانی سے حاصل کی۔ پھر بہاء الدین ابن عقیل کی صحبت میں رہ کر ان کی جلالتِ علمی سے خوب بہرمند ہوئے اور ۷۵۸ھ میں انھیں کی صاحبزادی کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ (ذیل تذکرۃ الحفاظ، ج:۵، ص:۱۳۵-۱۳۶)

تبحر علمی: آپ کو مذہب شافعی کی معرفت میں کمال حاصل تھا، عربی ودیگر علوم وفنون میں راسخ ہونے کے ساتھ بکثرت احادیث، اسناد کے ساتھ یاد تھیں۔ آپ کی علمی قدر ومنزلت کا اندازہ اربابِ علم وفضل کے درج ذیل اقوال سے لگایا جاسکتا ہے۔

محمد بن عبد الرحمٰن عثمانی لکھتے ہیں :

”آپ شیخ وقت اور امام زمانہ تھے، آپ کے دور کے بڑے بڑے فقہا آپ کی طرف مراجعت کرتے تھے۔“

(الضوء اللامع، ج:۵-۶، ص:۷۹)

ابن عقیل کہتے ہیں : ”وہ اپنے زمانے میں فتوی نویسی کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔“

ابوحیان نے کہا:

”آپ وقت کے امام تھے، فن عربی میں آپ سے استفادہ کیا جاتا تھا، اللہ رب العزت نے آپ کو شریعتِ مطہرہ کا وافر علم عطا فرمایا تھا، فقہ اور اصول فقہ میں آپ کو نمایاں مقام حاصل تھا، تدریس وقضا اور فتوی نویسی میں ماہر تھے۔“ (ایضًا)

شیخ شہاب الدین ازرعی نے کہا کہ نصوص شافعیہ کا ان سے بڑا حافظ میں نے کسی کو نہیں دیکھا اور برہان حلبی کہتے ہیں: وہ یکتائے روز گار تھے۔ فقہ اور احادیثِ احکام کا ان سے بڑا حافظ میں نے کسی کو نہیں دیکھا، متعدد بار ان کی درس گاہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ دیگر مذاہب کے فقہا بھی آپ کی بارگاہ کے خوشہ چیں تھے۔ جب آپ کسی حدیث کی تشریح وتوضیح کرنا شروع کرتے توصبح سے ظہر کا وقت ہوجاتا بلکہ بسا اوقات ظہر کی اذان ہوجاتی پھر بھی حدیث کی تشریح مکمل نہیں ہوپاتی۔ مزید کہتے ہیں کہ ممالک اسلامیہ سے جو بھی اہل علم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا، آپ کے علم وفضل اور کثرت استحضار کا اعتراف کرتے ہوئے لوٹتا۔ (ایضًا)

حافظ شہاب الدین ابن حجی کا قول ہے : ”طلب العلم فی صغرہ وحصل الفقہ والنحو والفرائض وشارك فی الأصول وغیرہ وفاق الأقران فی الفقہ ثم أقبل علی الحدیث وحفظ متونہ وحفظ رجالہ فحفظ من ذٰلك شیئًا کثیرا وکان فی الجملۃ احفظ الناس لمذہب الشافعی واشتہر بذلك وطبقۃ شیوخہ موجودون“

”کم عمری ہی میں انھوں نے فقہ، نحو، فرائض اور اصول وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ علم فقہ میں اپنے ہمسروں پر سبقت لے گئے پھر جب علم حدیث کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے تو متنِ حدیث اور رجالِ حدیث کو اس قدر محفوظ کرلیا کہ مذہب شافعی کے سب سے بڑے حافظ ہوگئے اور اسی صفت خاص سے آپ مشہور ومعروف ہوئے جب کہ آپ کے شیوخ کا ایک طبقہ اس وقت موجود تھا۔“ (طبقات الشافعیہ، ابن قاضی شہبہ، ج:۴، ص:۴۹)

اوصاف: علم وفضل کے جبل شامخ ہونے کے ساتھ آپ باوقار، بردبار، بارعب اور شفیق ومہربان تھے، اللہ رب العزت نے آپ کو زبردست ذہانت وفطانت اور بے مثال قوت حافظہ سے نوازا تھا، فقہ شافعی کی مشہور کتاب ”محرر“ کا ایک صفحہ دو سے

تین منٹ میں حفظ کر لیتے تھے، ابواب فقہیہ اول تا آخر زبانی یاد ہونے کے باوجود بغیر مطالعہ درس دینے کو ناپسند فرماتے تھے، جب بھی آپ کی بارگاہ میں کوئی مشکل مسئلہ در پیش ہوتا فوراً کتابوں کی طرف مراجعت کرتے۔ وسعت مطالعہ اور علمی تبحر کے باوجود مراجعت کرنے میں کوئی تکلف نہیں کرتے۔ فقراو مساکین پر صدقہ وخیرات کرنا آپ کا محبوب عمل تھا، آپ کے فضل و کمال کا حال یہ تھا کہ آپ کے اساتذہ وشیوخ بھی آپ کی حد درجہ تعظیم کرتے تھے۔ ابن قاضی شہبہ فرماتے ہیں:

"وكان القاضى عزالدين ابن جماعة يعظمه، و يبالغ فى تعظيمه جداً. وكان الشيخ شمس الدين الأصفهانى كثير التعظيم له".

ترجمہ: "قاضی عزالدین ابن جماعہ ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ شیخ شمس الدین اصبہانی؟ ان کی بہت زیادہ تعظیم و توقیر کرتے تھے۔" (ایضاً، ص:۴۸)

تصنیفات: آپ کے قلمی جواہر پارے یوں تو بیس سے زائد ہیں لیکن ان میں بھی بہت کم پایہ تکمیل کو پہنچ سکے۔ امام سخاوی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپ جب کسی موضوع پر لکھنا شروع کرتے تو علمی وسعت اور کثرت استحضار کی وجہ سے موضوع بہت طویل ہو جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ نے بخاری شریف کی تقریباً بیس احادیث کی شرح دو ضخیم جلدوں میں تحریر فرمائی اور "الروضہ" کی کئی جلدوں میں توضیح وتشریح کی۔ (الضوء اللامع، ج:۵۔۶، ص:۸۰)

عدم تکمیل کا سبب بیان کرتے ہوئے قاضی شہبہ رقم طراز ہیں:

"والسبب فى عدم اكماله لغالب مصنفاته اشتغاله بالأشغال والتدريس والتحديث والإفتاء".

ترجمہ: درس وتدریس، افتاوقضا، روایت حدیث ودیگر مصروفیات کی وجہ سے آپ کی بیشتر تصانیف پایہ تکمیل تک پہنچنے سے قاصر رہیں۔ (طبقات الشافعیہ، ابن قاضی شہبہ، ج:۴، ص:۵۲)

تاریخ وسیر کی مختلف کتابوں میں آپ کی کامل ونامکمل تصانیف کا جو ذکر ملتا ہے ان کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) فيض البارى علىٰ صحيح البخارى (۲) العرف الشذى علىٰ جامع الترمذى (۳) التدريب، فقه، (غير تام) (٤) الفوائد المحضة على شرح الروضة [۲ جلد] (٥) تضمين ابن الصلاح (٦) حواشى الرافعى (۷) كتاب الأم، [ترتيب] (۸) محاسن الاصلاح (۹) الفتح الموهب فى الحكم بالصحة و الموجب (۱۰) اظهار المستند فى بيان تعدد الجمعة فى البلد (۱۱) طى العبير لنشر الضمير (۱۲) الجواب الوجيه فى تزويج الوصى السفيه (۱۳) الأجوبة المرضية عن المسائل المكية (١٤) تصحيح المنهاج (۱٥) الكشاف علىٰ الكشاف [۳ جلد] (۱٦) التأديب مختصر التدريب (۱۷) اصول الدين (۱۸) الملمات بردالمهمات (۱۹) كتاب المنصوص والمنقول عن الشافعى فى الاصول (۲۰) الينبوع فى إكمال المجموع (۲۱) فتح الله تعالى بما لديه فى بيان المدعى و المدعي عليه.

بحیثیت مجدد: ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ مجددین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مجدد کے لئے خاص اہل بیت سے ہونے کی ضرورت نہیں نہ مجتہد ہونا لازم لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ سنی صحیح العقیدہ، عالم وفاضل، علوم وفنون کا جامع، اشہر مشاہیر زمانہ، بے لوث حامی دین، بے خوف قامع مبتدعین ہو، حق کہنے میں نہ لوم لائم ہو، نہ

دین کی ترویج واشاعت میں دنیوی منافع کی طمع، متقی پرہیزگار، شریعت وطریقت کے زیور سے آراستہ وخلاف شرع باتوں سے دل برداشتہ، ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ علمائے عصر قرائن واحوال اور اس کے علوم سے انتفاع دیکھ کر اس کے مجدد ہونے کا اقرار کریں۔ حسب تصریح علامہ حقی مجدد کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس صدی میں پیدا ہوا اس کے خاتمہ اور جس صدی میں انتقال کرے اس کے اول میں مشہور ومعروف مشارالیہ ومایضاف ہو"۔(حیات اعلیٰ حضرت، ج:۲،ص:۴۱۹۔۴۲۰)

ان اوصاف کی روشنی میں شیخ الاسلام، ابوحفص سراج الدین بلقینی رحمۃ اللہ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مذکورہ اوصاف آپ کی ذات ستودہ صفات میں بدرجہ اتم موجود تھے۔

آپ کی پیدائش ۷۲۴ھ اور وفات ۸۰۵ھ میں ہوئی اس لحاظ سے آپ نے آٹھویں صدی کا نصفِ اخیر اور نویں صدی کا اولِ زمانہ پایا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے "الفوائد الحجة فی من یبعثہ اللہ لھذہ الامة" میں اور امام جلال الدین سیوطی نے "التنبئہ بمن یبعثہ اللہ لھذہ الأمة" میں آپ کو آٹھویں صدی کا مجدد قرار دیا۔ ان کے علاوہ بحرالعلوم علامہ عبدالعلی فرنگی محلی نے اپنے ایک فتویٰ میں، ملک العلماء علامہ ظفرالدین بہاری نے "حیات اعلیٰ حضرت" میں ودیگر مورخین نے اپنی اپنی تصنیفات میں آپ کو آٹھویں صدی کے مجددین کی فہرست میں درج کیا ہے۔

آٹھویں صدی کے اخیر میں اور نویں صدی کے آغاز میں آپ کی شخصیت مرجع خلائق تھی، اطراف عالم میں آپ کا طوطی بولتا تھا۔ طالبان علوم نبوت دور دراز خطوں سے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے۔ ہند، یمن، خراسان، بلاد روم، مغرب وشام اور حجاز سے لوگ آپ کے پاس استفادہ کے لئے آتے تھے۔ (۱)

آپ کے تدریسی مراکز، "جامع طولون" اور "بربوقیہ" تھے، جہاں آپ درس حجازیہ، درس ملکیہ، بدریہ اور تفسیر وغیرہ کی تعلیم دیتے تھے۔ "جامع عمرو بن عاص" میں آپ نے تقریباً تیس سال تک "خشابیہ" کا درس دیا۔ آپ یکے بعد دیگرے مصر وشام اور دمشق کے عہدۂ قضا پر بھی متمکن ہوئے۔ ابن سبکی کی وفات کے بعد لشکریوں کے قضا کی ذمہ داری بھی آپ کو تفویض ہوئی، اس دوران آپ نے امت مسلمہ کے ہزاروں مسائل کا خوب صورت حل پیش فرمایا اور انھیں جادۂ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی۔

نویں صدی کے آغاز میں بھی آپ کی شخصیت مشارالیہ اور مرجع علما وفقہا تھی، مشکل اور پیچیدہ مسائل میں آپ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ علوم شرعیہ ودیگر علوم وفنون کے ماہرین آپ کی بارگاہ میں سرنیاز خم کرتے تھے۔ ابن قاضی شہبہ فرماتے ہیں:

"وظهر له الأتباع والأصحاب، وصارهو المشار اليه والعول فى الإشكالات والفتاوىٰ عليه واتته الفتاوىٰ من الأقطار البعيدة ورحل الناس من الأقطار النائية للقراءة عليه وخضع له كل من ينسب الى علم من العلوم الشرعية وغيرها".(طبقات الشافعيه،ج:٤،ص:٤٨)

ترجمہ: "آپ کے متبعین واصحاب کی جماعت ظاہر ہوئی، مشکل مسائل وفتاوی میں مرجع ومشار الیہ ہوئے، دور دراز علاقوں سے آپ کے پاس استفتا آتا اور لوگ آپ سے استفادہ کے لئے طویل مسافت طے کرتے اور علوم شرعیہ وغیرہ کا ہر واقف کار آپ کی بارگاہ میں سرنیاز خم کرتا۔"

آپ نے نہ کبھی شہرت ونام وری کی پرواہ کی اور نہ کسی کے طعن وتشنیع کے سبب اثبات حق میں کوتاہی فرمائی، نہ کسی بڑی

شخصیت کا خیال آڑے آیا اور نہ لومہ لائم کی فکر دامن گیر ہوئی ،آپ حامی حق ،ناصر سنت اور قامع بدعت تھے،آپ کی ذات شاہان وقت کے حضور بھی نہایت معزّز و مکرم تھی شہنشاہ اشرف کے دور اقتدار میں لہو و لعب پر ٹیکس اور خراج وصول کرنا عام بات تھی۔اسی طرح خلیفہ منصور کی حکومت میں قیراط پر ٹیکس لیا جاتا تھا،آپ نے ان تمام ناجائز محصولات کا سختی کے ساتھ رد فرمایا اور اسلامی احکامات نافذ کیے۔ابن قاضی شہبہ فرماتے ہیں :

”وکان کثیر الصدقة طارحاً للتکلف قائماًفی الحق ناصراً للسنة قامعاً لأ هل البدعة مبطلا للمکوس و المظالم معظماً عند الملوك، أبطل في دولة الاشرف مکس الملاهی وابطل فی دولة المنصور مکس القراریط."(طبقات الشافعیه،ج:٤،ص:٤٨.٤٩)

ترجمہ:”آپ بے تکلف اور فراخ دلی کے ساتھ صدقہ و خیرات کرتے،قیام حق،نصرت حدیث و سنت،قمع بدعت اور ناجائز ٹیکس و مظالم کے ابطال میں کوشاں رہتے تھے۔آپ کی شخصیت بادشاہوں کے یہاں بھی مقبول تھی شہنشاہ اشرف کے زمانے میں آپ نے لہو و لعب کے ٹیکس پر روک لگائی اسی طرح منصور کی حکومت میں قیراط کے خراج کو باطل کیا۔“

وفات: آپ کی پوری زندگی دینی خدمت،درس و تدریس،وعظ و نصیحت،احقاق حق اور ابطال باطل میں صرف ہوئی۔اور بتقدیر الٰہی ۱۱/ ذوقعدہ ۸۰۵ھ بروز جمعہ قبل عصر قاہرہ میں انتقال فرمایا۔آپ کے صاحبزادے قاضی جلال الدین نے ”جامع حاکم“ میں نماز جنازہ پڑھائی۔آپ کے وصال پر ملال پر آپ کے تلمیذ رشید امام ابوالفضل احمد بن حجر عسقلانی نے مرثیہ کے سو سے زائد اشعار لکھے جس کا پہلا شعر یہ ہے:

یا عین جودی لفقد البحر بالمطر
و اذری الدموع لا تبقی و لا تذری

مصادر ومراجع (تفصیلی)

(١)طبقات المفسرین: حافظ شمس الدین محمد بن علی داودی متوفی ٩٤٥ھ ،ص:٣٠٤، مطبع: دار الکتب العلمیه، بیروت ،سن طباعت: ١٤٢٢ھ/٢٠٠٢ء

(٢) ذیل تذکرۃ الحفاظ :حافظ ابو المحاسن محمد بن علی حسینی متوفی ٧٦٥،ج ٥/ ص: ١٣٥ ، مطبع: دارالکتب العلمیه، بیروت ١٤١٩ھ/١٩٩٧ء

(٣) الضوءاللامع لأهل القرن التاسع. شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی متوفی ٩٠٢ھ، ج٦،٥، دارالکتب العلمیه بیروت، طبع اول: ١٤٢٤ھ/٢٠٠٣ء.

(٤) الأعلام ،خیر الدین زرکلی،ج:٥/ مطبع: دارالعلم للملایین، بیروت، لبنان

(٥)طبقات الشافعیة ، ابو بکر بن احمد تقی الدین ابن قاضی شهبه، ج ٥/ مطبع:مجلس دائرة المعارف العثمانیه،حیدرآباددکن،١٤٠٠ھ/١٩٨٠ء

(٦) انباء الغمر بابناء العمر، أبو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ/ ١٤٤٩ء،ج:٥/طبع اول، مطبع: مجلس دائرةالمعارف العثمانیه، حیدرآباد،دکن،هند ١٣٩٢ھ/ ١٩٧٢ء

(٧) کشف الظنون ، حاجی خلیفه ج : ١ ، ص:٥٥٩ ،مکتبه ابن تیمیه،بیروت.☆☆☆☆☆

عبدالسبحان القادری، باڑمیر، جماعت: سابعہ۔ Mo:8601656256

جس طرح قرآن مجید کی حفاظت خود اللہ تعالی نے اپنے ذمے لی اور اس کے قدرتی اسباب پیدا فرمائے اسی طرح صاحب قرآن کی سیرت وسنت کے نقوش مبادیات دین کی صورت میں قیامت تک محفوظ رکھنے کا اہتمام بھی قدرت الہیہ نے محدثین اور فقہا کے ذریعہ فرمایا۔ یہ نادر روز گار شخصیات حیرت انگیز ذہنی اور قلبی صلاحیتوں کی مالک تھیں۔ اپنے دور کے یہ ذہین وفطین، متقی، پرہیزگار اور صاحب علم وحکمت لوگ مصطفوی چراغ سے ایمان وعمل کی شمع روشن کرتے رہے۔ ان پاکیزہ اور نہایت قابل احترام ائمہ حدیث وقرأت میں خواجہ شمس الدین ابن جزری وہ جامع کمالات شخصیت ہیں جنہیں ان کے معاصر اور بعد میں آنے والے اہل علم نے "امام القرأ" کا خطاب دیا۔ اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو مجددین کی فہرست میں شمار کرایا ہے۔

نام ونسب: محمد بن محمد بن علی بن یوسف جزری، کنیت: شمس الدین، ابن جزری کے نام سے آپ مشہور ومعروف ہیں۔ آج بھی لوگ خواجہ شمس الدین ابن جزری کے نام سے ہی جانتے ہیں۔

جزیرہ ابن عمر کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ جزری کہلاتے ہیں جو موصل کے قریب ایک شہر دیار بکر میں واقع ہے۔ اور ابن عمر سے مراد عبدالعزیز بن عمر ہے نہ کہ صحابی رسول عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسا کہ امام ابوالولید بن شحنہ حنفی نے اپنی تاریخ "روضته المناظر فی العلم الأوائل والأواخر" میں لکھا ہے کہ فلیس بصحابی کما توهمه بعضهم. (المنح الفکریه للملاعلی قاری، ص: ٤)

ولادت ونشوونما: علامہ ابن جزری جمعہ کے دن ہفتہ کی رات ۲۵؍ رمضان المبارک ۷۵۱ھ مطابق ۳۰؍ نومبر ۱۹۵۰ء شام کے دارالسلطنت دمشق میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم تاجر تھے ۴۰؍ سال تک آپ کے یہاں کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا تو آپ نے حج کیا اور آب زمزم نوش فرما کر اللہ تبارک وتعالی سے عالم لڑکے کی دعا فرمائی، اللہ تعالی نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کے یہاں نماز تراویح کے بعد علامہ شمس الدین کی پیدائش ہوئی۔

(البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع: جلد: ۲، ص: ۲۵۷، الغایہ شرح الہدایہ، جلد: ۱، ص: ٦٦)

تعلیم وتربیت: آپ کی نشونما دمشق میں ہوئی اور وہیں رہ کر آپ نے شروعاتی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳سال کی عمر میں قرآن مجید کو حفظ کر لیا اور ۱۴/ سال کی عمر میں آپ نے لوگوں کی امامت فرمائی۔ سب سے زیادہ آپ نے علوم قرأت پر توجہ فرمائی اور اس راہ میں آپ کو بہت ہی محنت ومشقت اٹھانی پڑی۔ مصر، شام اور حجاز کے علما کی بار گاہوں میں جاکر آپ نے اس کی اعلی تعلیم حاصل فرمائی۔ کبھی شام ومصر تو کبھی حجاز مقدس کا سفر کیا اور اس دوران آپ نے کچھ کتابیں بھی تألیف فرمائیں۔

(طبقات القراء، جلد:۲، ص:۲۴۷)

جن شیوخ سے آپ نے علم حاصل کیا ان سب کو شمار کرنا بہت مشکل امر ہے، مگر ہم ان میں سے چند کی طرف یہاں اشارہ کر دے رہے ہیں۔

دمشق میں آپ نے جن شیوخ سے علم تجوید وقرأت حاصل کیا وہ یہ ہیں:

(۱) علامہ ابو محمد عبد الوہاب بن سلام ۶۹۸/ ۷۸۲ھ۔ (۲) شیخ احمد بن ابراہیم الطحان ۷۰۲ھ/ ۷۸۲ھ۔

(۳) ابو المعالی محمد بن احمد اللبان ۷۱۵ھ/ ۷۷۶ھ۔ (۴) قاضی القضاۃ امام ابی یوسف احمد بن الحسین الحنفی وغیرہ۔

(غایۃ النہایہ، ص:۱۹۸)

اور جن اساتذہ سے مصر میں آپ نے استفادہ کیا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) شیخ ابو بکر عبد اللہ بن الجندی،

(۲) علامہ ابو محمد عبد اللہ بن صائغ، (۷۰۴/ ۷۷۶)

(۳) شیخ ابو محمد عبد الرحمن بن البغدادی (۷۰۲/ ۷۸۱)

جب خواجہ شمس الدین ۷۶۸ھ میں فریضہ حج ادا کرنے کے لیے مدینہ شریف تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے حرم نبوی شریف کے خطیب وامام شیخ ابو عبد اللہ محمد بن صالح سے علم قرأت پڑھا۔ (غایۃ النہایہ)

وہ شیوخ جن سے آپ نے علم حدیث، فقہ، حصول ومعانی اور بیان سیکھا ان کی تعداد بھی کثیر ہے۔ سب سے پہلے امام ابو الفدا اسماعیل بن کثیر ۷۰۱ھ/ ۷۷۴ھ نے آپ کو ۷۷۴ھ میں حدیث، افتا اور تدریس کی اجازت فرمائی۔

(طبقات الشافعیہ، ص:۹، طبقات المفسرین، جلد:۱، ص: ۱۱۰)

درس وتدریس: ابن جزری درس وتدریس میں عدیم المثال تھے۔ مستقل طور پر آپ کہیں پر نہ رہے بلکہ چلتے پھرتے مبلغ تھے جس شہر میں بھی اقامت فرمائی تو وہاں کے لوگوں نے آپ کو علم حدیث اور قرأت پڑھانے کے لیے اعلی منصب پر فائز رکھا۔ جامع اموی میں آپ نے کئی سال تک قرأت وحدیث کی خدمات انجام دی۔ ۷۹۳ھ میں آپ دمشق کے قاضی مقرر کیے گئے۔ دمشق کے بعد شیراز کے کئی سال تک قاضی رہے۔ دونوں جگہ دو ادارے قائم کیے۔ پھر عادلیہ میں قراءت کے شیخ کی حیثیت سے آپ کی تقرری ہوئی۔ عادلیہ کے بعد دار الحدیث الاشرفیہ اور بیت المقدس میں کچھ دنوں تک علم حدیث کی تعلیم دی۔

(الغایۃ شرح الہدایہ، جلد:۱، ص:۶۶/ ۶۷)

امام ابن جزری جب شام میں قاضی کے منصب پر فائز تھے اس وقت وہاں کے سارے اوقاف آپ کے ماتحت چلتے تھے۔کچھ دنوں بعد آپ سے اوقاف کا حساب وکتاب طلب کیا گیا تو اسی دوران آپ کے اور قطلبك استدار أيتمش کے درمیان جھگڑا ہوگیا اور آپ وہاں سے بلاد روم کی طرف نکل پڑے اور بادشاہ ابویزید بن عثمان سے ملے۔انہوں نے آپ کی خوب تعظیم وتکریم فرمائی۔چند سال آپ وہاں پر رہے یہاں تک کہ وہ جھگڑا اتنا طول پکڑ گیا کہ اس کی وجہ سے ابویزید بن عثمان کو بھی قتل کر دیا گیا۔(حاشیۃ ذیل التذکرۃ،ص:۳۷۷)

ابویزید بن عثمان کے قتل کے بعد ابن جزری بلاد روم سے نکلے اور بادشاہ تیمور کے ساتھ مل کر بلاد عجم میں آ گئے۔تیمور کی وفات کے بعد ۸۰۷ھ میں بلاد ماوراء النہر سے نکلے اور خراسان پہنچ کر شہر ''ہرات''میں داخل ہوئے۔پھر وہاں سے یزد تشریف لائے اور کچھ دن وہاں درس دیا۔پھر اصفہان میں ایک جماعت نے آپ سے قرأت عشرہ کی تعلیم حاصل کی،کچھ طلبہ نے قرأت مکمل پڑھ لی اور کچھ نہ پڑھ سکے تھے کہ آپ ۸۰۸ھ میں شیراز آ گئے۔شیراز کے بادشاہ نے آپ کو وہاں روک لیا اور لوگوں کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا۔چند دن گزرنے کے بعد آپ کو جبراً قضا کا منصب بھی سونپ دیا گیا اور طویل مدت تک آپ وہاں خدمات انجام دیتے رہے۔(ایضا)

خواجہ شمس الدین ۸۲۲ھ میں فریضہ حج ادا کرنے کے لیے مکہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔راستہ میں ڈاکوؤں کے خوف کی وجہ سے اس سال حج نہ کر سکے اور اس کے چند سال بعد ۸۲۸ھ میں حج کیا اور حج سے واپس آکر قاہرہ میں علم قرأت وحدیث کا درس دیا۔(انباء الغمر بأبناء العمر،جلد:۱،ص:۱۹۸)۔(شذرات الذھب،جلد:۳،ص:۶۷)

خواجہ شمس الدین کے پاس کئی ایک لوگوں نے قرأت عشرہ مکمل طور سے پڑھا ہے ان میں چند لوگ یہ ہیں:

(۱) شیخ محمد بن حسین بن سلیمان الشیرازی۔ (۲) شیخ ابوبکر بن مصبح الحمودی۔

(۳) شیخ عبداللہ بن قطب بن الحسین البیہقی۔ (۴) شیخ مؤمن بن علی بن محمد الرومی۔

(۵) شیخ علی بن حسین بن علی الیزدی۔

تصنیفات: امام ابن جزری ایسی کتابوں کے مؤلف ہیں کہ جن کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ آپ نے ایسی کتابیں تصنیف فرمائی ہے کہ جن کی مثال دنیا میں نہیں ملتی ہے۔

قرأت وتجوید کی کتابیں:

(١) تحبير التيسير في القراءات العشر.

(٢) تقريب النشر في القراءات العشر.

(٣) التمهيد في علم التجويد.

(٤) طيبة النشر في القراءات العشر.

(٥) منجد المقرئين مرشد الطالبين.

(٦) النشر فی القراءات العشر.

(٧) ارتحاف المهره فی تتمة العشرة.

(٨) أصول القراءات.

(٩) اعانة المهره فی الزیادة علی العشرة.

(١٠) جامع الاسانید فی القراءات.

(١١) البیان فی خط عثمان.

(١٢) رسالة فی الوقف علی المهره لحمزة وهشام.

ان کے علاوہ بھی بہت ساری کتابیں قرأت وتجوید کے موضوع پر آپ نے تصنیف فرمائی ہیں۔

کتب حدیث:

(١) الاربعون حدیثا

(٢) الأولیة فی احادیث الأولیة.

(٣) البدایة فی علوم الروایة.

(٤) الهدایة فی علم الروایة.

(٥) الحصن الحصین من کلام سید المرسلین.

کتب تاریخ وفضائل ومناقب:

(١) الاجلاء والتعظیم فی مقام ابراهیم.

(٢) أسنی المطالب فی مناقب علی ابن أبی طالب.

(٣) ذیل طبقات القراء للذهبی.

(٤) غایة النهایة فی أسماء رجال القراءات.

(٥) التعریب بالمولد الشریف.

(٦) ذات الشفا فی سیرة المصطفی ومن بعد من الخلفا.

(٧) نهایة الدرایات فی أسماء رجال القراءات.

وفات: ۸۲ / سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۵ / ربیع الاول ۸۳۳ھ / ۱۴۲۹ء میں شیراز میں وفات ہوئی اور دارالقرآن میں دفن کیے گئے۔

☆☆☆
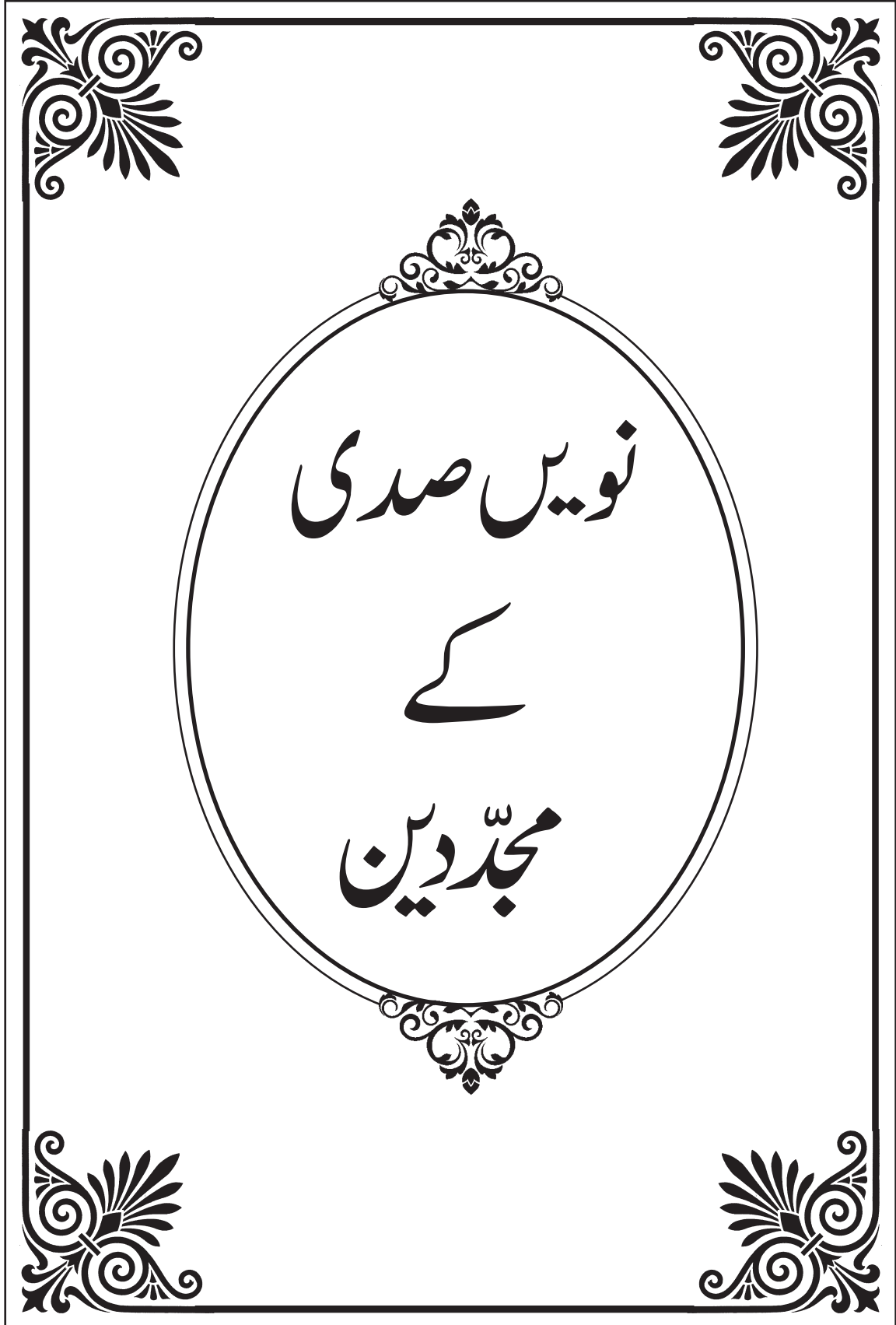
نویں صدی
کے
مجدّدین

نویں صدی کے مجددین

★ حضرت امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی رحمۃ اللہ علیہ

محمد حسین رضوی، بھدوہی، جماعت: سابعہ MO: 8419074313

جن علمائے ربانیین نے امت کی دینی، ملی اور علمی تاریخ کی تعمیر و تشکیل میں اہم کردار ادا کیا، اس کے استحکام و استقلال میں غیر معمولی تگ و دو کی اور اپنی تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ اس کے علمی ذخائر میں زریں سرمائے کا اضافہ کیا ان میں امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ہمہ جہت اور ہمہ گیر شخصیت محتاج تعارف نہیں۔

نام و نسب: عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد بن عثمان بن محمد بن خضر بن ایوب بن محمد بن الشیخ الہمام الخضیری الاسیوطی۔

(حسن المحاضرہ، ج۱، ص۵، منشورات دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

القاب و کنیت: آپ کا لقب: جلال الدین ہے اور کنیت: ابوالفضل ہے کتابوں میں آپ کی ایک اور کنیت "ابن الکتب" ملتی ہے۔ اور یہ کنیت اس وجہ سے پڑی کہ ایک مرتبہ آپ کے والد گرامی نے آپ کی ماں سے کوئی کتاب طلب کی، والدہ محترمہ نے اس کتاب کی جستجو میں گھر کے کتب خانے میں گئیں کہ اچانک درد زہ شروع ہو گیا اور وہیں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، اسی سبب سے آپ کی کنیت "ابن الکتب" بھی ہو گئی۔

ولادت: علامہ سیوطی خود اپنی ولادت کے تعلق سے فرماتے ہیں:

"و كان مولدى بعد المغرب ليلة الأحد مستهل رجب سنة تسع و أربعين فى ثمان مائة و حملت فى حياة أبى إلى الشيخ محمد المجذوب ، رجل كان من كبار الأولياء بجوار المشهد النفيسى فبارك على".

میری ولادت اوائلِ ماہ رجب ۸۴۹ھ شب یکشنبہ بعد مغرب ہوئی۔ والد محترم کی زندگی ہی میں مجھ کو شیخ محمد مجذوب کی بارگاہ میں لے جایا گیا، جو بہت بڑے بزرگ تھے اور سیدہ نفیسہ کی قبر مبارک کے پڑوس میں رہتے تھے، انھوں نے میرے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ (مقدمہ قرآن کریم میں معرب الفاظ: ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی)

نشوونما: آپ ایک دینی اور علمی ماحول میں پروان چڑھے، اس ماحول نے آپ کی شخصیت کو سنوارنے میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ آپ کے والد ماجد صغر سنی سے ہی آپ کو دینی اور علمی حلقوں میں لے جانے لگے، جس کا اثر یہ ہوا کہ بچپن سے ہی آپ کی رغبت علوم اسلامیہ کی تحصیل کی طرف بڑھ گئی۔

تعلیم و تربیت : آپ ایک دین دار، ملت شناس اور متواضع گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ذہانت و ذکاوت اور فہم و فراست جیسی اعلیٰ خوبیوں کے مالک تھے۔ حفظ و ضبط علم کی صلاحیت سے آراستہ تھے، آٹھ سال سے کم عمر ہی میں حفظ قرآن کی تکمیل کی، پھر عمدہ، منہاج الفقہ والاصول اور الفیہ ابن مالک یاد کر لی۔ امام سیوطی خود فرماتے ہیں:

"نشات يتيما فحفظت القرآن و عمري دون ثماني سنين ، ثم حفظت العمدة و منهاج الفقه و الأصول ، و ألفية ابن مالك"

میری نشوونما یتیمی کی حالت میں ہوئی، آٹھ سال سے کم عمر ہی میں میں نے قرآن پاک حفظ کر لیا، پھر عمدہ، منہاج الفقہ ،الاصول اور الفیہ ابن مالک یاد کر لیا۔

شیوخ : یتیمی اور عسرت کے باوجود آپ نے اپنے زمانہ کی متعدّد علمی ہستیوں سے پوری توجہ اور اخلاص کے ساتھ علم دین کی تحصیل کی، اپنے دور کے ماہر علم فرائض شیخ شہاب الدین شار مساحی سے فرائض کی تحصیل کی، پھر شیخ الاسلام بلقینی سے ان کی حیات تک فقہ کی تحصیل میں لگے رہے، ان کے بعد ان کے فرزند علم الدین بلقینی سے شرف تلمذ حاصل کیا، پھر علامہ محی الدین کافیاجی کی خدمت میں چودہ سال تک رہ کر زیور علم سے آراستہ ہوئے، ان سے آپ نے علم تفسیر، اصول، علوم عربیہ اور معانی کی تعلیم حاصل کی اور سند اجازت سے بھی نوازے گئے۔ حدیث کا علم تقی الدین شمنی حنفی سے حاصل کیا اور علما کی ایک جماعت سے فقہ و نحو سیکھا، طلب علم کے لئے تکلیف و مشقت کی پرواہ کئے بغیر مختلف بلاد و امصار کا سفر فرمایا اور وہاں کے جلیل القدر علمائے اسلام سے کسب فیض کیا چنانچہ آپ نے صیوم، محلہ، دمیاط، شام، حجاز، یمن، ہندوستان اور مغرب کا سفر فرمایا۔ غرض کہ آپ نے اپنے وقت کے ان علمائے اسلام کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، جو علم و فضل کے مینار اور معرفت و حکمت کے سرچشمہ تھے، ان علمی چشموں سے آپ نے اپنی علمی و فکری تشنگی بجھائی۔ آپ کی خداداد ذہانت و ذکاوت، فہم و فراست اور قوت حفظ و ضبط دیکھ کر آپ کے اساتذہ ششدر رہ جاتے، اساتذہ آپ کی علمی برتری اور خوبی کے معترف تھے اور آپ کی رائے پر اعتماد کرتے تھے "حسن المحاضره" میں اپنے استاذ علامہ شمنی کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " شمنی سے شفا کے حاشیہ میں واقعہ اسراء میں ابوالحمراء کی حدیث درج کی اور اس کو ابن ماجہ کی تخریج بتایا، میں نے کئی بار ابن ماجہ میں وہ حدیث تلاش کی مگر یہ حدیث نہ ملی، ابن قانع کی "معجم الصحابة" میں تلاش کیا اس میں یہ حدیث موجود تھی۔ شیخ سے عرض کیا ، انھوں نے محض میری سماعت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے نسخہ سے ابن ماجہ کی جگہ ابن قانع لکھ دیا "۔ (محدثین عظام: ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی)

علامہ شمنی نے بار بار زبان و قلم سے سیوطی کے علم و فضل کا اعتراف و اقرار کیا، ان کی تصنیف " شرح الفیہ " اور "جمع الجوامع " پر تقریظ لکھی۔ علامہ بلقینی نے بھی ان کی شرح " استعاذہ و بسملہ " پر تقریظ جلیل فرمائی۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد تقریباً ایک سو پچاس ہے کچھ اہم اساتذہ یہ ہیں:

علامہ سراج الدین بلقینی (م ۸۶۸ھ)، علامہ شرف الدین انعاوی (م ۸۷۱ھ)، علامہ تقی الدین شمنی حنفی (م ۸۷۲ھ)، علامہ محی

الدین کافیاجی (م۸۷۹ھ)، شیخ سیف الدین حنفی (م۸۸۱ھ)، شیخ شہاب الدین شار مساحی (م۸۶۵ھ)، محمد بن ابراہیم رومی، ام ہانی۔

تلامذہ: آپ نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ درس وتدریس اور تعلیم وتربیت میں صرف کیا، آپ کی درس گاہ تشنگانِ علم وفن کے لئے مرکز ومنبع بنی ہوئی تھی، بے شمار طالبان علم وفضل آپ کے بحر علم وفن اور چشمۂ معرفت وحکمت سے فیض یاب ہوے، محدث حافظ شمس الدین محمد بن علی بن احمد داؤد مصری شافعی آپ کے مشہور ترین تلامذہ میں سے ہیں۔

علمی مقام: امام سیوطی نے جس محنت ولگن اور یکسوئی سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی کاوشوں کو بارآور کیا اور علم وفضل میں یکتاے روزگار بنادیا۔ آپ نے اپنے زمانے کے تمام علمی مراکز تک رسائی حاصل کر کے اپنی ذات کو علوم وفنون کا منبع بنادیا، بلاشبہہ آپ علم وفن کے تاجدار اور معرفت وحکمت کے جبل شامخ تھے، تفسیر وحدیث، سیرت وتاریخ اور فقہ واصول وغیرہ فنون میں آپ کی تصانیف شاہد عدل ہیں۔ آپ کی تحریریں علماے متاخرین کے لئے مراجع ومصادر کی حیثیت سے رہ نمائی کر رہی ہیں۔ آپ کی بلند پایہ علمی شخصیت کا اعتراف دنیاے اسلام کے علماے کبار نے کیا ہے، آپ کی کتابوں کو سند وحوالہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور ارباب علم وعرفان آپ کی تصنیفات وتالیفات سے اپنی تحقیقی تشنگی بجھاتے ہیں۔

تصانیف: امام سیوطی کی ذات متعدّد علوم وفنون کی جامع تھی، آپ تحقیق وتدقیق کے میدان کے شہسوار تھے، علم کی باریکیوں اور فکر کی گہرائیوں تک پہنچنے میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، اپنی تصنیفات وتالیفات کے ذریعے ہر فن کو آپ نے زینت بخشی ہے۔ آپ کے نوک قلم سے معرض وجود میں آنے والی کتابوں کی تعداد تقریباً چھ سو ہے۔ علامہ عیدروس اور زرکلی نے آپ کی تصنیفات کی تعداد چھ سو لکھی ہے، ابن عماد نے پانچ سو زیادہ بتائی ہے جب کہ مستشرق فلوگل نے ان کتابوں کے نام بنام گنتی کر ان کی تعداد پانچ سو اسٹھ بتائی ہے۔

آپ کی تصنیفات کی تعداد کے تعلق سے مختلف اقوال کتابوں میں ملتے ہیں؛ اس لئے بہتر ومناسب یہ ہے کہ آپ کی خود نوشت سوانح کی طرف رجوع کیا جاے کہ اس کی صحیح تعداد تک پہنچنے میں آسانی ہو تو امام سیوطی اپنی کتاب "حسن المحاضرہ" میں لکھتے ہیں:

"شرعت في التصنيف في سنة ست و ستين، و بلغت مؤلفاتي إلى الآن ثلاث مائة كتاب سوى ما غسلته و رجعت عنه"۔

میں نے ۶۶ھ سے لکھنا شروع کیا اور اب تک میری تصنیفات کی تعداد تین سو تک پہنچ چکی ہے۔ یہ تعداد ان کتابوں کے علاوہ ہے جنھیں میں نے ضائع کر دیا ہے یا جن سے میں نے رجوع کر لیا ہے۔ واضح رہے کہ امام سیوطی کا یہ بیان "حسن المحاضرہ" کی تصنیف کے وقت کا ہے اور انھوں نے "حسن المحاضرہ" کی تصنیف اپنی وفات سے تقریباً بارہ سال قبل کی تھی، یعنی یہ کتاب ان کی بیس سال گوشہ نشینی اور عزلت نشینی کے نصف اول میں مکمل ہوئی ہوگی، لھٰذا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی تصنیفات کی تعداد چھ سو ہو، کیونکہ آپ تقریباً بیس سال تک دریاے نیل کے کنارے روضۃ المقیاس میں گوشہ نشین ہوکر ہمہ تن تصنیف وتالیف میں منہمک ہوگئے تھے۔ ذیل میں کچھ اہم کتابوں کی فہرست پیش کی جارہی ہے:

فن تفسیر و قرات : (۱) الإتقان فی علوم القرآن (۲) الدر المنثور فی التفسیر الماثور (۳)ترجمان القرآن فی التفسیر المسند للقرآن (٤) قطب الأزهار فی کشف الأسرار(٥)لباب النقول فی أسباب النزول (٦) المهذب فیما وقع فی القرآن من المعرب (۷) المهذب تفسیر الجلالی المحلی .(جلالین) طبقات المفسرین

فن حدیث : (۱) إسعاف المبطا برجال المؤطا (۲) التوشیح علی الجامع الصحیح (۳) مناهل الصفافی تخریج الأحادیثه الشفا (٤) الاصابة فیما استد رکته عائشة علی الصحابة (٥)مرقات الصعود إلی سنن أبی داؤد (٦) شرح سنن إبن ماجه(۷) توضیح المدرك فی تصحیح المستدرك (۸) لب الالباب فی تحریر الانساب (۹) شرح الصدور بشرح حال الموتی و القبور (۱۰) المعجزات و الخصائص النبویة (الخصائص الکبریٰ)(۱۱)تقریب التقریب (۱۲) تحفة النابة بتلخیص المتشابه (۱۳) قطر الدرر شرح نظم الدرر فی علم الأثر(١٤) طبقات الحفاظ

فن فقه : (۱) الأشباه و النظائر(۲) اللوامع و البوارق فی الجوامع و الفوارق (۳) الازهار الغضة فی حواشی الروضه (٤) الحواشی الصغریٰ(٥) نجم الروضه و یسمی الخلاصة (٦) الحاوی للفتاویٰ (۷) شرح التنبیه (۸) مختصر التنبیه و یسمی الوافی

فن اصول ، بیان ،تصوف :(۱) عقود الجمان فی المعانی والبیان (۲) شرح الکواکب الوقاد فی الاعتقاد(۳)شرح لمعة الإشراق فی اشتقاق (٤) شرح عقود الجمان (٥) نکت علیٰ حاشیة المطول

علوم عربیه: (۱) الفریدة فی النحو والصرف و الخط (۲) بغیة الوعاة فی طبقات اللغویین و النحاة (۳)جمع الجوامع (٤)البهجة المرضیة فی شرح ألفیه (٥)الفتح القریب علی المغنی اللبیب

فن تاریخ و سیرت : (۱) تاریخ الخلفاء (۲) در السحابة في من دخل مصر من الصحابة (۳) حسن الألمحاضره فی اخبار مصر و القاهره (٤) مناقب أبی حنیفه

رسائل مختلفه : (۱) المصابیح في صلاة التراویح (۲) میزان المعدلة في شان البسملة (۳) حسن المقصد في عمل المولد (٤) أنباه الأذکیاء في حیاة الانبیاء (٥) ست رسائل في إیمان أبوی النبی ﷺ (٦) المرقات العلیة في شرح الأسماء النبویة

مختلف علوم و فنون پر مشتمل تصانیف کے آئینے میں آپ کے علمی و فنی کمالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کتنے عظیم المرتبت مصنف و مؤلف گزرے ہیں۔

متعدّد علوم و فنون میں نمایاں مقام: امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ علم کے تمام شعبوں پر گہری نظر رکھتے تھے، جس طرح تفسیر قرآن میں امتیازی شان رکھتے تھے، ویسے ہی حدیث اور اس کے جملہ متعلقات پر بھی آپ کو عبور حاصل تھا، اگر ایک طرف بالغ نظر فقیہ تھے

تو دوسری جانب ایک بے مثال مؤرخ اسلام تھے، اگر ایک طرف شعر وادب کی جملہ خوبیوں سے واقف وآشنا تھے، تو دوسری جانب نحو وصرف اور بدیع ومعانی کے اصول وقوانین پر سخت گرفت رکھتے تھے۔ ایک مقام پر آپ خود فرماتے ہیں:

"اللہ جل شانہ نے مجھے سات علوم میں مہارت تامہ عطا فرمائی ہے: تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع اور یہ مہارت عربوں اور ادیبوں کی طرح ہے نہ کہ عجمیوں اور فلسفیوں کے طرز پر، اس کے بعد اصول فقہ، علم جدل اور علم صرف کا نمبر آتا ہے، پھر انشاء پردازی، مراسلات اور فرائض۔ اس کے بعد قرات جسے میں نے کسی استاذ سے نہیں سیکھا، پھر علم طب، رہ گیا علم حساب تو وہ مجھ پر سخت دشوار فن ثابت ہوا اور میرے ذہن وفکر سے بعید تر، جب میں علم حساب کے متعلق کسی مسئلے میں غور وفکر کرتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا گویا کہ میں پہاڑ اٹھا رہا ہوں، ابتدا میں میں علم منطق کا طالب تھا پھر اللہ نے میرے دل میں اس کی بیزاری ڈالدی اور میں نے یہ سن بھی رکھا تھا کہ ابن صلاح نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔ لہٰذا میں نے اس وجہ سے اس کو ترک کردیا اور اللہ نے اس کے نعم البدل کی صورت میں علم فقہ سے نواز دیا، اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ فقہ کے علاوہ ان ساتوں علوم میں جس مقام تک میری رسائی ہے وہاں تک میرے اساتذہ میں سے بھی کوئی نہیں پہنچا، تو ان سے کم مرتبہ لوگوں کی کیا بات کی جائے، رہ گیا فقہ تو اس میں میں یہ نہیں کہہ سکتا بلکہ میرے شیخ (علم الدین بلقینی) کو اس فن میں بصیرت وقدرت زیادہ ہے"۔ (حسن المحاضرہ للسیوطی ١٥٤/١، بحوالہ مقدمہ تفسیر جلالین)

تجدیدی کارنامہ: امام سیوطی کو اللہ جل شانہ نے متعدّد علوم وفنون کی بے کراں صلاحیت سے بہرہ مند فرمایا تھا، اس خداداد صلاحیت کو آپ نے تصنیف وتالیف میں صرف کردیا، یہی آپ کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ ہے۔ آپ کے نوک قلم سے بے شمار کتابیں معرض وجود میں آئیں جن سے ایک جہاں فیض یاب ہورہا ہے، آپ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھا کر طالبان فکر وفن کی علمی اور تحقیقی تشنگی کو سامان تسکین فراہم کیا۔ آپ کی ذات میں گوناگوں صوری ومعنوی خوبیاں من جانب اللہ ودیعت کردی گئیں تھیں۔ آپ کے علمی فضائل وکمالات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ تقریباً چھ سو کتابوں کے عظیم المرتبت مصنف ہیں۔ کثرت تصانیف کے لحاظ اگر مصنفین اسلام کی ایک فہرست تیار کی جائے تو امام سیوطی صف اول کے مصنفین میں جگہ پائیں گے۔

جب آپ کی عمر چالیس سال کی ہوئی، تو آپ نے دنیا سے قطع تعلق کرکے دریائے نیل کے قریب روضۃ المقیاس میں گوشہ نشینی اختیار کرلی، اس وقت آپ نے عام صوفیہ کی طرح محض ذکر واذکار اور اوراد ووظائف میں وقت نہیں گزارا، بلکہ اس علمی اعتکاف میں آپ نے اتنا عظیم الشان علمی کارنامہ انجام دیا جس کی مثال نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے، آپ نے تقریباً ہر فن میں طبع آزمائی کی اور اس میں عظیم تصنیفی یادگار چھوڑی، آپ کے علمی وفنی محاسن ومحامد کا اعتراف دنیائے اسلام کی عبقری شخصیتوں نے کیا، آپ کی تصانیف کو آپ کی زندگی ہی میں اسلامی بلاد وامصار میں شہرت دوام حاصل ہوگئی تھی۔

امام سیوطی کو اپنے علم وفضل کے متعلق جو یقین تھا اس بنا پر آپ خود کو نویں صدی کا مجدد خیال فرماتے تھے چنانچہ رسالہ "انتنبئۃ بمن یبعث اللہ لھٰذا الامۃ علی راس کل ماۃ" میں لکھا ہے کہ جس طرح امام غزالی کو اپنے مجدد ہونے کا خیال تھا اسی طرح مجھ کو بھی امید ہے کہ میں نویں صدی کا مجدد ہوں گا، اس لیے کہ میں فضل وکمال میں منفرد وبے مثال ہوں، علم اصول

لغت کو میں نے ایجاد کیا، میری تصنیفات سارے عالم میں پہنچ کر خراج تحسین حاصل کر رہی ہیں۔ شام، روم، یمن، حجاز، اور تکرور ہر جگہ میرے علوم اور مصنفات کی رسائی ہے، ان کمالات میں میرا کوئی شریک وسہیم نہیں۔ (محدثین عظام: ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی کچھ تصنیفات کی علمی حیثیت کے ساتھ تبصرہ کر دیا جاے کہ قارئین کرام ان کتاب کی جملہ خوبیوں سے کچھ آگاہی حاصل کرلیں۔

الاتقان : امام سیوطی نے علم تفسیر میں گراں قدر خدمت انجام دیں، تفسیر درمنثور، تکملہ تفسیر جلالین المحلی (جلالین) اوراس کے علاوہ "مجمع البحرین" اور "مطلع البدرین" تحریر فرمائی، الاتقان اسی تفسیر کا مقدمہ ہے جسے امام سیوطی نے ۸۷۸ھ میں مکمل کیا اور یہ گراں قدر مقدمہ کتاب کا درجہ رکھتا ہے۔ تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ علوم قرآن پر سب سے زیادہ جامع کتاب "الاتقان" ہے، حاجی خلیفہ "کشف الظنون" میں اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوے لکھتے ہیں:

یہ کتاب ان (امام سیوطی) کے علمی آثار میں عمدہ ترین اور مفید تر ہے۔ اس کتاب میں امام سیوطی نے اپنے شیخ کافیاجی کی تصنیف اور علامہ بلقینی کی "مواقع العلوم" اور علامہ زرکشی کی "البرھان فی علوم القرآن" کے علوم کو خاص طور پر جمع کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے اپنی تصنیف "التبحیر" پر اضافہ کرنے کے بعد ۸۰ انواع پر مشتمل "الاتقان" تحریر فرمائی، جو درحقیقت ان کی بڑی تصنیف "مجمع البحرین" کا مقدمہ ہے۔ تفسیر میں ان کی ایک مشہور کتاب "ترجمان القرآن فی التفسیر المسند للقرآن" ہے جس میں انھوں نے وہ تمام احادیث جمع کی ہیں جن کا تعلق قرآن پاک کی تفسیر سے ہے

الخصائص الکبری : سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی جانے والی یہ ایک بے نظیر اور بے مثال کتاب ہے۔ یہ کتاب دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ غزوات وسرایا، سفر وحضر اور خلوت وجلوت میں بے شمار معجزات وکمالات جو آپ کے دست حق پرست سے ظاہر ہوے اور جو آپ کی نبوت کے دلائل اور صدق وصفا کے براہین ہیں سب کو شب وروز، ماہ وسال کی تعیین کے ساتھ تفصیلا بیان کیا گیا ہے۔ رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ پر یہ ایک بہترین دستاویز ہے جس کا مطالعہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اضافے کا باعث اور ایمان ویقین میں پختگی کا ذریعہ ہے۔ فن حدیث پر مشتمل یہ تصنیفی شاہکار امام سیوطی کی حدیثدانی کے دعوی کا صحیح ترجمان ہے۔ اس فن میں آپ کی کئی ایک اور تصنیفات ہیں اور ایک مشہور تالیف "جامع الجوامع" بھی ہے، جس میں آپ نے بخاری، مسلم، موطا، سنن ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی کو دس مسانید کے ساتھ جمع کیا ہے لیکن خصائص الکبری آپ کا وہ تصنیفی کارنامہ ہے جس میں آپ نے سخت کوشش وکاوش کی ہے۔

آپ خود فرماتے ہیں: میں نے اس کتاب کی تالیف میں بارہ سال کا ایک طویل عرصہ صرف کیا، خصائص الکبری کے مقدمے میں آپ نے فرمایا: معجزات سے متعلق کوئی ایسی حدیث نہیں جو اس میں موجود نہ ہو، ہر نا معلوم اور نامانوس حدیث کو بھی میں نے اس میں نقل کر دیا۔

اس سے آپ کی قوت حافظہ کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے دراصل یہ سب نتیجہ تھا اس دعا کا جو آپ نے آب زمزم پی کر کی تھی کہ مولا مجھے فقہ میں سراج الدین بلقینی اور حدیث میں ابن حجر عسقلانی کا مقام مل جاے۔ اسی دعا کی برکت تھی کہ اللہ نے آپ کو

علم حدیث میں وہ درک و کمال عطا فرما دیا کہ آپ کے عہد مسعود میں آپ جیسے شان کا کوئی محدث نظر نہیں آتا۔ جو محدثانہ شان آپ کی تھی۔ اس کا اظہار ایک مقام پر آپ خود فرماتے ہیں:

"لیس علی وجه الارض من مشرقها الی مغربها اعلم بالحدیث و العربیة منی الا ان یکون الخضر او القطب او الاولیاء"

مشرق سے مغرب تک روے زمین میں کوئی شخص ایسا نہیں جو حدیث اور عربیت میں مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہو سوا ے خضر، قطب، یا کسی ولی کے وہ مستثنیٰ ہیں۔ (مقدمہ تدریب الراوی بحوالہ محدثین عظام)

علامہ سیوطی کا یہ دعوی کرنا تحدیث نعمت اور بیان واقعہ کے طور پر تھا، اس لئے کہ علماے اسلام نے انھیں حدیث اور علوم عربیہ میں عبقری اور امتیازی شخصیت تسلیم کیا۔ بلاشبہ علم حدیث میں آپ کے رتبہ کا کوئی عالم نہ تھا، خود فرماتے تھے: "مجھے دولاکھ احادیث یاد ہیں اگر ان سے بھی زیادہ ملتی تو انھیں بھی یاد کر لیتا" (محدثین عظام، ص:۶۰۵)

آپ کی دینی و علمی خدمات کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں قبولیت کا شرف ملا اور حضور ﷺ نے عالم رویا میں آپ کو یا شیخ السنۃ، یا شیخ الحدیث کہہ کر مخاطب فرمایا۔ شیخ شاذلی سے منقول ہے کہ جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ سرور ذی شان ﷺ کی دیدار سے کتنی مرتبہ مشرف ہوے تو آپ نے فرمایا ستر مرتبہ سے زیادہ۔ (حوالہ سابق، ص ۶۰۵)

حسن المقصد فی عمل المولد: امام سیوطی جہاں جلیل القدر علماے اسلام میں شمار کیے جاتے ہیں وہیں آپ کی ذات عشاقان مصطفی ﷺ کی صف میں سرفہرست دکھائی دیتی ہے۔ آپ کا دامن عشق رسول ﷺ کی دولت سے بھرا ہوا تھا، حضور ﷺ سے منسوب ہر شے آپ کے لئے جملہ متاع حیات سے زیادہ عزیز تھی، یہی محبت و عقیدت اس رسالہ کی تالیف کا سبب بنی۔ اس مختصر سے عربی رسالے میں آپ نے برہان مبین اور اقوال سلف صالحین سے ثابت فرمایا کہ محفل میلاد شریف شان و شوکت اور تزک و احتشام سے منانا اور اس کا انتظام و انصرام کرنا اہل اسلام کا طرۂ امتیاز اور عاشقان رسول ﷺ کی علامت ہے۔ میلاد النبی ﷺ کے سلسلے میں منعقد کی جانے والی یہ تقریب سعید بدعت حسنہ ہے، جس کا اہتمام و انصرام کرنا باعث خیر و برکت اور ذریعۂ ثواب ہے۔ آپ کے اس رسالے کی تصنیف کی وجہ یہ بنی کہ شیخ تاج الدین عمر بن علی لخمی اسکندری، جو فاکہانی کی نسبت سے مشہور ہیں ، نے دعوی کیا کہ میلاد شریف بدعت مذمومہ ہے اس سلسلے میں انھوں نے ایک مضمون لکھا جس کا عنوان ہے " المورد فی الکلام علی المولد "جس میں موصوف نے میلاد کے جواز پر اعتراض کیا کہ مجھے کتاب و سنت میں میلاد شریف کی کسی اصل کا علم نہیں ہو سکا اور دوسرا اعتراض کہ ربیع الاول صرف حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کا ہی نہیں بلکہ آپ کی وفات کا بھی مہینہ ہے؛ اس لئے اس میں مسرت و شادمانی کا اظہار، غم و حزن سے بہتر نہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے ان دونوں اعتراضوں کی تردید فرمائی اور ان کے دنداں شکن جواب دے کر امت مسلمہ کی رہ نمائی فرمائی کہ ان کا یہ کہنا کہ کتاب و سنت میں مجھے میلاد شریف کی اصل کا علم نہیں ہو سکا اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ کسی چیز کے علم کی نفی اس کے وجود کی نفی کو مستلزم نہیں یعنی ضروری نہیں کہ جس چیز کا کسی کو علم نہ ہو در حقیقت وہ موجود بھی نہ ہو پھر امام الحفاظ ابوالفضل احمد بن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے میلاد شریف کی اصل سنت سے نکالی ہے۔

آخر میں فاکہانی کا یہ کہنا کہ ربیع الاول حضور کی ولادت کے ساتھ ساتھ وفات کی بھی تاریخ ہے، لہٰذا اس میں خوشی کے

بجائے غم کا ماحول پیدا کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سرکار کی ولادت ہم پر اللہ کی سب سے بڑی نعمت اور اس کا سب سے بڑا احسان ہے اور آپ کی وفات مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی مصیبت مگر شریعت اظہار شکر کی رغبت دلاتی ہے اور مصائب پر صبر و شکر کی تلقین کرتی ہے۔ اور ولادت کے وقت عقیقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن موت کے وقت ذبح کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ نوحہ اور اظہار جزع فزع کرنے سے منع فرمایا ہے پس دلالت شرعیہ اس جانب رہ نمائی فرما رہی ہے کہ اس مہینہ میں آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر مسرت وشادمانی کا اظہار کیا جائے نہ کہ آپ کی وفات کا غم وافسوس۔

ابن رجب نے "کتاب اللطائف" نامی رسالہ میں روافض کی مذمت میں لکھا کہ انھوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے یوم عاشورہ کو یوم ماتم بنادیا، جب کہ اللہ اور اس رسول نے انبیا پر مصائب اور ان کی وفات کے ایام کو یوم ماتم نہ بنایا تو ان کے علاوہ کے لئے یہ اہتمام کیسے ہوسکتا ہے؟ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز پر یہ آپ کی ایک اہم تصنیف ہے اور عدم جواز کا نعرہ لگانے والوں کے لئے ایک خاموش کن تحریر ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ مروجہ جلوس میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم آج کی اختراع و بدعت سیئہ ہے ،بزرگان دین اور اکابر امت سے ثابت نہیں، یہ رسالہ آج سے صدیوں سال پہلے کے بزرگان دین کے معمولات کی صحیح نشان دہی کر رہا ہے۔

ایک اہم کارنامہ: آپ کا ایک ایمان افروز کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوین کریمین (حضرت عبد اللہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہما) کے ایمان کو دلائل و براہین کی روشنی میں ثابت فرمایا اور اس پر صرف ایک کتابچہ نہیں بلکہ چھ چھ کتابیں تصنیف فرمائیں جو اپنے موضوع میں منفرد و بے مثال ہیں اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین ہی کا ایمان نہیں بلکہ آپ کا نور نبوت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبد اللہ تک حضرت حوا سے لے کر حضرت آمنہ تک جن اصلاب رجال اور ارحام امہات میں منتقل ہوتا رہا سب کے ایمان و اسلام کو ثابت فرمایا اور کہا کہ سب آبائے کرام اور امہات طاہرات اہل ایمان و توحید ہیں اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" لم یزل الله ینقلنی من الاصلاب الکریمة والارحام الطاهرات حتی اخرجنی بین ابوی" ۔

ہمیشہ اللہ تعالی مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں نقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا فرمایا۔

اس کے علاوہ اس مضمون کی کئی اور حدیثیں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور کے آبا و اجداد کا ایمان نص سے ثابت ہے جسے امام سیوطی نے اپنے رسائل ستہ میں درج فرمایا ہے ان کے نام یہ ہیں:

(١)مسالك الحنفاء في والدي المصطفى (٢)التعظيم والمنة فى أن أبوي رسول ﷺ في الجنة(٣)الدرج المنيفه فى الاباء الشريفة (٤) نشر المنيفين في إحياء الأ بوين الشريفين (٥) المقامة السندسيه في النسبة المصطفوية (٦) السبل الحلية في الآباء العلية.

وصال: علم وفن کا یہ آفتاب پوری دنیا میں علم وفکر کی کرنیں بکھیر کر پنج شنبہ ۹/ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ کو غروب ہوگیا باب

قرافہ کے باہر خانقاہ قوصون کے جوار میں تدفین عمل میں آئی۔ جنازے میں لوگوں کا زبردست ہجوم تھا۔ آپ نے ترسٹھ سال کی عمر پائی، وفات سے پہلے آپ نے چند ایام علالت میں گزارے، آپ کے بائیں بازو پر شدید ورم آگیا تھا اور یہی مرض آپ کی وفات کا سبب بنا۔ ☆☆☆☆

شمیم اختر مصباحی، اڈیشا، جماعت: تخصص فی الفقہ Mo: 7860267900

نام و نسب: آپ کا نام: محمد، کنیت: ابوالخیر و ابو عبداللہ اور لقب: شمس الدین سخاوی ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد بن عبد الرحمن، بن محمد بن ابوبکر بن عثمان بن محمد ہے۔ آپ کے آباو اجداد "سخا" نامی گاؤں کے باشندے تھے جو مصر کے شمالی مغرب میں واقع ہے۔ اور اس نسبت سے سخاوی کہلائے، لیکن آپ کی پیدائش و نشونما قاہرہ میں ہوئی، آپ مذہب شافعی کے پیرو کار تھے۔ (الاعلام للزکلی، ج:٦، ص: ١٩٤، دار العلم للملایین، لبنان، بیروت.)

آپ ایک عظیم محدث، بلند پایہ فقیہ، مورخ، ادیب، ناقد، علوم حدیث کے ماہر اور جرح و تعدیل کے امام تھے۔ آپ نے اپنے زمانے کے علما و مشائخ، محدثین اور قرا سے علوم اسلامیہ کا درس لیا اور پوری محنت و لگن کے ساتھ حصول علم میں منہمک ہو گئے، یہاں تک کہ اپنے وقت کے امام و شیخ الاسلام بن گئے۔ آپ نے بلاد اسلامیہ مصر، حجاز، حلب، حماۃ، بعلبک اور دمشق وغیرہ کا سفر کیا۔ ان بلاد اسلامیہ کے مشائخ سے احادیث کا سماع اور روایت کی، ان کی علمی مجالسوں میں شریک ہوئے حتی کہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے۔

آپ نے مصر کے بہت سے مدارس میں درس حدیث کا فریضہ انجام دیا اور علوم حدیث و تاریخ میں بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں جو اہل تحقیق کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں، آپ نقد رجال اور جرح و تعدیل کے امام تھے۔ امام ابن عماد حنبلی نے فرمایا: "وانتهى اليه علم الجرح والتعديل حتى قيل لم يكن بعد الذهبي احد سلك مسلكه"
(شذرات الذهب، ج:٨، ص:١٦، دار الفكر، بيروت.)

یہ سب آپ کے علمی اسفار، شیوخ سے ملاقات اور شیخ ابن حجر عسقلانی کی تربیت کی برکت تھی۔

ولادت: آپ کی ولادت ربیع الاول ۸۳۱ھ کو محلہ بہاء الدین، قاہرہ میں ہوئی جو اس زمانے میں مدرسہ شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی سے قریب میں واقع تھا، اور اب قاہرہ میں باب الفتوح کے قریب واقع ہے، پھر آپ کے والد نے شیخ ابن حجر عسقلانی کے پڑوس میں چار سال کی عمر میں سکونت اختیار کی۔ (مقدمة المقاصد الحسنه، ص: ١٢ دار الكتب العلميه، بيروت.)

ابتدائی تعلیم: ابتدا میں آپ کے والد آپ کو شیخ عیسی بن احمد مقسی ناسخ کے پاس لے گئے اور وہاں چند ایام تعلیم حاصل

کی، پھر آپ کے والد آپ کو اپنے بہنوئی فقیر صالح بدر حسین بن احمد ازہری کے پاس لے گئے جو عارف باللہ یوسف صفی مالکی کے اصحاب میں سے تھے، ان کے پاس کچھ دن قرآن پڑھا، پھر آپ کے والد علم تجوید کی اعلیٰ تعلیم کے لیے فقیہ شمس محمد بن احمد نحریری سعودی ضریر کی بارگاہ میں لے گئے، آپ نے ان سے تجوید کے آداب سیکھے اور علم حدیث کا بھی درس لیا، پھر شیخ سعودی کے حکم سے شیخ شہاب بن اسد کی درس گاہ میں منتقل ہوگئے اور ان سے عبدالغنی مقدسی کی "عمدۃ الاحکام" اپنے چچا کی کتاب "التنبیه"، "المنهاج الاصلی"، "الفیه ابن مالك" اور کتاب "النخبة" کا درس لیا اور ان تمام کتابوں کو یاد بھی کرلیا ابو عمر شامی اور ابن کثیر مکی کی روایت کے مطابق تجوید کا علم حاصل کیا اور شیخ کی تربیت میں خوب مشق کیا اور اس فن کے امام شمار کیے جانے لگے۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی کتاب یاد کر لیتے تو اس کو اپنے زمانے کے مشائخ کو پڑھ کر سناتے اور ان سے اجازت لیتے، لیکن ان مشائخ سے آپ نے درس نہیں لیا۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہے: محب بن نصر اللہ بغدادی حنبلی، شمس بن عماد مالکی، شیخ نور تلوانی، جمال عبداللہ زیتونی، شیخ زین عبادہ اور شمس بساطی۔

(الضوء اللامع، ج:۸، ص:۲۰۲، حرف المیم، دار الکتب العلمیه، بیروت)

اعلیٰ تعلیم: آپ کی بیشتر اعلیٰ تعلیم شیخ ابن حجر عسقلانی کے پاس ہوئی، آپ کی محنت و لگن کو دیکھ کر شیخ بہت خوش ہوئے۔ آپ کو اپنی صحبت میں رکھ کر حوصلہ افزائی کی۔ آپ نے اپنے شیخ سے نخبۃ الفکر، اس کی شرح، ابن صلاح کی علوم حدیث، فن رجال و تخریج اور شروحات حدیث میں شیخ کی تعریفات مثلاً تقریب، لسان الامیزان، تفجیل المنفعة، مشتبه النسبة، تخریج الرافعی، تلخیص مسند فردوس اور فتح الباری کا درس لیا۔ اور شیخ کے پاس عالی و نازل سندوں کی معرفت اور علل و متون کی جانچ و پرکھ کی مشق کی، یہاں تک کہ آپ شیخ کے علوم کے وارث ہوگئے۔ ان کے علاوہ زین عقبی اور نجم عمر بن فہد مکی ہاشمی سے بھی اکتساب فیض کیا۔ (ایضًا)

سفر: آپ اپنے شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کرتے رہے اور شیخ کی وفات کے بعد ممالک اسلامیہ کا سفر کیا اور بہت سے محدثین و فقہا سے حدیث کا سماع و روایت کی۔ آپ کو علم حدیث سے خاصا شغف تھا اس لیے آپ نے مصر میں منوف، دمیاط، فیشا الصغری، بلبیس، منصورہ، خانقاہ، دسوق، سمنود، فارس اور اسکندریہ وغیرہ کا سفر کر کے تقریبًا چار سو مشائخ سے سماع حدیث کا شرف حاصل کیا اور اس کے علاوہ حجاز مقدس و شام کا بھی سفر کیا۔

(مقدمۃ المقاصد الحسنه، ص:۱۳، دار الکتب العلمیه، بیروت)

زیارت حرمین شریفین: اپنے شیخ ابن حجر عسقلانی کی وفات کے بعد آپ نے والدین کے ہمراہ پہلا حج کیا اور علما کی ایک جماعت جیسے برہان زمزمی، تقی بن فہد، ابو السعادات بن زہیرہ سے سماع حدیث کا شرف حاصل کیا۔ پھر قاہرہ واپس آکر تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے۔ ۸۷۰ھ میں دوسرا حج کیا اور حرم شریف میں درس بھی دیا۔ تیسری بار ۸۸۵ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور مناسک حج سے فارغ ہونے کے بعد دو سال مکہ شریف میں سکونت اختیار فرمائی جن میں سے تین ماہ کا عرصہ مدینہ شریف میں بھی گزارا۔ چوتھا حج ۸۹۲ھ اور پانچواں حج ۸۹۶ھ میں ادا کیا اور درس و تدریس کی غرض سے مکہ

شریف میں سکونت اختیار کرلی۔ ۹۰۲ھ میں مدینہ طیبہ میں آپ مالک حقیقی سے جاملے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ (شذرات الذهب، ج:۸، ص:١٦،١٥، دار الفکر، بیروت)

تالیفات: آپ نے بیس سال کی عمر سے پہلے ہی تصنیف و تالیف کا آغاز فرمادیا تھا۔ آپ کی تصنیفات حسن تحریر، عمدہ اسلوب اور صحت نقد کا حسین گلدستہ ہیں، آپ نے تقریباً دو سو کتابیں تالیف فرمائی۔ آپ کا خاص میدان حدیث اور تاریخ و تراجم رہا اور زیادہ تر تصانیف انھیں دو فنون پر مشتمل ہے۔ (ایضاً)

آپ نے فن حدیث کے مختلف گوشے مثلاً: مشیخات، اربعینات، مسلسلات، فہارس، رحلات، جرح وتعدیل، تخریج، شرح حدیث، تاریخ الوفیات اور طبقات میں طبع آزمائی کی۔ فن حدیث میں آپ کی سب سے زیادہ شہرت یافتہ کتاب "المقاصد الحسنه فی بیان کثیر من المشتهرة علی الالسنه" ہے۔ یہ کتاب زبان زد مشہور احادیث پر مشتمل ہے، آپ نے ان احادیث کی تخریج فرمائی اور علمی نکات بھی تحریر فرمائی جو دیگر کتابوں میں نہیں ہے۔ اس کی ترتیب آپ نے حروف تہجی کے مطابق رکھی ہے اور دوسرے باب میں ابواب کے اعتبار سے احادیث کی تخریج فرمائی ہے۔

ابن عماد حنبلی نے فرمایا: یہ کتاب اس موضوع پر امام سیوطی کی کتاب "الدرر المنتثره فی الاحادیث المشتهره" سے زیادہ جامع و مفید ہے۔ یہ ایک ضخیم جلد میں دار الکتب العلمیہ، بیروت سے چھپ چکی ہے۔ اس کے علاوہ "فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث، الایضاح فی شرح نظم العراقی للاقتراح، والسامع فی ختم الصحیح الجامع، الجواهر المکلله فی اخبار المسلسلة، القول البدیع فی احکام الصلوٰة علی الحبیب الشفیع" بھی آپ کی عمدہ تصانیف ہیں۔

تراجم کے باب میں آپ کی شہرۂ آفاق کتاب "الضوء اللامع لاهل القرن التاسع" ہے، آپ نے یہ کتاب اپنے شیخ کی کتاب "الدرر الکامنه فی اعیان المأة الثامنه" کے طرز پر تحریر فرمائی، یہ کتاب نویں صدی کے مشائخ پر مشتمل ہے، آپ نے حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی اور اس میں نام، آباو اجداد اور کنیت کا اعتبار کیا۔ اس میں نویں صدی کے اعیان کی وفات، ولادت، اساتذہ، مقروءات اور تصنیفات کا ذکر ہے۔ آپ نے محدثین کی عادت کے مطابق اپنا تعارف تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے اور آپ کی شان میں کہے گئے علما و مشائخ کے اقوال و اشعار بھی نقل کیے ہیں اور اخیر میں اپنی کوتاہیوں کا بھی اعتراف کیا ہے۔ یہ کتاب بارہ ضخیم جلدوں میں دار الکتب العلمیہ، بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔

قاضی شوکانی نے "الضوء اللامع" کو "الدرر الکامنة" پر فوقیت دی ہے اور وجہ فرق یہ بیان کی ہے کہ شیخ ابن حجر نے آٹھویں صدی کے علما کا تعارف لکھا۔ آٹھویں صدی میں شیخ صرف ۲۷ر سال باحیات رہے۔ جب کہ امام سخاوی نویں صدی میں تقریباً ۶۸ر سال بقید حیات رہے۔ اور ان کے حالات کا گہرائی سے مطالعہ کرکے انہیں سپرد قرطاس فرمایا۔

(مقدمة المقاصد الحسنه، ص:۱۹، دار الکتب العلمیه، بیروت)

وفات: ۸۹۶ھ میں ہی آپ نے درس و تدریس کے غرض سے مکہ شریف میں سکونت اختیار فرمالی۔ اس دوران مدینہ طیبہ بھی آتے جاتے رہے ۹۰۲ھ میں مدینہ طیبہ میں آپ کا انتقال ہوا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔
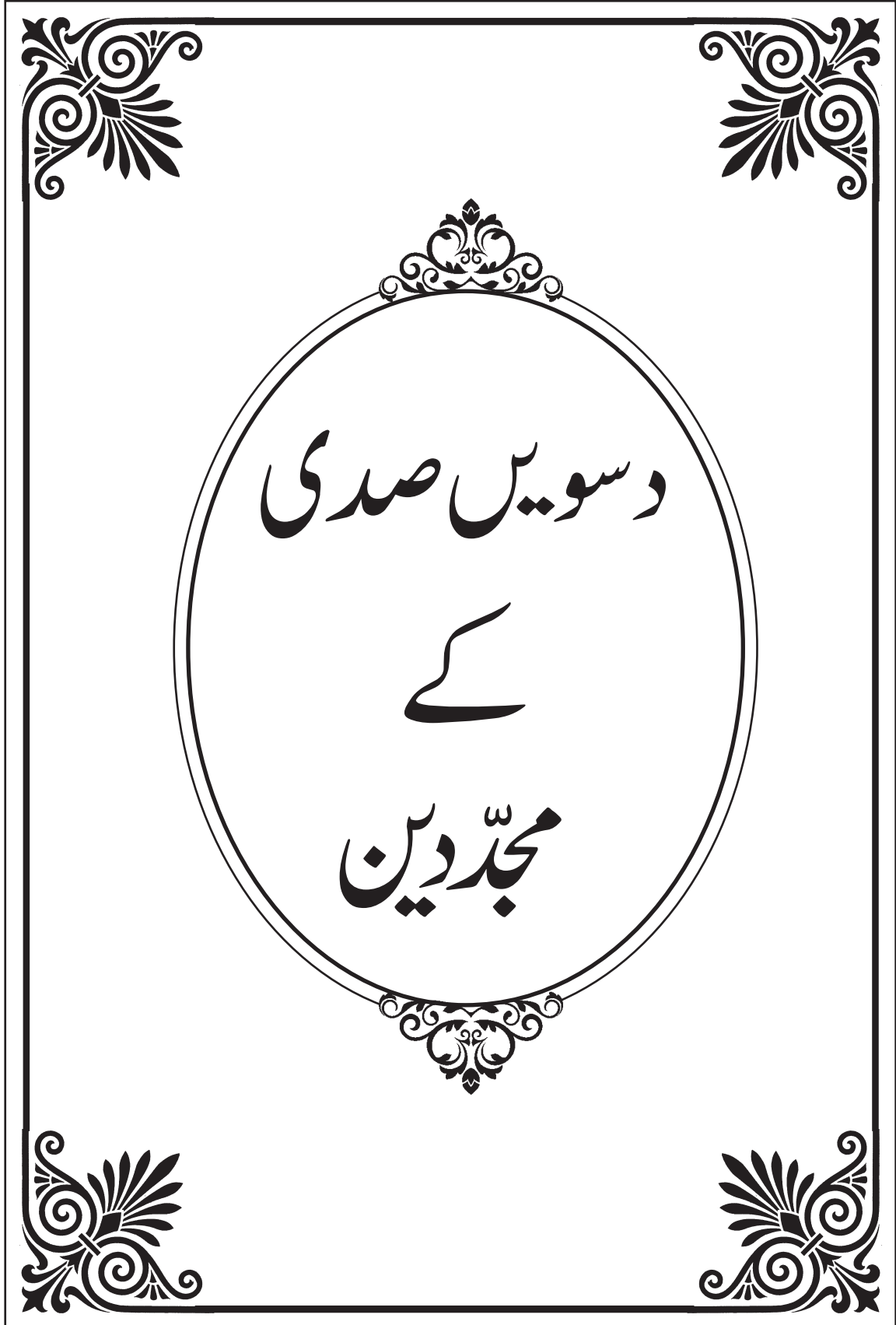
دسویں صدی
کے
مجدّدین

دسویں صدی کے مجددین

★ حضرت شمس الدین محمد بن شہاب الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت محمد بن عبداللہ خطیب تمر تاشی غزی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت علی بن محمد بن علی بن غانم مقدسی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی رحمۃ اللہ علیہ

محمد شمشاد رضا، رام پور، جماعت: فضیلت Mo: 8954268449

نام ونسب: محمد شمس الدین محمد بن شہاب الدین احمد بن حمزہ رملی ہے۔ **لقب:** شافعی الصغیر ہے۔

ولادت: عشرۂ اخیر جمادی الاولیٰ ۹۱۹ھ مطابق ۱۵۱۳ء میں مصر کے مشہور و معروف شہر قاہرہ میں پیدا ہوئے جو آج مصر کا دارالسلطنت ہے۔ آپ کے والد ماجد امام شہاب الدین احمد بن حمزہ اپنے زمانے کے ایک ممتاز عالم اور ان تمام خوبیوں کے جامع تھے جو انفرادی طور پر کسی کے اندر شان افتخار اور اولوالعزمی کا سبب بنا کرتی ہیں۔

دینی وعلمی تربیت: آپ کی دینی وعلمی تربیت والد مکرم کی آغوش محبت میں ہوئی اور انھیں سے نحو، صرف، معانی، بیان تاریخ، تفسیر اور فقہ جیسے تمام علوم پر دسترس و مہارت حاصل کی، لیکن اس کے باوجود آپ کے دل میں علمی تشنگی باقی تھی جس کے لیے آپ نے دیگر مشائخ کی درس گاہوں میں حاضری دی اور مختلف علوم و فنون کی تحصیل کی۔

ذیل میں اس عظیم فقیہ و محدث اسلام کے ان اساتذہ کرام کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن کی بارگاہوں میں آپ نے زانوے تلمذ تہ کرکے رفعت و سربلندی حاصل کی۔

(۱) والد ماجد امام شہاب الدین احمد بن حمزہ رملی (م: ۹۵۷ھ) یہ فرماتے ہیں: ماترکت محمدا بحمد اللہ تعالیٰ لا یحتاج الیٰ احد من علماء عصرہ الا فی النادرۃ.

ترجمہ: میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے بیٹے محمد کو اپنے زمانے کے علما میں سے کسی کا محتاج نہیں چھوڑا مگر نادر و نایاب علم کا۔

(۲) شیخ الاسلام قاضی زین الدین ابو یحییٰ ذکریا بن محمد بن ذکریا انصاری۔ (۸۲۳ھ—۹۲۶ھ)

(۳) شیخ امام علامہ برہان الدین ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن ابوبکر بن علی بن مسعود بن رضوان بن ابو شریف۔ (۸۳۶ھ—۹۲۳ھ)

(۴) شیخ الاسلام قاضی القضاۃ شہاب الدین حامد بن عبد العزیز علی الفتوحی بن نجار حنبلی۔ (۸۲۶ھ—۹۴۹ھ)

(۵) شیخ الاسلام شرف الدین یحییٰ بن ابراہیم دمیری مالکی۔

(۶)شیخ امام سعد الدین محمد بن محمد علی ذہبی شافعی۔ (۸۵۰ھ—۹۳۹ھ)
(۷)شیخ الاسلام نورالدین علی بن یٰسین طرابلسی حنفی۔ (م:۹۴۲ھ)

فقیہ العصر حضرت علامہ شمس الدین رملی نے مندرجہ بالا اساتذہ کرام کے انوار و معارف کے سمندر سے اکتساب فیض کرنے کے بعد اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ دین اسلام کی ترویج واشاعت کے لیے وقف کردیا، شعائر اسلام کے تحفظ کی خاطر قلمی جہاد کیا، خداوند قدوس اور رسول اللہ ﷺ کی ذات پر اہل سنت کے عقائد اور معمولات پر ہونے والے حملوں کو بھرپور دفع کیا اور دلائل وشواہد کی روشنی میں احقاق حق وابطال باطل کا فریضہ انجام دیا یہی وجہ رہی کہ آپ اہل مصر کے مرجع وماخذ بنے۔

تدبر وتفکر کی بنا پر مجلس شوریٰ کے ذمہ دار بنے اور متعدّد مدارس کے سربراہ منتخب ہوئے، نیز فقہ شافعی کے قاضی مقرر ہوئے۔

درس وتدریس: ۹۵۷ھ میں والد گرامی کے انتقال کے بعد مسند تدریس کو زینت بخشی۔ سیکڑوں تشنگان علوم نبویہ کو اپنے علوم ومعارف کے بحر بے کراں سے سیراب کیا اور والد ماجد کے وہ تلامذہ جو عمر میں آپ سے بڑے تھے جیسے ناصر الدین طبلاوی اور احمد بن قاسم وہ آپ کی مستند اور معتمد درس گاہ میں حاضر ہوئے اور علمی تشنگی کو کافور کیا۔

ایک مرتبہ شیخ ناصر الدین طبلاوی سے لوگوں نے سوال کیا کہ آپ شمس الدین رملی کی درس گاہ علم میں کیوں حاضر ہوتے ہیں حالاں کہ وہ آپ سے چھوٹے اور آپ کی اولاد کے درجے میں ہیں؟ آپ نے جواب عنایت فرمایا ”لا داعی لها إلا انی أستفید عنه مالم یکن لی به علم“ یعنی اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں ان سے وہ علم حاصل کرنے جاتا ہوں جو میرے پاس نہیں ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام احمد بن قاسم جو زہد وتقویٰ میں فائق، علم وعمل میں کامل، تفقہ فی الدین میں ماہر تھے۔ ان سے لوگوں نے عرض کیا: فقہی مجلس قائم کریں تاکہ ضرورت مند لوگ آپ کے فقہی مسائل سے مستفید ہوں؟ آپ نے فرمایا: ”مع وجود الشیخ الرملی لا یلیق“ یعنی شیخ رملی کے ہوتے ہوئے میرے لیے مجلس فقہی منعقد کرنا مناسب نہیں۔ ان دونوں بزرگوں کے تاثرات سے عیاں ہے کہ علامہ رملی اپنے زمانے کے فرد کامل، فقیہ العصر، قطب الدین اور افضل العلما تھے، جو دین حق کی ترویج واشاعت میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے اور چمنستان اسلام کی آبیاری وشادابی کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے اس کے علاوہ آپ نے ایسی ایسی نابغۂ روزگار ہستیاں پیدا کیں، جنھوں نے دین کی دعوت وتبلیغ میں اہم رول ادا کیا اور دنیا میں اسلام وسنیت کا بول بالا کردیا۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی فہرست تو بہت طویل ہے لیکن مشاہیر تلامذہ کے اسمائے گرامی ”قیاس کن زگلستان من بہار مرا“ کے طور پر پیش کیے جارہے ہیں:

(۱)ابراہیم بن ابراہیم بن حسن (م:۱۰۴۱ھ)(۲) ابراہیم بن علی بن احمد، لقب: ابن کاسوخہ (م:۱۰۱۱ھ) (۳) ابراہیم بن محمد بن عیسیٰ مصری شافعی، لقب: برہان الدین میمونی (م:۹۹۱—۱۰۷۹ھ) (۴)ابوبکر بن احمد قعود النسفی حنفی۔(م:۱۰۶۲ھ) (۵)ابوبکر بن اسماعیل بن قطب ربانی شہاب الدین شنوانی (م:۱۰۱۹ھ) (۶)ابوبکر بن علی نورالدین ابوبکر، لقب: جمال مصری شافعی (۹۷۱ھ—۱۰۰۶ھ) (۷)ابوسعود بن عبدالرحیم بن عبد المحسن (۱۰۸۸ھ) (۸)ابوالمواہب بن محمد بن علی مصری

شافعی (۹۷۳ھ ــ ۱۰۳۷ھ) (۹) احمد بن احمد حنفی (م:۱۰۶۶ھ) (۱۰) احمد بن احمد بن سلامہ مصری شافعی۔

تجدیدی کارنامے: مجدد دین اسلام کا یہ وطیرہ رہتا ہے کہ وہ حق وصداقت کے اوپر لگ جانے والے زنگ کو صاف کرتے ہیں، اس کے فروغ واشاعت کے لیے کسی شعبے کو تشنہ نہیں چھوڑتے ہیں اور ہر طریقے پر اسلام کی ترویج واشاعت میں لگے رہتے ہیں۔ اسلام کی تبلیغ وترسیل کا ایک پائدار ذریعہ تصنیف وتالیف ہے لہٰذا مجدد دین اسلام نے اس جانب خصوصی توجہ فرمائی اور تصنیف وتالیف کے ذریعے فکر وبصیرت کو صیقل کیا۔ علامہ شمس الدین رملی نے بھی بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں ہدایت وسچائی کے اصول وضوابط رقم فرمائے ہیں جن سے علامہ رملی کی دینی وعلمی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

قلمی نقوش: ذیل میں چند تصانیف کے اسما درج کیے جا رہے ہیں:

(۱) نهاية المحتاج شرح المنهاج. یہ امام نووی کی کتاب، "منهاج الطالبين" کی شرح ہے جس کی تصنیف ۹۷۳ھ میں مکمل ہوئی اور آفاق عالم میں بہت زیادہ مشہور ہوئی یہاں تک کہ بہت سے علمانے اس کو پڑھانے اور اس کی شرح لکھنے میں بے انتہا کوششیں صرف کیں یہ کتاب جامع ازہر میں طلبۂ شافعیہ کے لیے داخل نصاب ہوئی اور ایک لمبے زمانے تک اس کا درس وتدریس جاری رہا۔

(۲) الغرر البيهقى شرح المناسك النووى، یہ امام نووی کی کتاب، "ايضاح المناسك" کی شرح ہے۔

(۳) غاية البيان فى شرح زبد ابن ارسلان. یہ ابن ارسلان کی کتاب "صفة الزبد" کی شرح ہے جو فقہ شافعی میں ہے۔

(٤) عمدة الرابع فى معرفة الطريق الواضح. یہ شیخ احمد زاہدی کی کتاب "هداية الناصح وحزب الفلاح الناجح" کی شرح ہے۔

(٥) غاية المرام. یہ آپ کے والد شہاب الدین احمد کے اس رسالے کی شرح ہے، جس کا نام "شروط المأموم والامام" ہے۔

(٦) شرح البيجة الورديه (۷) شروح العقود فى النحو (۸) شرح الأجرومية فى قواعد العربية.

وصال: حضرت علامہ شمس الدین رملی اپنی پوری زندگی خدمت دین اور اعلاے کلمۃ الحق میں بسر کرتے ہوئے ۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۰۰۴ھ مطابق ۱۳/ جنوری ۱۵۹۶ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، آپ کا مزار اقدس شہر قاہرہ میں مرجع خلائق ہے جس سے فیوض وبرکات کا نہ تھمنے والا دریا رواں دواں ہے۔

مصادر ومراجع

(۱) خلاصة الاثر، ج:۳، ص:٣٤٢ (۲) الاعلام، ج:٦، ص:٢٣٥

(۳) معجم المؤلفين، ج:۸، ص:۷ (٤) الطبقات الصغرىٰ للشعرانى، ص:١٨/ ١١٧.

محمودالحسن، امیٹھی، جماعت: فضیلت Mo:7860686830

جن علمائے کرام نے دین حق کے استحکام اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنی زندگی کے شب و روز کو ایک کر دیا، انہیں عظیم شخصیتوں میں سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

آپ کا نام: عبدالحق، **کنیت:** ابوالمجد اور **لقب:** محدث دہلوی ہے۔

سلسلۂ نسب: آپ کا سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بن شیخ سیف الدین بن سعد اللہ بن شیخ فیروز بن ملک موسیٰ بن ملک معزالدین بن آغا محمد ترک بخاری۔

خاندانی پس منظر: آپ کے آبا و اجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ آپ کے جد اعلیٰ آغا محمد ترک بخاری، سلطان محمد علاءالدین خلجی کے زمانے میں بخارا سے ہجرت کر کے دہلی تشریف لائے۔ سلطان نے آپ کی بڑی عزت افزائی کی اور اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا، آپ کے ایک سو ایک بیٹے تھے، لیکن ایک ہولناک سانحہ میں سو بیٹے انتقال کر گئے۔ سب سے بڑے صاحب زادے معزالدین بچے، انہیں سے اس خاندان کا سلسلہ جاری ہوا۔ آپ کے فرزند شیخ موسیٰ نے بڑی شہرت و ناموری حاصل کی۔ شیخ موسیٰ کے کئی بیٹے تھے، لیکن شیخ فیروز سب سے امتیازی حیثیت کے مالک تھے، آپ کو سپہ گری اور شعر و شاعری میں کمال حاصل تھا، ۸۶۰ھ میں بہرائچ کے کسی معرکے میں شہید ہوگئے، اس وقت ان کی زوجۂ محترمہ حاملہ تھیں، کچھ دنوں بعد ایک فیروز بخت صاحب زادے کی ولادت ہوئی جس کا نام سعد اللہ رکھا گیا، ان میں بھی باپ کے تمام خصائل جیدہ موجود تھے۔ ۲۲؍ ربیع الاول ۹۲۸ھ کو آپ کا وصال پر ملال ہو گیا۔ آپ کے دو صاحب زادے تھے، شیخ رزق اللہ اور شیخ سیف الدین آخر الذکر ہی حضور شیخ محقق کے والد ماجد ہیں۔

(ترجمہ اشعۃ اللمعات، مترجم: عبدالحکیم شرف قادری، ص: ۶۲، ناشر: اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس)

والد گرامی: شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے والد گرامی سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ ۹۲۰ھ مطابق ۱۵۱۴ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و عمل کی بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ شعر و سخن کا ذوق رکھنے والے عالم اور صاحب حال بزرگ تھے۔ لوگ ان کی ظرافت و لطافت، معاملہ فہمی اور خوش اسلوبی کے معترف تھے، سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت امان اللہ پانی

پتی (متوفی ۹۵۷ھ/۱۵۵۰ء) کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ۲۷؍ شعبان ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء کو آپ کا وصال پر ملال ہوا۔
(شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصنف: مولانا عارف اللہ مصباحی، ص:۷، ناشر المجمع الاسلامی۔)

ولادت باسعادت: محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی شہر دہلی میں ماہ محرالحرام ۹۵۶ھ/۱۵۵۱ء کو پیدا ہوئے۔ سنہ پیدائش کے سلسلے میں ایک تاریخ ۹۵۸ھ بھی ملتی ہے۔ (ترجمہ: اشعۃ اللمعات، ص:۶۷)

تعلیم و تربیت: شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، ایام طفولیت ہی سے انہوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ کی تھی اس کی شہادت خود شیخ کی زبانی زیادہ مناسب ہے، فرماتے ہیں: ''شب و روز درکنار مرحمت و جوار عنایت ایشان تربیت می یافتم۔'' یعنی رات دن میں ان کی آغوش رحمت و عنایت میں تربیت حاصل کرتا تھا۔ (اخبار الاخیار، ص:۳۱۰)

والد گرامی نے سب سے پہلے قرآن شریف شروع کرایا، دو، تین مہینے میں آپ نے پورا قرآن پڑھ لیا۔ آپ نہایت ذہین تھے، آپ کے اندر طلب علم کا جذبۂ صادق تھا، آپ نے قرآن پاک ایک سال یا سوا سال میں حفظ کر لیا، اس کے بعد علوم اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوئے تو بارہ، تیرہ برس کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی۔ پندرہ، سولہ سال کی عمر میں مختصر اور مطول سے فارغ ہو گئے، اٹھارہ برس کی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ کے تمام گوشوں کی سیر کرنے کے بعد ''ماوراء النہر'' کے علما و فضلا سے بھی اکتساب فیض کیا اور علم کلام و فلسفہ میں ایسا کمال حاصل کر لیا کہ آپ کے اساتذہ بھی آپ کی ذہانت و فطانت کے قائل ہو گئے۔ چناں چہ فرماتے ہیں: ''ما از تو مستفید یم و مارا بر تو منتے نیست'' ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں اور ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں۔ (دینی دعوت، ص:۱۳۶)

جب آپ نے حجاز مقدس کا سفر کیا تو مکہ معظمہ کے محدثین سے صحیحین کا درس لیا پھر شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہو کر مشکوٰۃ شریف کا درس لیا۔

حصول علم کا شوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ہر وقت مطالعہ و کتب بینی میں مشغول رہتے اگر کوئی مفید علمی کتاب دستیاب ہو جاتی تو پوری دیکھے بغیر نہ رہتے اور جب تک بذات خود نہ حل کر لیتے تب تک اسی میں منہمک رہتے۔

عبادت وریاضت: شیخ نے تزکیۂ نفس کے ساتھ عفت قلب و نگاہ کا بھی پورا پورا خیال رکھا، طبیعت بچپن ہی سے عبادت وریاضت کی طرف مائل تھی، ابتدائی زمانے میں ان کا معمول تھا کہ رات میں بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے، والد بزرگوار نے ان میں عشق حقیقی کا ایسا شمع جلا دیا تھا جو آخری عمر تک ان کے قلب و جگر کو جلا بخشتا رہا۔ (اخبار الاخیار، ص:۷۶)

بیعت و خلافت: سب سے پہلے شیخ نے اپنے والد گرامی سے بیعت کی۔ اس کے بعد والد کے حکم پہ سید موسیٰ گیلانی سے جو سلسلۂ قادریہ کے مشہور بزرگ تھے بیعت ہوئے۔ جن سے آپ کو اجازت و خلافت بھی حاصل ہے۔
(دینی دعوت، ص:۱۳۷، مرتب: ظفر الدین برکاتی، محمد جاوید اختر مصباحی، اشاعت ارکان بہار ادب جامعہ اشرفیہ)

سید موسیٰ سے شرف بیعت حاصل کرنے کے بعد جب آپ نے مکہ شریف کا سفر کیا تو وہاں پر قطب الوقت شیخ عبدالوہاب

متقی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ، جنھیں سلسلۂ قادریہ، سلسلۂ شاذلیہ اور سلسلۂ چشتیہ سے خلافت حاصل تھی۔ نے آپ کو ظاہری و باطنی علوم کی تعلیم فرمائی، اور بیعت لے کر خلافت سے نوازا۔ آپ نے حجاز نہ چھوڑنے کا تہیہ کرلیا تھا، لیکن شیخ متقی کے پیہم اصرار اور تقاضے کے سبب واپس آنا پڑا، چلتے وقت شیخ متقی نے حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پیراہن مبارک بھی عطا فرمایا۔

(ترجمہ: اشعۃ اللمعات، ص:۸۸۔)

تجدیدی کارنامے: شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۰۰ھ/۱۵۹۳) میں ہندوستان واپس آئے، اس وقت یہاں مختلف افکار و نظریات کی حامل تحریکیں پروان چڑھ رہی تھیں، جن کا مقصد صرف اسلام کی جڑ کو کمزور کرنا تھا۔ ہندوستان بدعات و منکرات کا گہوارہ بن چکا تھا، شعار اسلام کا کھلم کھلا مذاق اڑایا جا رہا تھا، دربار اکبری میں "علماے سو" کا دبدبہ تھا، جو ذاتی فائدے کے لیے خلاف شرع امور کو عین شریعت کے مطابق قرار دیتے تھے، تو ایسے نازک دور میں آپ نے ان تمام تحریکوں کا تحریر و تقریر کے ذریعہ ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور دین کے خلاف اٹھنے والے تمام فتنوں کا قلع قمع کیا، حقیقت میں آپ کی زندگی کا مقصد ہی احیاے دین و ملت اور تبلیغ شریعت و طریقت تھا۔

اس وقت دین متین کے خلاف اٹھنے والے یہ چند فتنے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں:

عقیدۂ مہدویت، نظریۂ الفی، دین الٰہی۔

مہدوی تحریک: شیخ کے زمانے کا بہت بڑا فتنہ مہدوی تحریک تھی، مہدوی تحریک کا بانی سید محمد جون پوری تھا جو جمادی الاولیٰ ۸۴۷ھ/ مطابق ۱۴۴۳ء میں پیدا ہوا، اس نے ۱۴۹۵ء میں مہدویت کا اعلان کر دیا، مہدویت کا تصور اسلام کے ایک مسلم اصول ختم نبوت سے ٹکراتا تھا، اس تحریک کا بانی محمد جون پوری کہتا تھا: "ہر وہ کمال جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا، مجھے بھی حاصل ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں اصالۃً تھا اور یہاں تبعاً ہے"۔

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصنف: مولانا عارف اللہ مصباحی، ص:۱۵، ناشر المجمع الاسلامی)

اس عقیدۂ باطل اور خیال فاسد کے خلاف شیخ نے بروقت قدم اٹھایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر "مدارج النبوۃ" تصنیف فرماکر اس فتنے کا سدباب کیا اور عوام الناس کو پیغمبر اسلام کے اعلیٰ و ارفع مقام سے روشناس کرایا۔

نظریۂ الفی: نظریۂ الفی میں عام طور پر لوگوں کو بتایا جاتا تھا کہ اسلام کی مدت صرف ایک ہزار سال کی تھی اور اس مدت کے خاتمہ کے بعد احکام اسلامی اور شریعت اسلامیہ کے اتباع کی ضرورت ختم ہوگئی۔

شیخ محدث دہلوی نے مذکورہ نظریہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ: اسلامی احکام ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے ہے، زمان و مکان کی پابندی بے معنی ہے، نیز شریعت محمدی اعتدال کا راستہ ہے اور یہی اس شریعت کے ابدی ہونے کی دلیل ہے۔

دربار اکبری کا فتنہ: شیخ کے زمانے کا ایک بہت بڑا فتنہ دربار اکبری کا فتنہ تھا جسے اس وقت کے "علماے سو" نے برپا کیا تھا، قاضی خان بدخشانی نے اکبر کو سجدہ کرنے کا فتوی دے دیا تھا، داڑھی ترشوانے کی حدیث شیخ امان اللہ پانی پتی کے بھتیجے نے نکالی تھی، اور فریضۂ حج کے ساقط ہونے کا فتویٰ مخدوم الملک نے دیا تھا، عبد و معبود کے درمیان فرق بے معنی سمجھا جا رہا تھا۔ اس

وقت کے گمراہ صوفیا نے بھی مذہب کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا،ان کے نزدیک شریعت وطریقت دو مختلف چیزیں تھیں،ان کا عقیدہ تھا کہ بندہ صرف معرفت کا مکلف ہے،شریعت پر عمل کرنے کا مقصد محض معرفت حق تعالیٰ ہے اور جب معرفت خداوندی حاصل ہو جاتی ہے تو تکالیف بھی ساقط ہو جاتی ہیں،اپنے استشہاد میں وہ یہ آیت کریمہ پیش کرتے تھے:"واعبد ربك حتى ياتيك اليقين"نیز رقص وسرود اس وقت تصوف کی جان تھی۔

انہیں عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ رکھنے والے علما وصوفیا نے اکبر بادشاہ کو دین سے برگشتہ کر دیا تھا،اکبر نے دین کو خیر آباد کہہ دیا تھا،جس کا ثبوت دربار اکبری میں ہونے والی غیر شرعی حرکات سے ملتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)نبوت ورسالت،دیدار الٰہی اور حشر ونشر کے متعلق تمسخرانہ انداز میں شکوک وشبہات ظاہر کیے جاتے تھے۔

(۲)قرآن کے تواتر اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے،جسم کے فنا ہونے کے بعد روح کے باقی رہنے اور ثواب وعقاب کو محال سمجھا جاتا تھا۔

(۳)دیوان خانے میں اعلانیہ کسی کو نماز ادا کرنے کی مجال نہ تھی۔

(۴)اسلام کی مخالفت میں"سور"اور"کتا"کے ناپاک ہونے کا مسئلہ منسوخ قرار دے دیا گیا تھا،شاہی محل کے نیچے یہ دونوں جانور باندھے جاتے تھے،بادشاہ ان کا دیکھنا عبادت خیال کرتا تھا۔

(۵)فقہ،تفسیر اور حدیث پڑھنے،والے مردود ومطعون قرار دیے جاتے تھے۔(دینی دعوت،ص:۱۳۹)

شیخ محدث دہلوی نے انہیں حالات کے پیش نظر تقریری دعوت واصلاح کے ساتھ تحریر کا بھی سہارا لیا اور"تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان"تصنیف فرما کر مذکورہ عقائد باطلہ وخیالات فاسدہ رکھنے والے علما وصوفیا کا منہ توڑ اور دنداں شکن جواب دیا،عقائد کے موضوع پر شیخ کی مذکورہ کتاب عظیم شہرت کی حامل ہے،اس کتاب میں شیخ نے عقائد اسلام اور قواعد شرع کی روشنی میں معمولات اہل سنت کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

عہد اکبری میں ہرکس وناکس مذہبی معاملات میں دخل اندازی کرتا تھا جس سے بدعتیں اور گمراہیاں بکثرت جنم لیتی تھیں،شیخ نے سختی سے اس کی مخالفت فرمائی اور ہرکس وناکس کو دخل انداز ہونے سے منع فرمایا،غیر شرعی اور غیر اسلامی رسم ورواج کو دور کرنے کے لیے کتابیں اور رسائل تحریر فرمائے۔چناں چہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تعلق سے جو خرافات رائج تھیں اور ماہ صفر کے بارے میں عوام میں جو یہ مشہور تھا کہ یہ مہینہ نامسعود ونامبارک ہے،آپ نے اپنی کتاب"ما ثبت بالسنه فی الایام والسنه"میں احادیث کی روشنی میں ان خرافات کی تردید فرمائی۔(دینی دعوت،ص:۱۴۱)

شیخ کا ایک اور عظیم کارنامہ: شیخ محقق کی ہی وہ پہلی ذات ہے جس نے ہندوستان میں علم حدیث کے فروغ اور اس کی نشر واشاعت کے لیے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعے اہم اور زریں خدمات انجام دی ہے،آپ نے کتب احادیث کو نصاب کا لازمی جز قرار دیا اور اپنے مدرسے میں احادیث کا باقاعدہ درس دیا۔آپ کی مشہور ومعروف تصنیف"اشعة اللمعات"شرح مشکوٰۃ،حدیث رسول کی توضیح وتشریح میں ایک قیمتی سرمایہ ہے جسے ہر دور میں مقبولیت حاصل رہی،

آج اس کے کئی تراجم شائع ہو چکے ہیں۔شیخ محقق شب وروز درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہے ،آپ کی تصانیف جلیلہ کو وہ قبولیت عامہ حاصل ہے جس کی کوئی مثال نہیں ،آپ کی تصانیف ، امت محمدیہ پر احسان عظیم ہیں،آپ کی ذات،علمی و تصنیفی خدمات کے اعتبار سے نہایت ہی بزرگ اور بلند پایہ ہے ،آپ کی پوری زندگی دین اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں بسر ہوئی،آپ نے اسلام کے اہم موضوعات پر اپنی تصانیف کا گراں قدر سرمایہ چھوڑا ہے۔صرف حدیث اور علم حدیث میں انہوں نے مندرجہ ذیل تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں:

(۱)اشعة اللمعات فی شرح مشكاة

(۲)لمعات التنقيح فی شرح مشكاة المصابيح

(۳)ترجمة الاحاديث الاربعين فی نصيحة الملوك والسلاطين

(٤)جامع البركات شرح مشكاة

(٥)جمع الاحاديث الاربعين فی ابواب علوم الدين

(٦)رساله شب براۡت

(٧)ما ثبت بالسنه فی ايام السنه

(٨)الاكمال فی اسماء الرجال

(٩)شرح سفر السعادة

(۱۰)اسماء الرجال الرواة المذكورين فی كتاب المشكاة

(۱۱)تحقيق الاشاره فی تعميم البشاره

(۱۲)ترجمه مكتوب النبی الاهل فی نفرية ولد معاذ ابن جبل

(ترجمہ:اشعۃ المعات،ص:۹۹)

مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں یہ بات صاف طور پر عیاں ہوجاتی ہے کہ شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ نے گیارہویں صدی کے پر آشوب دور میں جو ہمہ گیر قلمی، فکری، تبلیغی اور اصلاحی جہاد کیا ہے،اسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

وصال: علم ومعرفت کا یہ آفتاب باطل نظریات کا سدباب کرکے ۲۱/ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو ۹۴/ برس کی عمر میں غروب ہوگیا۔"إنا لله وإنا إليه راجعون". جسد مبارک کو حوض شمسی کے کنارے سپرد خاک کیا گیا اور وصیت کے مطابق ان کے صاحب زادے مولانا نورالحق نے نماز جنازہ پڑھائی۔

☆☆☆

محمد محتشم، کولکاتا، جماعت: سادسہ Mo: 8795257551

حضرت میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمہ گوناگوں فضائل وکمالات کے جامع تھے۔ انھوں نے باغ اسلام کی آبیاری، دین محمدی ﷺ کی پاسداری وپاسبانی کے لئے اپنی حیات وقف کر دی تھی اور اپنے بیش بہا وعظ وتقریر، نصیحت آمیز کلمات اور گراں قدر تصنیف وتالیف کے ذریعہ گمراہ گروں کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے سادہ لوح مسلمان کو رشد وہدایت کے راستے پر گامزن کیا، ان کے دل کے نہاں خانوں میں چراغ ایمان روشن ومنور کیا اور ان کے اندر جوش ایمانی، الفت ربانی اور عشق مدنی کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ انہی اوصاف وکمالات نے آپ کی محبوبیت ومقبولیت میں چار چاند لگا دی۔ آپ کی ذات ستودہ سے اکتساب فیض کے لیے خامہ فرسائی کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

نام ونسب: میر عبدالواحد بن سید ابراہیم بن سید قطب الدین بن سید ماہرو بن سید بڈھ بلگرامی۔

سلسلۂ نسب: میر عبدالواحد بن سید ابراہیم بن سید قطب الدین بن سید ماہرو بن سید بڈھ بن سید کمال الدین بن سید قاسم بن سید حسین بن سید نصیر بن سید حسین بن سید عمر بن سید میر محمد صغری بن سید علی بن سید حسین بن سید ابوالفرح ثانی بن سید ابوالفراش بن سید ابوالفرح واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید یحییٰ بن سید زید بن سید عمر بن سید علی بن سید حسن بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن سید عیسیٰ موتم الاشبال بن سید زید شہید بن سید امام زین العابدین بن سید امام حسین بن سیدہ فاطمہ زہرا بنت محمد مصطفیٰ ﷺ۔ (سہ ماہی امجدیہ، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۱۵، مقالہ مفتی محمد امیر حسن امجدی، پرنسپل دارالعلوم واحدیہ طیبیہ، بلگرام شریف ہردوئی، یوپی)

القاب: مجدد، فقیہ، عظیم صوفی، شاعر، عارف باللہ، بادشاہ بلگرام، مقبول بارگاہ رسول خیر الانام۔ (ایضا)

ولادت: شہنشاہ علم وعرفاں، تاجدار طریقت ومعرفت نیر اعظم حضرت سید شاہ میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ۹۱۲ھ بقول دیگر ۹۱۵ھ سلطان سکندر لودھی کے عہد میں ہندوستان کے معروف ومشہور قصبہ سنادیب باڑی علاقہ قنوج میں ہوئی۔ حضرت کے آباواجداد واسط سے آکر بلگرام میں موطن ہوئے۔ مگر پھر بعض وجوہ سے بلگرام سے منتقل ہو کر سنادیب چلے گئے اور وہیں رہنے لگے۔ قصبہ باڑی بطور جاگیر انھیں ملا اور یہیں حضرت کی ولادت ہوئی۔ پھر حضرت بلگرام

تشریف لائے۔(ماہنامہ اشرفیہ، دسمبر، ۱۹۸۷ء، ص:۱۳/۱۴،۱۳، مقالہ: حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی ﷺ)

تعلیم و تربیت: آپ کے تذکرہ نگار آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں خاموش نظر آتے ہیں، اس لیے اس سلسلے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی، عموماً بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت اسی شہر اور قصبے میں ہوتی ہے جو اس کی جائے پیدائش ہے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیور علم سے آراستگی اسی جگہ ہوئی ہوگی۔ آپ کی سیرت و سوانح سے پتہ چلتا ہے کہ علوم متداولہ میں آپ نے کامل عبور حاصل کر لیا تھا اور اپنے ہم عصر اصحاب علم و فضل میں نہایت ممتاز و بلند تھے۔

آپ کو مختلف علوم و فنون پر اس قدر دسترس حاصل تھی کہ دقیق ترین احکام کو عمدہ اسلوب اور دلکش انداز میں بیان فرما دیتے، لاینحل مسائل کی گتھی کو فکری پرواز اور اصابت رائے کے ذریعے حل فرما دیتے، علوم و فنون کے رموز و اسرار اور مغلقات پر اچھی گرفت تھی۔ لیکن کچھ مسائل کی گرہ کشائی کے لیے طواف زمین اور گردش زمانہ کا منصوبہ بنایا۔ لیکن مرشد حق کی نظر عنایت یاور ہوئی اور سارے مسائل حل ہو گئے۔

علوم باطنی: میر علاء الدولہ بن میر یحییٰ سیفی قزوینی نے "نفائس المآثر" میں نقل کیا ہے کہ "میر عبد الواحد از اکابر سادات قنوج است و خالی از نشئہ فقر و درویشی نیست و سلیقۂ شعر خوب دارد"یعنی حضرت میر عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ قنوج کے اکابر سادات سے ہیں۔ آپ پر فقر و درویشی کے آثار نمایاں تھے۔ اور آپ کو شعر کہنے کا سلیقہ خوب آتا تھا۔

شیخ محمد غوثی مندوی نے "گلزار ابرار" میں بیان کیا ہے کہ "حضرت سید عبد الواحد بن سید ابراہیم قنوجی صاحب ریاضت و مجاہدہ اور حقائق پر نظر رکھنے والے صاحب حال اور بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ آپ نے "نزہۃ الارواح" کی نہایت عمدہ و محققانہ شرح تحریر فرمائی جس میں توجیہ و تاویل کا مکمل سہارا لے کر عبارات کے تمام معانی و مفاہیم کو صحت و درستگی کے ساتھ واضح فرمایا۔ (ماثرالکرام، ص: ۱۰۲،۱۰۱ ناشر رضوی کتاب گھر بھیونڈی مطبع جمال پریس دہلی)

بیعت و خلافت: حضرت میر عبد الواحد بلگرامی ﷺ کے مرشد برحق جامع علوم شریعت و طریقت، عارف و محقق یکتائے روزگار شیخ صفی الدین سائی پوری ﷺ ہیں۔ میر شیخ کے محبوب ترین اور منظور نظر ابراہیم کے گوشہ جگر تھے اس لیے انھوں نے آپ پر خصوصی توجہ فرمائی اور سلسلۂ چشتیہ میں مرید کیا۔(صوفیہ نمبر، ج:۱، ص:۳۱۶ صوفی فاؤنڈیشن، انڈیا، سن طباعت:۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء)

شیخ کے انتقال کے بعد ان کے خلیفۂ خاص شیخ حسین بن محمد بن اسرائیل، ساکن سکندرہ (متوفی ۹۷۶ھ) نے آپ کی روحانی تربیت فرمائی اور سلسلۂ چشتیہ کے علاوہ سلسلۂ قادریہ و سہروردیہ میں بھی خرقۂ خلافت سے شاد کام کیا۔(سبع سنابل، ص:۸۲)

آپ خود سبع سنابل میں رقم طراز ہیں۔ "ایں فقیر مرید مخدوم شیخ صفی است و خلافت مخدوم شیخ حسین دارد۔ مخدوم شیخ حسین را با پدر ایں فقیر الفتی و محبتی تمام بود و میاں یک دیگر اختصاص کلی داشتند و پدر فقیر نیز خلیفۂ مخدوم شیخ صفی بود۔ بدیں سبب ایں فقیر رجوع بر مخدوم شیخ حسین نیز عنایتہا و نوازشہاے فراواں ارزانی داشتند کہ یار زادۂ مااست و جامۂ خلافت نیز پوشانیدند۔ اگر چہ فقیر را لیاقت ایں جامہ نہ بود اما شکرانۂ درگاہ بارگاہ تعالیٰ می گزرانم کہ پیوند بیعت با ایشاں دارم۔" (سبع سنابل، ص:۸۲، مطبع نظامی کان پور ۱۲۹۹)

اقوال علما در شان میر: حضرت میر عبدالواحد بلگرامی کی زندگی تعلیمات جسمانی، تربیت روحانی، بیعت وارادت، رشد و ہدایت، عبادت وریاضت، ذکر واذکار، شغل واشغال، محاسبہ و مجاہدہ، تصفیۂ قلب، تزکیۂ نفس، اسرار ومعارف، مراقبہ ومشاہدہ، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف خوف خدااور عشق رسول سے عبارت رہی ہے۔

آپ ہی کی بدولت صاحب ماثرالکرام علامہ آزاد بلگرامی نے بلگرام کو **"دارالسلام"** کہا جو جنت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔اور چودہویں صدی ہجری کے مجدد اعظم امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے بارگاہ سید میر عبد الواحد بلگرامی میں خراج عقیدت پیش فرماکر بتا دیا کہ دارالسلام یعنی جنت بلگرام کا نام کسی اور کے سبب نہیں بلکہ عبد الواحد بلگرامی کے سبب ہے۔

اللہ اللہ عزو شان و احترام بلگرام — عبد واحد کے سبب جنت ہے نام بلگرام
روز عرس آورگاں دشت غربت کے لیے — من وسلویٰ ہیں مگر خبز وادام بلگرام
آسماں عینک لگا کر مہر ومہ کی دیکھ لے — جلوۂ انوار حق ہے صبح وشام بلگرام
تھا بمااستحببت بلدہ کا پاسخ بلگرام — مرکز دین مبیں ٹھہرا یہ نام بلگرام
یادگار اب تک ہیں اس گل کی بہار فیض کے — خندہائے گل رخاں ولال فام بلگرام
لائی ہے اس آفتاب دیں کی تحویل جلیل — ساغر مارہرہ میں صہبائے جام بلگرام

مؤرخ بے نظیر میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں: "قطب ملک و ولایت، مرکز دائرۂ ہدایت بود، صاحب آیات ظاہرہ و کرامات باہرہ۔"

مشہور تذکرہ نویس حکیم عبد الحی میر عبد الواحد بلگرامی کے تذکرے میں لکھتے ہیں: "احد العماء المبرزين في المعارف الهية_كان صاحب الفضائل العلية والكرامات الجلية والاذواق الصحيحة والمواجيد الصادقة." (نزهة الخواطرج:۵،ص:۲۷۱،حیدرآباد دکن ۱۹۷۶ء ماخوذ سبع سنابل:ص۹)

میر سید محمد اپنی کتاب تبصرہ الناظرین میں قلم بند ہیں: "درویش کامل، صاحب حال و فضیلت برکمال داشتند۔"

مولانا اجمل علی مؤلف تذکرۂ علمائے ہند لکھتے ہیں: "شیخ عبدالواحد بلگرامی شاہدی تخلص صاحب فضل وکمال وریاضت و عبادات بود، اخلاق مرضیہ وصفات رضیہ داشت۔"

خانوادۂ برکاتیہ بلگرام کے خاندانی مؤرخ تاج العلما سید شاہ محمد میاں مارہروی یوں گویاں ہیں: "علم صوری و معنوی میں فائق انام، مظہر اسرار الٰہی، منبع انوار منتہائی، عالم، عامل، فاضل، کامل، صاحب آیات ظاہرہ و کمالات باہرہ، خداوند مجاہدۂ صغریٰ ومشاہدۂ معنوی، مدارج عرفان محبت ومرتبت، عشق ومودت میں کامل المعیار، اطوار شخصیت و بزرگی میں صاحب اعتبار اور علوم ظاہر وباطن میں یگانۂ روزگار۔" (سالنامہ اہل سنت کی آواز، ۲۰۰۹ء ماخوذ از مضمون ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی)

ایک جگہ میر غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ حضور میر قدس المنیر کے تذکرے میں فرماتے ہیں کہ "ایک بار ۱۱۳۵ھ مطابق

۲۲ے۱ء/۲۳ے۱ء میں کاتب خدمت بابرکت حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی چشتی قدس سرہ میں حاضر ہوا، حضور میر قدس سرہ المنیر کا ذکر آگیا۔ حضرت شیخ قدس سرہ نے بہت تعریف کی اور فرمایا میں نے عالم واقعہ میں دیکھا کہ میں اور سید صبغت اللہ بروجی رحمۃ اللہ علیہ ساتھ ساتھ دربار اقدس نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم میں حاضر ہوئے اور حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو ایک بزرگ سے متبسانہ تقریر فرماتے ہوئے پایا۔ میں نے سید صبغت اللہ سے پوچھا کہ " آپ جانتے ہیں یہ کون بزرگ ہیں جن پر حضور سرور عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اس قدر کرم سے التفات فرمارہے ہیں؟" سید صاحب نے کہا" آپ نہیں جانتے؟ یہ سید میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ ہیں۔"

اور حضرت عبدالقادر بدایونی صاحب "منتخب التواریخ" میں (باوجود اس کے کہ وہ خود ایک ایک عظیم فقیہ ہیں) حضور میر قدس سرہ کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ "ایک بار حالت سفر میں رات بھر حضور میر کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا، علاوہ ان برکات کے جو اس تھوڑے وقت میں مجھ کو حاصل ہوئیں یقین ہے کہ میرے حق میں وہ شب لیلۃ القدر تھیں۔" (تذکرۂ نوری، ص ۴۱، ۴۰)

حضرت خواجہ خرد بن حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہما کے مرید سید کمال محمد نقسبندی واسطی سنبھلی اپنی کتاب اسراریہ میں لکھتے ہیں۔ " شیخ جمال بلگرامی وے مشائخ بسیار را در یافتہ وبا میر سید عبدالواحد بلگرامی صحبت داشتہ مرزوق شدہ۔ سید مشائخ کبار بود اہل ذوق ووجد وصاحب سخن۔"

میر عبدالواحد بن سید ابراہیم بلگرام کے اعیان سادات اور بزرگوں میں سے تھے۔ دُرویشِ کامل صاحب حال وفضیلت باکمال رکھتے تھے۔ کرامات وخوارق عادات ان سے بہت ظاہر ہوئیں۔ مولانا سید غلام علی آزاد ماثرالکرام میں لکھتے ہیں۔

میر عبدالواحد بن سید ابراہیم بن قطب الدین بن سید ماہرو بن سید شاہ بڈھ قدست اسراہم قطب فلک ولایت مرکز دائرہ ہدایت تھے۔ صاحب آیات ظاہرہ وکرامات باہرہ۔

اپنی مشہور کتاب سرو آزاد میں لکھتے ہیں۔ لمبی عمر تک مسند ارشاد کو اپنے جلوس میمنت مانوس سے زینت بخشی۔ اور حق پرستی کے بہت سے سالکوں کو کبریا جل وعلیٰ کی بارگاہ تک پہنچایا اور شجرۂ طیبہ میں لکھتے ہیں۔

وہ اپنے وقت کے یگانہ تھے۔ صاحب کرامات وعلاماتِ باہرہ اور علوم ظاہر وباطن کے جامع وادی طلب میں حیران ہونے والوں کو منزل مقصود تک پہنچانا۔ ناظرین غور کریں یہ سب حضرات وہ ہیں جو خود عارف وکامل، علوم شریعت وطریقت کے جامع، ظاہر وباطن سے آراستہ، ہر شخص کے اندرونی وبیرونی احوال سے واقف صاحبان کشف بزرگ ہیں۔ ان میں سے اکثر حضرات میر سید عبدالواحد قدس سرہ کے معاصر یا قریب عہد کے ہیں۔ معاصرین کا کسی کے فضل وکمال کا اعتراف کرنا اس کی دلیل ہے کہ حضرت کی ذات بلاشبہ اپنے زمانے میں مرکز عقیدت تھی۔ ان حضرات نے اعتراف کیا ہے کہ یہ اکابر سادات سے ہیں، صاحب مجاہدہ ومشاہدہ ہیں، ان کا حال و قال سب صحیح ہے، یہ علوم ظاہری وباطنی کے جامع ہیں، اپنے عہد کے یگانہ ویکتا ہیں، صاحب کرامات بزرگ ہیں، مرجع عوام وخواص ہیں اور اتنے بافیض بزرگ ہیں کہ کتنے سالکوں کو منزل مقصود تک پہنچایا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے مؤرخین نے بھی حضرت کے فضائل ومناقب کا شاندار الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ مولوی رحمٰن

علی تذکرۂ علمائے ہند میں لکھتے ہیں: صاحب فضائل وکمالات وریاضت وعبادات تھے۔ پسندیدہ اخلاق اور عمدہ عادات رکھتے تھے۔ (ماہنامہ اشرفیہ، دسمبر ۱۹۸۷ء، ص: ۱۳/۱۴، مقالہ: حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی رضی اللہ عنہ)

ملک العلما حضرت علامہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "چودہویں صدی کے مجدد" اور رئیس التحریر مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب قبلہ نے اپنی کتاب "امام احمد رضا اور افکار و نظریات" میں مذہب اسلام کے تعلق سے ان کی احیائے دین وسنت اور زرین خدمات کو دیکھ کر آپ کا شمار مجددین کرام کی فہرست میں کیا ہے۔

تصنیف وتالیف: میدان تصنیف وتالیف آپ کا مرغوب ترین مشغلہ تھا۔ آپ کے نوک قلم سے نکلنے والی تحریرات و نگارشات اتنی مؤثر ہوتیں کہ قارئین پڑھ کر آپ کے شیدائی وفدائی ہوجاتے۔ یوں تو آپ کو بہت سے علوم وفنون پر مہارت تامہ حاصل تھی لیکن فن تصوف سے خاص دلچسپی اور اس پر غیر معمولی دسترس تھی۔ اصحاب علم وفضل نے بے چوں وچرا آپ کو اس میدان کا شہسوار مانا ہے اور آپ کے سامنے سرنیاز خم کردیا جو آپ کی علمی گیرائی وگہرائی پر شاہد ہیں۔ اور اس کا زندہ وجاوید ثبوت متصوفانہ طرز میں لکھی گئی شرح کافیہ ہے جو آج لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔ آپ کے رشحات قلم سے بے شمار کتابیں پردۂ عدم سے معرض وجود میں آئیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) دیوان (۲) ساقی نامہ (۳) شرح گلشن راز (۴) شرح مصطلحات دیوان حافظ (۵) شرح الکافیہ فی التصوف (تالیف ۹۷۰ھ) (۶) حقائق ہندی (تالیف ۹۷۴ھ) (۷) شرح نزہۃ الارواح (تالیف ۹۸۵ھ) (۸) شرح غوثیہ (تالیف ۹۸۷ھ) (۹) مکاتیب ثلاثہ (۱۰) حل شبہات (۱۱) مناظرۂ انبہ وخربزہ (۱۲) شرح معمہ قصہ چار بردار (۱۳) تفسیر مفیض المحبت (۱۴) مجموعۂ اوراد (۱۵) سبع سنابل (تالیف ۹۶۹ھ)۔ (اصح التواریخ، ج:۱، ص:۱۱۹ ماخوذ سبع سنابل، ص:۲۰،۱۹)

تنگی صفحات کی وجہ سے حضرت میر کی محض تین کتابوں کا تبصرہ زیب قرطاس ہے۔

سبع سنابل: میر بلگرامی کی تصانیف میں سبع سنابل سب سے زیادہ مشہور ومقبول ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں تصوف و سلوک کے اہم اور بنیادی نکات بیان کیے ہیں اور شریعت وطریقت کے تعلق کو بیان کیا ہے اور واضح طور پر بتایا ہے کہ طریقت میں شریعت کی پابندی لازمی اور ضروری ہے نیز اس دور میں مسلم معاشرہ میں جو بے دینی، بے راہ روی اور عقائد میں جو خرابیاں درآئی تھیں ان کا رد بلیغ کرکے لوگوں کو جادۂ حق پر گامزن کرنے کی کوشش کی، اس کتاب کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

سنبل اول عقائد ومذاہب کے بیان میں، **ثانی** پیر ومریدی کے بیان میں، **ثالث** ترک دنیا اور قناعت اور تبتل کے بیان میں، **رابع** درویشاں خدا آگاہ اور ان کے حسن اخلاق کے بیان میں، **خامس** خوف ورجا، **سادس** حقائق وحدت اور ظہور آثار معرفت ومحبت اور **سابع** فوائد متفرقہ یعنی میر بلگرامی علیہ الرحمہ نے اپنے سلسلۂ عالیہ، چشتیہ اور مینائیہ کے اکابر وشیوخ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لے کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ تک سترہ شیوخ کا مختصر ذکر فرمایا ہے اور اسی پر کتاب کا اختتام کیا۔

شرح الکافیہ فی التصوف: شرح کافیہ کو آپ نے اس قدر تصوف کی طرف مائل کرکے لکھا ہے کہ جیسے کافیہ فن نحو کی

نہیں بلکہ فن تصوف کی کتاب ہو، اس کتاب کے مطالعہ سے ان کے علوم ظاہری و باطنی میں جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے حقائق وتصوف کے بیان کے باوجود سلاست الفاظ وربط معانی کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔

مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب نے شرح کافیہ کو جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے مجلہ میں شائع کیا ہے چنانچہ وہ اس کتاب پر اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں۔

علامہ عبدالواحد بلگرامی بھی اس متن (کافیہ) کے شارحین میں شامل ہیں لیکن ان کے افتاد طبع نے اس بارے میں ایک نئی راہ نکالی ہے جو شارحین کافیہ میں سے کسی کو آج تک نہ سوجھی تھی یعنی متن نحو سے تصوف کے مسائل کا استخراج کیا ہے اور ان کی اس شرح کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ابن حاجب کی کتاب فن نحو کا متن نہیں بلکہ علم تصوف کا خلاصہ ہے جس کو فاضل شارح نے اپنے زور بیان سے مفصل ومدلل کر دیا یہ وہ بات ہے جو خود مصنف کتاب شیخ ابن الحاجب کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آئی ہوگی۔ (سہ ماہی امجدیہ ،اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۱۵، مقالہ مفتی محمد امیر حسن امجدی، پرنسپل دارالعلوم واحدیہ طیبیہ، بلگرام شریف ہردوئی، یوپی)

مناظرۂ انبہ و خربزہ: یہ ایک مختصر سی فارسی نظم بصورت مثنوی ہے جس میں آم اور خربوزہ اپنی اپنی تعلی اور بڑائی بیان کرتے ہیں اور آخر میں میر کو حکم بناتے ہیں۔ اس نظم میں بھی انھوں نے سالکین کے لیے تصوف وسلوک کے نکات ملحوظ رکھے ہیں۔

شاعرانہ ذوق: حضرت میر بلگرامی ﷺ شعر وشاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ مبدے فیاض نے یہ ملکہ انھیں ودیعت کی تھی۔ جب وہ شعر وسخن کی طرف توجہ فرماتے تو خوب لکھتے تھے۔ شاہدی تخلص تھا۔ خواجہ حافظ شیرازی سے متاثر تھے اور معنوی تلمذ رکھتے تھے۔ چناچہ رسالۂ شبہات میں لکھتے ہیں: ''ایں کس در فن غزل تلمیذ خواجہ حافظ شیرازی است و خواجہ نیز بہ شاگردی خود مرا قبول کرد وگویا بایں ضعیف ایماے نمودہ۔''

ہر کہ در طور غزل نکتہ حافظ آموخت
یار شیریں سخن نادرہ گفتار من است

(سرو آزاد از میر غلام علی آزاد، ص:۲۴۷)

ملا عبدالحق بدایونی لکھتے ہیں: ''میر طبع نظم بلند دارد'' (منتخب التواریخ، ص:۳۰۰)

یہی بات میر علاء الدین قزوینی صاحب ''نفائس المآثر'' میں لکھتے ہیں: ''میر سلیقۂ شعر خوب دارد۔'' (سرو آزاد، ص:۲۴۸)

میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں: ''احیانا بنابر موزونی طبع گوہر قافیہ می سنجید وطلاے خوش عیار سخن بر می کشید، دیوان غزل موجزی ازو موجود است وکلاش روشن نماز ماں خود دارد۔'' (سرو آزاد، ص:۲۴۸،۲۴۷، ماخوذ سبع سنابل، ص:۱۸)

مولانا محمد میاں قادری مارہروی نے میر بلگرامی کا کلام مختلف رسالوں اور بیاضوں سے تلاش کرکے اپنی کتاب اصح التواریخ جلد اول میں جمع کر دیا۔ یہاں ہم ایک غزل بطور نمونہ نقل کر رہے ہیں۔ (منتخب التواریخ، ص:۱۱۶، ماخوذ سبع سنابل، ص:۱۸)

دل و جان تاکہ بمہر رخ تو باختہ ام — توسن ہمت خویش از دو جہاں تاختہ ام
جلوۂ قد ترا سدرہ و طوبیٰ خجل است — تا منم از تو بفردوس نپر داختہ ام

واعظا پند مفرما من سودہ ازدہ را | خانمان خرد از طرح بر انداختہ ام
از سر وقت من دل شدہ بگزر زنہار | آنکہ من چارۂ مخلص ز جنوں ساختہ ام
دمبدم تاختہ بر شاہدی افواج غمت | تاکہ در عالم عشقت علم افراختہ ام

شاہدی بلگرامی کا دیوان خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کے کتب خانہ میں موجود تھا۔اس کے تلف ہونے کے بارے میں میاں قادری لکھتے ہیں: ''ہمارے حضرت میر عبدالواحد بلگرامی کا یہ دیوان اس وقت ہمارے پاس نہیں۔ایک مجموعہ میں جس میں حضور صاحب البرکات شاہ برکت اللہ مارہروی کا دیوان ''بھاشا'' مسمّٰی بہ '' پیم پرکاش '' بھی شامل تھا۔جلد بندھا ہوا تھا۔ (حضرت والد صاحب قبلہ شاہ اسمٰعیل حسن مارہروی نے سیتا پور میں ایک عرصۂ دراز گزارا)۔ پینتی پور ضلع سیتا پور کے رہنے والے ایک ہندو ہندی داں کو یہ مجموعہ اس لیے دیا گیا کہ وہ ''پیم پرکاش'' کو ہندی ناگری خط میں لکھ دیں اور پھر وہ مجموعہ ان ہی کے پاس رہ گیا۔ ہمیں اب تک واپس نہیں ملا۔اور اس طرح حضرت میر بلگرامی کا یہ دیوان بھی ہمارے پاس سے جاتا رہا۔''
(اصح التواریخ،ج:۱،ص:۱۱۵،ماخوذ سبع سنابل،ص:۱۸)

میر عبدالواحد بلگرامی ﷺ ہندی زبان میں بھی شعروشاعری کا بلند ذوق رکھتے تھے۔

چنانچہ کاشف الاستار صفحہ ۴۴ اور اصح التواریخ میں بطور نمونہ کچھ کلام نقل ہوا ہے مگر فارسی رسم میں لکھنے کی وجہ سے بڑی حد تک مسخ ہو گیا ہے۔

وصال: مخزن خیر و برکت، منبع علم و حکمت، چشمۂ فیض و عرفاں کی روح شب جمعہ ۳ رمضان المبارک ۱۰۱۷ھ سلطان جہاں گیر کے عہد میں قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

مدفن و مزار: اپنے وطن عزیز بلگرام میں مدفون ہوئے جہاں آپ کا مزار پر انوار فیض گاہ خلائق ہے۔

☆☆☆

محمد شاکر علی، مدھوبنی، جماعت سابعہ Mo:7052880552

مجددین کرام کی وہ مبارک جماعت ہے جنھوں نے بے خوف وخطر حق کا پیغام پہنچایا، گمرہی کے سیلاب میں ڈوبتی انسانیت کو حق کے ساحل پر پہنچانے کا عظیم کارنامہ انجام دیا، دین اسلام کی سربلندی کے لیے طرح طرح کی مشقتیں اٹھائیں، قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے، اپنوں سے طعنے سنے اور غیروں سے دھکے کھائے مگر حق بات کہنے سے نہ چوکے، زندگی بھر بدعتوں کے خلاف لڑتے رہے، خرافات کو مات دینے کی تدبیروں میں لگے رہے، سنت نبوی ﷺ سے لوگوں کا رشتہ جوڑ کر برائیوں کا خاتمہ کیا اور پھر اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی، انھیں مقدس ہستیوں میں ایک نام محمد بن عبد اللہ تمر تاشی غزی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی آتا ہے۔

سلسلۂ نسب: شیخ محمد امین بن فضل اللہ دمشقی محبی (۱۰۶۱ھ ـ۱۱۱۱ھ) کے مطابق آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

محمد بن عبد اللہ بن احمد خطیب بن محمد خطیب بن ابراہیم خطیب بن محمد خطیب تمر تاشی غزی۔

(خلاصۃ الأثر فی بیان القرن الحادی عشر، ج:۴، ص:۱۸، المکتبۃ الوھبیۃ)

حضرت فقیر محمد جہلمی رحمۃ اللہ علیہ نے "بن ابراہیم خطیب" کے بعد لکھا ہے: "بن خلیل بن تمر تاشی غزی"۔

(دیکھیں: حدائق الحنفیہ، حدیقۂ یازدہم، ص:۴۱۷، ناشر: مکتبہ ربیعہ، سلام مارکیٹ، کراچی)

خاندانی حالت: آپ نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولیں وہ گھرانہ عام گھرانہ نہ تھا، بلکہ اسلام کا ایک مے کدہ تھا جہاں سے مے کشوں کو اسلامی جام پلا پلا کر مستانہ بنایا جاتا تھا، آپ کے گھر کا آنگن معمولی آنگن نہ تھا بلکہ وہ فقہی درسگاہ تھی، جہاں فقہ حنفی کے اسرار ورموز سے ہر شخص کو آشنا کرایا جاتا تھا۔

اسی طرح آپ کے بعد بھی برسوں تک یہ آنگن فقہ حنفی کا گلستان بنا رہا۔ چناں چہ آپ کے بعد صاحبزادے صالح بن محمد تمر تاشی غزی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جانشیں ہوئے، جو وقت کے عظیم مدبر اور فقہ حنفی کے سلسلے میں اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے۔ درج ذیل کتابیں ان کی علمی جاہ وجلال کی منہ بولتی تصویر ہیں:

(۱)العنایۃ فی شرح الثقایۃ.(۲)زواھر الجواھر النضائر علی الإشباہ والنظائر(فی الفقہ الحنفی)(۳)إبکار الأفکار فاکھۃ الأخیار.(٤)شرح الألفیۃ فی النحو وغیرہ.

صاحب "معجم المؤلفین" نے آپ کے علمی جلالت کا برملا اعتراف مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:

فقيه،أديب ،مشارك فى بعض العلوم .یعنی آپ ایک زبردست فقیہ، ادیب اور اس کے علاوہ دوسرے بہت سے علوم میں شغف رکھتے تھے۔(معجم المؤلفین، ج:۵،ص:۱۱)

آپ کے پوتے محمد بن صالح بن محمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد خطیب تمرتاشی غزی (م:۱۰۳۵ھ) جہد مسلسل اور سعی پیہم کی بنیاد پر مرجع علما ثابت ہوئے۔ آپ ایک زبردست نحوی بھی ہیں، اس سلسلے میں باضابطہ ایک کتاب "نظم الالفية فى النحو" تصنیف فرمائی۔ آپ کا شمار فقہاے حنفیہ میں ہوتا ہے۔ ایک عظیم فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک قادرالکلام شاعر بھی تھے شعروشاعری کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ آپ کے قلمی شہ پاروں کی ایک فہرست درج ذیل ہے:

(۱)ضوءالإنسان فى تفضيل الإنسان.(۲) فيض المستفيض فى مسائل التفويض. (فى الفقه الحنفى)(۳)شرح الرحبية فى الفرائض.(٤)منظومة فى المناسخات.(٥) نظم الألفية فى النحو.

اس کی شرح خود آپ کے والد گرامی صالح بن عبداللہ نے لکھی ہے۔ "نظم الألفية" کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

قال محمد هو ابن صالح أحمد ربى الله خير فاتح

(خلاصة الاثر فى بيان القرن الحادى عشر،للمحبى،ج:۲،ص:٤١٥)

عمر رضا کحالہ نے محمد بن صالح کا تعارف ان لفظوں میں کیا ہے:

فرضى،نحوى،أديب،شاعر،من آثاره الرحبية فى الفرائض نظم الألفية فى النحو،رسالة فى تفضيل الإنسان،منظومة فى المناسخات وله شعر كثير۔(معجم المؤلفین، ج:۳،ص:۳۵۶)

پیدائش: محمد بن عبداللہ غزی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش فلسطین کے شہر "غزہ" کے "تمرتاش" میں ۹۳۹ھ کو ہوئی۔ تاریخ کی کتابوں میں "تمرتاش" کی وضاحت یہ ملتی ہے کہ یہ خوارزم کے ایک گاؤں کا نام ہے۔

تعلیم وتربیت: آپ نے علمی گھرانے میں آنکھیں کھولی اور جلد ہی پڑھ لکھ کر فضل وکمال کو پہنچ گئے۔ والد ماجد عبداللہ بن احمد خطیب تمرتاشی غزی اور مفتی شافعیہ شمس محمد مشرقی غزی رحمۃ اللہ علیہم کی نگاہ کیمیا نے آپ کی زندگی پر اپنا علمی اثر ڈالا اور سونے کو کندن بنانے کا کام کیا۔ چناں چہ آغاز شباب ہی میں مرتبۂ کمال پر فائز ہوگئے۔

(خلاصة الاثر فى بيان القرن الحادى عشر،للمحبى،ج:٤،ص:١٩)

حصول علم کے لیے قاہرہ کا سفر: قاہرہ اس زمانے میں صاحبان علم وفضل کا مرکز بنا ہوا تھا، اس لیے مزید تشنگی علم بجھانے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے چار مرتبہ قاہرہ کا سفر کیا، جن میں آخری سفر کی سنہ تاریخ ۹۹۸ھ ملتی ہے۔ وہاں فقہ وحدیث کے ماہرین اساتذہ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرکے فقہ وحدیث کی باریکیوں اور نکتہ آفرینیوں سے بہرہ ور ہوئے۔(ایضًا)

قاہرہ کے جن ماہر اساتذہ سے آپ نے اکتساب فیض کیا ہے ان میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) صاحب بحر الرائق وشارح کنز الدقائق زین بن مصری (۹۲۶ھ—۹۷۰ھ) رحمۃ اللہ علیہ
(۲) حضرت شیخ امین الدین بن عبد العالی رحمۃ اللہ علیہ
(۳) قاضی القضاۃ فی المصر حضرت شیخ علی بن حنائی رحمۃ اللہ علیہ

فضل وکمال: آپ ایک زبردست عالم دین اور عظیم فقیہ تھے۔ مشکل مسائل میں ارباب علم وفضل آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ دقیق سے دقیق مسائل کو آپ اس قدر خوش اسلوبی سے حل فرمادیتے گویا یہ کوئی مشکل مسئلہ ہی نہ تھا۔

شیخ محمد امین بن فضل اللہ دمشقی محبی (۱۰۱۶ھ—۱۱۱۱ھ) آپ کی شان میں تعریفی کلمات لکھتے ہوئے گویا ہیں:

رأس الفقهاء فی عصره، کان إماماً ، فاضلا کبیرا، حسن السمت،جمیل الطریقة،قوی الحافظة، کثیر الإطلاع. و باالجملة فلم یبق فی أخر أمره من یساو یه فی الدرجة.

(خلاصۃ الاثر فی بیان القرن الحادی عشر، ج:۴، ص:۱۹)

یعنی آپ اپنے زمانے میں فقیہان امت کے سربراہ، امام، بڑے فاضل وکامل، صاحب وقار وتمکنت، زبردست حافظے کے مالک اور کثیر مسائل پر گہری نظر رکھنے والے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اخیر عمر میں کوئی آپ کا ہم پلہ نظر نہ آتا تھا۔

حضرت فقیر محمد جہلمی نے ان الفاظ میں آپ کو یاد کیا ہے:

اپنے زمانے کے امام کبیر، فقیہ بے نظیر، حسن الطریقہ، قوی الحافظہ، کثیر الاطلاع، وحید العصر فرید الدہر تھے۔

(دیکھیں: حدائق الحنفیہ، حدیقۂ یازدہم، ص:۴۱۷، مکتبہ ربیعہ، سلام مارکیٹ، کراچی)

فقہ میں نمایاں مقام: یوں تو آپ مروجہ تمام علوم میں دسترس رکھتے تھے مگر فقہ آپ کا خاص میدان تھا۔ آپ کے فتاویٰ اور فقہی تصانیف پر نظر ڈالنے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ ایک فقیہ اور مفتی کے اندر جن جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے وہ آپ میں بہ درجۂ اتم موجود تھیں؛ یہی وجہ ہے کہ آپ کی فقہی کتابوں کو عالم گیر مقبولیت حاصل ہوئی اور آج تک لوگ مستفید ہورہے ہیں، اور اب حال تو یہ ہے کہ آپ کی کتاب ''تنویر الابصار'' (متن در مختار) کے بغیر کسی بڑی اسلامی لائبریری کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

تجدیدی خدمات: آپ زندگی بھر سنتوں کی نشرواشاعت اور برے رسم ورواج کے خلاف سرگرم عمل رہے۔ فقہ جوکہ قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے، کے ذریعے آپ امت مسلمہ کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کراتے رہے۔ آپ کی خدمات کا دائرہ ایک زمانے کو محیط ہے۔ آپ نے درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تزکیہ وارشاد اور وعظ وخطابت چاروں طریقوں سے دین وعلم کی خدمت کی ہے اور عوام وخواص کی فکری، قلبی اور عملی تربیت فرمائی ہے۔ آپ کی انہی عظیم کارناموں کی بنیاد پر صاحبان علم وفضل نے آپ کو دسویں صدی کا مجدد تسلیم کیا ہے۔ چناں چہ چودھویں صدی کے عظیم فقیہ و محدث امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقاصد حسنہ کے حاشیے میں آپ کا شمار مجددین کی فہرست میں کیا ہے۔ اور مصنف بہار شریعت مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ الغزی کے مقدمے میں لکھا ہے:

"هو أحد المجددين للدين المتين في الألف الثاني" یعنی آپ دین متین مذہب اسلام کے ان مجددین میں سے ایک ہیں جو الف ثانی میں ظاہر ہوئے۔ (مضمون: خیر الاذکیا محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور، مشمولہ بہ جد الممتار علی رد المحتار، ج:۱، ص:۵۳، ناشر: المجمع الاسلامی مبارک پور، طبع اول: ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء)

تصنیفی خدمات: آپ نے مختلف علوم وفنون میں متون، شروحات، حواشی اور رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) تنوير الأبصار: یہ آپ کی سب سے شہرہ آفاق کتاب ہے جو اپنی ایجاز بیانی میں "دریا بہ کوزہ" کے مصداق ہے؛ یہی وجہ ہے کہ ابتدا ہی سے یہ کتاب اہل حق کی توجہات کا مرکز بنی رہی۔ بڑے بڑے فقہا و محدثین نے اس کی شرحیں لکھیں جن میں علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۲۵ھ — ۱۰۸۸ھ) کی "در مختار" کا نام قابل ذکر ہے۔

یہ در مختار اسی "تنویر الابصار" کی شرح ہے جس پر علامہ امین بن سید عمر عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۹۸ھ — ۱۲۵۲ھ) نے "رد المحتار" کے نام سے ایک گراں قدر حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ پھر چودھویں صدی ہجری کے عظیم فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس "رد المحتار" پر جد الممتار کے نام سے حاشیہ لکھ کر اس کی اہمیت وافادیت کو مزید دوبالا کر دیا ہے۔

(۲) معين المفتي على جواب المستفتي. (۳) منظومة الفقهية المسماة ب "تحفة الأقران"۔

(۴) فتاوىٰ الغزي: یہ ہندوستان میں پہلی بار ۱۳۳۳ھ میں مطبع اہل سنت وجماعت بریلی سے حضرت صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی۔

(۵) مسعف الحكام على الأحكام۔ (۶) منظومة في التوحيد۔

شروح وحواشی: آپ نے بہت سی مفید کتابوں پر شرحیں بھی لکھی ہیں اور بعض کتابوں پر حواشی بھی رقم فرمائے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۷) إعانة الحقير: یہ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "زاد الفقير" کی شرح ہے۔

(۸) شرح قصيدة بدء الأمالي۔

(۹) شرح الكنز: یہ کنز الدقائق کی باب الایمان تک کی شرح ہے.

(۱۰) شرح مختصر المنار۔

(۱۱) شرح المنار: یہ "المنار" کی "باب السنۃ" تک کی شرح ہے۔

(۱۲) شرح قطعة من الوقايه۔

(۱۳) حاشية الدرر شرح الغرر: یہ "الدرر" پر باب الحج تک کا حاشیہ ہے۔

(۱۴) شرح العوامل للجرجاني في النحو۔

(۱۵) قطعة من شرح القطر: یہ بحث اسم فاعل کے اعمال تک کی شرح ہے۔

(۱۶) مواهب الرحمٰن: یہ تحفۃ الاقران کی شرح ہے۔

(۱۷)شرح منظومة فی التوحید۔

(۱۸)شرح الوھبانیة۔

(۱۹)شرح یقول العبدوغیرہ۔

رسائل: چند موضوعات پر آپ نے رسائل بھی تحریر فرمائے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۲۰)رسالة فی خصائص العشرة المبشرة بالجنة.

(۲۱)رسالة فی عصمة الأنبياء.

(۲۲)رسالة فی جواز الإستنابة فی الخطبة.

(۲۳)رسالة فی القراءة خلف الإمام.

(۲۴)النفائس فی أحكام الكنائس.

(۲۵)رسالة فی مسح الخفين.

(۲۶)رسالة فی دخول الحمام.

(۲۷)رسالة فی النكاح بلفظ "جوّزتك".

(۲۸)رسالة فی النقود.

(۲۹)رسالة فی أحكام الدروز والإرفاض.

(۳۰)رسالة فی علم الصرف.

(۳۱)رسالة فی التصوف وغیرہ۔

لعاب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفرازی: آپ مقبولان بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ ایک مرتبہ خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن آپ کے منہ میں ڈالا اور اپنی زبان اطہر چوسنے کو فرمایا۔ اس شفقت بھرے حکم کی بجاآوری کرتے ہوئے آپ نے ایسا ہی کیا، جس کی برکت سے آپ پر علم وحکمت کے دروازے کھل گئے اور علوم وفنون کے بحر بے کراں آپ کے سینے میں موجیں مارنے لگا۔

(جد الممتار علی رد المحتار، ج:۱، ص:۵۳، ناشر: المجمع الاسلامی، مبارک پور، طبع اول: ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء)

وصال پرملال: ایک عرصۂ دراز تک آپ اپنے چشمۂ علوم دینیہ سے دنیا کو سیراب کرتے ہوئے رجب المرجب کے آخری عشرے ۱۰۰۴ھ میں ۶۵ / سال گزار کر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ "شیخ عزیز" سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔

☆☆☆☆

محمد عادل حسین، گیا، جماعت: فضیلت Mo.9919344981

جب کبھی فتنوں نے سر ابھارا ہے تو فرزندان اسلام نے ان کی سرکوبی کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ قرون ثلاثہ سے لے کر اب تک متعدّد فتنوں نے سر ابھارا مگر مسلمانوں کی اکثریت نے انھیں یکسر مسترد کر دیا اور وہ پورے عزم کے ساتھ راہ راست پر قائم رہے۔

ہمارے نبی ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہر صدی کے اخیر میں ایک ایسی ہستی جلوہ گر ہوتی ہے جو اپنے صدی کے فتنوں کا سدباب بڑی چابک دستی سے کرتی ہے اور دین و سنت کے احیا و تجدید میں نمایاں کارنامہ انجام دیتی ہے۔ انھیں صفات کے حامل مقدس ہستیوں میں حضرت شیخ علی بن غانم مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بڑی خوبیوں کی مالک ہے۔ آپ نے دسویں صدی میں ابھرنے والے فتنوں کا بڑی پامردی کے ساتھ خاتمہ کیا اور دین و سنت کی تجدید میں اہم کردار ادا کیا؛ یہی وجہ ہے کہ کئی علما و مشائخ نے آپ کو دسویں صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی صلی اللہ نے ''مقاصد حسنہ'' کے حاشیے میں آپ کو مجددین میں شمار کیا ہے اور حضرت شیخ محمد امین بن فضل اللہ محبی حموی نے ''خلاصۃ الاثر'' میں تحریر کیا ہے: '' ذھب کثیر الی انه المجدد علی راس المائة '' بہت سے علماے کرام اس بات کے قائل ہیں کہ علی ابن غانم مقدسی مجدد ہیں۔ (خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر، ج:۳، ص:۱۸۵، بیروت)

خاندانی پس منظر: یوں تو آپ کی پیدائش قاہرہ مصر میں ہوئی مگر آپ کا خاندانی سلسلہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ حضرت سعد مدینہ میں قبیلہ خزرج کے سردار اور ایک معروف صحابیِ رسول ہیں۔ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو سقیفۂ بنی ساعدہ میں تمام انصار مدینہ نے آپ ہی کو خلیفہ مقرر کرنے کی تجویز پیش کی تھی پھر یہ خاندان مدینہ منورہ سے منتقل ہو کر بیت المقدس میں بس گیا۔ البتہ علامہ ابن غانم کی پیدائش قاہرہ میں ہوئی؛ کیوں کہ آپ کے والد گرامی نے قاہرہ ہی میں بود و باش اختیار کر رکھی تھی۔

اسم گرامی: علی، **لقب:** نور الدین، **والد گرامی:** محمد بن علی

سلسلۂ نسب: علی بن محمد بن علی بن خلیل بن محمد بن محمد بن ابراہیم بن موسیٰ بن غانم بن علی بن حسن بن ابراہیم بن عبد العزیز بن سعید بن سعاد بن عبادہ سید الخزرج خزرجی سعدی عبادی مقدسی۔ (خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر، ج:۳، ص:۱۸۰)

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۱۶/ ذی قعدہ ۹۲۰ھ مطابق ۱۵۱۴ء میں قاہرہ کی مقدس سرزمین پر ایک دینی و علمی

خاندان میں ہوئی۔ گھر میں علمی ماحول ہونے کے سبب بچپن ہی سے آپ دینی تعلیم کی طرف راغب رہے۔ آپ کے اندر ذہانت اور قوت اخذ بدرجۂ اتم موجود تھی۔ خداداد صلاحیت کی بنیاد پر آپ اپنے معاصرین پر فائق و ممتاز رہے۔ آپ نے اپنی علمی و روحانی طاقت کو بروے کار لاکر دین وسنت کی تجدید کا ایک عظیم الشان کارنامہ انجام دیا اور اسی بنا پر اس صدی کے علما و مشائخ نے آپ کو قرن عاشر کا مجدد تسلیم کیا۔

تعلیم: علامہ ابن غانم مقدسی رحمۃ اللہ علیہ جب شعور کی عمر کو پہنچے تو شیخ شہاب الدین احمد بن علی بن حسن مقدسی کی بابرکت درس گاہ میں آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ اس درس گاہ فیض میں رہ کر آپ نے قرآن کریم مکمل حفظ کیا اور قراءت سبعہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ نے مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے قاضی القضاۃ محب الدین محمد بن ابراہیم سدیسی حنفی کی بارگاہ کا رخ کیا اور بڑی ہی تن دہی اور جانفشانی کے ساتھ کتب فقہیہ کا درس لینا شروع کیا۔ فقہ کے مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد احادیث مبارکہ کی تعلیم حضرت علامہ شہاب الدین احمد بن عبد العزیز معروف بہ ابن نجار سے حاصل کی۔ یہاں رہ کر آپ نے صحیحین، سنن اربعہ، معانی الآثار اور دیگر کتب حدیث کا درس لیا اور اس طرح جلد ہی آپ نے فراغت حاصل کرلی۔ آپ کے چند نامور اساتذہ و مشائخ درج ذیل ہیں:

(۱) شہاب الدین احمد بن یونس جلی معروف بہ ابن الشلبی۔ (۲) شہاب الدین احمد بن عبد العزیز معروف بہ ابن نجار۔ (۳) خاتم المحققین شیخ ناصر الدین طبلاوی۔ (۴) الشیخ الامام ناصر الدین اللقانی المالکی۔ (۵) الاستاذ العارف الکبیر ابو الحسن بکری۔ (۶) الشیخ شہاب الدین رملی۔ (۷) الشیخ شمس الدین محمد تونسی۔ (۸) الشیخ شمس الدین محمد بن شرف الدین سکندری۔ (۹) الشیخ قطب الدین عیسیٰ بن صفی الدین شیرازی معروف بہ صفوی۔ (خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر، ج:۳، ص:۱۸۱)

فن فقہ میں نمایاں مقام: یوں تو آپ ہر فن میں ماہر تھے مگر فقہ آپ کا خاص موضوع تھا۔ آپ فقہی جزئیات کے بڑے ماہر تھے اور مسائل کے استخراج واستنباط میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ جب درس گاہ میں بیٹھ کر آپ اپنے تلامذہ کو فقہ کا درس دیتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ فقہ کا بحر ناپیدا کنار جوش مار رہا ہے اور اپنے فیضان سے ایک عالم کو سیراب کر رہا ہے۔ یہ آپ کی تبحر علمی کا ہی نتیجہ ہے کہ آپ اپنے زمانے میں فقہ حنفی کی ایک مستند اور معتمد فقیہ تسلیم کیے جاتے تھے اور مرجع عوام و خواص تھے۔ آپ کی درس گاہ فیض سے کئی بے مثال اور عظیم المرتبت فقیہ پیدا ہوئے۔

آپ کے ممتاز تلامذہ:

(۱) عبد الرحیم بن محمد مفتی الدولۃ العثمانیہ۔ انھوں نے آپ سے تفسیر، حدیث اور ادب کی کتابیں پڑھیں۔

(۲) زین الدین بن زکریا غزی عامری۔ انھوں نے آپ سے تفسیر، حدیث، جفر، موالید، حساب اور ہندسہ کی تعلیم حاصل کی۔

(۳) حسن بن عمار ابو الاخلاص شرنبلالی۔ انھوں نے آپ سے فقہ کی جملہ کتب متداولہ کا درس لیا۔

(۴) احمد بن محمد بقاعی عرعانی۔ انھوں نے آپ سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔

(۵) احمد بن سراج الدین ملقب بہ شہاب الدین معروف بہ ابن صانع۔ انھوں نے داخل درس کئی کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔

(۶) احمد بن محمد بن شعبان عمری۔ انھوں نے فقہ، حدیث، تفسیر اور تاریخ وغیرہ کا درس لیا۔

آپ کی تصنیفات: جہاں آپ ایک بہترین مدرس اور مبلغ تھے وہیں ایک عمدہ قلم کار بھی تھے۔ آپ نے کئی موضوعات پر طبع آزمائی کی، چوں کہ آپ کا خاص موضوع فن فقہ تھا؛ اس لیے اس موضوع پر کئی شاہ کار کتابیں تصنیف کیں اور امت کی رہنمائی کر کے انھیں راہ راست دکھایا۔ آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

(١)الرمز فی شرح نظم الکنز .(٢) بغیة المرتاد فی تصحیح الضاد. (٣)حاشیة علی القاموس. (٤)نور الشمعة فی أحکام الجمعة.

ان میں "نور الشمعة فی احکام الجمعة" فقہ میں ایک بہترین اور معرکۃ الآرا تصنیف ہے، چناچہ اس کتاب کی مدح سرائی کرتے ہوئے علی بن امر اللہ الحنائی نے یہ شعر کہا:

لقد أنست عینای لمحة شمعة — توقد من مشکاة علم وایقان

جلا نورها الوضاح افق کماله — غیاهب شك کان لیل نقصان

شاہ محمد الفتاری نے اس پر یہ لکھا:

أضاعت خفیات العلوم بشمعة — توقد فی مشکاة علم واتقان

جلا نورها البادی بصبح کما لها — غیاهب شك کان فی لیل نقصان

(خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر، ج:۳، ص:۱۸۲)

علامہ ابن غانم رحمۃ اللہ علیہ علما و مشائخ کی نظر میں:

حضرت علامہ عصامی صلی اللہ نے کہا:

" هو شمس العلوم والمعارف ،بدر المفهوم واللطائف، قرة عین اصحاب أبی حنیفة، الراقی من معارج التحقیق" (البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، ج:۱، ص:۹۶۹)

علامہ خفاجی نے کہا: "امام اقتدت به علماء الامصارو تنزهت من فضائله فی حدائق ذات بهجة وانوار وأثمرت اغصان الاقلام فی حدائق فضائله وسالت فی بطاح المکارم بحار فواضله"

فالناس کلهم لسان واحد — یتلو الثناء علیه والدنیا فم

"وہ ایسے امام ہیں جن کی پورے ملک نے پیروی کی، ان کے فضائل سے بارونق اور پر نور باغیچوں میں سیر و تفریح کی، ان کے شمائل کے باغوں میں قلم کی ٹہنیاں بار آور ہوئیں اور ان کے مکارم و اخلاق کے میدان میں ان کے فضائل کے سمندر بہہ پڑے"۔ "سارے لوگ ایک ایسی زبان ہوگئے جو ان کی مدح و ثنا کرتی ہے اور دنیا اس کا منھ ہے"۔

آگے آپ نے مزید کہا: "ولو رآه النعمان لقال :هذا اخی وشقیقی ،أو الصاحب لقال :انت فی طرق البلاغت رفیقی"

"اگر نعمان بن ثابت انھیں دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو میرا حقیقی بھائی ہے اور اگر صاحبین دیکھتے تو کہتے کہ آپ راہ بلاغت میں

ہمارے ہم سفر ہیں"۔ (خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر، ج:۳،ص۱۸۲)

عبدالکریم بن سنان المنشی نے کہا: " علی الذات ، قدسی الصفات ،العقل الحادی عشر ،روح القدس فی صورة البشر ،درة مقدسية الصدف،من فاق شمس الأشراق فی الشرف ، صاحب أنفاس قدسية وفصاحة قسية ، نخبة عصره و عزيز مصره، له أخلاق أرق من نسمات السحر وألطف من نغمات الوتر،تجلى جيده بقلائد الفتوى وعقدت له بالقاهره عروس الفتوى"

"ان کی ذات بڑی عالی ہے،ان کے صفات قدسی ہیں،یہ گیارہویں صدی کے عقل ہیں،انسانی صورت میں جناب قدس کی روح ہیں،مقدسی صفات کے در نایاب ہیں،فضل وشرف میں مشرق کے آفتاب پر فائق ہیں،مقدس دل اور اعلیٰ بلاغت کے مالک ہیں،یکتائے روزگار اور عزیز مصر ہیں،ان کے اخلاق نسیم صبح سے زیادہ خوش گوار اور تانت کے نغموں سے زیادہ پر لطف ہیں،فتوے کی ہار سے ان کی گردن آراستہ ہے اور قاہرہ میں ان کے لیے فتوے کا تخت بچھایا جاتا ہے۔"(مصدر سابق،ج:۳،ص:۱۸۳)

علامہ عبدالرزاق مناوی نے کہا:

" حفيظا على المراقبة يقوم الليل فى عبادة رب العالمين و ينام النهار بعد التوقيع على أسئلة المسلمين و يبر الفقراء و يتحيل على كتمان امره و يفرق الذهب و يحافظ على ستره وكان يجتمع بالفقراء و يحبهم ويحبونه و يعرفهم و يعرفونه و يكرمه الحاضر والبادى"

"وہ مراقبہ کے نگہبان تھے۔اللہ رب العزت کی عبادت میں شب بیداری فرماتے تھے اور مسلمانوں کے سوالات پر دستخط کر کے دن میں کچھ سوتے تھے۔فقرا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور ان کے معاملہ کو چھپانے میں حیلہ و تدبیر سے کام لیتے تھے۔سونے کو علاحدہ رکھ کر اس کی حفاظت کرتے تھے۔فقرا کے ساتھ بیٹھتے اور ان سے محبتانہ رویہ اختیار کرتے اور فقرا بھی ان سے محبت کرتے تھے،فقرا کو پہچانتے اور وہ بھی آپ کو پہچانتے تھے اور ہر شہری اور دیہاتی آپ کی عزت کرتا تھا۔" (مصدر سابق،ج:۳،ص:۱۸۴)

حرمین وبیت المقدس کی زیارت: آپ نے پوری زندگی میں دو مرتبہ حج کیا اور تین مرتبہ بیت المقدس کی زیارت کی۔

وصال پر ملال: ۲۸/ جمادالآخرہ ۱۰۰۴ھ مطابق ۱۵۹۶ء کو سنیچر کی شب میں آپ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔جامع ازہر شریف میں آپ کی نماز جنازہ ہوئی اور بین القصرین مدفون ہوئے جو آج بھی زیارت گاہ عوام وخواص بنا ہوا ہے۔آپ کی وفات سے ۴۵/ دن قبل شیخ شمس الدین رملی شافعی ﷺ کی وفات ہوئی تھی؛لہذا قاہرہ کے ایک ادیب نے شمس الدین رملی اور آپ کی تاریخ وفات پر یہ شعر کہا:

لما قضى الرملى شيخ الورى	من كان يملى مذهب الشافعى
ثم تلاه المقدسى الذى	حاز علوم الصحب والتابعى
فقلت فى موتهما أرخا	مات أبو يوسف والرافعى
	۱۰۰۴

محمد اسلم آزاد، گڈا، جماعت: سابعہ Mo:8604951607

نام: علی بن سلطان محمد، کنیت: ابوالحسن اور لقب: نورالدین ہے، مگر ارباب علم و دانش اور اصحاب فضل و کمال کے درمیان "ملا علی قاری" کے نام سے معروف و مشہور ہیں۔

فن قراءت میں کمال و رسوخ حاصل ہونے کی وجہ سے آپ کو "قاری" اور جاے ولادت "ہرات" کی طرف نسبت کرتے ہوئے "ہروی" کہا جاتا ہے۔ اور مکہ مکرمہ میں عرصۂ دراز تک اقامت اختیار کرنے کی وجہ سے بہت سے تذکرہ نگار آپ کو "مکی" بھی لکھتے ہیں۔

ولادت: آپ کے تذکرہ نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ خراسان (موجودہ جمہوریہ افغانستان) کے ایک بڑے شہر "ہرات" میں پیدا ہوئے۔ لیکن تاریخ ولادت کے سلسلے میں سب خاموش نظر آتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق آپ کی پیدائش ۹۳۰ھ کے قریب ہوئی۔ (مقدمہ شرح نزہۃ النظر)

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے شہر "ہرات" کے علما سے حاصل کی، قران پاک حفظ کیا اور شیخ قاری معین الدین بن حافظ زین الدین ہروی کے پاس علم تجوید و قراءت میں مہارت حاصل کی۔

پھر جب پہلا صفوی رافضی بادشاہ سلطان بن حیدر معروف بہ "شاہ اسماعیل" "ہرات" پر قابض ہوا اور ظالمانہ طریقے سے مسلمانوں کو قتل کرنا اور شیعی امور کو فروغ دینا شروع کیا، حتیٰ کہ علما کو بر سر منبر خلفاے راشدین کو سب و شتم کرنے پر مجبور کرنے لگا تو ان حالات سے عاجز آکر بہت سے علماے کرام ترک وطن پر مجبور ہو گئے، انھیں مہاجرین میں حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ ایک اندازے کے مطابق ۹۵۲ھ کے بعد آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہاں آپ کو علماے مکہ سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا، ان کے علمی فیضان سے آپ خوب مالا مال ہوئے، یہ ہجرت آپ کی زندگی میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے؛ اس لیے کہ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران آپ کو ایک لمبی مدت تک علما و مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا، اس مدت میں پورے ذوق و شوق اور جدوجہد کے ساتھ حصول علم میں مصروف رہے۔ آپ کی محنت و کاوش رنگ لائی اور آپ کا شمار ممتاز علما میں ہونے لگا۔ (ملخصاً الامام علی القاری واثرہ فی علم الحدیث، ص: ۵۳، ۵۴۔)

اپنی کتاب میں اللہ کی اس نعمت پر شکریہ ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے علم دین کی توفیق عطا فرمائی اور دارالبدعت سے دیار سنت یعنی مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کرنے کی طاقت و قوت بخشی اور یہاں مجھے ثابت قدم فرمایا"۔(شم العوارض فی ذم الروافض.ص:۷ ناشر :مرکز الفرقان للدراسات الإسلامیہ محقق:مجید الخلیفہ سن اشاعت:١٤٢٥ھ)

اساتذہ: آپ کے سوانح نگاروں نے آپ کے ان اساتذہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے جن سے "ہرات" میں آپ نے تعلیم حاصل کی۔ہاں !خود آپ نے اپنے رسالہ "شم العوارض فی ذم الروافض" میں اپنے ایک استاذ شیخ معین الدین بن حافظ زین الدین کا تذکرہ کیا ہے،جن سے آپ نے علم تجوید و قراءت حاصل کیا۔اور مکہ مکرمہ میں جن اساتذہ و شیوخ سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہوا،ان میں علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی(م:۹۷۳ھ) محدث علی متقی ہندی صاحب "کنزالعمال"(م:۹۷۵ھ)،علامہ عطیہ سلمی شافعی(م:۹۸۲ھ)، محدث محمد سعید حنفی خراسانی(م:۹۸۳ھ) علامہ عبداللہ حنفی مکی(م:۹۸۴ھ) اور علامہ قطب الدین مکی(م:۹۹۰ھ) سر فہرست ہیں۔ان شیوخ میں سے تقریباً ہر ایک کا تذکرہ آپ نے "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح" میں مختلف مقامات پر کیا ہے۔

ورع وتقویٰ: حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ بڑے متقی ،زاہد اور دنیا سے بے رغبت عالم دین تھے۔آپ امراو حکام کی قربت،ان کے تحفے تحائف اور سرکاری منصب کو قبول کرنا اخلاص و تقویٰ کے لیے انتہائی ضرر رساں سمجھتے تھے۔اس سلسلے میں "تبعید العلماء عن تقریب الخلفاء" نامی رسالہ بھی آپ نے تصنیف فرمائی۔

آپ اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میرے والد پر رحم فرمائے !وہ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تمھیں عالم نہیں بنانا چاہتا؛اس لیے کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم امراو حکام کی گداگری نہ کرتے پھرو۔(الإمام علی القاری واثرہ فی علم الحدیث۔ص:۵۸۹)

آپ کا زمانہ چوں کہ ظالم و جابر اور فاسق وفاجر حکام کا زمانہ تھا،اس لیے آپ سرکاری منصب اور عطیات وغیرہ قبول کرنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔اس تعلق سے آپ تحریر فرماتے ہیں:

"اگر کوئی اعتراض کرے کہ حصول علم اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے والوں کو بھی تو گزارے بھر سازو سامان کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا اس کے لیے سرکاری وظیفہ لینا جائز ہے ؟اس کا جواب یہ ہے کہ لینا تو جائز ہے لیکن اس کی دو شرطیں ہیں:

اول: آدمی کا علم و عمل دونوں اللہ کے لیے ہو،وظیفہ صرف اس لیے لے تاکہ اس سے عبادت الٰہی میں مدد ملے۔ایک ہے وظیفہ حاصل کرنے کے لیے کچھ کرنا اور ایک ہے کچھ کرنے کے لیے وظیفہ لینا،دونوں میں بڑا فرق ہے۔

دوم: وظیفہ ایسے طریقے سے لیا جائے،جس طرح لینا جائز ہو۔یا پھر مجبور ہو تو اس کے لیے بقدر ضرورت لینا جائز ہوگا۔

(مرجع سابق)

آپ خالصتاً لوجہ اللہ طلب علم کے قائل تھے۔جو لوگ دنیاوی لالچ میں علم حاصل کرتے ہیں ان کو سخت تنبیہ فرماتے تھے۔ بقدر کفایت روزی پر اکتفا کرتے،آپ کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ ایک اچھے کاتب بھی تھے۔ہر سال اپنی خوبصورت تحریر

کے ساتھ قرآن پاک لکھتے تھے،اس کا جو ہدیہ ملتا وہی آپ کے گزارے کے لیے کافی ہوتا تھا۔چناں چہ "الإعلام" میں ہے:
"وہ اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے،ان کی تحریر بڑی خوبصورت تھی۔ ہر سال ایک مصحف لکھتے تھے اور اس پر اختلاف قرأت اور تفسیر کا حاشیہ ہوتا تھا۔اس سے جو پیسے ملتے وہ دوسرے سال تک ان کے خرچ کے لیے کافی ہوتے تھے۔
(الإعلام للزرکلی،ج:٥،ص:١٢،دار الملایین مطبوعہ ٢٠٠٢ء)

علمی مقام: حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو علمی دنیا میں بہت بلند مقام حاصل ہے۔آپ کو جملہ علوم رائجہ اور فنون متداولہ میں مہارت تامہ حاصل تھا۔مختلف موضوعات پر آپ کی قیمتی تصانیف آپ کے تبحر علمی پر شاہد ہیں۔اور اجلۂ علما و محدثین نے آپ کے تفوق و برتری کا اعتراف کیا ہے،اثبات مدعا کے طور پر چند مثالیں درج ذیل ہیں:
(۱)"خلاصة الاثر" کے مصنف محمد امین محبی رقم طراز ہیں:
"أحدصدور العلم ،فريد عصره الباهر السمت في التحقيق وتنقيح العبارات وشهرته كافية عن الإطراء في وصفه". (خلاصة الأثر في أعيان القرن الحادي عشر،ج:٣،ص:١٨٥،المكتبة الوهيبية.)
"وہ صدر العلما،یکتائے زمانہ اور بلند پایہ محقق و ناقد ہیں،ان کی شہرت ان کی تعریف و توصیف میں مبالغہ آرائی سے بے نیاز کر دیتی ہے۔"
پھر کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:
"واشتهر ذكره، وطارصيته، وألف التاليف الكثيرة، اللطيفه التأدية المحتوية على الفوائد الجليلة." (مرجع سابق)
وہ زمانے میں شہرت یافتہ ہیں ۔انھوں نے بہت ساری کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جو نہایت عمدہ ،نفع بخش اور عظیم فوائد پر مشتمل ہیں۔
(۲)عبد المالک عصامی نے "سمط النجوم العوالي في أبناء الأوائل والتوالي" میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:
"الجامع للعلوم العقلية والنقلية، والمتضلع من السنة النبوية، أحد جماهير الإعلام ومشاهير أولي الحفظ والإفهام" (سمط النجوم، ج:٤، ص:٤٠٤. وكذا في مختصر نشر النور، ص:٣٦٥، مطبوعه، ١٩٨٦ء)
وہ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ،عالم و عامل سنت نبویہ،امام اہل سنت و جماعت اور قابل ذکر صاحب فہم و فراست ہیں۔
(۳)علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے "رفع الترددفي عقدالأصابع عندالتشهد" میں آپ کو ان القاب سے یاد فرمایا ہے:
"خاتمة القراء، والفقهاء، والمحدثين، ونخبة المحققين والمدققين" (مجموعة الرسائل، ابن عابدين

شامی، الرسالۃ الخامسۃ، ص:۱۳۰، سہل اکیڈمی، لاہور، مطبوعہ، ۱۹۸۰ء)

(۴)شیخ عبداللہ مرداد" مختصر نشر النور "میں فرماتے ہیں:

"وهو من كبار المصنفين،وعظماء المؤلفين، كنز المحققين والحفاظ،ورئيس المدققين والوعاظ." (مختصر نشر النور، عالم المعرفه ،جده ،مطبوعه ۱٤۰٦ھ، ص:٣٦٦.)

وہ ایک بڑے مصنف، عظیم مؤلف، خزانۂ محققین وحفاظ حدیث اور دقیق بیں حضرات وواعظین کے سربراہ ہیں۔

(۵)شیخ عبدالحلیم نعمانی "البضاعة المزجاة" میں فرماتے ہیں:

" وفاق أقرانه ،وصار إماماً شهيراً،وعلامة كبيراً،نظاراً،متضلعاً فى كثير من العلوم العقلية والنقلية ،متمكناً بفن الحديث والتفسيروالقراءت والأصول والكلام والعربية وسائرعلوم اللسان والبلاغة مع الاتقان فى كل ذٰلك.والاحاطة بأسرارها، ومعرفة محاسنها وغوامضها، وتجر ير عو يصاتها وحل مشكلاتها. وارتقىٰ الىٰ رتبة الكملاء الىٰ الراسخين فى العلم ،واجتمع فيه من الكمال ما تضرب به الامثال". (البضاعة المزجاة ،ص:۳۰)

وہ اپنے ہم عصروں پر فائق ہیں مشہور امام ،علامہ کبیر ،دور بیں ،کثیر علوم عقلیہ ونقلیہ سے آراستہ ،علم حدیث تفسیر، قرأت، اصول، کلام، عربی ادب اور لسان وبلاغت کے تمام علوم پر قادر وماہر ہیں، ان کے اسرار ورموز سے واقف، ان کے محاسن وغوامض کے شناسا اور دشواریوں اور مشکلات کو حل کرنے والے ہیں۔ وہ کاملین اور راسخین فی العلم کے مرتبے پر فائز ہیں۔ ان کے اندر اس قدر فضل وکمال جمع ہو چکا ہے جو ضرب المثل ہے۔

آپ دسویں صدی کے مجدد ہیں: بہت سارے علما نے حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو دسویں صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔ چناں چہ علامہ عبدالحئی فرنگی محلی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

"من يطالع خلاصة الأثر في اعيان القرن الحادى عشر يتضح له أن الشيخ شهاب الدين الرملى وملاعلى القارى كانامن المجددين".

(مجموع الفتاوىٰ لعبد الحئ اللّكنوى. مطبع يوسفى لكهنؤ،ج:۱،ص:٦٧)

جو "خلاصة الأثرفى أعيان القرن الحادى عشر" کا مطالعہ کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ شیخ شہاب الدین رملی اور ملا علی قاری مجددین میں سے تھے۔

نیز "التعليقات السنية" میں فرماتے ہیں:

"وقد طالعت تصانيفه المذكوره كلها نفيسة فى بابها فريدة،وله غير ذلك من رسائل لا تعدّو لاتحصٰى ،وكلها مفيدة،بلغته الىٰ مرتبة المجددية على رأس الألف".

(التعليقات السنية بهامش الفوائدالبهية،ص:۱۰،مجلس بركات)

میں نے ان کی مذکورہ تصانیف کا مطالعہ کیا، ہر ایک اپنے موضوع پر عمدہ اور یکتا ہے۔ مذکورہ تصانیف کے علاوہ بھی ان کے بے شمار رسائل ہیں، وہ سب کے سب مفید ہیں، ان رسائل نے حضرت ملاعلی قاری کو، مجددیت کے مرتبے تک پہنچا دیا ہے۔

شیخ عبداللہ المرداد فرماتے ہیں:

"الحاصل أنه كان فريد عصره وأوانه، ولقدأقسم المحقق العلامة ابن عابدين أنه كان مجدد زمانه" (مختصر نشر النور، ص:۳۶۸، مطبوعہ عالم المعرفۃ، جدہ، ۱۹۸۶ء)

خلاصہ یہ ہے کہ وہ وحید عصر اور یکتائے روزگار ہیں، محقق علامہ ابن عابدین شامی نے یہ قسم کھائی ہے کہ وہ اپنے زمانے کے مجدد تھے۔

شیخ عبدالحلیم بن عبدالرحیم نعمانی فرماتے ہیں:

"ولاشك أنه من مجددی القرن العاشر، فإنه أحياعلوم التفسير، والقرأة، والحديث، والفقة وغيرها، بجمعهاوشرحهافی كتبه المشهورةالمقبولة".

(البضاعة المزجاة ص:۴۱،۴۰، بحواله الإمام علی القاری و اثره فی علم الحديث)

بلاشبہہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ دسویں صدی ہجری کے مجدد ہیں؛ اس لیے کہ انھوں نے تفسیر وقرأت اور حدیث وفقہ وغیرہ علوم وفنون کا احیا فرمایا کہ ان سب کو اپنی مشہور و مقبول تصنیفات میں جمع کیا اور ان کی بہترین توضیح وتشریح کی۔

اسی طرح خود ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "شم العوارض فی ذم الروافض" میں اپنے مجدد ہونے کا اشارہ فرمایا ہے۔ چناں چہ آپ فرماتے ہیں:

"وقد ثبت عنه ﷺ: "إن الله يبعث لهذه اللأمة على رأس كل مأة سنة من يجدد لها دينها". (رواه ابوداؤدوالحاكم والبهيقی)، فوالله العظيم رب النبی الكريم، إنی لوعرفت أحداأعلم منی بالكتاب والسنة من جهة مبناهما، أومن طريق معانيهما، لقصدت إليه، ولو حبواً بالوقوف لديه، وهٰذالاأقوله فخرابل تحدثاًبنعمة الله تعالىٰ وشكراً، واستزيد من ربی مايكون لی ذخراً".

(شم العوارض فی ذم الروافض. ص:۳۷)

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے اختتام پر ایسے شخص کو مبعوث فرماتا ہے جو اس کے دین کی تجدید کرتا ہے۔ (رواہ ابوداؤد و حاکم و بیہقی) اور نبی کریم ﷺ کے رب اللہ جل جلالہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی کتاب وسنت کا مجھ سے بڑا عالم ہے تو میں ضرور اس کی بارگاہ میں زانوے ادب تہ کرتا۔ یہ میں بطور فخر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے مزید کا خواہاں ہوں جو میرے لیے ذخیرۂ آخرت ہو۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہہ کر ان کی متابعت فرمائی ہے کہ ان کے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کے مجدد ہیں۔ یہ ان کے لیے کیا ہی زیبا ہے! صرف متعصب اور تباہ آدمی ہی اس کا منکر ہو سکتا ہے۔ (مجموعة

رسائل ابن عابدين، الرسالة الخامسة عشر، ١/٣٤٦، بحواله الإمام علي القاري و أثره في علم الحديث، ص: ٩٦)

تجدیدی خدمات: حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بدعات و منکرات کا سختی سے رد فرمایا کرتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا ہاتھ یا زبان سے ان کے سدباب کی بھرپور کوشش فرماتے۔ اس سلسلے میں عوام کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کرتے، ضرورت پڑتی تو علما کی سرزنش سے بھی نہ چوکتے تھے۔ اپنی کتابوں میں جگہ جگہ آپ نے جرأت مندی کے ساتھ بدعات و خرافات کی نشان دہی کرکے ان کا رد فرمایا ہے۔ طوالت کے خوف سے میں صرف ایک کتاب کے حوالے پر اکتفا کر رہا ہوں۔

"المسلك المتقسط في المنسك المتوسط" میں حج کی ادئیگی کے دوران ہونے والی خلاف شرع باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

(۱) "ایک بری بدعت یہ پیدا ہوگئی ہے کہ بہت سارے جہلا بیت اللہ شریف کا طواف شروع کرنے سے پہلے ملتزم سے چمٹ جاتے ہیں اور اسے چومتے ہیں، حالاں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ حجر اسود سے طواف شروع فرماتے تھے۔ لہٰذا حجر اسود کے علاوہ سے طواف کی ابتدا مناسب نہیں ہے"۔

(۲) "ایک دوسری بدعت یہ ہے کہ اس مبارک سرزمین میں قسم قسم کی زیب و زینت اور تیز خوشبوؤں سے معطر عورتوں کا مردوں سے اختلاط ہوتا ہے اور وہ مردوں کی مرکز توجہ بنتی ہیں۔ بسااوقات ان کا کوئی عضو بے پردہ ہوتا ہے، خاص طور سے ہاتھ اور پاؤں کھلے رہتے ہیں۔ اس حالت میں کبھی کبھی مرد کے جسم کا کوئی حصہ عورت کے بدن سے چھو جاتا ہے جس سے شوافع کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس طرح مرد و عورت دونوں کا طواف جاتا رہتا ہے"۔

(۳) "عبادات میں در آنے والی ایک خرابی یہ بھی ہے کہ کچھ لوگ اپنے خدام کے ساتھ طواف گاہ میں آجاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ دھکا مکی کرتے ہیں۔ خاص طور سے حجر اسود کی طرف متوجہ ہونے کے وقت ہر کوئی دوسرے سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، بہت سارے لوگ آگے والوں کو پیچھے ڈھکیل کر خود آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح انھیں نیکی کے بجائے گناہ ملتا ہے اور مفاد سے زیادہ نقصان ہوتا ہے"۔ (الإمام علي القاري و أثره في علم الحديث، ص: ٦١)

چند مشہور تلامذہ: حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں تصنیف و تالیف، وعظ و ارشاد اور دیگر طریقوں سے احیائے سنت کا فریضہ انجام دیا وہیں آپ نے اپنے شاگردوں کی ایک بڑی فوج بھی تیار کی۔ چناں چہ مکہ مکرمہ میں آپ کے خوان علم سے بے شمار تلامذہ نے خوشہ چینی کی اور اپنے اپنے زمانے میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ ان میں سے چند کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

(۱) عبدالقاہر طبری (م ۱۰۳۳ھ) امام حجاز، خطیب مکہ عبدالقادر بن محمد بن یحییٰ طبری، شافعی، مکی مختلف علوم و فنون میں ماہر تھے۔ اپنے ہم عصروں میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے۔ "الأصداف السنية في الأوصاف الحسينية"، "الآيات المقصورة على الأبيات المقصورة"، "حسن السريرة في حسن السيرة" اور ان کے علاوہ بہت ساری قیمتی کتابیں آپ نے تصنیف فرمائیں۔

(۲)عبدالرحمٰن مرشدی(م:۱۰۳۷ھ)علاّمہ قاضی عبدالرحمٰن بن عیسیٰ بن مرشد عمری،مرشدی، حجاز کے ایک مشہور عالم دین اور فقیہ ہیں۔آپ کی تصانیف میں"براعة الإستهلال فيمايتعلق بالشهر والهلال"،تأميم الفائدة بتتميم سورة المائدة"(تفسیر جلالین)،"صفوة الراح من مختار الصحاح"وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۳)محمد ابن فروخ موروی(م:۱۰۶۱ھ)فقیہ،علامہ محمد بن عبدالعظیم مکی مصلی احناف کے امام تھے اور مسجد حرام کے خطیب بھی تھے۔آپ نے فقہ حنفی میں متعدّد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔جن میں "القول الصديدفي بعض مسائل الإجتهاد والتقليد"اور"إعلام القاضي والداني بمشروعية تقبيل الركن اليماني"خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۴)سید معظم الحسینی بلخی۔ (۵)سلیمان بن صفی الدین الجانی۔

تصنیفات: حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے عظیم فقیہ،بہترین مفسر،عمدہ قاری،اور بے مثال متکلّم و محدث تھے۔حدیث،فقہ،توحید،تفسیر،قراءت و تجوید، فرائض،تراجم،ادب،لغت،نحواور مواعظ ونصائح وغیرہ موضوعات پر آپ کی تصنیفات نے اصلاح امت کاعظیم فریضہ انجام دیا۔ڈاکٹر خلیل احمد قوتلای کی تحقیق کے مطابق ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات ۱۴۸ر ہیں۔ہم یہاں ان میں چند کے تذکرے پر اکتفاکرتے ہیں:

(۱)مرقات المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح(۸،ضخیم جلدوں میں) (۲)الجمالين على الجلالين. (۳)الأثمار الجنية فى أسماءالحنفية. (٤)الأجوبة المحررة فى البيضة المنكرة. (٥) شرح شرح نخبة الفكر لإبن حجر. (٦) شرح المؤطابرواية الإمام محمد. (٧)شرح مسندالإمام أبي حنيفه. (٨)جمع الوسائل فى شرح الشمائل للإمام الترمذى. (٩)أدلة معتقدأبي حنيفة فى أبوة الرسول. (١٠)شرح رسالة ألفاظ الكفر. (١١)شرح الفقه الأكبر. (١٢)شم العوارض فى ذم الروافض. (١٣) الأحاديث القدسية الأربعينية. (١٤)الأدب فى رجب. (١٥)الأزهارالمنشورة فى الأحاديث المشهورة. (١٦)الأسرارالمرفوعة فى الأخبارالموضوعة. (١٧)أنوارالقرآن و أسرارالفرقان. (١٨) التبيان فى بيان ما فى ليلةالنصف من شعبان وليلة القدر من رمضان. (١٩) تطهيرالطوية بتحسين النية. (٢٠)الدرة الرضيةفى الزيارة المصطفوية (٢١)الزبدة فى شرح قصيدة البردة. (٢٢) شرح الهداية. (٢٣) مناقب الإمام الأعظم وأصحابه. (٢٤)نزهة الخاطر الفاتر فى ترجمة سيدى عبدالقادر. (٢٥)رسالة فى الرد علىٰ من ذم مذهب الإمام أبي حنيفه. (٢٦) شرح الشاطبية. (٢٧) شرح مغني اللبيب عن كتب الأعاريب.

وفات: آپ کاانتقال شوال ۱۰۱۴ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا۔خلاصۃ الاثر میں ہے:

"وكانت وفاته بمكة في شوال أربع عشرة وألف، ودفن بالمعلات."

☆☆☆☆

گیارہویں صدی
کے
مجدّدین
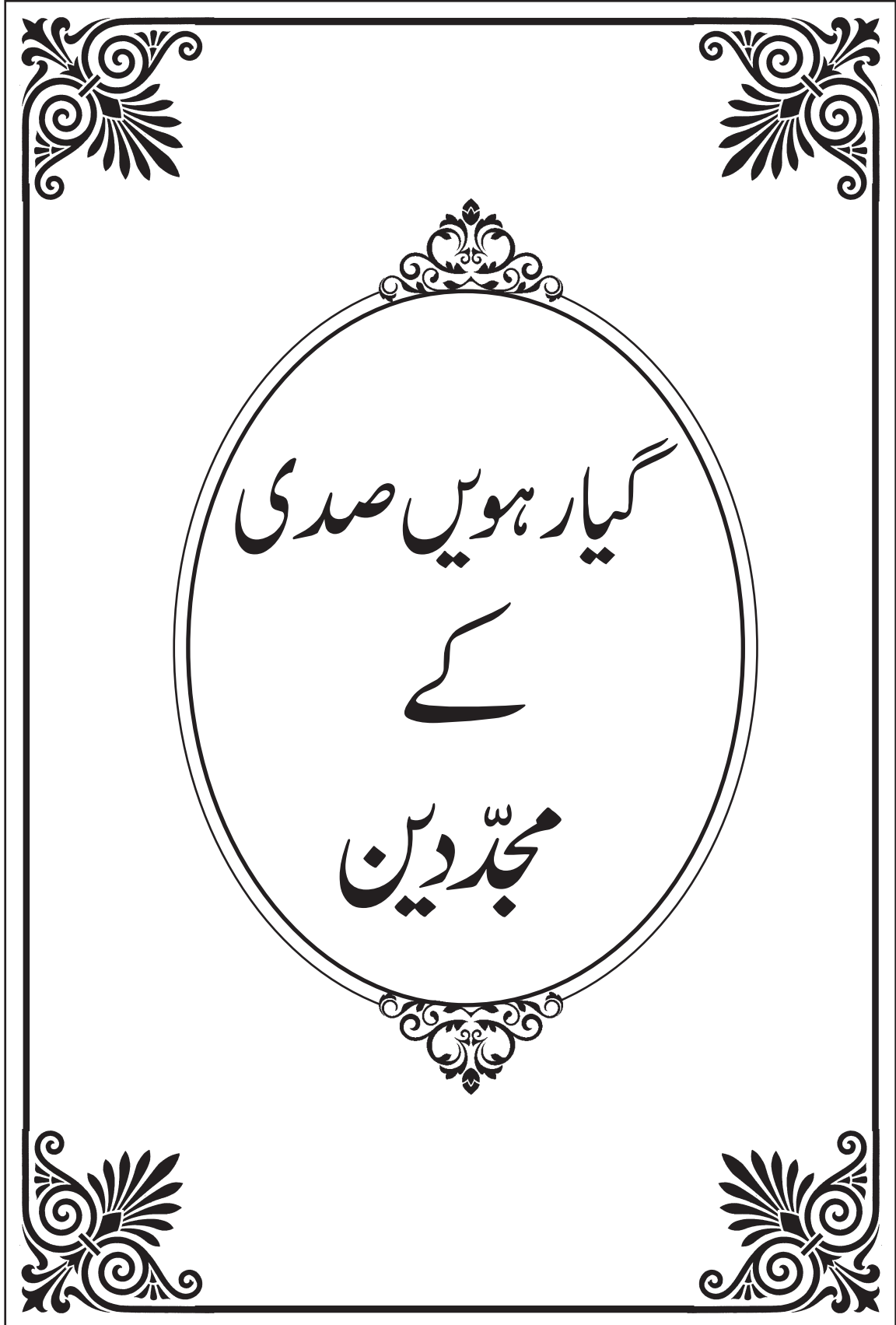
گیارہویں صدی کے مجددین

- ★ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت قاضی ملا محب اللہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ
- ★ حضرت شیخ کلیم اللہ چشتی جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ
- ★ شاہِ ہند حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ

محمد رضا نوری، مدھوبنی، جماعت خامسہ Mo: 8081767612

نام ونسب: آپ کا نام احمد، والد کا نام عبدالاحد ہے، آپ سرہند ضلع پٹیالہ، پنجاب میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش: ۱۴/ر شوال المکرم ۹۷۱ھ مطابق ۱۶/ر مئی ۱۵۶۴ء ہے۔ سرہند کا قدیم نام ''سہرند'' تھا، کثرت استعمال سے سرہند ہو گیا۔
حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نسب مبارک ۳۱/ر واسطوں سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

سلسلۂ نسب: حضرت شیخ احمد بن مخدوم عبدالاحد بن زین العابدین بن عبدالحی بن محمد بن حبیب اللہ بن امام رفیع الدین بن نصیر الدین بن سلیمان بن یوسف بن اسحاق بن عبداللہ بن شعیب بن احمد بن یوسف بن شہاب الدین علی فرخ شاہ بن نورالدین بن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ الواعظ الاصغر بن عبداللہ الواعظ الاکبر بن ابوالفتح بن اسحاق بن ابراہیم بن ناصر بن عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن حضرت عبداللہ بن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (مشائخ نقشبندیہ، مولانا نفیس احمد مصباحی، ص:۴۷۳، ناشر: کتب خانہ مینائیہ لکھنؤ، طبع اول: اکتوبر ۲۰۱۰ء)

خاندانی پس منظر: حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کے اجداد کا اصل وطن مدینہ طیبہ تھا، پھر ان کا خاندان وہاں سے منتقل ہو کر شہر کابل افغانستان میں سکونت پذیر ہوا، آپ کے جد سادس جن کا نام امام رفیع الدین تھا، کابل سے ہندوستان تشریف لائے، یہ آٹھویں صدی ہجری اور چودھویں صدی عیسویں کا زمانہ تھا اور فیروز شاہ کی حکومت تھی۔ شیخ رفیع الدین نے پہلے ''سنّام'' میں قیام فرمایا پھر سرہند میں سکونت اختیار کی۔

تحصیل علم: حضرت مجدد نے اوائل عمر میں ہی قرآن پاک پڑھ لیا، بقول خواجہ محمد ہاشم کشمی حفظ بھی فرمالیا اور پھر اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحد علیہ الرحمۃ سے بیش تر علوم عقلیہ ونقلیہ حاصل کیا، ان کے علاوہ دوسرے اساتذہ سے بھی استفادہ کیا، مثلاً مولانا کمال کشمیری علیہ الرحمۃ سے بعض مشکل کتابیں: عضدی وغیرہ پڑھیں، حضرت مولانا شیخ یعقوب کشمیری سے کتب حدیث پڑھیں اور سندلی، قاضی بہلول بدخشی علیہ الرحمۃ سے یہ کتابیں پڑھیں: تفسیر واحدی، تفسیر بسیط، تفسیر وسیط، اسباب النزول، تفسیر بیضاوی، منہاج الوصول، الغایت القصوی، بخاری شریف، ثلاثیات، الادب المفرد، افعال العباد، مشکاۃ المصابیح، شمائل ترمذی، جامع صغیر سیوطی اور قصیدہ بردہ شریف، شیخ بوسعید بوصیری۔

قاضی بہلول بدخشی نے حدیث مسلسل ''ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء'' کے ساتھ حضرت

مجدد کو مشکاۃ المصابیح کی اجازت مرحمت فرمائی، حصول اجازت کے بعد حضرت مجدد نے فرمایا: "یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے طبقۂ محدثین میں داخل کرلیا گیا ہے" (حوالہ سابق، ص:۴۷۸)

اکتساب فیض: حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو عارف باللہ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے شرف وارادت حاصل تھا، شیخ باقی باللہ ۱۰۰۸ھ میں نفلی حج کے ارادہ سے دہلی کے راستے سے جارہے تھے کہ وہیں آپ کی ان سے ملاقات ہوئی، تین ماہ تک حضرت کی بارگاہ سے اکتسابِ فیض کیا اور اسی درمیان شیخ نے حضرت مجدد کو خلافت واجازت سے نوازا۔

(ملخصا، مجدد الف ثانی، از پروفیسر محمد مسعود احمد، ص:۲۷ تا ۴۲ ،ادارہ مسعودیہ کراچی، اشاعت اول، طباعت:۱۹۹۵ء)

تصانیف: حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے رشحات قلم میں سب سے زیادہ جس تصنیف کو شہرت ملی وہ "مکتوبات امام ربانی" ہے جس کا ترجمہ عربی اردو دونوں زبان میں شائع ہو چکا ہے اس کے علاوہ مبدا و معاد، مکاشفات غیبیہ، معارف لدنیہ، آداب المریدین، اثبات النبوت، رسالہ در مسئلہ وحدت الوجود، رد الرفضہ، شرح رباعیات خواجہ بیرنگ، رسالہ مقصود الصالحین، رسالہ جذب وسلوک، رسالہ تہلیلیہ، اثبات وثبوت اور رسالہ در علم حدیث وغیرہ آپ کی یادگار تصانیف ہیں۔ (ایضاص:۱۹)

تجدیدی کارنامہ: حضرت امام ربانی صلی اللہ ایک مخلص داعی اور دردمند و پرسوز مبلغ تھے، آپ کا انداز دعوت و تبلیغ انتہائی حکیمانہ، ہمدردانہ اور مصلحانہ تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی دعوت کے مخاطب جہاں عام لوگ تھے وہیں حکمران وقت بھی تھے بلکہ وہ دور جس میں آپ نے اپنی دعوت اور اصلاحی مشن کا آغاز فرمایا، مختلف الانواع خرافات ورسومات کا مجموعہ تھا، دین خطرے میں تھا، دین دار افراد خطرے میں تھے، سب سے بڑھ کر خطرہ اس میں تھا کہ جو حق کی آواز بلند کرتا اس کے مال ہی نہیں اولاً جان کو ہی خطرہ تھا ایسے پر خطر ماحول میں آپ نے وہ اسلوب اپنایا جو مزاج دعوت واصلاح کے عین مطابق تھا، یہ اسلوب وانداز ایسا تیر بہدف ثابت ہوا کہ دنیا دیکھتی رہ گئی۔ پھر امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات وخدمات عالمی مبلغین کی صف میں اعلیٰ درجہ کی حق دار قرار پائیں، اور عالمی مفکرین نے ان کے انداز دعوت سے روشنی حاصل کی۔ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے دور میں اپنی اصلاحی وتبلیغی مشن کا آغاز فرمایا جس میں جلال الدین اکبر کی غیر اسلامی حرکتوں سے اسلام کا چمن خزاں رسیدہ ہو چکا تھا، مگر اس عالم میں حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی حکیمانہ دعوت وتبلیغ سے ایسا انقلاب برپا کیا کہ چشم فلک نے اس دور میں ویسا دوسرا انقلاب نہیں دیکھا اور جہاں گیر کے عہد میں اس انقلاب کا آفتاب سوا نیزے پر تھا۔

یہ خاموش انقلاب یوں ہی رونما نہیں ہوا، اس کے لیے بے پناہ قربانیاں دینی پڑیں، حضرت مجدد الف ثانی نے یہ انقلاب نہایت حکمت و دانائی سے بتدریج برپا کیا کہ پورا معاشرہ جو غیر اسلامی اور غیر شرعی افکار ونظریات کی آماج گاہ بن چکا تھا، وہ دھیرے دھیرے ان بدعات ومنکرات کی تاریکیوں سے نکل کر ملت بیضا کے اجالے کی طرف آنے لگا اور اسلامی احکام پر عمل پیرا ہو گیا، اس کے لیے حضرت مجدد کو بڑی مشقتیں جھیلنی پڑیں، تکالیف شاقہ اٹھائیں، گھربار چھوڑا، وطن سے بے وطن ہوئے، جبراً لشکر شاہی میں زندگی گزاری، قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، مگر ایک ظالم بادشاہ کے آگے سر نہ جھکایا، آپ تن تنہا تھے، مگر اکبر اور جہاں گیر کے پہلوان آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکے، بلکہ بادشاہ کا سر جو غرور سے چور تھا وہ ضرور جھکتا نظر آیا۔

حالات اکبری کا جائزہ: اکبری الحاد وبے دینی کا جائزہ لینے کے لیے ہم اکبر کی زندگی کو تین ادوار پر تقسیم کررہے ہیں۔

دور اول: اکبر کی زندگی کا دور اول تخت نشینی کے سال ۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء سے ۹۸۳ھ/۱۵۷۵ء تک ہے، اس دور میں اکبر دین دار سنی صحیح العقیدہ مسلمان نظر آتا ہے، اٹھارہ، بیس سال کی عمر تک اس کا یہ حال تھا کہ احکام شریعت کو باادب سنتا، جماعت سے نماز پڑھتا، مسجد میں جھاڑو لگاتا، علما و مشائخ کی نہایت تعظیم و توقیر کرتا، صوفیا اور صلحا کے گھروں اور آستانوں پر حاضری لگاتا، اکابر علما و مشائخ کی جوتیاں سیدھی کرتا، اس وقت امور سلطنت کی انجام دہی کے لیے علما، قاضی اور مفتی مقرر تھے۔ عام صحبت میں بھی اکثر خدا شناسی، معرفت شریعت اور طریقت کا ہی تذکرہ ہوتا اور رات میں علما و فضلا کا دربار میں اجتماع لگتا۔

دور دوم: عہد اکبری کا دوسرا دور ۹۸۳ھ/۱۵۷۵ء سے ۹۸۵ھ/۱۵۷۸ء تک ہے، اس دور میں ایک عمارت تعمیر کی گئی جس کا نام شیخ عبداللہ سرہندی نے "عبادت خانہ" رکھا، اسی عبادت خانہ کی سرگرمیوں سے اکبر کے دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے، اکبر کو اصولی و فروعی مسائل کا چسکا لگا ہوا تھا اس لیے عبادت خانہ میں ہر شبِ جمعہ علمی مجلس کا انعقاد ہوتا، جس میں ہر مکتبۂ فکر کے علما و دانش ور شریک مباحثہ ہوتے تھے، بادشاہ الطاف خسروانہ سے نوازتا، اسی مالی فیضان کے نتیجہ میں علما کے مابین بغض و حسد پیدا ہو گیا، اولاً علما کی نشستوں کے درمیان باہمی چپقلش شروع ہوئی، مالی فیضان کی حرص و طمع اور نشستوں پر تنازع وغیرہ کے سبب بادشاہ کے دل سے علما کا وقار ختم ہو گیا، مختلف فیہ مسائل پر حکیمانہ اور عالمانہ تبادلۂ خیال کے بجائے اس طرح لڑتے جھگڑتے گویا کہ ایک دوسرے کو کھا جائیں گے، آپس میں تیغ زبان کھینچ کر ایک دوسرے کو کافر و گمراہ کہنے لگے، ایک دوسرے کو مارنے کے لیے اپنی عصا اور چھڑیاں اٹھالیں، اس قسم کی بے ہودہ اور مذہب و اخلاق سے گری ہوئی باتوں کو دیکھ کر اکبر علما سے بدظن ہو گیا۔ پھر اکبر نے ماہ رجب ۹۸۷ھ/۱۵۷۹ء میں درباری علماے سو سے ایک محضر نامہ تیار کروایا جس کا مضمون یہ تھا:

"امام عادل مطلقاً مجتہد پر فضیلت رکھتا ہے، اور وہ اس بات کا مجاز ہے کہ مسئلہ مختلف فیہ میں روایت مرجوح کو ترجیح دے دے، معاملاتِ شرعیہ میں کسی کو اس کی رائے سے انکار کرنے کی گنجائش نہیں، کیوں کہ امام عادل معاملات کو مجتہدین سے زیادہ سمجھتا ہے، پس جو اس کی مخالفت کرے وہ دنیا و عقبیٰ میں مستوجب عذاب ہے، بلکہ امام عادل کو اس کا بھی اختیار رہے کہ کوئی حکم ایسا بھی اپنی طرف سے جاری کرے جو نص کے مخالف ہو، مگر اس میں خلائق کی رفاہت مد نظر ہو، اور امام عادل کے ایسے مسائل کی تعمیل سب پر واجب ہے"۔

اکبر کی اس بے راہ روی کو دیکھ کر قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی نے علی الاعلان فتویٰ دیا کہ بادشاہ بدمذہب ہو گیا ہے، لیکن اکبر نے ملا محمد یزدی، معزالملک، قطب الدین خان اور شہباز خان کو الگ الگ مقامات پر دریا میں ڈبو دیا اور باقی علما کو قید خانہ میں ڈال دیا۔

دوسرے دور کے اختتام تک اکبر اسلام سے بہت دور جا چکا تھا، مسلمان بھی نہیں تھا اور نہ کسی دوسرے مذہب کو اختیار کیا اور نہ کسی جدید دھرم کا اعلان کیا تھا۔

دور سوم: الحاد اکبری کا تیسرا دور ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء سے ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء تک ہے، اس دور کا آغاز "دین الٰہی" سے ہوتا ہے، اس مذہب نو کی بنیاد ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء میں رکھی گئی، یہ نظریہ توحید وجودی کی ایک غیر مبہم و غیر واضح شکل تھی جس میں مختلف ادیان و مذاہب کے معتقدات شامل تھے۔ درحقیقت یہ جینی، ہندو اور بدھ وغیرہ ادیان باطلہ کا معجون مرکب تھا، اور اس میں اسلام کے نظریۂ توحید کو برائے نام جگہ دی گئی تھی۔ اس تیسرے دور میں اکبر مکمل ملحد و گمراہ اور کافر نظر آتا ہے، شیخ مبارک

ناگوری، ابوالفیض فیضی اور شیخ تاج الدین وغیرہ نے آیات واحادیث کی من گڑھت تاویلیں کیں جن سے خود اکبر بھی حیران وششدر رہ گیا، اب ذیل میں الحاد اکبری (دین الٰہی) کے معتقدات کی اجمالی فہرست ہدیۂ قارئین ہے:

(۱) ملا عبد اللہ سلطان پوری نے حج کے اسقاط کا فتویٰ دیا (۲) ملا سعید نے داڑھیاں منڈوانے کے سلسلہ میں ایک حدیث گڑھی (۳) بادشاہ کے لیے سجدۂ تعظیمی کو جائز قرار دیا گیا (۴) لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ کلمہ پڑھنے کا حکم دیا گیا (۵) سود کو حلال قرار دیا گیا (۶) شراب کو حلال اور پاک قرار دیا گیا (۷) چار وقت آفتاب کی پرستش لازم قرار دی گئی (۸) مساجد کو مندروں میں تبدیل کر دیا گیا (۹) روزہ رکھنے کی ممانعت قرار دی گئی (۱۰) خنزیر کے گوشت کو جائز قرار دیا گیا (۱۱) ماتھے پر قشقہ لگانا، گلے میں زنار پہننا اور غسل جنابت نہ کرنا دین الٰہی کا شعار قرار دیا گیا۔ (ص:۴۶ تا ۴۷ ملخصاً، مجدد الف ثانی، از پروفیسر محمد مسعود احمد)

دین الٰہی کا انسداد: دور اکبری میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحی وتبلیغی سرگرمیاں خاموش طریقہ سے جاری رہیں، اور جب اکبر کی موت کے بعد ۲۱/اکتوبر ۱۶۰۵ء میں نور الدین محمد جہاں گیر "بادشاہ غازی" کے نام سے تخت نشیں ہوا تو حضرت مجدد بھی پوری تیاری اور عزم وحوصلہ کے ساتھ کھلم کھلا میدان عمل میں اتر پڑے۔ اس وقت آپ کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی، علم ظاہر وباطن میں کمال پیدا کر لیا تھا۔ چوں کہ اس وقت بے دینی اور بے راہ روی دربار سے شروع ہوئی تھی اور دین الٰہی کو شاہی سرپرستی حاصل تھی، اس لیے حضرت مجدد نے جہاں گیری دربار کے امرا، وزرا، اعیانِ سلطنت اور ارباب اقتدار ہی کو دین حق کی طرف مائل کرنے اور اکبری عہد کی بدعات وخرافات کو دور کرنے اور اسلام کے نقصان کی تلافی کے لیے آمادہ کیا، اسی مقصد خیر کے لیے تمام نام ور امرا کو مکتوب ارسال کیے، ان تمام مکتوبات کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ جس طرح ممکن ہو اس نقصان کی تلافی ہو جائے۔

اس میں شک نہیں کہ جہاں گیر راجا بہاری مل کی لڑکی سے پیدا ہوا اور راجا بھگوان داس کی لڑکی سے شادی کی اور اس کے علاوہ اس کی اور بھی ہندو بیویاں تھیں، لیکن وہ از اول تا آخر مسلمان تھا۔ وہ تمام حضرات جو بادشاہ کے سامنے لب کشائی کی جرأت کر سکتے تھے یا اسے کوئی بھی مشورہ دینے کی صلاحیت رکھتے تھے مثلاً سید صدر جہاں، خان جہاں اور شیخ فریدی بخاری کو آپ نے تفصیلی مکتوبات ارسال کیے، جن کا خلاصہ یہ تھا کہ حکومت میں انقلاب آ گیا ہے، دوسرے مذاہب کی دشمنی خاک میں مل چکی ہے، ایسے میں علماے کرام پر لازم ہے کہ اپنی تمام تر توجہ ترویجِ شریعت کی طرف مبذول کریں، خان جہاں کو مکتوب میں لکھا کہ جب کبھی بادشاہ سے ملاقات کریں اور وہ آپ کی بات سننے کی طرف متوجہ ہو تو کیا ہی اچھا ہو گا کہ صراحتاً یا کنایۃً معتقدات اہل سنت وجماعت کے مطابق کلمۂ حق اس کے کانوں تک پہنچائیں، شیخ فریدی بخاری کو لکھا کہ آپ تمام مواقع پر نظر رکھیں اور مسائل شرعیہ بیان کرتے رہیں تاکہ کوئی مبتدع اور گمراہ درمیان میں حائل ہو کر بادشاہ کو راہ راست سے نہ بہکائے، حضرت مجدد کی رہنمائی سے ان حضرات نے موقع ومحل دیکھ کر جہاں گیر کی ذہن سازی کی پھر ان تمام لوگوں کی اصلاحی اور تبلیغی مساعی جلیلہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ ایک دن وہ آیا کہ جب خود بادشاہ نے شیخ فریدی بخاری کو حکم دیا کہ امور شرعیہ میں مشورہ دینے کے لیے ایک مجلس قائم کی جائے، جب یہ خبر حضرت مجدد تک پہنچی تو آپ نے فوراً شیخ فریدی بخاری کو مکتوب ارسال فرمایا اور لکھا کہ ایسے دین دار علماے آخرت جو حب جاہ وریاست کے طالب نہ ہوں اور ترویج شریعت اور تائید ملت کے علاوہ کوئی مقصد نہ رکھتے ہوں اگرچہ تعداد میں بہت قلیل ہوں۔ اگر علماے سو ہوئے تو ترویج شریعت کے بجائے تخریب دین ہو جائے گا، اس لیے کہ خلائق کی رست گاری

اور فلاح وصلاح علماے حق کے وجود سے وابستہ ہے، علماے حق بہترین مخلوق ہیں، اسی طرح دنیا کا زیاں اور مخلوق کا بگاڑ و فساد علماے سو کے وجود سے وابستہ ہے، علماے سو بدترین مخلوق ہیں، ہدایت و گمرہی ان ہی دونوں پر موقوف ہے۔

(خلاصہ مکتوب دفتر اول، مکتوب نمبر ۴۷، ص:۹۷، مکتوبات امام ربانی، مترجم: مولانا سعید احمد نقش بندی، رضا اکیڈمی، ۲۰۰۶ء)

آگرہ کے علماے سو نے جب دین الٰہی کو خاک میں ملتا دیکھا تو دوبارہ سرگرم ہو گئے اور موقع پاتے ہی جہاں گیر بادشاہ کو اطلاع دی کہ سرہند کا ایک شیخ زادہ اپنے کو صدیق اکبر سے افضل سمجھتا ہے اور ایسے دعوے کرتا ہے جن سے کفر لازم آتا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خلائق میں مقبولیت اور اس سے حکومت کو پہنچنے والے خطرات سے بادشاہ کے کان بھرے، مخالفین وحاسدین کی یہ سازش کارگر ثابت ہوئی اور اس مسئلہ کو سیاسی رنگ دے دیا گیا۔ اس کے بعد جہاں گیر نے حاکم سرہند کی معرفت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو دربار میں طلب کیا، حضرت مجدد کو دربار شاہی میں حاضر کیا گیا، جہاں گیر نے اپنا اعتراض پیش کیا، حضرت مجدد نے مدلل ومفصل جواب دیا جس سے بادشاہ مطمئن ہو گیا اور اس کا عتاب جاتا رہا۔ اسی دوران ایک درباری نے بادشاہ سے کہا، حضور ظل اللہ اور خلیفۃ اللہ ہیں، اس نے سجدۂ تعظیمی تو کجا معمولی تواضع بھی نہیں بجالایا، اس بات پر بادشاہ خفا ہو گیا اور بالآخر ربیع الثانی ۱۰۱۸ھ میں حضرت مجدد کو قلعہ گوالیار میں اسیر کر دیا۔ آپ نے ایک سال سنت یوسفی ادا فرمائی، قلعہ گوالیار میں بھی دوران اسیری آپ دین الٰہی کی تردید اور دین اسلام کی دعوت وتبلیغ کرتے رہے، جس کے نتیجہ میں پورا قید خانہ کفر وشرک اور فسق وفجور سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا، یہ صورت حال دیکھ کر جہاں گیر نے آپ کو قید خانہ سے رہا کر دیا، آپ اس شرط پر رہا ہوئے کہ دین الٰہی کے تمام اصول کالعدم قرار دیے جائیں اور شریعت اسلامیہ کو عملاً نافذ کیا جائے، بادشاہ نے یہ شرط تسلیم کی اور آپ قلعہ گوالیار کی جیل سے باہر آئے۔ (ملخصًا، تذکرہ مشائخ عظام، ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، ص:۳۸۶ تا ۳۸۸، ناشر: المجمع الاسلامی)

مکّار صوفیوں کا استیصال: عہد اکبری میں تصوف وطریقت کے جو افکار ورسوم ہوا پرست صوفیوں نے وضع کر لیے تھے، جن میں فلسفۂ یونان، حکمت اشراق، عجمی وہندی تصورات کی ایسی آمیزش کر لی گئی تھی جس سے اسلامی تصوف کا کوئی واسطہ نہ تھا، جاہل صوفیا نے شریعت وطریقت کو الگ الگ خانوں میں بانٹ کر ایسا نظام رائج کر دیا تھا، جہاں دینی احکام اور شرعی نزاکتوں کا دور دور تک گذر نہ تھا، نام نہاد روحانیوں کا مسلک دین حق کے لئے سم قاتل تھا، حضرت مجدد نے اس جانب خاص توجہ فرمائی اور شریعت کی برتری کا احساس دلایا۔ اس زندیقی نظریہ تصوف وسلوک کی خامیوں سے لوگوں کو روشناس کر کے صحیح اسلامی فکر اور اسلامی تصوف کی راہ دکھائی جو شریعت سے ماورا نہیں بلکہ شریعت کی سراپا پابندی سے عبارت ہے۔

حضرت مجدد نے اپنی حکمت وبصیرت سے معلوم کر لیا کہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ صوفیاے طریقت وحقیقت کو شریعت سے بالاتر سمجھتے ہیں اور حقیقت کے نام پر گمراہی اور باطنی مسلک کو رائج کر رہے ہیں۔ آپ نے ان مفاسد کا رد فرمایا، لکھتے ہیں: منازل سلوک طے کرنے اور مقامات جذب قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ حاصل اور مقصد تمام سیر وسلوک سے یہ ہے کہ مقام اخلاص حاصل ہو جائے جو کہ تمام آفاقی اور انفسی معبودوں کی فنا پر منحصر ہے، شریعت کے تین اجزا ہیں، علم، عمل اور اخلاص، طریقت وحقیقت اخلاص کے خادم ہیں، یعنی طریقت وحقیقت کے جتنے منازل طے ہوں گے اسی قدر اخلاص میں قدم راسخ تر ہوتا جائے گا، اخروٹ اور کشمش جیسی معمولی اشیا پر اکتفا کیے ہوئے ہے، نہ وہ شریعت کے کمالات کو سمجھا ہے اور نہ

طریقت و حقیقت کی تہ تک پہنچا ہے، وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ شریعت چھلکا ہے اور حقیقت گودا، اس کو اصل کار کی خبر نہیں ہے، وہ صوفیا کی لایعنی باتوں پر فریفتہ اور احوال و مقامات پر مفتون ہو گیا ہے، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سیدھی راہ پر لگائے۔

(مکتوبات امام ربانی، ص:۱۳۳، مکتوب نمبر: ۴۰، مترجم)

صوفیا خام کی بے عملیوں کی تردید اس طرح فرمائی: یہ لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ پیر اس مقصد سے عبادت نہیں کرتا کہ وہ عبادت کا محتاج ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے متبعین اس کو دیکھ کر عبادت کریں۔(ایضاً، مکتوب نمبر: ۲۷۶)

خام صوفی ذکر و فکر کو اہم سمجھ بیٹھے ہیں، فرائض و سنن کی بجاآوری میں تساہلی سے کام لیتے ہیں، اور مغیبات اور ریاضیات کو اختیار کر کے جمعہ و جماعت چھوڑ تے ہیں، وہ یہ سمجھتے نہیں کہ ایک فرض کو جماعت سے ادا کرنا ان کے ہزار چلوں سے بہتر ہے۔ ہاں جو ذکر و فکر آداب شرعیہ کے ساتھ کیا جائے وہ بہتر شایان شان اہتمام رہتا ہے۔(ایضاً، مکتوب نمبر:۲۶۰)

آپ نے شیخ نظام تھانیسری کو تحریر فرمایا: معتبر افراد سے معلوم ہوا کہ آپ کے بعض خلفا کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں، وہ زمین بوسی پر اکتفا نہیں کرتے، اس فعل کی قباحت اظہر من الشمس ہے، آپ ان کو تاکید کے ساتھ منع کریں، اس فعل سے ہر ایک کو بچنا لازم ہے، اور خاص کر ایسے شخص کو جو خلق کا مقتدا ہو، آپ کی مبارک مجلس میں تصوف کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں، چاہیے کہ فقہ کی کتابیں پڑھی جائیں، فقہ کی کتابوں کا نہ پڑھنا احتمال ضرر رکھتا ہے۔(ایضاً: مکتوب نمبر:۲۲۹)

وفات: ۱۰۳۲ھ میں قیام اجمیر شریف کے دوران آپ نے فرمایا کہ سفر آخرت کے دن قریب ہیں، سرہند تشریف لانے کے بعد تمام دنیاوی تعلقات سے انقطاع کر لیا اور عزلت نشیں ہو گئے، بالآخر ۲۸/ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ سہ شنبہ بوقت چاشت جان جاں آفریں کے سپرد فرمائی، اس وقت عمر شریف ۶۳/ سال تھی، نماز جنازہ فرزند کلاں خواجہ سعید نے پڑھائی اور جسد مبارک حویلی کے صحن میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ روضۂ مبارک آج بھی مرجع خواص و عوام ہے۔(ملخصاً، تذکرۂ مشائخ عظام، ص:۳۸۸تا۳۸۹)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نوٹ: چوں کہ مجدد من جانب اللہ رأس مائۃ یعنی اختتام صدی پر مبعوث ہوتا ہے اس لیے مجدد کہنے میں بھی اختتام صدی کا لحاظ ہوگا، متقدمین و متأخرین محدثین عظام و فقہاے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے اسی اصول کا پاس و لحاظ کیا ہے، خود امام احمد رضا محقق بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "مقاصدِ حسنہ" میں جو مجددین کی مختصر فہرست پیش کی ہے اس میں بھی اسی اصول کا لحاظ رکھا ہے چناں چہ اعلیٰ حضرت ﷺ نے شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ – ۱۰۵۲ھ) کو دسویں صدی کا مجدد لکھا ہے۔ لہٰذا اصولی اعتبار سے حضرت مجدد الف ثانی دسویں صدی کے مجدد قرار پاتے ہیں، اس لیے آپ کا ذکر "دسویں صدی کے مجددین" کے باب میں ہونا چاہیے تھا۔ مگر چوں کہ "گیارہویں صدی کے مجدد" کی حیثیت سے آپ مشہور و متعارف ہیں اس لیے ہم نے آپ کے ذکر کو "گیارہویں صدی کے مجددین" کے باب میں عمداً اور تسامحاً رکھا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے اسی شمارے میں شامل مضمون "حدیثِ مجدد — ایک تجزیاتی مطالعہ" کا مطالعہ فرمائیں۔ (فیضان سرور، اورنگ آبادی)

معراج احمد مصباحی، نیپال، جماعت: تخصص فی الادب Mo:9956447451

گیارہویں صدی ہجری میں گہوارۂ علم وفن مصر میں مذہب مالکیہ کا ستارہ ٹمٹمارہا تھا اور اپنی تجدید کے لیے کسی مجدد کا بڑی شدت سے انتظار کر رہا تھا۔ اللہ رب العزت نے اس ٹمٹماتے ستارہ کو روشن کرنے کے لیے مجدد کی صورت میں امام محمد بن زرقانی کو اس عالمِ رنگ وبو میں بھیجا۔

نام والقاب: آپ کا پورا نام محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان زرقانی، مصری، ازہری، مالکی۔ کنیت ابو عبد اللہ اور لقب امام، محدث، علامہ، فقیہ، ماہر، اصولی، محقق، شرف العلما، مرجع المالکیہ، مجدد مذہب مالکیہ، خاتم المحدثین، اور خاتم الحفاظ ہے۔ مصر کے ایک گاؤں زرقان کی طرف نسبت کرتے ہوئے زرقانی سے مشہور ہوئے۔ (الاعلام للخیر الدین زرکلی، ج:۷، ص:۵۵ دار العلم للملایین، بیروت۔ فہرس الفہارس، عبد الحی کتانی، ج:۱، ص:۴۵۶، دار الغرب الاسلامی بیروت۔)

خاندانی پس منظر: آپ کا خاندان مصر میں علمی اعتبار سے بڑا مشہور تھا۔ آپ کے خاندان کا تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور احکامِ دین واصول شرع کی نشر واشاعت میں نمایاں کردار رہا۔ آپ کے خاندان کی طرح مصر میں دس خانوادے تھے جن کے درمیان تعلیم وتعلّم، درس وتدریس اور تربیت اطفال واولاد میں برابر مقابلہ آرائی ہوتی رہتی تھی۔ لیکن ان تمام خانوادوں میں آپ کا خاندان نہایت بلند اور ممتاز تھا۔

آپ کے والد عبد الباقی بن یوسف زرقانی علماے مصر میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ مصر کے چوٹی کے علما میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کی، ان میں شرح الجلیل علیٰ مختصر خلیل، شرح علی العزیہ اور شرح اللقانی کو خوب شہرت ملی علم حدیث میں آپ کافی درک رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک آپ باحیات رہے مذہب مالکیہ کے مرجع بنے رہے۔

ولادت وتعلیم: امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۵۵ھ مطابق ۱۶۴۵ء میں قاہرہ کی علمی سرزمین پر آنکھیں کھولیں۔ آپ کی پیشانی پر بلندی کا ستارہ بچپن ہی سے چمک رہا تھا اور ابتدا ہی سے علم وعلما کی جانب آپ کی طبیعت مائل تھی چنانچہ اولاً اپنے ہی گھر میں حفظ قرآن کیا۔ پھر علوم مروجہ ومتداولہ کی طرف توجہ کی اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام علوم وفنون کے مبادیات میں درک حاصل کرلی۔ مزید متون وشروح اور ہر فن کے ماخذ کی کتابوں سے استفادہ کے لیے جامع ازہر کا رخ کیا۔ وہاں کے نامور علما

ومشائخ کی بارگاہ میں زانوے ادب تہ کیا، اور عموماً تمام علوم اسلامیہ مروجہ اور خصوصاً علم حدیث میں مہارت تامہ حاصل کی۔ وہاں کے بڑے بڑے محدثین نے آپ کو سند اجازت مرحمت فرمائی۔

سند روایت: آپ کی روایت حدیث کی سند عبدالحی کتانی نے اس طرح ذکر کی ہے۔

"سمع حديث حديثا(الأولية)علی والده والنورعلی الشَبرامَلّسی بشرطهاكلاهماعن الأجهوري. وأخذها هوعن الفتح البيلوني الحلبي عن أحمدالشمال الحلبي وابراهيم ألر بعي الحلبي وابن ابی بكر العزازي عن مسند الحجاز محمد بن عمرفهدعن جده تقی الدين ابن فهد والمراغي والمرشدي بأسانيدهم. كما سمعها الزرقاني أيضاً عن الحافظ البابلي.

ان تمام لوگوں نے آپ کو اجازت حدیث سے نوازا اور اسی سند پر آپ کی روایت کا مدار ہے۔ آپ نے اجہوری کو پایا اور ان سے بھی روایت کی۔ (فہرس الفہارس، عبدالحی کتانی، ج:۱، ص:۴۵۶، ناشر: دارالغرب الاسلامی بیروت)

اساتذہ: آپ نے بے شمار نابغۂ روزگار علما، صلحا اور محققین کی صحبت اختیار کی اور ان سے اکتساب فیض کیا۔ آپ کے اساتذہ کے نام یہ ہیں:

(۱) علامہ عبدالباقی بن یوسف زرقانی مصری۔ (والد امام زرقانی، م:۱۰۹۹ھ)

(۲) امام ابوالضیاء نورالدین علی شَبرامَلسی شافعی۔ (م:۱۰۸۷ھ)

(۳) حافظ مصر شیخ محمد بن علاء الدین بابلی شافعی۔ (م:۱۰۷۷ھ)

(۴) علامہ شیخ محمد بن خلیل عجلونی دمشقی۔

(۵) شیخ جمال عبداللہ شبراوی۔

(۶) امام ابوالارشاد نورالدین علی بن محمد اجہوری مالکی۔

(۷) شیخ محمد زیتونیہ وغیرہم۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (شرح الزرقانی، ج:۱، ص:۸، ناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

تجدیدی کارنامے: آپ کے تجدیدی کارناموں میں آپ کی تصنیفات وشروحات اور بے مثال علما کی ٹیم تیار کرنا ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالحی کتانی فہرس الفہارس میں فرماتے ہیں: امام شہاب مرجانی نے وفیات الاسلاف میں آپ (زرقانی) کو گیارہویں صدی کا مجدد شمار کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں: آپ اس کے زیادہ لائق تھے کیونکہ آپ نے لوگوں کے لیے بے شمار تصنیفات وتالیفات اور علماے اعلام کی ایک لمبی جماعت تیار کردی۔ (مرجع سابق)

ہم پہلے آپ کے تلامذہ اور ان کے مختصر کارناموں کو ذکر کرتے ہیں پھر کتابوں کی فہرست اور اس پر علما کا تبصرہ بھی پیش کریں گے۔

تلامذہ: جب آپ کی علمی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور آپ کی خداداد صلاحیت کا چرچا مصر کے اکناف واطراف میں ہونے لگا تو ہر چہار جانب سے طلبہ آپ کی خدمت میں حصول علم کے لیے آنے لگے، یہاں تک کہ آپ کی درس گاہ علم وتحقیق کا محور ومرکز بن گئی، جس کے نتیجہ میں آپ کی درس گاہ سے بڑے بڑے فضلاے وقت اور محققین زمانہ فارغ ہوے، جنھوں نے دینِ متین کی بے لوث خدمت کے ساتھ آپ کا نام بھی روشن کیا اور آنے والی نسل کے لیے مشعل راہ ثابت ہوے۔ آپ کے کچھ مشہور تلامذہ یہ ہیں۔

(۱) علامہ سید محمد بن محمد بن محمد اندلسی۔

(۲) علامہ جمال عبداللہ بن محمد بن محمد شبراوی صاحب الثبت۔ امام جبرتی نے کہا کہ آپ فقیہ، محدث، اصولی، متکلّم، اور ماہر شاعر وادیب تھے۔

(۳) شیخ محمد زیتون تونسی، مالکی صاحب مطالع السعود۔

(۴) جوہری۔ (۵) سقاط۔ (۶) عثماوی وغیرہم۔ (www.habous.gov.ma.com)

شروحات ومختصرات: آپ نے مستقل کتاب لکھنے کی بجائے زیادہ تر مطولات کا اختصار اور مختصرات کے شروحات لکھیں۔ اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

(۱) **شرح موطا امام مالک:** اس کو عمر رضا کحالہ نے "أبهج المسالك بشرح مؤطا الإمام مالك" سے موسوم کیا ہے۔ (معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ، ج:۱۰، ص:۱۲۴، داراحیاء التراث، بیروت) امام مالک کی جمع کردہ مشہور ترین اور فن حدیث میں معتبر کتاب موطا امام مالک جامع ازہر کے اساتذہ وطلبہ کے زیر مطالعہ تھی، اس وقت اس کی شرحیں کم یاب تھیں اور جو شروح موجود تھیں وہ طویل بحثوں پر مشتمل تھیں۔ اس لیے اکثر اساتذہ وطلبہ اس سے استفادہ سے گریز کرتے تھے۔ آپ نے ان مشکلات کا احساس کیا اور نئے طرز پر ایک متوسط شرح لکھنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۱۰۹ھ کو لکھنے کا آغاز فرمادیا، یہاں تک کہ ۱۰؍ ذوالحجہ ۱۱۱۲ھ کو موطا کی ایک متوسط شرح لکھ کر علماے ازہر کے سامنے پیش کیا۔ آپ کی اس شرح کو طلبہ واساتذہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے عالم میں اس کی شہرت ہوگئی۔ (مختصر المقاصد الحسنہ، امام زرقانی، ص:۲۷، المکتب الاسلامی۔)

آپ کی اس شرح کی اس قدر بے پناہ مقبولیت کا سبب یہ تھا کہ آپ نے اپنی شرح کے شروع میں ہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر مگر جامع سوانح حیات لکھی۔ اور اہل علم کے نزدیک موطا کے مقام ومرتبہ، اور اہمیت وافادیت پر بھرپور روشنی ڈالی۔ نیز قدیم طرز کے بجائے جدید طرز پر بڑے اہتمام کے ساتھ غریب الفاظ کی تفسیر وتوضیح کرکے معتمد ومستند، لغت ومعاجم سے کتاب کے تمام الفاظ کی شرح کے ساتھ ہی اعراب کا بھی اہتمام کیا۔ شرح کی ترتیب میں متن کو ہی اصل بنایا اور اسی کے مطابق اس کی شرح کی، شرح میں مسائل فقہیہ کو بیان کرنے کے بعد علما کے اختلافات کو ان کی دلیلوں کے ساتھ واضح کیا، ساتھ ہی مذہب مالکیہ کی فوقیت وبرتری اور ترجیح کو بڑے حسین انداز میں پیش کیا۔ مذہب مالکیہ پر ہونے والے تمام اعتراضات کا مکمل، مدلل اور مفصل جواب دیا۔ امام مالک کے مذہب کو جن لوگوں نے اختیار کیا، ان کے ناموں کے ساتھ ان کا ذکر بھی کیا اور احادیث

کی تخریج میں صحاح ستہ کا التزام کیا۔ خاص کر آپ نے ان احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی جن میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر متعارض حدیثوں کے درمیان علماے سابقین کے اقوال و افعال سے تطبیق دی اور علماے سابقین کے اقوال نہ مل سکے تو اپنے خداداد علمی اجتہاد و استنباط سے اس کا خوب صورت جواب دیا۔

ان تمام خصوصیات کی بنا پر یہ شرح ایسی نفع بخش اور علما کے نزدیک معتمد و مستند ثابت ہوئی کہ دیگر تمام شرحوں سے بے نیاز کر دیا۔(www.almarkaz.ma.com)

(۲) شرح مواہب اللدنیہ: اس کو کحالہ نے "إشراق مصابيح السير المحمدية بمزج أسرار المواهب اللدنية" سے موسوم کیا ہے۔ (معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ، ج:۱۰، ص:۱۲۴، ناشر: داراحیاء التراث، بیروت) مواہب اللدنیہ امام احمد بن محمد قسطلانی (۹۲۳ھ) کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے۔ اس میں آپ نے حضور ﷺ کے خصائص و محامد پر مشتمل احادیث کو مرتب کیا ہے۔ اسی کی شرح امام زرقانی نے ۱۲/ ضخیم جلدوں میں کی ہے آپ نے حضور ﷺ کے خصائص اور اوصاف و کمالات کے سلسلہ میں مروی اکثر احادیث کو نقل کر دیا۔ ادب بارگاہ مصطفیٰ ﷺ کو ملحوظ رکھتے ہوے اس پر پُرزور تبصرہ بھی کیا، یہی وجہ ہے کہ سیرت کے باب میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ امام زرقانی خود اس کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:
اس کتاب میں جو بھی ہے وہ اللہ رب العزت کی جانب سے عطا کردہ ہے۔ اللہ کی عطا سے جو بھی ہمارے دل میں حضور کے خصائص و کمالات کا خیال گزرا، ان میں سے ہم نے نفیس، عمدہ اور سب سے بہتر جواہر پاروں کو اس میں رکھ دیا، جب قاری اسے پڑھے گا تو اس کی ترتیب اور انداز پیش کش سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی اور پکار اٹھے گا کہ اس طرح کے الہامات اس بندۂ پُرتقصیر کو کہاں سے حاصل ہوئے؟ تو زبان حال کہے گی وہّاب، طاقتور، اور قادر و قیوم کی جانب سے۔ (مختصر المقاصد الحسنہ، امام زرقانی، ص:۲۸/ ۲۹، المکتب الاسلامی۔)

آپ بارہویں جلد کے آخر میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے حقیر، عاجز اور کمزور بندے کو طویل مدت کے بعد ظہر و عصر کے درمیان اتوار کے دن ۱۳/ جمادی الآخرہ ۱۱۰۷ھ کو اس شرح کی تکمیل کی توفیق بخشی۔ (مرجع سابق)

الہامی ہیرے موتی اور منفرد المثال خصائص کی بنیاد پر یہ کتاب آپ کی زندگی میں ہی کئی بار شائع ہو کر داد و تحسین حاصل کر چکی تھی۔ چنانچہ آپ خود کتاب کے خاتمہ میں فرماتے ہیں: اللہ کے فضل و احسان سے ابھی نصف کتاب بھی نہیں لکھی گئی تھی کہ اس کی شہرت مشرق و مغرب میں ہو گئی اور اس کے بے شمار نسخے شائع ہوئے۔ (مرجع سابق)

(۳) شرح البیقونیہ: اس کا پورا نام کحالہ نے "شرح المنظومة البيقونية فى مصطلح الحديث" ذکر کیا ہے۔
(معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ، ج:۱۰، ص:۱۲۴، ناشر: داراحیاء التراث، بیروت)

المنظومۃ البیقونیہ امام بیقونی، دمشقی شافعی کی اصطلاح حدیث میں مشہور کتاب ہے آپ نے اس میں علم حدیث کے متعدّد اصطلاحات کو نظم کی صورت میں پیش کیا ہے۔ یہ کتاب چونکہ نہایت پیچیدہ گنجلک اور فہم میں نہایت دشوار تھی، اس لیے مصر کے متعدّد علمانے اس کی شرح کی۔ امام زرقانی نے ان تمام شروح کو پیش نظر رکھ کر سب کا نچوڑ اور خلاصہ شرح البیقونیہ کے نام

سے لکھی جو سلاست اسلوب، جودتِ کلمات اور شرح انیق کے سبب مقبولِ عام وخاص ہوئی۔

(۴)مختصر المقاصد الحسنۃ: اس کا پورا نام عمر رضا کحالہ نے "مختصر المقاصد الحسنة فی الأحادیث المشتهرة علی الألسنة" لکھا ہے۔ مقاصد الحسنہ میں مذکور احادیث سے آپ نے مشہور و معروف اور زبان زدِ خاص وعام احادیث کو منتخب کیا جیسا کہ کتاب کے نام سے آشکار ہے۔ مقاصد حسنہ سے استفادہ کرنا عام لوگوں کے بس کی بات نہ تھی؛ اس لیے جہاں دیگر علمانے اس کی تلخیص کی کوشش کی وہیں امام زرقانی نے بھی اس کے دو مختصرات صغیر وکبیر کے نام سے کیے، جن سے عوام کے لیے بھی فائدہ حاصل کرنا آسان ہوگیا۔ علامہ کتانی لکھتے ہیں: امام زرقانی کے شرح مقاصد الحسنہ کی صغیر وکبیر دو مختصرات ہیں اور یہ دونوں متداول اور رائج ہیں۔ (مختصر المقاصد الحسنہ، امام زرقانی، ص:۲۹، ناشر: المکتب الاسلامی)

(۵)وصول الأمانی فی الحدیث:

(٦)مختصر الخصال الموجبة للظلال للسخاوي:

(۷)**ثبت صغیر:** اس میں آپ نے امام بابلی اور شبراملسی سے روایت کی ہے۔

امام زرقانی علما کی نظر میں: علماے وقت نے آپ کی خدمات اور جلالت علمی کا برملا اعتراف کیا اور آپ کو مختلف القابات سے یاد کیا۔

(۱)امام جبروتی فرماتے ہیں: امام زرقانی دیگر علوم متداولہ میں مہارت کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں خاتم المحدثین تھے۔ (فہرس الفہارس، عبدالحی کتانی، ج:۱، ص:۴۵۶، ناشر: دارالغرب الاسلامی، بیروت)

(۲)علامہ مرادی لکھتے ہیں: امام زرقانی امام، ناسک، ماہر، فقیہ اور علامہ وقت تھے۔

(سلک الدرر، محمد خلیل بن علی مرادی، ج:۲، ح:۴، ص:۳۲، بیروت)

(۳)علامہ محمد مخلوف مالکی نے کہا: آپ امام، فقیہ، فہامہ، متفنن، محدث اور علماے عاملین وائمہ مجتہدین کا نمونہ تھے۔

(www.azahera.net)

(۴)علامہ شبراوی نے آپ کو خاتم الحفاظ، اور امام شہاب مرجانی نے "وفیات الاسلاف" میں گیارہویں صدی کا مجدد کہا۔ (فہرس الفہارس، عبدالحی کتانی، ج:۱، ص:۴۵۶، ناشر: دارالغرب الاسلامی، بیروت)

(۵)امام عبدالحی کتانی فرماتے ہیں: امام زرقانی کی علمی خدمات اور شاہکار آثار آپ کے مجدد و متبحر ہونے پر شاہدِ عدل ہیں۔ (مرجع سابق)

وفات: مذہب مالکیہ کا یہ چمکتا ہوا سورج ۱۱۲۲ھ مطابق ۱۷۱۰ء کو قاہرہ میں غروب ہوگیا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ (الاعلام، خیر الدین زرکلی، ج:۷، ص:۵۵، ناشر: دارالعلم للملایین، بیروت)

☆☆☆☆

محمد سراج عالم، سہرسہ، جماعت: سابعہ Mo:7272856961

بر صغیر ہند و پاک کی وہ عظیم ہستیاں جن کے تابندہ نقوش کی وجہ سے گیارہویں صدی ہجری کا شجرا سلام سر سبز نظر آتا ہے، ان میں ایک نام حضرت علامہ قاضی ملا محب اللہ بہاری ﷺ کا ہے۔ آپ اپنے وقت کے مایہ ناز عالم دین، بلند پایہ محقق، صاحب طرز مصنف، دیدہ ور منطقی وفقیہ اور گیارہویں صدی ہجری کے عظیم مجدد ہیں۔ آپ کا نام محب اللہ، والد گرامی کا نام عبد الشکور، سرزمین ہند کے مشرقی صوبہ بہار کی جانب نسبت کرتے ہوئے آپ کو "بہاری" کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کے نام کے ساتھ " عثمانی وصدیقی "کا اضافہ کیا ہے، جب کہ متاخرین و متقدمین میں سے کسی نے اس کی پیروی نہیں کی ہے۔

ولادت باسعادت: آپ کے سن ولادت کا تذکرہ کسی مورخ نے نہیں کیا ہے، البتہ تواریخ کی کتابوں میں اتنا ضرور ملتا ہے کہ آپ نے صوبہ بہار کے "کڑا" نامی گاؤں پرگنہ "محب علی پور" کے ایک معزز اور شریف خاندان " ملک " میں آنکھیں کھولی۔ یہ خاندان اس دور میں علم وآگہی اور تہذیب وثقافت کے اعلی معیار پر فائز تھا اور شاہی دربار میں بھی اسے نمایاں شان وشوکت اور عزت وعظمت حاصل تھی۔ (حدائق الحنفیہ، ص:۴۵، ناشر: المزان، ۲۰۰۵ء)

تحصیل علوم: چونکہ آپ کی ولادت علمی ماحول میں ہوئی تھی اس لیے عنفوان شباب میں ہی دیار پورب کی سیر وسیاحت فرمائی، حصول علم کی خاطر متعدّد علمی مراکز کا سفر کیا اور اس وقت کے جیّد علمائے کرام کے سامنے زانوے ادب تہ کر کے حضرت علامہ شیخ قطب الدین بن عبد الحلیم وغیرہ سے ابتدائی و وسطی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد شمس آباد قنوج پہنچے جہاں حضرت علامہ سید قطب الدین حسینی شمس آبادی کے خوشہ چینوں مین شامل ہو کر جملہ علوم مروّجہ کی تکمیل فرمائی، مزید علمی تشنگی بجھانے کے لیے حضرت ملا ابوالواعظ بن صدر الدین (جو کہ فتاویٰ عالم گیری کے مولفین میں سے ایک ہیں) کے درس میں شامل ہونا چاہتے تھے، مگر وقت کی قلت کی وجہ سے آپ کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی، مگر بھلا اس علم کے تشنہ لب کو کہاں چین ملتا بالآخر سہالی کی جانب رخت سفر باندھا اور ملا قطب الدین شہید کے شاگردوں میں شامل ہو کر علم وفضل کے گوہر لوٹنے لگے اور اپنے وقت کے فائق الاقران ثابت ہوئے۔ (ایضًا/ سبحۃ المرجان، از: مولانا سید غلام آزاد بلگرامی، ص:۱۹۸، ناشر: معہد الدراسات الاسلامیہ جامعہ علی گڑھ الہند)

حضرت علامہ موصوف کو جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں درک کمال حاصل تھا۔ آپ کی تصانیف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ جہاں فن منطق کے رازی وغزالی ہیں وہیں فلسہ وکلام کے ابوعلی سینا ہیں۔ لیکن وہ فن جسے نہ صرف آپ نے پڑھا بلکہ اس کی تہ تک رسائی حاصل کی اور اس کے نکات ودقائق کی اس طرح چھان بین کی کہ اس علم کا کوئی حصہ پردۂ خفا میں نہ رہ سکا، وہ فقہ واصول فقہ ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف خود مصنف نے تحدیث نعمت کے طور پر مسلم الثبوت کے دیباچہ میں کیا ہے۔ ”وكنت صرفت بعض عمري الى تحصيل مطالبه ووكلت نظري الى تحقيق مآربه فلم يحتجب عنّي حقيقة ولم يخف عليّ دقيقة .“ ترجمہ: میں نے اپنی زندگی کا بعض حصہ اس کے مطالب ومفاہم کی تحصیل میں صرف کردیا اور اس کے مقاصد کی تحقیق میں اپنی پوری توجہ لگادی یہاں تک کہ کوئی حقیقت ہم سے پوشیدہ نہ رہ سکی اور نہ ہی اس کی کوئی باریکی ہم پر چھپی رہی۔ (مسلم الثبوت: ص:۵، ناشر: المکتبۃ الحقانیہ، پشاور پاکستان)

اور بھلا اس شخص پر اس فن کی حقیقت کیسے مخفی رہ سکتی ہے جس نے اس فن کے جملہ اصول وفروع کو دیکھا ہو، اس کے دقائق ولطائف کو چھانا ہو اور جسے اس کی عمیق گہرائی تک رسائی حاصل ہو۔ مولانا آزاد بلگرامی نے اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا ہے: ”والقاضي هوبحر من والعلوم وبدر من النجوم.“ یعنی (حضرت علامہ) قاضی علم کے سمندر اور (معاصرین کے مابین ایسے ممتاز تھے جیسے) بدر کامل ستاروں کے مابین ہوتا ہے۔ (سبحۃ المرجان، ص:۱۹۸ ناشر: ایضا)

دربار شاہی میں پذیرائی: حضرت علامہ موصوف کو اپنی جلالت علمی اور معرکۃ الآراء تصانیف کی وجہ سے جہاں معاصرین علمائے کرام میں درجۂ کمال حاصل تھا وہیں شاہی دربار میں بھی ایک امتیازی پذیرائی اور قدر ومنزلت حاصل تھی۔ چنانچہ جب ملا موصوف نے تحصیل علوم سے فراغت کے بعد دکن کی جانب رخت سفر باندھ کر دربار عالم گیری میں شرف باریابی حاصل کی تو سلطان عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو لکھنؤ کے منصب قضاء پر فائز فرمایا مگر چند دنوں بعد ہی اس سے معزول ہوگئے، پھر دوبارہ دکن کا رخ کیا اور حیدرآباد کے عہدۂ قضاء پر فائز ہوئے لیکن کسی خاص سبب سے معتوب ہوکر یہاں سے بھی معزول ہوگئے، یہ خبر جب اراکین دولت کے کانوں میں پہنچی تو انہیں علامہ موصوف کی دیرینہ محبت نے بیتاب کردیا، چنانچہ انہوں نے سلطان عالم گیر کو علامہ موصوف کی علمی جلالت اور شان شوکت یاد دلاکر شفارش کی جس کی وجہ سے سلطان عالم گیر نے عفو ودرگزر فرماکر اپنے پوتے رفیع القدر بن شاہ عالم محمد معظم کی تعلیمی ذمہ داری ان کے سپرد کردی، پھر جب عالم گیر نے اپنے شہزادے محمد معظم ملقب بشاہ عالم کو کابل کی گورنری کا عہدہ سونپا تو تعلیمی سلسلہ بند ہوجانے کے خوف سے علامہ موصوف بھی شہزادہ ابن معظم کے ساتھ کابل پہنچے، لیکن ۱۱۱۸ھ میں سلطان عالم گیر کے وفات کی جاں گداز خبر نے شاہ عالم کو ہندوستان واپس آنے پر مجبور کردیا، چنانچہ جب شاہ عالم سلطنت مغلیہ کے فرماروائے اعظم اور شہنشاہ مطلق ہوکر ہندوستان واپس ہوئے تو سلطان شاہ عالم نے اپنے فرزند ارجمند کے استاذ زمن کی خوب قدر ومنزلت اور آہ وبھگت کی اور ”صدارت مجموعہ ممالک ہندوستان“ جیسے عظیم منصب پر فائز فرمایا جو اس وقت ہندوستان میں ”شیخ الاسلامی“ کے عہدہ کے مرادف تھا اور مزید اعزاز واکرام سے نوازاتے ہوئے ”فاضل خاں“ کے لقب سے ملقب فرمایا۔ (حدائق الحنفیہ/عربی زبان وادب عہد مغلیہ میں، از: ڈاکٹر شبیر احمد، ص: ۲۶۲، ناشر: دانش محل لکھنؤ)۔

فواتح الرحموت میں ہے:

"ولی قضاء لکھنو، ثم قضاء حیدر آباد، ثم صدارة ممالك الهند، ولقب بفاضل خان."

ترجمہ: آپ کو لکھنؤ کا قاضی بنایا گیا، پھر حیدر آباد دکن کے، پھر صدارت ممالک ہند کے منصب پر فائز ہوئے اور "فاضل خاں" کا لقب ملا۔ (ج:۱، ص.... للعلامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین، ناشر: تحت لدار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

علمی کارنامے: علامہ قاضی نے عہدۂ قضا کی اہم ذمہ داریوں کے باوجود میدان تصنیف و تالیف میں بھی قدم رکھ کر ایسی ایسی معرکۃ الآرا تحریریں سپرد قرطاس کیں جو آج تک اپنے اپنے موضوع پر اپنی مثال آپ ہیں اور در حقیقت آپ کی زندگی کا وہ گرانمایہ سرمایہ جس کی وجہ سے آج تک ہند و بیرون ہند کے علمی آماجگاہوں میں آپ کی جلالت علمی کا طوطی بولتا ہے، وہ آپ کی معرکۃ الآراء تصانیف ہیں۔ کثیر تلاش و جستجو کے بعد جن کتابوں کی فہرست سامنے آئی ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) سلم العلوم: یہ کتاب فن منطق میں ہے، درس نظامی میں داخل نصاب اس کتاب کی اہمیت و افادیت کا منطقی دنیا میں اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ چودہ سے زائد اس کے حواشی و شروحات لکھی جا چکی ہیں اور بعض شرحیں خود محتاج شرح ہونے کی وجہ سے داخل نصاب بھی ہیں، چند کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) شرح سلم معروف بہ قاضی مبارک، از قاضی مبارک بن محمد دائم گوپاموی (م:۱۱۶۴ھ)

(۲) شرح سلم معروف بہ حمد اللہ، از حمد اللہ بن حکیم شکر اللہ سندیلوی (م:۱۱۶۰ھ)

(۳) ملا حسن: از ملا حسن قاضی غلام مصطفی فرنگی محلی (م:۱۱۹۹ھ)

(۴) شرح سلم: از محمد مبین بن ملا محب اللہ بن احمد عبد الحق۔

(۵) بحر العلوم: از مولانا عبد العلی بن نظام الدین قطب الشہید۔

(۶) اصعاد المفہوم: از مولانا برکت اللہ بن محمد احمد اللہ لکھنوی۔

(۷) ضیاء النجوم: از علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی۔

(۸) کشف الاسرار: از ملا کندیا مرحوم۔

(۹) شرح سلم: از ملا احمد عبد الحق بن قطب الدین فرنگی محلی۔

(۱۰) شرح سلم: از قاضی احمد علی بن سید فتح محمد سندیلوی۔

(۱۱) شرح سلم: از (ابتداء تا لا یحد و لا یتصور) از مفتی شریف الدین رامپوری

(۱۲) شرح سلم: از علامہ محمد بن علی الصبان (م:۱۲۰۶ھ)

(۱۳) شرح سلم: از محمد وارث رسول بنارسی

(۱۴) انوار العلوم (اردو): از انوار الحق کاکا خیلی پشاوری۔

(۲) مسلم الثبوت: یہ کتاب فن اصول فقہ میں ہے اور یہ اس کا تاریخی نام ہے جو "مسلم الثبوت" کے عدد سے

''۱۱۰۹ھ'' برآمد ہوتا ہے۔ اس کتاب کی جامعیت و معنویت کا صحیح اندازہ مصنف کی خود نوشت عبارت سے لگایئے :

''ثم لامرماداردت ان احررفيه سفرا وافيا وكتاباكافيا يجمع الى الفروع اصولا والى المشروع معقولا ويحتوى على طريقى الحنفيه والشافعيه ولا يميل ميلا ما عن الواقعيه فجأ بفضل الله تعالى وتوفيقه كما ترى معدن ام بحر بل سحر لا يدرى.''

''یعنی ایک وجہ وجیہ کے سبب میں نے ارادہ کیا کہ اس علم اصول فقہ میں ایک کامل دفتر اور ایک ایسی کافی کتاب لکھوں جو فروع کی اصول کے اعتبار سے اور مشروع کی معقول کے اعتبار سے جامع ہو (یعنی اصول عقلیہ ونقلیہ کی جامع اور فروع فقہیہ پر مشتمل ہو) اور وہ کتاب طریقہ حنفیہ و شافعیہ دونوں پر مشتمل اور نفس الامر وواقعیت سے کچھ بھی ہٹی نہ ہو (منحرف نہ ہو) تو وہ کتاب اللہ تعالی کے فضل اور اس کی توفیق سے آگئی جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ وہ معدن ہے بلکہ وہ علم کا سمندر ہے، نہیں بلکہ وہ جادو ہے جس کی تہ تک نہیں پہنچا جاسکتا۔ (مسلم الثبوت، ص:۵، ناشر: ایضا)

یقیناً علامہ موصوف نے اس کتاب میں بساطت فکر و نظر، علمی گہرائی اور باریک نکتوں کے ایسے انمول موتی بکھیرے ہیں کہ وقت کے علامہ کو بھی اس کے حل میں بڑی صعوبتوں اور مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یوں تو یہ کتاب فن اصول فقہ میں ہے لیکن اگر دقت نظر اور باریک بینی سے دیکھا جائے تو ابتدا تا انتہا منطق و فلسفہ، عقائد و کلام، ردو مناظرہ، لغات و خلافیات اور فقہ اور اصول فقہ بلکہ حساب و ریاضی وغیرہ علوم و فنون کی جلوہ سامانیاں دکھائی دیتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب نے اسلامی دنیا میں شہرت و مقبولیت کا جو شرف حاصل کیا ہے وہ شاید ہی کسی ہندوستانی عالم کی کتاب کو نصیب ہوا ہوگا۔ ہندوستان کے مشہور نقاد مولوی شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں کہ ''قاضی محب اللہ بہاری کی سلم و مسلم نے درس نظامیہ کے نصف نصاب کو اپنے پنجہ میں تقریباً دو سو سال تک دبائے رکھا، ان کی مسلم الثبوت اصول فقہ میں اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔''

ڈاکٹر شبیر احمد رقم طراز ہیں : ''یقیناً اگر یہ کتاب ابن خلدون تک پہنچتی تو عبارت کی دلکشی اور سلاست، مسائل کی لطافت اور وضاحت میں جس طرح اس نے نصیر الدین طوسی، امام رازی اور بعد میں سعد الدین تفتازانی کی تعریف کی ہے، محب اللہ بہاری کو بھی داد و تحسین دیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔'' (عربی زبان وادب عہد مغلیہ میں، اول۔ ص:۲۶۔۲۶۵)

سلم کی طرح مسلم کی بھی متعدّد تعلیقات، حواشی اور شروحات لکھی گئی ہیں، ان میں سے چند کے اسماذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

(۱) التعليق المنعوت على مسلم الثبوت :از مولانا برکت اللہ محمد بن احمد اللہ بن محمد نعمت اللہ لکھنوی (۲) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت : از بحر العلوم علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین (م:۱۲۲۵ھ) (۳) كشف المبهم مما فى المسلم: از :مولانا محمد بشیر الدین بن محمد کریم الدین عثمانی قنوجی (۴) مفاتح البيوت فى مسلم الثبوت:از مولانا فیض الحسن بن مولانا فخر الحسن سہارنپوری (۵) شرح مسلم الثبوت:از ملا محمد مبین بن ملا محب اللہ لکھنوی (۶) شرح مسلم الثبوت:از مولانا عبد الحق بن فضل حق خیرآبادی (۷) شرح مسلم الثبوت(الى مبادى الاحكام):از مولانا سید محمد حسن بن قاضی غلام مصطفی (۸) نفائس الملكوت شرح مسلم الثبوت:از مولوی ولی

اللہ بن حبیب اللہ بن ملا محب اللہ فرنگی محلی (۹) شرح مسلم الثبوت:از سید نظام الدین بن قطب الدین سہالوی(۱۰) حاشیہ منھیہ : یہ مصنف کا خود نوشت حاشیہ ہے (۱۱) اشرف النعوت(اردو):از مفتی معین الدین اشرفی مصباحی بھاگلپوری (۱۲) الجوھر المنظم(اردو):از مفتی شبیر حسن رضوی ۔

(۳) الجواهر الفرد : یہ رسالہ فن فلسہ میں ہے،اس میں مصنف علام نے "جزء الذی لا یتجزی "کی نہایت تنقیحی وتوضیحی بحث فرمائی ہے۔

(۴) رسالة فی ان مذهب الحنفية ابعد من الرای من مذهب الشافعية : یہ بھی ایک رسالہ ہے جس میں ملا موصوف نے یہ ثابت کیا ہے کہ مذہب حنفیہ شافعیہ کے بنسبت قیاس ورای سے بہت دور ہے۔

(۵) عامة الورود : یہ رسالہ مغالطات کے بیان میں ہے۔

(۶) حاشیه منهیه : یہ مصنف کا خود نوشت حاشیہ ہے۔

(۷) الافادات : اس کتاب کا تذکرہ مصنف نے مسلم الثبوت میں کیا ہے،چنانچہ ایک جگہ رقم طراز ہیں : "قد فرغنا عنها فی المسلم والافادات"(مسلم ،ص: ۱۰ ،ناشر :ایضا)

(۸) الفطرة الالهيه : اس رسالہ میں اصول غامضہ کا بیان ہے،ان ہی مسائل میں سے ایک مسئلہ اختیار کا بھی ہے، اس کا تذکرہ بھی مسلم میں موجود ہے ،اس کے متعلق علامہ موصوف فرماتے ہیں : "وشرح ذالك فی الفطرة الالهيه وانها لاجدی من تفار یق العصا." (مسلم،ص:۱۹،بہ تفصیل سابق)

مجددیت اور ان کے تجدیدی کارنامے: علامہ قاضی نے اپنی پوری زندگی تعلیم وتدریس، پندونصائح اور تقریر وتحریر کے ذریعہ احقاق حق وابطال باطل میں گزاردی، خواہ وہ عہدئہ قضا جیسا عظیم منصب ہو یا میدان تصنیف وتالیف ہر جگہ آپ عدل وانصاف اور صدق وفا کے پیکر بنے رہے، منکرات سے لوگوں کو روکا ،اچھائیوں کی طرف رہنمائی کی ،بدعات وخرافات کا دفع کیا اور تا حیات اعلاے کلمۃ اللہ کے خواہاں رہے اور اس راہ میں نہ کبھی لومۃ لائم کی پرواکی اور نہ کبھی شہرت ومدح کی طرف رغبت کی اور نہ ہی کسی کے طعن وقدح کے خیال سے حق کہنے میں کوتاہی فرمائی ۔علمانے جب آپ کی ان صفات کو دیکھا تو متفقہ طور پر آپ کو گیارہویں صدی کا مجدد تسلیم کیا۔ جیساکہ اس کا تذکرہ ملک العلما علامہ ظفرالدین بہاری نے "تیرہویں صدی کے مجدد اعظم" میں اور علامہ یٰسین اختر مصباحی نے "امام احمد رضا اور افکار ونظریات" میں کیا ہے۔

سلم العلوم پر حاسدین کی کرم فرمائیاں : جب علامہ موصوف نے ایک کتاب بنام "سلم العلوم "تحریر فرمایا جسے اپنی جامعیت، علمی نکات اور مفاہیم ومعانی کے اعتبار سے جو مقبولیت حاصل ہوئی، اسے ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا اور دوسری جانب خود ملا موصوف کو اپنی علمی جلالت اور عبقریت کی وجہ سے دربار سے بازار تک ایک امتیازی شان حاصل تھی، ان سب چیزوں نے ملا موصوف کو محسود اقران بنا دیا، آپ کے معاصرین نے معاصرانہ چشمک کی انتہا یہ کی کہ فن منطق میں ملا موصوف کی کتاب "سلم" سے ملی جلی اور اسی کے طرز واسلوب میں ڈھال کر ایک رسالہ لکھا اور اس کی نسبت مشہور معروف معقولی وکلامی

مصنف فاضل مرزاجان کی طرف کر دی، مقصود یہ تھا کہ کسی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ ملا محب اللہ نے "سلم العلوم" کی تالیف میں سرقہ بازی سے کام لیا ہے، مگر حاسدین کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، کیونکہ اس اختراعی متن کو جس فاضل صاحب کی جانب منسوب کیا گیا تھا خود وہ اور ان کے معاصر ابو الحسن الکاشی کے تعلق سے ایک ایرانی عالم نے اپنی کتاب "روضۃ الجنات" میں لکھا ہے کہ "کانا ینتحلان من کثیر الکتب الغیر المتداولۃ۔" یعنی دونو غیر معروف کتابوں سے چرالیا کرتے تھے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر یہ فاضل مرزاجان کی کتاب ہوتی تو جہاں ان کی بیسوں معمولی کتابیں علما کے مابین معروف و مشہور ہیں تو ایسا متن متین کیوں گمنامی کی اندھیری کوٹھری میں پڑا رہتا۔ نیز علامہ موصوف اور فاضل صاحب کی طرز تحریر اور اسلوب کے مابین آسمان و زمین کا فرق ہے، حضرت علامہ قاضی ایک خاص طرز اور جدید اسلوب کے موجد ہیں جو طرز و اسلوب فاضل صاحب سے جداگانہ اور اور مختلف ہے اور آپ نے اپنی تالیف لطیف "سلم العلوم" میں بھی وہی طرز اپنایا ہے۔ لہٰذا اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت علامہ کی کتاب سرقہ سے پاک ہے۔

(اشرف النعوت: ج:۱، ص:۸/۹ از مفتی معین الدین اشرفی مصباحی، ناشر: غوث العالم پبلیکیشن لکھنؤ)

بزرگان علائیہ چشتیہ سے اکتساب فیض: حضرت علامہ قاضی حضور علاء الحق والدین گنج نبات لاہوری ثم پنڈوی کے لائق صد افتخار فرزند قطب بنگال حضور نور قطب عالم پنڈوی کے فیض یافتہ حضرت فرید الدین طویلہ بخش علائی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ سے تاحیات وابستہ رہ کر اکتساب فیض کرتے رہے اور بعد مرگ بھی ان ہی بزرگوں کے جوار اقدس میں مدفون ہوئے۔ (ماہنامہ جام نور دسمبر ۲۰۰۴ء)

وفات: سلطان عالم گیر کی وفات کے بعد جب شاہ عالم نے تخت و تاج کا مالک ہو کر علامہ قاضی کو "صدارۃ ممالک ہندوستان" کے عظیم منصب پر فائز کیا، اسی کے ایک سال بعد یعنی ۱۱۱۹ھ بمطابق ۱۷۰۷ء میں علم و عرفان کا یہ آفتاب عالم تاب غروب ہو گیا، مگر آج بھی ان کے علمی جاہ و جلال کا ڈنکا چہار جوانب عالم کی درسگاہوں میں بج رہا ہے۔ آپ کا مزار پاک چاند پورہ بہار شریف میں واقع حضرت فریدالدین طویلہ بخش چشتی کی خانقاہ سے ملحق درگاہ شریف کے جنوب، مغربی گوشے میں واقع ہے۔ (صوفیہ نمبر ج:۱، ص:۱۱۱، ناشر: صوفی فاؤنڈیشن، دہلی)

☆☆☆☆

غلام مصطفیٰ غزالی مصباحی، کرناٹک، جماعت: فضیلت Mo: 8756956208

گیارہویں صدی ہجری میں جب مسلمانان ہند کے اندرونی حالات بدتر ہو چکے تھے۔ سارا سیاسی نظام بالکل درہم برہم ہو چکا تھا اور معاشرہ فسق و فساد کی زد میں آکر اخلاقی زبوں حالی کا شکار ہو چکا تھا۔ اسی درمیان اہل سنت و جماعت کے سلاسل طریقت میں سے سلسلۂ چشتیہ کا دور تجدید و احیا عمل میں آیا جس کے ذریعہ ناگفتہ بہ حالات جلد ہی قابو میں آگئے۔ اس نشاۃ ثانیہ کا سہرا تمام تر حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے۔

اسم گرامی و شجرۂ نسب: آپ کا اسم گرامی کلیم اللہ ہے۔ آپ حضرت شیخ نور اللہ کے فرزند اور حضرت یحیٰ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ قریشی النسل ہیں اور سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک جاتا ہے۔ آپ کا شجرۂ نسب درج ذیل ہے۔

شاہ کلیم اللہ بن نور اللہ ''معمار'' بن احمد معمار ''نادرالعصر'' بن الاستاذ حامد۔

خاندانی پس منظر وولادت مبارک: آپ کے آباو اجداد ترکستان میں شہر خجند کے رہنے والے تھے۔ آپ کے دادا احمد معمار عہد شاہ جہانی کے مشہور ماہرین فن میں سے تھے اور انھیں سلطنت مغلیہ کی طرف سے ''نادرالعصر'' کا خطاب بھی ملا تھا۔ احمد معمار کے سب سے چھوٹے فرزند نور اللہ جو شاہ کلیم اللہ کے والد بزرگوار تھے، اپنے زمانہ کے بے مثال خطاط تھے اور ساتوں قلموں میں ماہر تھے۔حضرت شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت شاہ جہاں آباد میں ۲۴/ جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ میں ہوئی۔ (دہلی کے بائیس خواجہ، ڈاکٹر نور الحسن شارب، ص:۲۱۸)

ظاہری و باطنی علوم سے سرفرازی: ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد باقاعدہ علوم ظاہری کے لیے آپ نے شیخ ابورضا اور شیخ بہلول کی خدمت اختیار کی اور علوم باطنی کا حصول حضرت شیخ ابوالفتح قادری سے کیا جس کے بعد آپ درجہ کمال کو پہنچ گئے۔ اس دوران آپ کی ملاقات ایک مجذوب صفت ولی سے ہوئی جس کی صحبت میں اکثر و بیشتر رہنے لگے۔ جب مجذوب نے آپ کو بھی جذب کی کیفیت سے آراستہ دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم اس قسم کی آگ چاہتے ہو تو یہ میرے پاس بہت ہے لیکن اس کا پانی حضرت شیخ یحیٰ مدنی کے پاس ہے تم ان کے پاس چلے جاؤ۔

بیعت و خلافت: چناں چہ آپ نے شیخ یحییٰ مدنی کی طلب میں مدینہ منورہ کا قصد فرمایا۔ جب آپ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے گئے تو شیخ نے اپنے ایک خادم کو حکم دیا کہ بیرون مدینہ قافلہ کے ساتھ ایک شخص کلیم اللہ نام کا کھجور کے باغ میں بیٹھا ہوا ہے، اسے جاکر بلالاؤ۔ اس شخص نے آکر نام پکارا مگر نام سننے کے باوجود آپ نے یہ سوچ کر کہ وہ کسی اور سے مخاطب ہوگا کوئی جواب نہ دیا۔ خادم واپس چلا آیا اور شیخ سے اپنی روداد بیان کی۔ آپ نے اسے پھر لوٹاکر "کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی" کی صدا بلند کرنے کا حکم دیا تو اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ اس بار آپ کو یقین ہوگیا تو جواب دیا اور اس کے ساتھ چل کر شیخ کی جناب میں حاضر ہوئے پھر بیعت سے مشرف ہوکر جامۂ خلافت زیب تن فرمایا اور کچھ عرصہ پیر و مرشد کی خدمت میں رہ کر روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔

قلمی جواہر پارے: پیر و مرشد کے حکم سے آپ دہلی واپس آگئے اور لال قلعہ و جامع مسجد کے درمیان بازار خانم میں رہ کر درس و تدریس کے شغل میں مصروف ہوگئے۔ ساتھ ہی تحریری مشاغل کا سلسلہ بھی شروع کیا جس کے ضمن میں کئی بیش بہا تصانیف منظر عام پر آئیں جن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔ سواء السبیل، تفسیر کلیمی، کشکول کلیمی، مرقعۂ کلیمی، قرآن القرآن بالبیان، الہامات کلیمی، تسنیم، عشرہ کاملہ، رد روافض، شرح القانون اور رسالۂ شرح تشریح الافلاک عاملی محشی بالفارسیہ۔

فن تصوف میں نمایاں مقام: فن تصوف میں آپ کو بے پایاں کمال حاصل تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ بعد کے مشائخ چشت کا یہ دستور تھا کہ وہ خرقۂ خلافت کے ساتھ مرقع و کشکول کلیمی بھی دیا کرتے تھے جن میں آپ نے اصلاح نفس اور تربیت روحانی کے حوالہ سے صوفیانہ بحث فرمائی ہے۔ متاخرین صوفیہ نے ان دونوں کتابوں کو وہی مرتبہ دیا ہے جو صوفیاے متقدمین نے فوائد الفواد اور کشف المحجوب کو دیا تھا۔

کارنامے: حضرت شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے چشتیہ سلسلہ کے بے ترتیب نظام میں پھر سے باقاعدگی پیدا فرمائی جس کا مرکزی نظام تقریباً دو سو سالوں سے سرد پڑا ہوا تھا اور مشائخ متقدمین کی روایات بالکل بھلادی جاچکی تھیں۔ آپ نے اپنی پر خلوص جدوجہد سے متقدمین صوفیہ کی نہج پر اصلاح و تربیت کا ایسا نظام قائم کیا کہ دور اول کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ آپ نے تنزل و انحطاط کے اس دور میں احیاے ملت اور اعلاے کلمۂ حق کے لیے جو کاوشیں کیں ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

سلطنت مغلیہ کے ایک انصاف ور بادشاہ اورنگ زیب کی بادشاہت اختتام کے قریب تھی۔ ہندوستان کا نظام سیاست مکمل طور سے جنوب کی گرفت میں آچکا تھا۔ خود بادشاہ اور فوج کا بیش تر حصہ دکن میں مقیم تھا۔ دہلی، آگرہ اور لاہور سب اپنی عظمت رفتہ کو کھوچکے تھے۔ ایسے وقت میں شاہ صاحب نے وقت کے تقاضے کو پہچان کر اپنے عزیز ترین مرید شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو تبلیغ و اصلاح کے کام کے لیے دکن روانہ فرمایا۔ انھوں نے دکن میں سلسلہ کی نشر و اشاعت کے لیے بے پناہ جدوجہد کی اور ان کی خانقاہ سے ہزاروں گم گشتگان راہ اپنی روحانی پیاس بجھانے لگے۔ شاہ صاحب نے دہلی میں قیام فرماکر بھی اپنے باکمال مریدوں کے سبب دکن کے حالات ناسازگار پر قابو پالیا۔ آپ کے مکتوبات سے آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا پورا نقشہ ہماری

نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔بطور مثال چند باتیں یہ ہیں جن پر وہ ہمیشہ زور دیا کرتے تھے:

''جان ومال خود صرف ایں کار کنید''اپنی جان ومال کسی کام میں صرف کردو۔

''دراں کوشید کہ صورت اسلام وسیع گردو ذاکرین کثیر''کوشش یہ کرو کہ اسلام ترقی کرے اور ذکر کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔

''متوجہ بہ اعلاے کلمۃ الحق باشند وَاللہ متمّ نورہ وَلَو کَرِہَ الکٰفِرونَ''کلمۂ حق کو بلند کرنے کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت کی روشنی کو کمال تک پہنچائے خواہ کفار اس کو پسند نہ کریں۔

''بردل بندگان خدا محبت دنیا سرد گردانند''بندگان خدا کے دل سے دنیا کی محبت ختم کردینا چاہیے۔

''اے دوست!دنیا جائے نفس پروری وتن آسانی نیست''اے دوست!دنیا نفس پروری اور تن آسانی کی جگہ نہیں۔

اعلاے کلمۂ حق کے لیے آپ کی پر خلوص جدوجہد،چشتیہ سلسلہ کی ترقی کے لیے پیہم کاوش اور ملت اسلامیہ میں روحانی تعلیم وتربیت کے لیے سعی بلیغ کا علم انھیں مکتوبات سے ہوتا ہے۔(مکتوبات کلیمی۔م ۲۱،۷۶،۸۰،۱۳،۷۴۔)

بیعت وخلافت میں فکر کلیمی کا معیار: آپ ہر کس وناکس کو بیعت وخلافت سے سرفراز نہیں فرماتے تھے بلکہ جو لوگ اشاعت اسلام اور اعلاے کلمۂ حق کے لیے کمربستہ ہوں محض وہی آپ کی خلافت کے مستحق قرار پاتے حتیٰ کہ ایک دفعہ آپ کے مرید خاص شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کے لیے خلافت کی سفارش کی تو جواب دیا کہ جب تک اعلاے کلمۃ اللہ کے لیے کمر ہمت نہ باندھی جائے خلافت سے کیا فائدہ۔خلافت سے متعلق آپ کے اصول یہ ہیں۔

(۱)خلافت دینے کا مقصد اشاعت اسلام کے لیے جدوجہد ہے۔

(۲)خلافت جس کو دی جائے اس کے تفصیلی حالات مرکز کو لکھے جائیں تاکہ اس کی صلاحیت اور اہلیت کا اندازہ ہوسکے۔

(۳)صرف اہل علم کو خلافت دی جائے۔اس لیے کہ ان کی صحبت میں گمراہیت پھیلنے کا اندیشہ نہیں۔

(۴)خلافت کی دو قسمیں کیں۔ایک خلافت ربانی اور دوسری خلافت سلوک۔اول میں ہر اس شخص کو داخل فرمالیتے جو فقیری اختیار کرنا چاہے خواہ وہ عالم ہو یا غیر عالم اور دوم میں یہ تاکید تھی کہ جو نمونۂ عمل بن کر عوام میں دینی تحریک انجام دینا چاہتے ہوں،محض انھیں اس شرط کے ساتھ خلافت دی جائے کہ وہ اہل علم ہوں۔

(۵)بیعت کرنے کے بعد فوراً اجازت بیعت نہ دی جائے۔(ایضاً۔(۱)م۳۹(۲)م۱۸(۳)م۴۷(۴)م۹۶(۵)م۹۶۔)

چناں چہ آپ کے مریدین کا حال یہ تھا کہ بغیر آپ کی اجازت کے کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے اور آپ بھی باوجود دہلی میں رہنے کے دکن کے تمام تر حالات سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے حتیٰ کہ معمولی سی بات پر بھی مرکز سے ہدایات روانہ فرماتے تھے۔بعض اوقات مریدین کے لیے نظام اوقات خود متعیّن فرماتے اور انفرادی واجتماعی دونوں حیثیتوں سے کام تقسیم فرمادیتے۔خلاصہ یہ کہ شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ ودیگر مریدین کی تبلیغی کاوشوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے اندر اصلاحی بیداری پیدا ہوگئی ساتھ ہی ساتھ بہتیرے ہندو بھی دامن اسلام سے وابستہ ہوگئے۔

آپ نے اپنے ایک مکتوب میں جس کو وہ خود دستور العمل قرار دیتے ہیں، اپنے موقف اساسی مقاصد اور طریقۂ کار کا نہایت واضح اعلان فرمایا ہے جو کہ واقعی چشتیہ سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ کا منشور ہے۔ اخلاقی و مذہبی زبوں حالی کے شدید احساس اور سلسلہ کی تنظیمی و فکری صلاحیتوں کے گہرے تجزیہ کے بعد ان کی پختہ مذہبی بصیرت نے جو راہ پیش کی ہے وہ اس خط میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ خط کا آغاز یوں ہوتا ہے:

''احوال خیر آماں مولی المولیٰ مولانا نظام اسلام و مسلمین والاحسان سلمہ اللہ تعالیٰ از تغیرات کہ موجب التزام شریعت وطریقت و حقیقت باشد مفتون و محفوظ باد۔ اے برادر! ایں نامہ مراد ستور العمل خود شناسید و در حکم آں احتیاط نمائید کہ فروگذاشت مرادر آں مدخل نہ باشد کہ موجب افراط و تفریط نہ گردد و حد اوسط از دل بروں نہ رود۔ آں احکام را بدفعات نقل می کنم، رَحِمَ اللہ مَن اِتَّقیٰ السَّمِیع وَھُوَ شَھِید''

مولانا نظام الدین کو اللہ تعالیٰ سلامتی سے نوازے اور راہ شریعت، طریقت اور حقیقت میں مستقیم رکھے۔ اے برادر! میرے اس خط کو اپنے لیے دستور العمل سمجھیں۔ اس پر اس احتیاط سے عمل پیرا ہوں کہ کسی فروگذاشت کا امکان نہ رہے اور راہ اعتدال سے انحراف نہ ہو۔ ان احکام کو ایک ایک کر کے لکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم فرمائے جو محض اس حاضر و ناظر ذات کی خاطر تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ (مکتوبات کلیمی: م ۹۶، ص: ۷۳)

آپ کے مریدین دکن میں پیش آنے والے ہر مسئلے کا حل اپنے پیر و مرشد کی بارگاہ سے ہی نکالا کرتے تھے۔ چناں چہ جب عورتوں کی بیعت و ارادت کی بات آئی تو شیخ نے اجازت نامہ بھجوایا جس میں اس بات کی تنبیہ تھی کہ ان کی خلوت سے گریز کیا جائے اور براہ راست ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت نہ کی جائے لیکن شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے پھر بھی توقف و تامل سے کام لیا تو آپ نے انھیں دوبارہ لکھا: ''شما در بیعت کردن با عورات چرا اہمال می ورزید، اگر جوان اند و اگر پیر، اگر حسین اند و اگر قبیح ہمہ را بجائے محرمات پنداشتہ کلمۂ حق بگوش ایشاں باید رسانید'' تم نے عورتوں کو بیعت کرنے میں کیوں تامل کیا۔ خواہ جوان ہوں یا بوڑھی، خوب صورت ہوں یا بدشکل سب کو محرمات سمجھ کر ان کے کانوں میں کلمۂ حق پہنچانا چاہیے۔ (ایضاً۔ م ۳۵، ص: ۳۷)

پھر جب خانقاہ دکن میں امیروں کا آنا جانا ہوا تو شیخ نے ان لوگوں سے بھی روگردانی کرنے سے منع فرمایا لیکن جب نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کاوشوں کو نتیجہ خیز نہ دیکھا تو شیخ کو اپنے حال زار سے آگاہ فرمایا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دلاسا دلایا کہ ان سے اتنی امید بھی نہ رکھو کہ وہ فقیری یا درویشی کا لبادہ اوڑھ لیں اور ارشاد فرمایا۔ ''بہ یقین شناسید کہ دولت منداں ہرگز در ہیچ عصر مرید ہیچ شیخ نہ شدہ اند، اگر شدہ دولت مند نہ ماندہ، ہمہ راگذاشتہ لنگ بستہ اند'' اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ دولت مند کسی زمانے میں بھی کسی شیخ کے مرید نہیں ہوئے ہیں۔ اگر ہوئے بھی ہیں تو دولت مند نہ رہے بلکہ سب کچھ چھوڑ کر لنگوٹ باندھ لی ہے۔ (مکتوبات کلیمی، م ۲۷، ص: ۳۰۔)

امیروں کے تحائف قبول کرنے کے متعلق یہ بنیادی اصول بھی ذکر فرمایا۔ '' ہر چہ باشد برائے خدائے تعالیٰ باشد۔ قبول ورد اگر برائے خدا است محمود است والا مذموم'' جو کچھ بھی کیا جائے اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے۔ قبول کرنا یا رد کرنا اگر خدا کے

لیے ہوتو محمود ہے ورنہ مذموم۔(ایضاً،م۶،ص:۱۱۔)

آپ نے میدان تصوف میں روحانی ارتقا کے لیے طریقت کے ساتھ ساتھ شریعت کو بھی لازم قرار دیا اوراپنے مریدین کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ فرمادیا کہ جو شریعت پر نہیں چلا وہ گمراہ اور راہ طریقت سے خارج ہے حتیٰ کہ شریعت کو معیار تصوف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کسی شیخ کے دس باکمال مرید ہوں جن میں سے ہر ایک اپنی انفرادی حیثیت سے آراستہ ہو اور تم یہ جاننے کے خواہاں ہو کہ ان میں سے کون بروز قیامت سب سے افضل ہوگا تو یہ دیکھو کہ ان دس میں سے کون شریعت کا زیادہ پابند ہے۔اگر خدا نے چاہا تو آخرت میں یہی شخص نسبتاً سب سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوگا۔

شاہ صاحب اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ تصوف میں فکری اور عملی دونوں حیثیتوں سے بنیادی مقاصد کی جڑیں کمزور پڑچکی ہیں۔چناں چہ آپ نے اعمال واذکار کا ایک مکمل ضابطہ ترتیب دیا اور عوام میں رائج شدہ رسموں کی نوعیت کو پرکھ کر غلط رسموں کا انسداد کیا۔اس ضمن میں ایک اہم معاملہ سماع کا تھا جسے مشایخ چشت نے روحانی غذا سے تعبیر فرمایا تھا۔یہ اپنی اصلی نوعیت کھوچکا تھا اور شرائط سماع سے بے اعتنائی عام تھی لہذا اس کو بھی کم کرنے کی تلقین فرمائی اور بجائے اس کے مراقبہ کو عام کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا''حلقۂ مراقبہ وسیع از حلقۂ سماع باید کرد''مراقبہ کے حلقہ کو سماع کے حلقہ سے زیادہ وسیع کرنا چاہیے۔(مکتوبات کلیمی۔م۹۹،ص:۷۸۔)

آپ کی فکر کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ روحانی تربیت کے لیے مرید کی مادری زبان کا خاص طور پر لحاظ رکھتے تھے اور اپنے مریدین کو بھی اس کی ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔''اگر مرید عجمی باشد بہر زبان کہ داشتہ باشد تلقین فرمائید'' اگر مرید غیر عرب ہو تو اس کی جو بھی زبان ہو اس میں تلقین کریں۔(کشکول کلیمی۔ص:۳۰۔)

آپ جوانوں کی اصلاح وتربیت پر بہت زور دیتے تھے تاکہ ان میں صلاحیت اکتساب کے علاوہ موثر طریقہ پر دینی تحریک کو اوروں تک پہنچانے کا کام بہ آسانی لیا جاسکے۔

خلاصہ یہ کہ آپ کا یہ انداز فکر وعمل تمام تر اجتہادی اصول وقواعد پر مبنی تھا جس کی بنا پر تصوف کی راہوں سے سارے کانٹے چھٹتے چلے گئے اور اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوگیا۔مسلمان تو مسلمان،کافروں نے بھی آپ کے فرمودات کے آگے سرخم کردیا اور اس طرح سلسلۂ چشتیہ کے اس عظیم معمار قلب نے ہندوستانیوں کے دلوں میں چھپے زنگ شیطنت کو اپنی تعمیری صلاحیتوں اور بے پایاں کاوشوں سے چھڑا دیا۔

وفات: آپ نے بادشاہ محمد شاہ کے دور حکومت میں ۲۴؍ربیع الاول ۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷؍اکتوبر ۱۷۲۹ء کو ۸۱؍برس ۹؍ماہ کی عمر پاکر اس دار فانی سے کوچ فرمایا۔آپ کا مزار مبارک لال قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان کورٹ مارکیٹ کے قریب واقع ہے۔(راہ نمائے مزارات دہلی،مصنف:محمد عاصم القادری سنبھلی،ص:۳۰۲،محمدی بک ڈپو،دہلی ۶)

☆☆☆☆

ضیاء المصطفیٰ قادری مصباحی ،الہ آباد، جماعت: فضیلت Mo: 9453475587

سرزمین ہند پر مغل خاندان کی چھ سو سالہ حکومت ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے لیکن مغل حکمرانوں میں خاص طور سے شہنشاہ ہند حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کا دور حکومت ہندوستان کی تعمیر و ترقی اور خوش حالی میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے پورے جاہ و جلال کے ساتھ ہندوستان پر حکومت کی اور اسے امن و امان کا گہوارہ بنا دیا۔ وہ امت مسلمہ کے داخلی و خارجی مسائل پر حساس نظر رکھتے، مسلمانوں کی حالت زار پر آنسو بہاتے اور فریادیوں کی فریاد رسی کیا کرتے تھے۔ وقت کے مایۂ ناز شہنشاہ ہونے کے باوجود بیک وقت عالم دین، ولی کامل اور مجدد وقت تھے۔ جب آپ کو بادشاہیت عطا ہوئی تو آپ نے اپنی حکومت کی بنیاد منہاج شریعت پر رکھی اور اللہ کے عطا کردہ علم و اقتدار سے اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے ایسی بے شمار خدمات انجام دیں جو تاریخ کے صفحات پر آب زر سے لکھی جانے کے قابل ہیں۔ ان تمام وجوہات کو مد نظر رکھتے ہوئے علماے اسلام نے آپ کو گیارہویں صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔

جب ہم تاریخ کے بوسیدہ اوراق کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ''امیر المومنین ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے نابغۂ روزگار نظر آتے ہیں۔ عہد عالم گیری سے لے کر آج تک ہندوستان کی سرزمین پر ان کا ثانی کوئی دوسرا نظر نہیں آیا۔ حضرت خواجہ سعید رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں ظل اللہ فی الارضین، رافع اعلام الشریعہ، قامع بنیان البدعة الغبراء، مالك السلطنة القاهرة، كاسر اعناق الكفرة الاكاسرة، محی السنه والاسلام، رحمة الله الانام، شهزادۂ دیندار عالی قدر، ناصر الملة البيها، مروج الشريعه العزا، مو يد الدين القويم، مشيد احكام الصراط المستقيم کے القاب سے یاد فرمایا۔ (مکتوبات سعیدہ، بحوالہ تذکرۂ مجدد دین اسلام، ص: ۲۵۴، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور پاکستان، مصنف: علامہ غلام مصطفیٰ مجددی ایم۔ اے، سن اشاعت: ۲۰۰۱ء/۱۴۲۱ھ)

ولادت باسعادت: شاہ جہاں کی محبوب بیوی، ارجمند بانو بیگم معروف بہ ''ممتاز محل'' کے بطن سے مالوہ و گجرات کے سرحدی مقام ''دوحد'' میں رات کے وقت ۱۵/ ذی قعدہ ۱۰۷۲ھ مطابق ۲۴/ اکتوبر ۱۶۱۸ء کو ہندوستان کے جلیل القدر بادشاہ حضرت اورنگ زیب عالم گیر پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت اور پیشن گوئی سے متعلق آپ کے دادا جہاں گیر اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں:

''اورنگ زیب عالم گیر کی ولادت ۱۵/ ذی قعدہ ۱۰۷۲ء کو ہوئی۔ اس کی پیدائش اس سلطنت کے لیے باعث برکت

ہے۔" (تزک جہاں گیر، ص:۲۹۶، مکتبۃ الحسنات دہلی، سن اشاعت:۲۰۰۸ء)

آپ کی ولادت کی خوشی میں آپ کے والد شاہ جہاں نے حسب دستور اپنے والد جہاں گیر کو ایک ہزار اشرفی نذر کی اور اس فخر روزگار بچے کا نام دادا جہاں گیر نے اورنگ زیب رکھا۔

ملا محمد صالح کنبوہ کے بقول: جب "دوحد" سے کوچ کر کے شاہ جہاں اور اس کے لشکر صوبہ "مالوہ" میں خیمہ زن ہوئے تو شاہ جہاں کے حکم سے "اجین" میں جشن ولادت منعقد ہوا۔ جہاں گیر مبارک باد دینے کے لیے خود تشریف لائے۔ شاہ جہاں نے جواہرات پر مشتمل بیش قیمت پیش کش اور پچاس تنومند ہاتھی اپنے والد جہاں گیر کو نذر کیے۔

(شاہ جہاں نامہ، ص:۵۶، مکتبۃ الحسنات دہلی، سن اشاعت:۲۰۰۸ء)

تعلیم و تربیت: حضرت محی الدین اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت عظیم الشان پیمانے پر ہوئی اور مشاہیر علمائے دہر و فضلائے عصر آپ کی تعلیم و تربیت کے لیے مقرر کیے گئے۔

بقول علامہ فضل امام خیر آبادی: آپ نے ملا ابوالواعظ ہرگائی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، علم و ادب میں مولوی سید قنوجی سے شرف تلمذ کیا، ان کے علاوہ مولانا عبد اللطیف سلطان پوری، ملا محی الدین بہاری، ملا جیون امیٹھوی، سید عبد القوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ سے اکتساب فیض کیا ان حضرات کی صحبت نے آپ میں کتب بینی اور محنت شاقہ کا جذبہ و شوق پیدا کر دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ شاہی خاندان سے ہونے کے باوجود عیش و آرام کو ترک کر کے کتب خانہ میں اپنا سارا وقت صرف کرتے تھے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات اور شیخ شمس الدین، قطب الدین، محی الدین بن عربی کے رسائل سے خاص شغف تھا اور یہ کتابیں اکثر زیر مطالعہ رہتی تھیں۔

آپ ایک باکمال عالم دین، بے مثال فقیہ، بلند پایہ نثر نگار اور لاجواب ادیب و خطاط تھے۔ ان خوبیوں کے ساتھ آپ کلام اللہ کے بہترین حافظ بھی تھے اور یہ بات باعث حیرت و تعجب ہے کہ انھوں نے یہ فخر و سعادت بچپن میں نہیں بلکہ اپنی عمر کی ۴۳ر بہاریں گزر جانے کے بعد حاصل کی تھی۔ آپ کی سادہ فکر و شخصیت میں علم و حکمت اور فضل و کمال کا رنگ بھرنے اور انھیں ظاہری اور باطنی محاسن و کمالات سے آراستہ کرنے میں آپ کے یگانۂ روزگار اساتذہ میں رئیس المفسرین حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ کا بھی بڑا اہم رول تھا۔

سیرت و کردار: حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ راسخ سنی، صحیح العقیدہ مسلمان اور حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند حضرت خواجہ معصوم نقشبندی کے مرید تھے۔ آپ شریعت پر پوری طرح کاربند اور برصغیر میں احیائے دین کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ مذہب اسلام سے بہت محبت تھی۔ آپ نے احیائے دین و ملت میں نمایاں کردار ادا کیا اس لیے علمائے عصر نے محی الدین کے لقب سے نوازا۔

ساقی مستعد خان لکھتے ہیں: " حضرت خلد مکاں اپنی فطرت سعادت اندوزی کی وجہ سے مذہبی احکام و شعائر کے بے حد پابند تھے، حنفی المذہب سنی تھے، فرائض خمسہ کی پابندی اور ان کے اجراء میں بے حد کوشاں رہتے تھے۔ حضرت ہمیشہ باوضو رہتے، نماز

اول وقت مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے، روزوں کے پابند تھے۔ قبلۂ عالم حق طلبی کے شیدائی تھے، معمول تھا کہ مسجد میں تمام رات اہل نظر کے ساتھ سرگرم گفتگو ہو کر محو ذکر رہتے، رمضان میں مسجد میں اعتکاف کرتے۔ قبلۂ عالم نے ابتدائے سن تمیز سے تمام مکروہات و محرمات سے شدید پرہیز فرمایا، نغمہ و سرود سے نفرت تھی اور اسے حرام قرار دیا تھا۔ غیر مشروع لباس اور سونے، چاندی کے برتنوں سے پرہیز کرتے، تمام ممالک محروسہ میں شرعی احکام جاری تھے، احتساب کا محکمہ نہایت فعال تھا۔ غرض کہ حضرت کے عہد میں دین متین کا آوازہ بلند ہوا جس طرح ملک ہندوستان میں شریعت اسلامی کا کامل لحاظ رکھا گیا اس کی نظیر فرمانروایان سابق کے کارناموں میں قطعاً معدوم ہے۔" (مآثر عالم گیری، ص:۲۳۲، بحوالہ تذکرۂ مجدد دین اسلام پاکستان، ص:۲۵۴)

حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کے سیرت و کردار کا یہ عالم تھا کہ حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ شیخ طریقت ہونے کے باوجود ان کی اسلام پسندی کی بدولت "سلطان الاسلام" اور "امیر المومنین" کے القاب سے یاد فرماتے تھے۔

(مکتوبات معصومیہ، بحوالہ تذکرۂ مجدد دین اسلام پاکستان، ص:۲۵۴)

علاوہ ازیں حضرت اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ بزرگانِ دین کا ازحد ادب و احترام کرتے تھے۔ ان کو دعوت دیتے، خطوط لکھتے اور ان کی تشریف آوری پر بارہ میل باہر نکل کر ان کا استقبال کرتے تھے۔ علامہ محمد احسان سرہندی لکھتے ہیں: "جب حضرت اورنگ زیب عالم گیر نے حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کی خبر سنی کہ دکن تشریف لا رہے ہیں، تو اس موقع کو غنیمت جان کر سر کے بل دریائے "نربدہ" عبور کر کے شرف ملاقات حاصل کیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے تاج سلطنت ان کے سر پر رکھا۔ وہ اس خوش خبری سے نہایت خوش ہوئے اور آداب قبولیت بجالائے اور فرزند کو اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت طلب کی۔ (روضۃ القیومیہ، ج:۲، ص:۱۷۶)

بیعت وارادت: شہنشاہ ہند محی الدین اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کو جو روحانی کمالات حاصل تھے ان میں مجدد الف ثانی کے صاحبزادگان مثلاً حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی اور حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی قدس سرہما کا بڑا اہم کردار ہے۔

حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ عروۃ الوثقیٰ، حضرت خواجہ معصوم سرہندی بن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہما کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، بیعت وارادت کے بعد حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوا اور ہندوستان جیسی وسیع اور ہمہ گیر سلطنت کے حاکم و شہنشاہ ہونے کے باوجود حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ نے درویشانہ زندگی کو ترجیح دی۔ ان کی قلندرانہ شخصیت، عارفانہ مزاج، عبادت و ریاضت، زہد و ورع اور ان کے تمام تر فضل و کمال کے مطالعہ سے کبارِ مشائخ و صوفیہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کا بھرپور احترام کیا کرتے تھے اور ان کی تعلیمات و ہدایات سے اپنی باطنی دنیا سنوارا کرتے تھے۔

شجاعت و بہادری: آپ شجاعت و بہادری میں اپنے آباؤ اجداد سے بھی بڑھ کر تھے۔ خاندانِ تیموریہ مغلیہ میں بڑے بڑے بہادر پیدا ہوئے مگر ان سورماؤں اور بہادروں میں آپ کی ذات بہت نمایاں ہے۔ آپ ۸۰ر سال کی عمر میں بھی جوش و خروش کا مظاہرہ فرماتے۔ آپ کی بہادری اور عالی ہمتی یکتا تھی۔ ایک مرتبہ دوران نماز ایک خونخوار شیر نے آپ پر حملہ کر دیا آپ نے نماز چھوڑ کر فوراً شیر کو ختم کیا اور دہشت زدہ ہوئے بغیر دوبارہ نماز شروع کر دی۔ آپ کی ہمت و جراءت اور شجاعت و بہادری کے ان گنت واقعات تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔

باپ اور بھائیوں سے جنگ کے سلسلہ میں غلط فہمیوں کا ازالہ

شاہ جہاں کے چار صاحبزادے داراشکوہ، محمد شجاع، مراد بخش، اور حضرت عالم گیر تھے۔۱۶۵۷ء میں شاہ جہاں ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوا، اس کے بیمار ہوتے ہی سب سے پہلے شجاع نے بادشاہیت کا اعلان کیا اور اپنے نام کے سکے جاری کر دیے علاوہ ازیں ایک زبردست لشکر لے کر آگرہ کی طرف بڑھا لیکن دارا کے بیٹے نے اسے شکست دے کر بنگال کی طرف بھگا دیا، حضرت عالم گیر نے مراد کو اپنی طرف کر لیا، ان کی فوجیں اور دارا کی فوجیں آگرہ کی طرف بڑھیں، دارا کی طرف سے جسونت سنگھ مقابلے کے لیے نکلا مگر شکست کھا کر بھاگ گیا۔ شاہ جہاں صحت مند ہو چکا تھا اور چاہتا تھا کہ حضرت عالم گیر کے مقابلے میں خود نکلے مگر دارا نے یہ بات قبول نہ کی۔ وہ خود ایک زبردست فوج لے کر اپنے بھائیوں کے مقابلے میں آ گیا۔ ۲۹ر مئی ۱۶۵۷ء ''ساموگڑھ'' کے مقام پر ایک عظیم معرکہ ہوا جس میں دارا کو شکست ہوئی اور حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ نے آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ شاہ جہاں نے حضرت اورنگ زیب کو قلع میں بلایا مگر وہ جانتے تھے کہ وہ انھیں قتل کر دے گا لہذا انھوں نے باپ کو قلع میں نظر بند کر دیا، ادھر مراد نے متھرا میں خوب جشن منایا اور بے انتہاں دادِ عیش دی۔ حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے بھی برافروختہ ہو کر گوالیار کے قلعے میں بند کر دیا۔ جہاں اسے قتل کر دیا گیا۔ شجاع نے ایک بار پھر پیش قدمی کی لیکن شکست کھا کر ارکان پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا۔ یہاں کے راجہ نے اسے مع اہل و عیال قتل کر دیا۔ داراشکوہ سندھ کی طرف بھاگ گیا اور ایک ملک کے یہاں پناہ لی اس نے اس کے ساتھ غداری کی اور اسے حضرت اورنگ زیب کی بارگاہ میں پیش کر دیا، اسے بھی قتل کر دیا گیا۔ اس طرح حضرت اورنگ زیب تخت و تاج کے مالک بن گئے۔ (ریاض التاریخ، ص:۵۶۶)

حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ نے دارا کو قتل کیا مگر اس کے کفریہ کردار کو سامنے رکھ کر، علماے وقت اور ان کی بہن روشن آرا بیگم اور دوسرے رشتہ داروں نے اس کے قتل پر صاد کیا۔ تذکرۂ سلاطین چغتائی، واقعات عالم گیری، نسخۂ دلکشا اور فتوحات عالم گیری جیسی تمام مستند کتابوں میں لکھا ہے کہ دارا کے قتل سے پہلے علماے کرام سے قانونی فتویٰ حاصل کیا گیا تھا۔

بعض آزاد خیال لوگ حضرت اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کے اس کردار پر انگشت نمائی سے باز نہیں آتے اور لعن وطعن کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ عالم گیر نے باپ کے ساتھ کیا سلوک کیا، بھائیوں کے ساتھ کس انداز سے پیش آئے۔ اس قسم کے اعتراضات کرنے والے لوگ ان کے عظیم مشن سے قطعی بے گانہ ہیں۔ جس انسان کے سامنے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی سربلندی اور اس کی ترویج واشاعت مقصود ہو وہ اپنے حق ناآشنا باپ اور دین دشمن بھائیوں کے گلے میں پھولوں کا ہار کیوں کر ڈال سکتا ہے؟ انھوں نے اپنے خونی رشتوں پر اسلام کی بقا اور اس کی سالمیت کو ترجیح دی۔ یہ ایک مومن کامل کا کردار ہے۔

حضرت اورنگ زیب عالم اپنے والد کو نظر بند کرنے کے بعد بھی ان کے ساتھ بڑے ادب واحترام سے پیش آتے تھے۔ انھوں نے شاہ جہاں کے نام ایک خط میں دردانگیز الفاظ سے اپنا مدعا اس طرح بیان کیا ہے:

''خدانہ خواستہ اگر آپ کی حمایت سے وہ بدکیش (دارا) کامیاب ہو جاتا تو سارا عالم کفر کی ظلمت اور ظلم وستم سے تاریک ہو جاتا، شرع شریف سے رونق جاتی رہتی اور قیامت کے دن آپ سے اس کا جواب دینا بہت ہی مشکل ہو جاتا۔ (رقعات عالم گیری، ص:۲۱۲)

حضرت اورنگ زیب عالم گیر نے کبھی اپنے باپ کی شان میں بے ادبی نہیں کی۔ نظر بند ہونے کے باوجود وہ بدستور تخت پر بیٹھتا اور بڑے بڑے امراء آکر اسے شاہانہ سلام کرتے اور ہر کام کے متعلق وہ حکم جاری کرتا۔ (ملخصاً، تذکرۂ مجدد دین اسلام، ص: ۲۴۷-۲۵۰)

اس جنگ کے نتائج کے بارے میں ایک بشارت نامہ حضرت عالم گیر نے "حضرات مجددیہ" کی بارگاہ میں ارسال کیا۔ جس میں اعلیٰ القاب لکھنے کے بعد انھوں نے لشکر اسلام کی "اعدائے دین" پر فتح و نصرت حاصل کرنے کی خوش خبری دی۔

حضرت اورنگ زیب پر وارد ہونے والے اعتراضات کا تحقیقی جواب

حضرت اورنگ زیب عالم گیر پر درج ذیل جرائم کا الزام لگایا جاتا ہے: (۱) بت خانے منہدم کرادیے۔ (۲) ہندو راجپوتوں کو اذیت دی۔ (۳) ہندوؤں کو ملازمت سے برطرف کردیا۔ (۴) ہندوؤں کی درس گاہیں بند کرادیں۔

بت خانے منہدم کرادیے: اکبر نے جو پالیسی اختیار کی تھی اس میں ہندو راجا بھی شریک ہوگئے تھے۔ اکبر کے سطوت و جبروت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا؛ اس لیے ہندو کو سرکشی اور بغاوت کا موقع نہ ملا مگر جہاں گیر کی نرمی اور سرمستی نے انھیں خود سری کا خوب موقع فراہم کیا۔ نرسنگھ دیو بندیلہ نے جہاں گیر کی ولی عہدی کے زمانے میں ابوالفضل کو فریب سے قتل کر کے تمام مال و اسباب اور شاہی خزانہ لوٹ لیا اور جہاں گیر کی حکمرانی کے زمانے میں اسی کی اجازت سے نرسنگھ نے متھرا میں بت خانہ کی تعمیر کی اور اعلانیہ مسلمانوں پر جبر و ظلم کرنے لگا حتیٰ کہ مسلمان عورتوں سے جبراً شادی کی اور مساجد کو توڑ کر اپنی عمارتوں میں شامل کیا۔ چناں چہ "بادشاہ نامہ" میں تحریر ہے: "ہفتاد حرہ و جاریہ مومنہ را از تصرف کفرہ فجرہ برآورد، و ہر جا کہ مسجدے در زیر عمارت ہنود درآمدہ بود بعد از تحقیق آنرا افراز نمود و زورے از آنہاں بطریق جرمانہ گرفتہ بدستور سابق مسجد ساخت چناں چہ اناث بسیار از دست کفار برآمدہ در نکاح مسلمانان درآمدند و گروہ از کفار بقبول دین مبین از آتش دوزخ رہائی یافتند و بت خانہ ہا منہدم گردید و بجائے آں مساجد بنا یافت" ستر مسلمان عورتیں اور لونڈیاں کفار کے تصرف سے نکالی گئیں اور جس جگہ مسجدیں ہندوؤں کی عمارتیں بنالی گئی تھیں، انھیں ان سے آزاد کرایا گیا اور کچھ جرمانا لگا کر ان کی مرمت کرائی گئی، چناں چہ بہت سی عورتیں کفار کے دست تصرف سے نکالی گئیں اور مسلمانوں کے نکاح میں لائی گئیں، بعض کفار نے اسلام قبول کر کے آتش دوزخ سے نجات پائی اور جن مساجد کو مندر میں تبدیل کردیا گیا تھا، انھیں منہدم کر کے ان کی جگہ پر مساجد تعمیر کی گئی۔ (بادشاہ نامہ، ج:۱، ص:۵۸،۵۷، از عبدالمجید لاہوری)

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جہاں گیر کے زمانے میں ہی ہندوؤں کی ظالمانہ کاروائی شروع ہوگئی تھی اور بغاوت و فساد کے آثار رونما ہونے لگے تھے تو حضرت عالم گیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد انھیں روکنے کی کوشش کی اور ذی قعدہ ۱۰۸۹ھ یعنی تخت نشینی کے بارہویں برس حضرت عالم گیر کو جب اطلاع ملی کہ ہندو مسلمانوں کو اپنے مذہبی علوم پڑھاتے ہیں تو انھوں نے اس کے انسداد کا حکم دیا، اس واقعہ کے مہینہ بھر کے بعد متھرا کے اطراف میں ہندوؤں نے شورش کی، جس کو فرو کرنے کے لیے عبدالنبی خان متھرا کا فوج دار متعیّن کیا گیا اور مارا گیا۔ (تاریخ فرشتہ، ج:۲، ص:۳۷)

اسی زمانے کے قریب یعنی ۱۰۸۰ھ میں بنارس کا بت خانہ کاشی ناتھ اور متھرا کا وہ بت خانہ جو ابوالفضل کے لوٹ سے نرسنگھ دیو نے بنوایا تھا، منہدم کرادیے گئے، اس کے بعد اودے پور وغیرہ بت خانوں پر آفت آئی۔

یورپین اور ہندو مؤرخ کہتے ہیں کہ عالم گیر نے چوں کہ بت خانے گرائے اس لیے بغاوت ہوئی لیکن واقعہ یہ ہے کہ بغاوت ہوئی اس لیے بت خانے گرائے گئے، کیوں کہ حضرت اورنگ زیب کے عہد میں جن بت خانوں کے گرانے کا ذکر ملتا ہے یہ وہی بت خانے تھے جو پہلے مسجد تھے اور ہندوؤں نے شاہ جہاں کے عہد میں اسے گرا کر بت خانہ بنا لیا تھا۔

ہندو راجپوتوں کو اذیت دی: ہندو راجپوتوں کے تین مرکز تھے: جے پور، جودھ پور اور اودے پور۔ جودھ پور کا رئیس جسونت سنگھ انتہائی سرکش اور غدار تھا اس نے حضرت عالم گیر کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ یہ تھے کہ سب سے پہلے حضرت عالم گیر کے ساتھ بر سر مقابلہ آیا، حضرت عالم گیر نے فتح پا کر اس کو معاف کر دیا اور فوج کا افسر مقرر کیا لیکن شجاع کی لڑائی میں نہایت غدارانہ طریقے سے رات کو چھپ کر دشمن سے جا ملا جس سے حضرت عالم گیر کی تمام فوج درہم برہم ہو گئی، حضرت عالم گیر نے پھر عفو سے کام لیا اور جاگیر و خطاب و منصب عطا کر کے دکن بھیجا، وہاں شیوا جی سے سازش کی، اب اس کے مرنے کے بعد راجپوت حضرت عالم گیر سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کے ایک ماہ کے بچے کو والیِ ریاست بنا دیا جائے، حضرت عالم گیر جواب دیتے ہیں کہ ان کو دربار میں بھیج دو، سن شعور کے بعد ان کو سب کچھ ملے گا، راج پوت جواب کا بھی انتظار نہیں کرتے اور دریائے اٹک پر شاہی عہدے داروں کو مارتے دھاڑتے دلی پہنچ جاتے ہیں، حضرت عالم گیر ان کو نظر بند کر دیتے ہیں۔ آپ ذرا غور کریں ان میں کون سی بات انصاف کے خلاف ہے؟

یورپین مؤرخ کہتے ہیں کہ ایک راج پوت نے بھی عالم گیر کی حمایت میں انگلی نہ ہلائی لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف فوجی راج پوت بلکہ راج پوتوں کے بڑے بڑے راجہ مہاراجہ اخیر وقت تک حضرت عالم گیر کے ساتھ فوجی مہمات میں شریک رہے اور مرہٹوں کو پامال کرنے میں وہ مسلمان افسروں کے داہنے ہاتھ تھے، راج پوتوں کی اصلی طاقت جودھ پور، جے پور اور اودے پور تھی، اودے پور کے دو شہزادے خود حضرت عالم گیر کی فوج میں معزز عہدوں پر ممتاز تھے اور اخیر وقت تک ساتھ رہے۔

''مآثر الامرا'' میں اور بہت سے راج پوت راجاؤں اور رئیسوں کے تفصیلی حالات درج ہیں، جو حضرت عالم گیر کے ساتھ دکن میں شریک تھے اور نہایت جاں بازی اور وفاداری کے ساتھ خود اپنے ہم مذہب مرہٹوں سے لڑتے تھے۔ ان تمام واقعات کے بعد بھی اگر حضرت اورنگ زیب پر الزام عائد کیا جائے کہ انھوں نے ہندو راج پوتوں کو بلا کسی سبب کے اذیت پہنچائی تو یہ سراسر ناانصافی ہے۔

ہندوؤں کو ملازمت سے برطرف کر دیا: حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ پر ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے ہندوؤں کو ملازمت اور منصب سے برطرف کر دیا۔ اس میں اسی قدر سچائی ہے کہ ۱۰۸۲ھ میں انھوں نے یہ حکم دیا کہ صوبہ داروں اور تعلقہ داروں کے پیش کار، دیوان اور محصولات وصول کرنے والے ہندو نہ مقرر کیے جائیں۔ چناں چہ منتخب اللباب میں ہے:

''صوبہ داران و تعلقہ داران، پیش کاران و دیوانیان، ہنود را برطرف نمودہ، مسلمانان مقرر نمایند، و بدیوانیان امر فرمودند کہ کروری محالات خالصہ مسلمان می نمودہ باشند۔'' (منتخب اللباب، ج:۲، ص:۲۴۹)

یہ ظاہر ہے کہ ان عہدوں پر اکثر کائستھ مقرر ہوتے تھے، جو رشوت لینے میں مشہور تھے، اس حکم کو مذہبی تفریق سے کوئی

تعلق نہ تھا لیکن یہ حکم بھی قائم نہ رہا، بلکہ اس کی اصلاح اس طرح کر دی گئی کہ ایک پیش کار ہندو اور ایک مسلمان مقرر کیا جائے۔ چناں چہ اس کے متعلق منتخب اللباب میں ہے:

"بعدہ چناں قرار یافت کہ از جملہ پیش کاران دفتر دیوانی و بخشاں سرکار یک پیش کار مسلمان و یک ہندو مقرر می نمودہ باشند۔" (ایضاً، ج:۲، ص:۲۵۲)

اس انتظام سے اس کے سوا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے کہ ہندووں کی رشوت خوری اور غبن کی نگرانی رہے، ورنہ اگر مذہبی تعصب اس کا باعث ہوتا تو مسلمان کے شریک ہونے سے اس کا کیا تعلق ہوتا۔

اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ ہندو جو حضرت اورنگ زیب کی حکومت میں کسی عہدے پر فائز تھے وہ صرف نام کے عہدے دار نہ تھے بلکہ معرکوں میں حیرت انگیز جاں فشانیاں دکھاتے تھے، ان عہدہ داروں میں ہر قسم کے عہدہ دار تھے، یعنی فوجی بھی، ملکی بھی، آپ ذرا غور کریں فوجوں کی افسری، قلعوں کی قلعہ داری، اضلاع کی نظامت و فوج داری، ان سب سے بڑھ کر ذمہ داری اور اعتماد کے کیا عہدے ہو سکتے ہیں، یہ سب عہدے ہندووں کو حاصل تھے۔ نیز رام بھیم سنگھ، اندر سنگھ، بہادر سنگھ، راجہ مان سنگھ اور راؤ انوپ سنگھ وغیرہ اپنے اپنے عہدے پر فائز تھے۔ اب اس کے باوجود اگر یہ کہا جائے کہ عالم گیر نے تمام ہندووں کو ملازمت اور منصب سے برطرف کر دیا تو یہ تعصب اور بے انصافی کی بات ہوگی۔

ہندووں کی درس گاہیں بند کرادیں: حضرت اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ سے بغض وعناد اور دشمنی رکھنے والے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عالم گیر نے ہندووں کے تمام مدرسے بند کر دیے اور عبادت گاہیں ڈھادیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہ جہاں کے زمانے میں ہندو مسلمانوں پر مذہبی جبر کرنے لگے تھے، داراشکوہ کے طرز عمل نے ان کو اور جری کر دیا تھا، وہ اپنے پاٹ شالوں میں مسلمانوں کے بچوں کو اپنے مذہبی علوم سکھاتے تھے اور ایسی ترغیب دیتے تھے کہ دور دور سے مسلمان ان کے مدرسوں اور پاٹ شالوں میں آتے تھے، حضرت عالم گیر نے انھیں مدرسوں کو بند کیا تھا، انھوں نے جن وجوہ سے یہ حکم دیا تھا اس کی غرض صرف یہ تھی کہ مسلمانوں کے بچے مذہب اسلام سے منحرف نہ ہوں اور ایک با اقتدار انسان کو اپنے مذہب اور اس کے ماننے والے کے خلاف ہونے والے پروپیگنڈہ کو دفع کرنے کا حق حاصل ہے۔

عہد عالم گیری کی خدمات اور ان کی ملکی اصطلاحات

شاہ جہاں کے شہزادوں میں سب سے زیادہ ہوشیار، سنجیدہ، بردبار، جفاکش، تجربہ کار، بہادر اور پختہ کردار حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان باتوں کے ساتھ آپ دین کے عالم، شریعت کے حامی اور پاکیزہ چال چلن کے آئینہ دار تھے۔ آپ کے بھائیوں میں سب سے بڑا دارا تھا لیکن پست ہمت، بزدل اور مسلمان کہلاتے ہوئے اسلامی شرع کا دشمن اور ملحدوں کا طرف دار تھا، برہمنوں کی صحبت میں رہ کر اس نے نماز اور روزہ سب چھوڑ دیا، اسے بھائیوں میں سب سے زیادہ بغض و حسد حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ سے تھی چناں چہ شاہ جہاں کے زمانہ میں جب اس نے سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے حضرت اورنگ زیب کو نست و نابود کر دینے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے

حضرت اورنگ زیب کو ہر موڑ پر کامیابی عطا فرمائی اور دارا شکوہ شکست و ریخت سے دوچار ہوا۔

۲۴؍ رمضان المبارک ۱۰۶۸ھ مطابق ۲۵؍ جون ۱۶۵۸ء کو حضرت اورنگ زیب نے شہنشاہ ہندوستان کی حیثیت سے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی اور تاج پوشی کی رسم ۱۰؍ رمضان المبارک ۱۰۶۹ھ کو ادا کی گئی۔

تخت نشینی کے تھوڑے عرصے بعد ۱۶۵۸ء میں شاہ جہاں فوت ہو گیا، اس کے بعد سے حضرت عالم گیر کا طویل دور شروع ہوتا ہے۔ ان کے پچاس سالہ عہد حکومت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، پہلا حصہ ۱۶۵۸ء تا ۱۶۸۱ء جس میں انھوں نے شمال ہند کے معاملات طے کرنے میں زبردست کمال دکھایا۔ دوسرا حصہ ۱۶۸۲ء تا ۱۷۰۷ء ہے، جس میں انھوں نے دکن کے معاملات سلجھانے یعنی بیجاپور، گولکنڈہ، کی شیعہ ریاستوں اور مرہٹوں کے خلاف دل کھول کر جنگ کی۔ حضرت اورنگ زیب عالم گیر کی دین داری اور اسلام پسندی کی وجہ سے تمام طاغوتی طاقتیں ان کے خلاف تھیں، شیعہ، راج پوت، جاٹ اور مرہٹے سب ان کے ساتھ برسرِ پیکار ہوئے، لیکن انھوں نے ہر میدان میں حق و صداقت کا پرچم بلند کیا۔ نازنوں کی تقریباً پانچ ہزار افراد نے بغاوت کر دی، حضرت عالم گیر نے انھیں بھی ٹھکانے لگایا، راج پوتوں پر جزیہ نافذ فرمایا، اس سے ضدی عناصر مشتعل ہو گئے مگر انھیں اس کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ (تذکرۂ مجددین اسلام، ص:۲۵)

حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ میں باطل اور باطل پرستوں کا خاتمہ کرنے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ انھوں نے ملا شاہ بدخشی، چندر بھان برہمن اور محسن فانی کشمیری جیسے لوگوں کا محاسبہ کیا، جو وحدت ادیان کے داعی تھے اور دارا کے گمراہی کا سبب بنے تھے۔ بعد میں ان سب نے مصلحت کو ترجیح دی اور حضرت عالم گیر کی ملازمت میں رہے۔ شاہ محب اللہ الہ آبادی کے غلط افکار پر مشتمل اس کا رسالہ "رسالۂ ستویہ" جلا دیا۔ ہندوستان میں وحدتِ وجود کی غلط تعبیرات کا بہت زور تھا۔ اپنی کامیابی، دارا کا قتل اور مرکزی مضبوطی کے نظریہ کو حضرت اورنگ زیب نے تاحیات ابھرنے نہ دیا۔ (مقدمہ حسنات الحرمین، ص:۵۹)

حضرت اورنگ زیب عالم رحمۃ اللہ علیہ کی تخت نشینی سے پہلے شاہ جہاں کے زمانے ہی میں اخلاقی اور اجتماعی حالت نہایت خراب تھی۔ بداخلاقی توہم پرستی اور الحاد سے یہ دنیا بھری پڑی تھی۔ چناں چہ جب حضرت اورنگ زیب عالم گیر تخت نشیں ہوئے تو انھوں نے اپنی ساری کوششیں ان خرابیوں کو قلع قمع کرنے میں صرف کر دیں، بھنگ کی کاشت کاری، شراب نوشی، ممنوع قرار دی، جوا بند کرنے کا حکم صادر فرمایا اور بازاری عورتوں کو حکم دیا کہ یا تو وہ شادی کر لیں یا ملک چھوڑ دیں۔ ان احکام کی تعمیل کرانے کے لیے محتسب مقرر کیے۔

نیز آپ نے اپنے عہد حکومت میں تمام غیر شرعی ٹیکس جن کی تعداد ۸۰؍ تھی مثلاً؛ راہ داری، پنڈاری، ابواب یاترا وغیرہ منسوخ کر کے ہندوؤں سے جزیہ اور مسلمانوں سے زکوٰۃ وصولی پر زور دیا، تمام غیر اسلامی رسومات مثلاً؛ غیر خدا کو سجدہ، نوروز، سال گرہ، ہولی، دیوالی، دسہرہ، تلک، موقوف کر دیا۔ ستی، نشہ اور جوا ممنوع قرار پائے، جھوٹی شاعری، موسیقی، نجوم، رقص، مصوری سے شاہی دربار کو پاک کر دیا گیا، مساجد اور خانقاہوں کی مرمت کرا کے مدرسوں، علما اور طلبہ کے لیے جاگیریں وقف کی گئیں، سونے، چاندی اور ریشمی کپڑے کا استعمال بند کر دیا گیا، سکوں پر کلمہ طیبہ اور آیات قرآنی لکھنے کی ممانعت کر دی گئی۔

(محمد بن قاسم سے اورنگ زیب تک، ص:۳۳۱، اریب پبلیکیشنز نئی دہلی، مصنف: محمد سعید الحق)

دراصل حضرت اورنگ زیب نے اپنے سر پر شہنشاہی کا تاج اس لیے نہیں رکھا تھا کہ خود عیش و آرام کی زندگی گزاریں، اپنے ٹھاٹ، باٹ کے لیے رعایا پر طرح طرح کے ٹیکس لگائیں بلکہ بادشاہیت آپ نے اس لیے قبول کی تھی تاکہ رعایا امن وسکون کی زندگی بسر کرے، ملک میں عدل وانصاف کا جھنڈا لہرا دیا جائے، طاقت ور کمزوروں پر ظلم نہ کرنے پائیں، مسلمان اسلامی قوانین پر عمل کریں۔ آپ نے عدل وانصاف کا ایسا مضبوط شامیانہ تانا جس کے نیچے بھیڑیا بھی ایک دبلی کمزور بکری پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کر سکتا تھا۔

حضرت اورنگ زیب ہندوستان کے ایک عظیم بادشاہ تھے۔ شاہی خزانوں کا دریا آپ کے قدم کے نیچے سے بہہ رہا تھا اور اس دریا سے سارا ہندوستان سیراب ہو رہا تھا۔ لیکن دنیا یہ سن کر حیرت کرے گی کہ آپ نے اپنی ذات کے لیے شاہی خزانے سے ایک پیسہ نہیں لیا، آپ نے بڑی سادگی کے ساتھ زندگی کے لمحات گزارے، ٹوپیوں کے پلے میں بیل بوٹے نکال کر اس کو فروخت کرتے علاوہ ازیں اپنے ہاتھ سے قرآن مجید لکھ کر اس کو ہدیہ کرتے اور ان دونوں کی آمدنی سے اپنا ذاتی خرچ پورا کرتے۔

حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ نے دو قرآن مجید اپنے خامۂ مخصوص سے تحریر فرما کر مدینہ منورہ میں حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بطور ہدیہ رکھوا دیا۔ اور آپ کے دست مبارک سے تحریر کردہ قرآن مجید کے متعدّد نسخے آج بھی ہندوستان کی مختلف عظیم الشان لائبریریوں کو زینت بخش رہے ہیں۔ آپ اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں: "چار روپے جو میں نے ٹوپیاں بنا کر کمائے ہیں وہ میرے کفن میں خرچ ہوں، اور تین سو پانچ روپے جو میں نے قرآن شریف کی کتابت سے حاصل کیے ہیں وہ غریبوں میں خیرات کر دیے جائیں"۔ (تاریخ ہند مسلم عہد حکومت سے قیام جمہوریت تک، ص:۱۷۷)

آپ کے اسی حسن کردار سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ہندوستان کی شہنشاہی کا منصب عیش وآرام اٹھانے یا اپنی عظمت و شان بڑھانے کے لیے نہیں کیا تھا، یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عظمت وجلال، رفعت وبلندی آپ کو عطا فرمائی تھی وہ مغل بادشاہوں میں تیمور لنگ سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک کسی کو حاصل نہیں، آپ کے دور حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم رعایا بھی چین وسکون کی زندگی گزارتی رہی، ملازمت کا دروازہ آپ نے سب کے لیے یکساں کھول رکھا تھا۔ آپ کی حمایت و وفاداری میں جس طرح ایران اور توران کے مسلمان اپنی شمشیر کے جوہر دکھاتے رہے، وہیں آپ کے جھنڈے تلے ہندوستان کے ہزاروں راج پوت سپاہی اور افسران بھی اپنے دشمن پر تلوار چلاتے رہے۔

حضرت اورنگ زیب عالم گیر کی دینی خدمات

حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کے عہد حکومت میں تعلیمی وعلمی ترقیاں برصغیر ہند و پاک میں شاہان سلف سے بڑھ کر تھیں، مرکزی شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے شہروں، قصبات اور شرفا کی بستیوں میں تعلیم پھیلانے کے لیے حکومت کی جانب سے مدارس قائم کیے گئے، یہ مدارس علما کے مدرسوں کے علاوہ تھے، طالب علموں کے لیے وظیفے جاری کیے گئے اور ذاتی مدرسے جن علما کے تھے ان کو اور سرکاری مدارس کے مدرسین کو معیشت کی طرف بحال کیا گیا اور جاگیریں عطا کی گئیں۔ غرض یہ کہ ہر صوبہ ہر شہر اور ہر قصبہ میں تعلیم وتعلم کی اشاعت عام ہو گئی۔

علاوہ ازیں "فتاویٰ عالم گیری" کی تدوین حضرت اورنگ زیب عالم گیر کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ یوں تو عہد عالم گیری میں کئی اہم

تصانیف منظرِ عام پر آئیں لیکن ان میں سب سے اہم ''فتاویٰ عالم گیری'' ہے۔ بلاشبہ ہندوستان کے حنفی علما ہدایہ کے بعد بہترین فقہی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب نے علما اور طلبہ کو فقہ کی دوسری کتابوں سے بہت حد تک بے نیاز کر دیا ہے۔

اس کتاب مستطاب کی تالیف کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ سارے عالم میں امور دین اور احکام اسلامیہ کی نشر واشاعت ہو اور قضایا و معاملات کے فیصلے فقہ حنفی کے مفتیٰ بہ اقوال کے مطابق ہوں، لیکن چوں کہ اس وقت فقہ حنفی کی کوئی مبسوط اور جامع کتاب نہ تھی اس لیے فیصلہ صادر کرنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ لہٰذا آپ نے ہندوستان کے مشہور ومعروف علما و فقہا سے گذارش کی کہ فقہ کی تمام کتب سے ''مفتیٰ بہ مسائل'' منتخب کر کے ایک ایسی کتاب تیار کریں جو فقہ کے تمام پہلو پر حاوی ہو۔ اس جماعت کے صدر حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو منتخب کیا گیا، علمائے کرام کے لیے وظائف مقرر کیے گئے۔ ان علما نے نہایت خلوص و للّٰہیت اور محنت و جاں فشانی کے ساتھ آٹھ سال کی مدت میں ''فتاویٰ عالم گیری'' کو مدون فرمایا۔ (تاریخ ہندوستان، رود کوثر، ص: ۴۷۷، مکتبہ ادبی دنیا ۵۱۰ مٹیا محل ۱۱۰۰۶)

اس کی تیاری میں حضرت اورنگ زیب عالم گیر نے دو لاکھ روپئے خرچ کیے اور خود بھی اس کی تدوین میں شامل رہے۔ آپ روزانہ ملا نظام الدین سے ایک صفحہ پڑھوا کر سنتے اور اس پر جرح و قدح بھی فرماتے، اس طرح پوری تحقیق و تدقیق کے بعد اسے فتویٰ میں شامل کیا گیا۔

یقیناً ''فتاویٰ عالم گیری'' حضرت اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا عظیم کارنامہ ہے کہ تاریخ آپ کے اس کارنامے کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی اور امت مسلمہ آپ کے بار احسان تلے دبی رہے گی۔ آپ کے اسی احیائے ملت اور تجدید دین کی بنیاد پر علمائے زمانہ نے مجدد وقت کے لقب سے نوازا، جس کی تصریحات کتابوں میں موجود ہے۔

چناں چہ حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی رضی اللہ عنہ کے شاگرد و خلیفہ حضور ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''چودھویں صدی کے مجدد اعظم'' میں، حضرت مولانا غلام مصطفیٰ مجددی پاکستان نے '' تذکرۂ مجددین اسلام'' میں اور حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی مدظلہ العالی نے اپنی کتاب ''امام احمد رضا اور ردِ بدعات و منکرات'' میں انھیں مجدد لکھا ہے۔

المختصر حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ ہمہ پہلو شخصیت کے مالک تھے اور نہایت ہی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ انھوں نے اسلام کو زندہ کیا اس لیے غیر مسلم مؤرخین انھیں پسند نہیں کرتے اور ان پر لعن طعن کرتے ہیں۔ مسلم مؤرخین نے ان کے کردار کی عظمت کو سلام کیا ہے اور ان کے جملہ کارناموں میں مجددی تحریک کو روحِ رواں قرار دیا ہے۔ علامہ اقبال نے بھی انھیں برصغیر کا عظیم ترین حکمراں کہا ہے۔ ان کے دور میں ایک بار پھر اسلام کی بہاریں دیکھنا نصیب ہوئیں۔

وصال پر ملال: حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کی حکومت و سلطنت کا رقبہ کافی وسیع تھا، ہندوستان، افغانستان، اور تبت ان تینوں ملک کے آپ واحد شہنشاہ تھے، آپ پچاس سال ایک ماہ پندرہ یوم تک منصب اقتدار پر فائز رہے اور ۸/ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۱/ فروری ۱۷۰۷ء کو جمعہ کے دن احمد نگر (صوبہ دکن) میں انتقال فرمایا اور قصبہ خلد آباد میں جو شہر اورنگ آباد سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے آپ وہیں مدفون ہوئے۔ ☆☆☆

بارہویں صدی
کے
مجدّدین
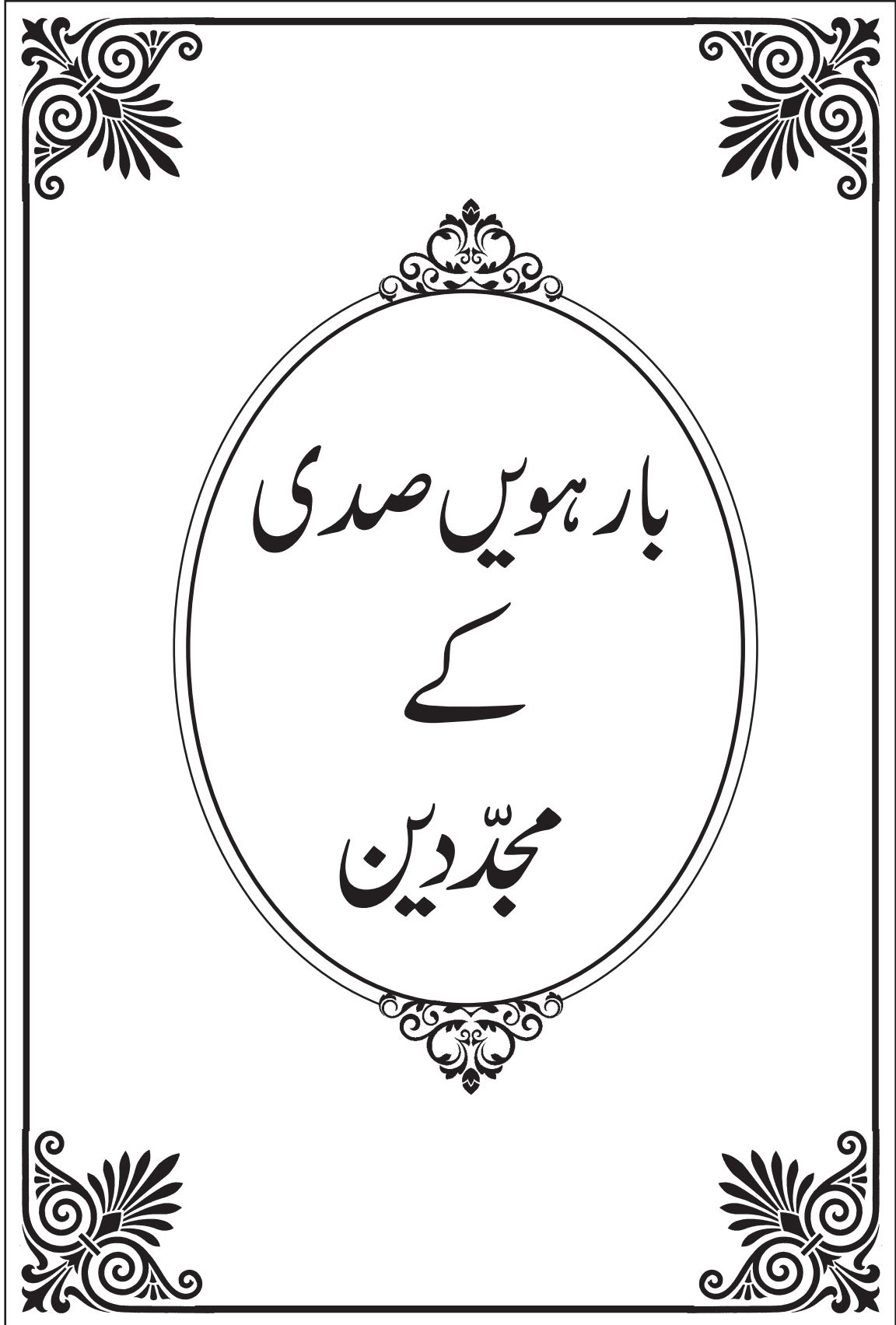
بارھویں صدی کے مجددین

★ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت بحرالعلوم علامہ عبدالعلی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت محی الدین سید محمد مرتضیٰ حسین زبیدی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

عبدالمبین مصباحی، گجرات، جماعت: فضیلت Mo: 7236984923

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شماران مقدس ہستیوں میں ہوتا ہے جنھوں نے بارہویں صدی ہجری میں دین وسنت کے احیاو تجدید کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔آپ نے اپنے عہد میں اٹھنے والی تمام غیراسلامی شورشوں کا خاتمہ کرکے حق وصداقت روزروشن کی طرح عیاں کیا۔آپ کی ذات بابرکت سے ایسے ایسے کارنامے پایہ تکمیل کو پہنچے جوآب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔آپ کی حیات وخدمات کاایک تفصیلی خاکہ ذیل میں پیش کیاجاتا ہے:

ولادت: ۲۵؍رمضان المبارک بروزپنج شنبہ ۱۱۵۹ھ کودہلی میں آپ کی ولادت ہوئی ۔آپ کے والدگرامی کانام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم حضرت خواجہ امین اور حضرت مولاناعاشق پھلتی رحمۃ اللہ علیہما سے حاصل کی۔یہ دونوں حضرات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد رشیدہیں۔اس کے بعد آپ نے اپنے والدگرامی کے مدرسہ میں داخلہ لےکر انھیں سے قراءت وسماعت کے ذریعے اپنا تعلیمی کارواں آگے بڑھایااور بڑی محنت اورلگن سے تحصیل علم کرتے رہے۔جب آپ سولہ یاسترہ سال کی عمر کو پہنچے توآپ کے والدگرامی اس دارفانی سے کوچ کرگئے؛اس لیے والدگرامی کی رحلت کے بعد حضرت شیخ نوراللہ، حضرت شیخ محمدامین کشمیری اورعاشق پھلتی جوآپ کے والدماجدکے تربیت یافتہ اور محرم راز تھے، ان سبھی حضرات سے آپ نے اکتساب فیض کیااور متعدّدعلوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے کی کوشش کی۔آپ نے کتب حدیث میں موطا، مشکاۃ المصابیح، حصن حصین اور شمائل ترمذی کی تعلیم اپنے والدگرامی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے حاصل کی اوراس طرح آپ کی اکثرتعلیم والدگرامی کے ذریعے ہی پایہ تکمیل کو پہنچی۔(محدثین عظام حیات وخدمات،ص:۶۵۵،ڈاکٹرمحمدعاصم اعظمی ناشر:رضااکیڈمی ممبئی)

تدریس: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعدمدرسہ رحیمیہ میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے اورساٹھ سال کی عمرتک درس وتدریس ہی میں مشغول رہے۔درس گاہ میں طلبہ کوباضابطہ درس دیتے اوردوسرے اوقات میں لوگوں کے دینی وعلمی مسائل حل کرتے۔روزانہ طلوع آفتاب کے بعدقرآن کے ایک رکوع کی تفسیربیان کرتے۔آپ کی دینی وعلمی شخصیت اس قدر مقبول تھی کہ لوگ دوردراز مقامات سے سفرکرکے علمی استفادہ کے لیے

آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اوراپنی علمی تشنگی بجھاکرواپس جاتے۔ آپ فضل وکمال اور شہرت ومقبولیت کے اس مقام پرفائز تھے کہ لوگ آپ سے شرف انتساب حاصل کرنے ،بلکہ آپ کے تلامذہ سے ادنیٰ سی نسبت پر بھی فخر کیاکرتے تھے۔

آپ کی ذات بابرکت میں اللہ تعالیٰ نے گوناگوں فضائل وکمالات جمع کر دیے تھے۔آپ بڑے حاضر جواب اور برجستہ گو تھے،اپنی قوت استدلال اور طرز تخاطب سے مدمقابل کولاجواب کر دیتے تھے۔آپ تحریر وتقریر میں ایک انفرادی شخصیت کے مالک تھے۔(محدثین عظام،حیات وخدمات،ص:۶۵۵)

تصنیفات: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں ۔آپ کے اسلوب بیان اور طرز استدلال میں ایسی جاذبیت تھی جو قاری کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی تھی۔آپ نے اپنی تصانیف کے ذریعے متعدّد گمراہ کن فرقے کاقلع قمع کیااورانھیں جڑ سے اکھاڑنے کی بڑی ہی جدوجہد کی۔کچھ تصنیفات درج ذیل ہیں:

(۱)تفسیر فتح العزیز(۲)تحفۂ اثناعشریہ(۳)سرالشہادتین (۴)سرالجلیل فی مسئلۃ التفضیل(۵)وسیلۃ النجاۃ (۶)عزیز الاقتباس فی فضائل اخیارالناس(۷)فیض عام(۸)اصول مذہب حنفی(۹)تحقیق الرؤیا(۱۰)میزان البلاغۃ(۱۱)الاحادیث الموضوعۃ (۱۲)قران السعیدین(۱۳)فتاویٰ عزیزی(۱۴)بستان المحدثین(۱۵)عجالۂ نافعہ(۱۶)ملفوظات عزیزی وغیرہ۔

آپ کی تصنیفات میں تحفۂ اثناعشریہ بڑی شہرت یافتہ کتاب ہے۔اس کتاب کوآپ نے ۱۲۰۴ھ میں مکمل کیا جو رد روافض کے حوالے سے ایک بےنظیر کتاب ہے۔مغلوں کے آخری عہد میں رافضیت پورے طور پر غالب آچکی تھی اوراہل سنت کے لیے اپنے عقائد کاتحفظ ایک دشوار مسئلہ بن گیاتھا۔ایسے نازک وقت میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عقائد اہل سنت کی بقاکے لیےاور عقائد باطلہ کی تردید میں یہ مدلل کتاب تصنیف فرمائی جس کا جواب آج تک روافض نہ لا سکے۔ فن حدیث میں ''بستان المحدثین'' اور ''عجالۂ نافعہ''جیسی کتاب تصنیف فرمائی جب کہ فن تفسیر میں ''تفسیر فتح العزیز''جیسی شاہ کار کتاب تحریر کی۔تفسیر کی اس کتاب میں آپ نے بہت ہی عمدہ اور نکتہ رس باتیں بیان کیں اور کچھ ایسے نکات بھی بیان فرمائے جن سے تفاسیر کی دوسری کتابیں بالکل ہی خالی ہیں،مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اس تفسیر کے اکثر حصے معدوم ہوگئے ہیں۔

(ایضًا،ص:۶۵۷)

تجدید واصلاح: بارہویں صدی ہجری کے پرفتن دور میں دین وسنیت کی دیواریں خستہ حالی کا شکار ہورہی تھیں، طرح طرح کے اعتقادی اور عملی فتنے پیداہورہے تھے۔ایسے نازک دور میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے درس وتدریس ،مواعظ اور فتاویٰ کے ذریعے دین حق کی جو نصرت فرمائی،بڑھتے ہوئے فتنوں کاقلع قمع کیا اور لوگوں کے ایمان واصلاح اعمال میں جو کامیابیاں حاصل کیں یقیناًوہ آپ کے تجدیدی کارنامے ہیں۔جو شخص محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری کا مطالعہ کرے گاوہ اس بات سے آشنا ہوگا کہ یقیناًآپ نے بارہویں صدی کے بہت سے فتنوں کا خاتمہ کیااور بارہویں صدی ہجری کے مجدد قرار پائے۔

حضرت مولاناظفرالدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ۱۱۵۹ھ/۱۲۳۹ھ میں اس لیے مجدد

کی صفات پائی جاتی ہیں کیوں کہ بارہویں صدی کے اخیر میں آپ صاحب علم وفضل، زہدو تقویٰ اور مشہور دیار و اطراف تھے اور تیرہویں صدی کے آغاز میں ان کا ڈنکا ہندوستان میں بولتا تھا اور ساری عمر دینی خدمات، درس و تدریس، افتا، تصنیف، پندو نصیحت، حمایت دین اور رد مفسدین میں اوقات صرف فرماتے رہے۔

(مجدد اعظم، ص:۴۲، ناشر: طلبۂ جماعت رابعہ، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، سن طباعت: ۱۹۸۰ء)

ہندوستان میں رافضیت کے بڑھتے سیلاب کو روکنے کے لیے آپ نے ایک معرکۃ الآرا کتاب بنام ''تحفۂ اثنا عشریہ'' تصنیف فرمائی۔ آپ کے زمانے میں شیعہ سنی اختلاف زوروں پر تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی تردید بڑی ہی شدومد کے ساتھ کرتے تھے۔ چناں چہ آپ نے حالات کے تناظر میں ایک نہایت فیصلہ کن کتاب تحریر فرما کر شیعیت کا خدوخال واضح کیا اور تذبذب کے شکار لوگوں کے لیے راہ راست کی پہچان آسان کر دی اور مد مقابل پر یہ روشن ہو گیا کہ صداقت اور حقانیت مذہب اہل سنت کے ساتھ ہی خاص ہے اور اس میں دوسرا کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں۔ اس کتاب میں اہل سنت کی حقانیت ثابت کی گئی ہے اور روافض کے باطل عقائد کی تردید کی گئی ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مضامین کے انتخاب میں اصول حق کی بھرپور رعایت کی گئی ہے۔ اہل تشیع کے عقائد وخیالات بیان کرتے وقت خود انہی کی کتابوں سے شہادتیں پیش کی گئی ہیں۔ آپ کی یہ کتاب اپنے موضوع پر لاجواب اور دلائل سے بھرپور ہے۔ جب یہ کتاب منظر عام پر آئی تو اس نے ایک ایسا اثر قائم کیا کہ انصاف پسند اور حق شناس حضرات شیعیت سے تائب ہو کر سنیت کے دامن میں آ گئے۔ یہ حال دیکھ کر شیعہ علما کے اندر کھلبلی مچ گئی اور ان کی جانب سے اس کتاب کا جواب دینے میں بڑی جوش وخروش کا مظاہرہ کیا گیا۔ چناں چہ اس کتاب کے رد میں ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۲ء میں حکیم مرزا محمد دہلوی (م:۱۲۳۵ھ/۱۸۳۰ء) نے ''نزہۃ اثنا عشریہ'' لکھی، جس کا جواب حضرت محدث دہلوی نے ''عزۃ الراشدین'' کے نام سے لکھا پھر عزۃ الراشدین کے جواب میں حکیم باقر علی خان اور دوسرے شیعہ علما نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ جیسے: سید دلدار علی (م:۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء) نے چھ کتابیں: ''صوم الالٰہیات''، ''حسام الاسلام''، ''احیاء السنہ''، ''رسالۂ ذوالفقار''، ''کتاب الصوارم'' اور ''رسالۂ عینیت'' تصنیف کیں اور ان کے شاگرد سید محمد قلی خان (م:۱۲۶۰ھ/۱۸۴۵ء) نے ''تحفہ'' کے باب اول کے رد میں ''سیف ناصری'' باب دوم کے رد میں ''تقلیب المکائد'' باب ہفتم کے رد میں ''تشید المطاعن وکشف الضغائن'' اور باب یازدہم کے رد میں ''مصارع الافہام'' تحریر کی۔

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، ص:۲۷۴،۲۷۳،۳، از: ڈاکٹر ثریا ڈار)

تحفۂ اثنا عشریہ کے جواب میں اتنی ساری کتابوں کا وجود میں آنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس کتاب نے اہل سنت اور اہل تشیع کا منصفانہ تاریخی جائزہ پیش کر کے اہل سنت کی حقانیت کو ثابت کیا اور شیعیت کے فروغ پر لگام لگا دی۔ دین متین کے احیا و تجدید میں آپ کی اسی سعی وکوشش کا نتیجہ ہے کہ بے شمار گمراہ لوگوں نے شیعیت سے تائب ہو کر مذہب اہل سنت کا دامن مضبوطی سے تھام لیا اور اپنے ایمان وآخرت کو بچانے کی فکر میں لگ گئے۔

ادھر فتنۂ شیعیت ابھی ختم بھی نہ ہوا تھا کہ فتنۂ وہابیت نے جنم لیا اور آپ کے بھتیجے اسماعیل دہلوی نے ''تقویۃ الایمان'' نام کی

ایک گمراہ کن کتاب لکھ کر ہندوستان کے مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے کی کوشش کی اور قرون ثلاثہ سے لے کر اب تک قائم اسلامی عقائد کے مقابلے میں ایک نئے دین کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت حضرت شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی عمر کو پہنچ چکے تھے ؛اس لیے آپ نے بڑے افسوس کے ساتھ کہا: ''میں تو بالکل ضعیف ہوگیا ہوں، آنکھوں سے معذور ہوگیا ہوں، ورنہ اس کتاب اور اس کے فاسد عقائد کا رد بھی تحفۂ اثنا عشریہ کی طرح لکھتا تاکہ لوگ اس فتنے سے محفوظ رہتے۔''

(ماہنامہ اشرفیہ، مئی، ۲۰۱۲ء، ص:۳۳)

اس نقاہت اور مجبوری کے ایام میں بھی احیاے دین اور دعوت حق کا جذبہ موجیں مار رہا تھا اور تقویۃ الایمان کی تردید میں جن علماے کرام نے کتابیں لکھیں ان میں شاہ محدث رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ کے تربیت یافتہ تلامذہ پیش پیش تھے۔

ملا رشید مدنی نے آپ کو قسطنطنیہ سے ایک خط لکھا تھا، جس سے آپ کی قبولیت عام کا اندازہ ہوتا ہے: شاہ صاحب! آپ کا کچھ ایسا اثر بلاد اسلامیہ میں ہو رہا ہے کہ جب کوئی فتویٰ دیا جاتا ہے اور علما اس پر اپنی مہر کرتے ہیں تو ہر شخص آپ کی مہر تلاش کرتا ہے اور وہ فتویٰ جس پر آپ کی مہر ثبت نہ ہو، زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ آپ یہاں تشریف لے آئیں تو ہم لوگوں کے لیے بڑے فخر کی بات ہوگی، سلطان ترکی بھی آپ کی بڑی عزت کریں گے۔'' (چودہویں صدی کے مجدد اعظم، ص:۴۴، ۴۳)

درس حدیث اور اس کی اشاعت و ترویج میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کی نظیر ہندوستان میں مشکل سے ہی نظر آئے گی۔ آپ نے ساٹھ سال تک درس حدیث دیا اور طلبہ میں فہم حدیث کا صحیح ذوق، طبقات رجال کی معرفت، صحیح وغریب اور قوی وضعیف حدیثوں کی پرکھ کا شعور پیدا فرمایا اور ایسے کامل محدثین پیدا کیے، جنھوں نے صرف ہندوستان کے طول وعرض ہی میں نہیں بلکہ بیرون ہند بھی اپنا حلقۂ درس قائم کیا اور بے شمار کاملین فن پیدا کیے۔ آپ کے مقتدر تلامذہ کو دیکھ کر بلا خوف وتردد یہ کہا جاسکتا ہے کہ تیرہویں صدی حضرت شاہ عبدالعزیز کے تربیت یافتہ افراد کی صدی تھی اور چاروں طرف انھیں حضرات کی علمی وفنی لیاقت کا چرچا تھا۔

وفات: ۸۰ر سال کی عمر میں اس عالم جلیل، پیکر علم ودانش، مرجع خلائق اور ایک عظیم الشان شخصیت نے عین طلوع شمس کے وقت بروز یک شنبہ ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء میں اس دار فانی کو الوداع کہا اور دہلی کے آبائی قبرستان ''مہدیان'' میں والد ماجد کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔ ☆☆☆

از: **محمد مرشد اویسی**، گھوسی، مئو، **جماعت**: خامسہ Mo:9198552705

شہر لکھنؤ کا ایک مشہور خطہ فرنگی محل اپنی تاریخی قدامت اور علمی ودینی شاندار روایت کے لحاظ سے نمایاں مقام رکھتا ہے، اس سرزمین نے علم ودانش کے ایسے چراغ روشن کیے جو افق علم وفضل پر آفتاب وماہتاب بن کر ابھرے، جن کی ضیا بار کرنوں سے عالم کا ایک گوشہ روشن ومنور ہوا اور دنیا نے علم ومعرفت کی روشنی حاصل کی۔ انھیں نابغۂ روزگار ہستیوں میں بحر العلوم حضرت علامہ عبد العلی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کی عبقری شخصیت بھی تھی، جنھوں نے درس وتدریس، تصنیف وتالیف کے ذریعے اشاعت علوم اسلامیہ اور رد فرق باطلہ میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ صرف کر دیا۔

نام ونسب: اسم گرامی عبد العلی محمد، کنیت: ابو العیاش، لقب: بحر العلوم اور ملک العلما ہے۔

سلسلۂ نسب: عبد العلی محمد بن ملا نظام الدین بن قطب الدین بن عبد الحلیم انصاری سہالوی لکھنوی۔

ولادت: حضرت علامہ بحر العلوم کی ولادت استاذ الہند ملا نظام الدین کی دوسری زوجہ کے بطن سے ١١٤٤ھ مطابق ١٧٣١ء میں فرنگی محل لکھنؤ میں ہوئی۔ (تذکرۂ علماے فرنگی محل، ص: ٢٠٧، از: عنایت اللہ فرنگی محلی، مطبع: نظامی پریس، ١٩٩٨ء)

والد گرامی: حضرت بحر العلوم کے والد گرامی ملا نظام الدین محمد ١٠٨٨ھ / ١٦٧٧ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، والد کی شہادت کے بعد ملا امان اللہ بنارسی (م: ١١٣٣ھ) ملا علی قلی جائسی اور ملا غلام نقشبند گھوسوی ثم لکھنوی (م: ١١٢٦ھ) سے اکتساب فیض کیا آپ نے شاہ عبد الرزاق بانسوی (م: ٥/ شوال ١١٣٥ھ) سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی۔ ٩/ جمادی الاولیٰ ١١٦١ھ / ١٧٤٨ء کو لکھنؤ میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

خاندانی پس منظر: حضرت بحر العلوم کا سلسلۂ نسب صحابی رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے جد امجد ملا جلال الدین "ہرات" سے دہلی آئے اور یہاں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، بعد میں ملا جلال الدین کی اولاد نے دہلی سے ترک سکونت کر کے قصبہ سہالی (ضلع بارہ بنکی) میں رہائش اختیار کر لی یہاں کچھ زمینی جھگڑوں کی وجہ سے آپ کے دادا ملا قطب الدین کو شہید کر دیا گیا، اور ان کا مکان نذر آتش کر دیا گیا۔ ملا قطب الدین کے چار بیٹے، ملا محمد اسعد، ملا محمد سعید، ملا نظام الدین اور ملا محمد رضا تھے۔ ملا محمد سعید نے والد ماجد کی شہادت پر بادشاہ وقت اورنگ زیب عالمگیر کے سامنے فریاد کی۔ انھوں نے سکونت کے لیے لکھنؤ میں فرنگی محل کا علاقہ دے دیا، اور ملا قطب الدین کی

اولاد نے یہاں رہائش اختیار کرلی۔

(تذکرۃ المصنفین والمؤلفین، ص:۱۱۱، از: پروفیسر اختر راہی، ناشر: اسلامی دار المطالعہ، شاہ بہلول، سہارنپور)

تعلیم و تربیت اور ظاہری و باطنی علوم سے سرفرازی: کتب درسیہ اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور سترہویں سال فراغت حاصل کی، والد ماجد کے انتقال کے بعد اپنے والد گرامی کے شاگرد ملا کمال الدین کی بارگاہ میں جاکر تکمیل کی اور وہیں ترقی علم میں مصروف ہوئے۔ ملا کمال الدین فرماتے ہیں کہ جو کچھ مجھ کو آیا ہے انھیں کے والد سے ملا ہے یہ صاحبزادے اس سن میں کلام قدما و متأخرین سے جس قدر واقف ہیں ان کے والد بھی اس سن میں اس قدر واقف نہ ہوں گے۔

ایک مرتبہ حضرت بحر العلوم شاہ پیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر حاضر ہوئے اس عرس میں اکابر علمائے وقت موجود ہوتے، ان کے سامنے دستار بندی ہوتی، استاذ الہند اپنی زندگی میں اس مجلس کے صدر اور مسند نشیں ہوتے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ حسب معمول حاضر ہوئے مگر صرف دستار بندی کا نظارہ دیکھنے کے لیے۔

بحر العلوم اس رسم کو دیکھنا چاہتے تھے اس غرض سے آگے بڑھے مگر مجمع بہت زیادہ تھا، ایک جانب بڑھے تو کسی نے کہا: کہاں بڑھے چلے جاتے ہو؟ آپ نے کہا: میں ملا نظام الدین کا لڑکا ہوں، اس شخص نے کہا: اگر تم ملا نظام الدین کے لڑکے ہوتے تو مسند نشیں ہوتے، آپ کی حمیت جوش میں آئی، گھر آکر بغل میں کتاب لی اور پدر بزرگوار کے مزار پر حاضر ہوکر دیر تک گریاں رہے اس کے بعد کتاب کھول کر مطالعہ شروع کیا جہاں بھی اشکال ہوتا روحانیت پدر بزرگوار سے مدد پاتے، یہاں تک کہ فاضل بے نظیر، جامع معقول و منقول، اور ظاہر و باطن علوم سے سرفراز ہوئے۔ (تذکرۂ علمائے فرنگی محل، ص:۲۰۷)

ممتاز تلامذہ: آپ کے خرمن علم سے سیکڑوں طالبان علوم نبویہ نے خوشہ چینی کی، متعدد شائقین علوم کو آپ نے سیراب کیا، آپ کا حلقۂ تلامذہ بہت وسیع ہے، چند اہم تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) ملا عمران رام پوری　　(۲) مولوی رستم علی

(۳) مولوی غلام نبی شاہ جہاں پوری　　(۴) مولوی محمد جیلانی۔ (حدائق الحنفیہ، ص:۴۸۴)

بیعت و خلافت: آپ کی بیعت کا تذکرہ حدائق حنفیہ میں اس طرح مذکور ہے:

آپ کا قول ہے کہ مجھ کو عالم رؤیا میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی اور انھوں نے ہاتھ پکڑ کر مجھ کو اپنی بیعت میں داخل کیا اور تعلیم وارشاد طریقت کا حکم دیا بس میں خاص انھیں کا مرید ہوں اور ان کے واسطے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک میرا سلسلۂ بیعت پہنچتا ہے۔ چناں چہ جو شخص اس سلسلے میں آپ سے بیعت کرتا آپ اسی ایک واسطے سے اس کو شجرہ عطا فرماتے۔

(مرجع سابق، ص:۴۸۵)

آپ کو مختلف سلسلوں کی اجازت و خلافت اپنے والد ماجد اور شاہ امین اللہ سیدنپوری سے حاصل تھی۔

تجدیدی کارنامے: یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بحر العلوم کی علمی، دینی، ثقافتی اور اخلاقی برتری اپنے نقطۂ عروج پر تھی، آپ کا دل حرص و طمع کی کدورت سے پاک اور لوگوں کو جاہلانہ روش سے بچانا آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔

حضرت بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ علم کے بحر ذخار تھے، آپ ہر فن میں نمایاں مقام رکھتے تھے، چاہے وہ فقہ، اصول فقہ، حدیث، فلسفہ، حکمت وکلام ہو یا تصوف اس کا اندازہ آپ کی تصنیفات سے بہ خوبی لگایا سکتا ہے۔ آپ صاحب زہد وورع بھی تھے۔ آپ اہل علم اور طلبہ پر بڑی فیاضی کیا کرتے تھے۔ بسا اوقات اہل وعیال کے لیے تھوڑا نفقہ باقی بچتا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے فرزند آپ سے ناراض رہتے، بحر العلوم اپنے دور کے ایک زبردست عالم ہونے کے ساتھ ساتھ مجدد بھی تھے آپ ہمیشہ باطل فرقوں کے غلط افکار ونظریات کی تردید میں سرگرم رہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کو لکھنؤ سے رافضیوں نے نکال دیا تھا۔ محمود احمد قادری رقم طراز ہیں:

بحر العلوم والد بزرگوار سے علوم متعارفہ کی تحصیل کرکے فارغ ہوئے، آپ کی علمی زندگی کا آغاز تھا کہ "تعزیہ کے جلوس" کے سلسلے میں اودھ کی رافضی حکومت نے آپ کو شہر بدر کر دیا، بحر العلوم شاہ جہاں پور گئے، وہاں حافظ الملک کی شہادت کے بعد نواب فیض اللہ والی رام پور کی طلبی پر رام پور گئے، یہاں بھی درس وتدریس کا مشغلہ تھا وہاں سے والی کرناٹک کے بلانے پر مدراس پہنچے، نواب صاحب نے آپ کا شاندار استقبال کیا، آپ کو اپنے محل لے گئے اور ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جس میں بحر العلوم کا دریائے علم جاری ہوا۔ (تذکرۂ علمائے اہل سنت، ص:۱۴۳، از: محمود احمد قادری، مطبع: علمیہ پریس، طباعت: بار دوم، ۱۹۹۲ء سنی دار الاشاعت، فیصل آباد)

قلمی جواہر پارے: حضرت بحر العلوم نے مبدأ فیاض سے فکر رسا اور اخاذ طبیعت پائی تھی، آپ معقولات ومنقولات اور کسی بھی شعبہ میں تصنیف وتالیف اور شرح وترجمہ کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ آپ کی تصنیفات وتالیفات بھی کثیر ہیں اور حق یہ ہے کہ ملا مبین رحمۃ اللہ علیہ تک فرنگی محل میں کوئی عالم آپ کی تالیفات وتصنیفات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آپ کی تالیفات میں وہ حقائق ودقائق ملتے ہیں اور شروح وحواشی میں اصل کتاب کا حل اس طرح اختصار کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔ آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

(۱) ہدایۃ الصرف (۲) شرح فقہ اکبر (فارسی میں) (۳) مسلم کی شرح (۴) مسلم الثبوت کی شرح "فواتح الرحموت" (۵) زواہد ثلاثہ پر حاشیہ (۶) میر زاہد رسالہ کا حاشیہ (۷) تحریر الاصول صاحب فتح القدیر کی شرح آپ کے والد ماجد نے لکھنا شروع کی تھی آپ نے اس کی تکمیل فرمائی (۸) شرح مسلم مع منہیات (۹) شرح مثنوی (۱۰) میر زاہد شرح مواقف پر پر تین حاشیے تحریر فرمائے (۱۱) صدرا پر مکمل حاشیہ (۱۲) منار کی شرح فارسی میں (۱۳) احوال قیامت (۱۴) ارکان اربعہ/رسائل الارکان۔ (تذکرۂ علمائے فرنگی محل، ص:۲۰۹)

رافضیوں کا رد بلیغ: علامہ عبد العلی فرنگی محلی نے اپنی کتاب نایاب "فواتح الرحموت" میں روافض کے باطل افکار و نظریات کی اکثر جگہوں پر تردید فرمائی ہے۔ آپ کی یہ کتاب گویا آپ کے تجدیدی کارناموں میں سے ایک ہے، ان میں سے ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں: رافضیوں نے آیت کریمہ " إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا " کے تعلق سے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ واقع ہو جاتی ہے لہٰذا اس آیت کریمہ کے پیش نظر ان کی تطہیر اور خطا سے عصمت واجب ہوگی۔ (روافض نے اس آیت میں ارادۂ تکوینی مان کر ایسا قول کیا)

حضرت بحر العلوم نے اس کا جواب کئی طریقوں سے دیا:

(۱) ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ آیت کریمہ کے مصداق مخصوص اہل بیت ہیں، بلکہ یہ آیت کریمہ ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہے اگرچہ یہ آیت ازواج کے توسط سے ان اہل بیت کو بھی شامل ہے۔ حضرت ابن عباس سے بروات صحیح یہی مروی

ہے اور یہی مذہب مختار ہے، (۲) یا یہ کہ آیت کریمہ ان حضرات کے حق میں نازل ہوئی ہے جن پر صدقات حرام کیے گئے ہیں۔ زید بن ارقم کا یہی موقف ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ اگر عصمت پر دلالت کرے تو ان حضرات کی بھی عصمت لازم ہوگی اور یہ بات ان کے مذہب کے خلاف ہے۔

اس تقریر پر روافض کا یہ اعتراض ہوا کہ آیت کریمہ میں اہل بیت سے مراد سیدہ فاطمہ زہرا، حضرت علی اور حضرات حسنین کریمین ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) امام ترمذی نے عمرو بن ابو سلمہ سے یہ روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت ام سلمہ کے گھر نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نفوس اربعہ کو بلا کر ان پر چادر نبوت ڈالی اور حضرت علی آپ کے پیچھے تھے، پھر آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان سے رجس دور کردے اور خوب خوب پاک فرمادے، حضرت ام سلمہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تم اپنی جگہ پر رہو اور تم بھلائی پر ہو۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور امام مسلم نے بھی اسی کے مثل روایت کی ہے۔

(۲) روافض نے اپنے موقف پر اس حدیث پاک سے بھی استدلال کیا ہے۔ طبرانی اور ابن جریر نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ آیت پانچ افراد کے حق میں نازل ہوئی ہے، میرے حق میں اور علی، فاطمہ، حسن اور حسین کے حق میں نازل ہوئی ہے پھر اس کے بعد اس آیت کا ذکر کیا۔

ان دونوں حدیثوں کا جواب دیتے ہوئے علامہ موصوف نے یہ ذکر کیا کہ ازواج مطہرات اگر مراد آیت سے خارج ہوں تو کلام ابلغ، کلام مفسول میں تبدیل ہوجائے گا حالاں کہ سوق کلام اس مراد کا انکار کرتا ہے بلکہ ازواج کو آیت کی مراد سے خارج ماننا مکابرہ بینہ ہے۔

پہلی حدیث یعنی امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث میں ازواج سے مراد آیت میں عدم دخول پر کوئی دلیل نہیں بلکہ سرکار علیہ السلام کے قول کا معنٰی یہ ہے کہ اے ام سلمہ! تم اپنی جگہ کو لازم پکڑو کیوں کہ تم بھلائی پر ہو اور اہل بیت میں سے ہو، منطوق آیت میں داخل ہو کیوں کہ آیت کریمہ ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہے البتہ میں ان کے لیے دعا کر رہا ہوں جن کے لیے منطوق آیت صراحتًا ثابت نہیں۔

دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آیت کریمہ میرے اور میرے ساتھ میری ازواج اور ان چار افراد کے حق میں نازل ہوئی ہے جو گھر میں نہیں رہتے۔ اس توجیہ کی بنیاد پر مکابرہ لازم نہیں آئے گا اور نہ ہی یہ توجیہ حضرت عکرمہ کے اس قول کے معارض ہوگی آپ فرماتے ہیں کہ "جو چاہے مجھ سے اس بات پر مباہلہ کرلے کہ یہ آیت ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہے"۔

دوسرا جواب ان کے استدلال کا یہ ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آیت مذکورہ مخصوص حضرات کے حق میں نازل ہوئی ہے، پھر بھی "انما یرید اللہ" الخ میں ارادہ سے ارادہ تشریعی مراد ہے اور ارادہ تشریعی میں مراد کا وقوع ضروری نہیں جیسا کہ سوق کلام اس پر دلالت کر رہا ہے۔

تیسرا جواب ان کے استدلال کا یہ ہے کہ "رجس" ذنب یعنی گناہ کو کہتے ہیں، لہٰذا آیت کا معنی یہ ہوگا "کہ اے اہل بیت!

اللہ تمھارے گناہ مٹانا چاہتا ہے اور تمہیں گناہوں سے کامل طور پر پاک وصاف کرنا چاہتا ہے" لہذا اس سے زیادہ گناہوں سے عصمت لازم آئے گی اور یہ آیت خطاے اجتہادی سے عصمت پر دلالت نہیں کرے گی۔ خطاے اجتہادی سے عصمت کے عدم لزوم کی وجہ یہ ہے کہ مجتہد مخطی، عنداللہ ماجور و مثاب ہوتا ہے۔ لہذا اس کی خطا کو "رجس" سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، بلکہ حق یہ ہے کہ اس سے گناہوں سے بھی عصمت لازم نہیں آتی، بلکہ قول باری سے اہل بیت کی مغفرت اور ان کے گناہوں کو مٹانا لازم آتا ہے کیوں کہ اذہاب شئی اولا اس کے وجود کا متقاضی ہے لہذا عصمت لازم نہ ہوگی۔

ان مذکورہ دلائل کی بنیاد پر اس آیت سے رافضیوں کا اہل بیت کی عصمت پر استدلال من کل الوجوہ باطل ہو گیا۔

جب رافضیوں کے لیے اس آیت سے اپنے موقف پر استدلال کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تو انہوں نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوے یہ کہا کہ اگر مان لیا جائے کہ آیت کریمہ میں ارادہ تشریعی مراد ہے تو پھر ہم اپنے موقف پر حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی سے اذہاب رجس کی دعا کی اور یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ آپ کی دعا بارگاہ رب العزت میں قطعا مستجاب و مقبول ہے لہذا ان کے حق میں عصمت قطعا لازم ہوگی بر خلاف ازواج مطہرات کے کیوں کہ آپ نے ان کے حق میں اصلا دعا نہیں کی۔

علامہ موصوف ان کا جواب یوں دیتے ہیں:

(۱) جس حدیث سے روافض نے استدلال کیا ہے وہ ظنی ہے اور ظن یقین کا کچھ بھی افادہ نہیں کرتا خاص کر اعتقادی مسائل میں جب کہ وہ اجماع قاطع کے معارض ہو۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث پاک سے زیادہ سے زیادہ اذہاب ذنوب اور مغفرت لازم آتی ہے اور یہ بات عصمت سے نہیں۔

اس کے بعد اس بحث کے اخیر میں یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر عصمت اہل بیت بایں معنی ثابت ہو کہ ان کا قول قطعا فرمان الہی ہو اور اس کی اتباع واجب اور مخالفت حرام ہو تو پھر ان اہل بیت اور انبیاے بنی اسرائیل میں کیا فرق رہ جائے گا، لہذا یہ بات قریب کفر ہے۔

اور شیعہ جو کہتے ہیں کہ اہل بیت نے بذات خود عصمت کا دعوی کیا ہے تو یہ اہل بیت پر خالص بہتان ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل بیت اس بہتان تراشی سے بری ہیں عن قریب وہ یہ جان لیں گے کہ وہ اہل بیت پر جھوٹ باندھنے والے ہیں اللہ ہمیں ان سے بچائے اور انھیں بروز قیامت رسوا کرے۔ (فواتح الرحموت: ج:۲، ص:۲۷۹ تا ۲۸۱، ناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت)

وصال پر ملال اور مزار پاک: اس بحر علوم و فنون اور آسمان فضل و کمال نے ۱۲/ رجب باختلاف روایت ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء یا ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۲۰ء کو مدراس میں بعمر ۸۳/ یا ۹۱/ سال انتقال فرمایا اور مسجد والا شاہی میں مدفون ہوئے۔ مزار مبارک اب تک زیارت گاہ خلائق ہے وہاں کے لوگ آج بھی مولانا کی عزت واحترام کو جانتے ہیں اور مولانا کے احفاد میں سے جو کوئی وہاں پہنچ جاتا ہے اس کی عزت و توقیر کرتے ہیں۔ (تذکرۂ علماے فرنگی محل، ص:۲۱۱)

محمد آصف، امبیڈکر نگر، جماعت: سابعہ Mo:9984759201

نام و نسب: آپ کا اسم گرامی: محمد، لقب: محی الدین اور کنیت: ابوالفیض، ابوالوقت، ابوالجود ہے، لیکن آپ مرتضیٰ حسین بلگرامی، زبیدی کے نام سے مشہور ہوئے۔ (حدائق حنفیہ، ص:۴۷۷، الأعلام، ۷/۷۰ مقدمہ تاج العروس، ص:۳۶)

سلسلہ نسب: محمد بن محمد بن محمد بن عبدالرزاق۔ (الأعلام، ۷/۷۰)

آپ کا تعلق سادات واسط سے ہے۔ بغداد پر ہلاکو خاں کے حملے کے بعد سید ابوالفرج واسطی ہجرت کر کے ہندستان تشریف لے آئے۔ سادات واسط کا نسب انہی سے ملتا ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۱۱۴۵ھ کو اتر پردیش کے مشہور شہر بلگرام میں ہوئی۔ (اہل سنت کی آواز، ۲۰۰۹ء، ص:۱۸۹)

تعلیم: بچپن کا زمانہ والدین کے سایہ عاطفت میں گزرا اور انھیں کے زیر سایہ نشو و نما پائی۔ ۱۲ سال کی عمر مین شیخ صبغۃ اللہ خیر آبادی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور علامہ احمد بن علی سندیلوی سے معقولات کا درس لیا جو معقولات میں یکتائے روزگار تھے۔ پھر الہ آباد روانہ ہوئے جہاں شیخ محمد فاخر بن محمد یحیی سے علمی فیوض حاصل کیے۔ وہاں سے اکبر آباد کا قصد کیا اور شیخ محمد یاسین عباسی سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ ۱۵ سال کی عمر میں دہلی پہنچ کر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور محدث کبیر علامہ نورالدین محمد قبولی رحمہا اللہ سے اکتساب فیض کیا۔ بچپن سے ہی آپ کی منور پیشانی پر اقبال مندی کا آفتاب فروزاں تھا۔ کمال شوق کے ساتھ ہندوستان کے باکمال علما سے فیض یابی کے بعد بھی علم کی تشنگی نہیں بجھی بلکہ:

ع: مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

علم کی تلاش و جستجو میں ۱۶/ سال کی عمر میں دیار عرب کا رخ کیا اور ۱۱۶۱ھ میں یمن کے مشہور شہر زبید کو اپنے قدوم میمنت سے زینت بخشا، جو اس زمانے میں علم و دانش کا منبع تھا۔ وہاں شیخ احمد بن محمد مقبول سے چند کتابوں کا درس لیا، شیخ محمد بن علاء الدین کی صحبت میں رہ کر علمی فیوض و برکات حاصل کیے اور خاتم المحدثین شیخ رضی الدین عبدالخالق زبیدی سے علم حدیث میں کمال حاصل کیا۔

علم کی تابانی آپ کے دل و دماغ کو جس قدر روشن کرتی، عشق رسول کی سوزش میں اتنا ہی اضافہ ہوتا۔ اس آدم بے سایہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ذکر آتا تو آنکھیں پر آب ہو جاتیں۔اس لیے زیارت حرمین شریفین کے لیے رخت سفر باندھ لیا۔مناسک حج ادا کیے اور دیار حبیب کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کیں اور وہاں کے قدر آور علما و مشائخ سے اکتساب فیض کرتے رہے۔ پھر ۱۱۶۳ھ میں طائف تشریف لے گئے۔وہاں شیخ عبداللہ طائفی سے فقہ و اصول کی کتابوں کے علاوہ ان کی تصنیف کردہ اکثر کتابوں کا درس لیا اور شیخ عبداللہ بن ابراہیم بن حسن جھنی طائفی کا تصنیف کردہ رسالہ ان سے سبقا سبقا پڑھا۔مکہ مکرمہ پہنچ کر عبدالرحمٰن عبدروسی سے مختصر السعد پڑھی۔۱۱۶۴ھ میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے،علامہ عمر بن احمد بن عقیل سے کسب فیض کیا اور لغت و ادب میں مشہور آفاق شیخ ابو عبداللہ احمد بن محمود اشرفی قاسمی سے،شیخ مجد الدین فیروز آبادی کی معروف لغت "القاموس المحیط" کے چند اسباق پڑھے۔اس کے بعد یمن واپس ہو گئے۔ایک طویل مدت تک یہاں قیام کیا۔یہاں تک کہ آپ زبیدی کے نام سے چاروں اکناف عالم میں اس طرح مشہور ہوئے کہ کسی کو آپ کے ہندی ہونے کا گمان نہ ہوتا۔

(اہلِ سنت کی آواز،۲۰۰۹ء،ص:۱۹۰)

طلب علم کی راہ میں آپ کا ذوق سفر ہر نشیمن سے بالاتر تھا،اس راہ میں پیش آنے والی ہر پریشانی بسر و چشم تسلیم تھی،اس لیے ۱۱۶۷ھ میں شہر زبید کو الوداع کہہ کر سرچشمہ علم و معرفت مصر کا رخ کیا۔وہاں پہنچ کر "خان الصاغہ" میں قیام کیا،ارباب فضل و کمال فقہا و محدثین سے خوشہ چینی کی،جنہوں نے آپ کی ذہانت و فطانت،فضل و کمال اور وسعت علمی کی شہادتیں دے کر اسناد و اجازت سے نوازا۔(اہلِ سنت کی آواز،۲۰۰۹ء،ص:۱۹۰)

تدریس: اب آپ کی استعداد و صلاحیت کا غلغلہ مشرق سے مغرب تک پہنچ گیا۔تشنگان علوم چاروں اکناف عالم سے جوق در جوق آپ کی بارگاہ کا قصد کرنے لگے۔بے شمار لوگوں کو اسناد و اجازت سے سرفراز کیا،سلطان روم نظام الدین ابوالفتح عبدالحمید خان،دستور اعظم سلطان ابوالمظفر محمد پاشا صدر الوزارۃ اور نظام الملک کو ان کی استدعا سے حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی۔(حدائق حنفیہ،ص:۴۷۷)

خصوصیات: آپ لباس فاخرہ زیب تن کر کے عالمانہ طمطراق کے ساتھ مسند نشیں ہوتے اور نشان زدہ گھوڑے پر سوار ہوتے۔لوگوں کے دلوں میں آپ کی عقیدت و محبت کا دریا اس قدر موجزن تھا کہ بعض اہل مغرب کا خیال تھا کہ جس نے حج کیا اور وسعت کے باوجود ان سے ملاقات نہ کی تو اس کا حج مکمل نہ ہوا۔(الأعلام،۷/۷۰)

وفات: ماہ شعبان المعظم بروز سنیچر ۱۲۰۵ھ طاعون کے مرض کے سبب علم و معرفت کا یہ آفتاب تاباں روپوش ہو گیا اور خلق خدا اس کی ضیا بار کرنوں سے محروم ہو گئی۔(اہلِ سنت کی آواز،۲۰۰۹ء،ص:۱۹۰)

فن میں نمایاں کامیابی: آپ کو علم فقہ و حدیث سے کافی شغف تھا اور دونوں فنون میں آپ کو مہارت حاصل تھی۔ مذاہب اربعہ کے علمانے آپ کو اسناد و اجازت سے نوازا تھا۔فن حدیث میں آپ کی متعدد کتابیں ہیں۔(مقدمہ تاج العروس،ص:۳۸) لیکن علم لغت و ادب آپ کی خاص جولان گاہ تھی۔"تاج العروس شرح القاموس المحیط" اس کا واضح ثبوت ہے۔یہ

کتاب آپ کا گراں قدر علمی کارنامہ ہے۔ دراصل یہ کتاب علامہ مجد الدین کی القاموس المحیط کی شرح ہے، جو چودہ سال کی جہد مسلسل اور سعی پیہم کے بعد ۱۱۸۱ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی اور پہلی مرتبہ ۱۱۸۲ھ میں غیر مکمل طور پر قاہرہ سے پانچ جلدوں میں شائع ہوئی۔

تاج العروس پر علامہ زبیدی کے مقدمہ سے واضح ہوتا ہے کہ القاموس المحیط میں بڑے اختصار سے کام لیا گیا تھا، جس کے سبب بعض مقامات کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی تھی؛ اس لیے آپ نے گنجلک مقامات کی اطمنان بخش تشریح اور مباحث کی تکمیل کرکے اس کو ایک مکمل اور جامع قاموس بنانے کا بیڑا اٹھایا۔

تاج العروس لکھتے وقت مصنف کے پاس حوالے کے لیے ایک سو دس کتابیں موجود تھیں۔ ان میں چند اہم خطی نسخے ایسے بھی تھے جو عرب ممالک کے علمی اسفار اور سیاحت کے دوران موصول ہوئے۔ ان سب کا نچوڑ اس کتاب میں موجود ہے۔

علامہ زبیدی نے اس کتاب کے مقدمہ میں دس مقاصد کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ایسی معلومات افزا باتیں رقم فرمائی ہیں، جو عربی زبان سے ادنی شدبد رکھنے والے کے لیے روشنی کا منارہ ہیں۔ یہ عربی معجم ایک لاکھ بیس ہزار مادوں پر مشتمل ہے۔

رشحات قلم: آپ کے نوک قلم سے مندرجہ ذیل کتب ورسائل منصہ شہود پر آئے:

الابتهاج بختم صحيح مسلم بن الحجاج، اتحاف الاصفياء بسلاسل الاولياء، اتحاف الإخوان في حكم الدخان،اتحاف بنى الزمن في حكم قهوة اليمن،اتحاف السادة المتقين بشرح أسرار إحياء علوم الدين، اتحاف سيد الحي بسلاسل بنى طي، الاحتفال بصوم الست من شوال، اتحاف أهل الإسلام بما يتعلق بالمصطفى و أل بيتته الكرام اختصار شيخه ابي عبد الله البياني،اربعون حديثاً في الترجمة، الأربعون المختلفة فيما ورد في الأحاديث في عرفة،أرجوزة في الفقة، إرشاد الإخوان إلى الأخلاق الحسان،الازهار المتناثرة في الأحاديث المتواترة،أسانيد الكتب الستة، الإشعاف بالحديثا لمسلسل بالأشراف، إعلام الأعلام بمناسك بيت الله الحرام، إقرار العين بذكر من نسب إلى الحسن والحسين، إكليل الجواهر الغاليةفي رواية الأحاديث الغالية،ألفية السند و مناقب أصحاب الحديث،الأمالي الحنفية،الأمالي الشيخونية،إنالة المنى في سر الكنى، الإنتصار لوالدي النبي المختار،إنجاز وعد السائل في حديث أم زرع من الشمائل، إيضاص المدارك عن نسب العواتك،بذل المجهود في تخريج حديث شيبتني هود،بلغة الأريب في مصطلح أثار الحبيب،تاج العروس في شرح القاموس،التحبير في حديث المسلسل بالتفكير، تحفة العيد،تحفة القماعيل في مدح شيخ العرب إسماعيل،تحفة الودود في ختم سنن أبي داؤد، تخريج الأحاديث الأربعين النو ية، تخريج حديث نعم الإدام الخل،ترويح القلوب بذكر ملوك بني أيوب، التعريف بضروة علم التصريف، تحقيق الوسائل لمعرفة المكاتبات والرسائل، التعليقة الجليلة على مسلسلات ابن عقيلة،التفتيش في معنى

لفظ درو يش، تفسير على سورة يونس على لسان القوم،تكملة على شرح حرب البكري للفاكهي، تكملة القاموس عما فاته من اللغة، تنبيه العارف الكبير على أسرار الحرب الكبير، تنسيق قلائد اليمن في تحقيق كلام الشاذلي أبي الحسن،جزء: طرق: اسمع يسمح لك، الجواهر المنفية في أصول مذهب أبي حنيفة، جذوة الإقتباس في نسب بني عباس، حديقة الصفا في والدي المصطفى،حسن المحاضرة في أداب البحث والمناظرة،حكمة الإشراق إلى كتّاب الأفاق، حلاوة الفانيد في إرسال حلاوة الأسانيد، الدرة المضية في الوصية المرضية،رسالة في أصول الحديث،رسالة في اصول المعمى،رسالة في تحقيق قول أبي الحسن الشاذ لي"وليس من الكلام...الخ"،رسالة في تحقيق لفظ الإجازة، رسالة في طبقات الحفاظ،رسالة في مناشى والصفين،رشف سلاف الرحيق في نسب حضرة الصديق، رشف المدام المختوم البكري من صفوة زلال صيغ القطب البكري، رفع الشكوى لعالم السر والنجوى، رفع نقاب الخفا عمن انتى إلى وفا أبي الوفا، الروض المؤتلف في تخريج حديث بجمل هٰذا العلم من كل خلف،زهر الإكمام المنشق عن جيوب الإلهام بشرح صيغة سيدي عبد السلام، شرح الصدر في أسماء أهل البدر،شرح صيغة ابن مشيش،شرح على خطبة شيخ محمد البحتري البرهاني على سورة يونس،شرح صيغة السيد البدر يشرح ثلاث صيغ لأبي الحسن البكري، شرح سبع صيغ المسمى بدلائل القرب للسيد المصطفى البكري، شرح الحزب الكبير للشاذلي المسمى بتنبيه العارف البصيرعلى أسرار حزب الكبير،العروس المجلية في طرق حديث الأولية،العقد الثمن في طرق الإلباس و التلقين، العقد الثمين في حديث:اطلبوا العلم ولو بالصين،عقد الجمان في أحاديث الجانّ،عقد الجوهر الثمين في الحديث المسلسل بالمحمدين،العقد المنظم في أمهات النبي،عقيلة الأشراب في سند الطريقة والأحزاب، الفجر البابلي في ترجمة البابلي،الفوائد الجليلة على مسلسلات ابن عقيلة، الفيوضات العلية بما في سورة الرحمٰن من أسرار الصيغة الإلٰهية، قلنسوة التاج في بعض أحاديث صاحب الأسرار والمعراج،قلنسوة التاج رسالة ألفه باسم ابن بدير المقدسي،القول الصحيح في مراتب التعديل والتخريج،القول المثبوت في تحقيق لفظ التابوت،كشف الغطا عن صلاة الوسطى.(مقدمہ تاج العروس،ص:۳۰)

آپ صاحب دیوان شاعر بھی تھے۔آپ کے بہت سارے قطعات آپ کی دیگر تصانیف میں بکھرے ہوئے ہیں۔ان کے علاوہ نظم کے مستقل مجموعے بھی ہیں۔"الدعوة المضية والوصية المرتضية" *دو سوبیس اشعار پر مشتمل ہے۔* "المقاصد الهندية فى المشاهد النقشبندية"*ایک سو پچاس اشعار پر مشتمل ہے۔*

(اہلِ سنت کی آواز،۲۰۰۹ء،ص:۱۹۱)☆☆☆

محمد وزیر احمد، بانکا، جماعت خامسہ Mo:7236940498

تیرہویں صدی میں جب سلطنت مغلیہ زوال و پسماندگی کے خطرناک مراحل سے گزر رہی تھی۔ ملک کے طول وعرض میں سیاسی ومعاشرتی ناہمواریوں اور مذہبی و فکری ہنگامہ آرائیوں کے بازار گرم تھے۔ بھولے بھالے سادہ دل سنی صحیح العقیدہ مسلمان بد مذہبوں کے چنگل میں پھنس کر اپنے ایمان وعقیدے کی مضبوط جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے۔ انگریزوں کا فتنہ الگ اثر دکھا رہا تھا۔ ایسے پرخطر وپرآشوب دور میں جن چند درویشان خدا نے اصلاح امت کا بیڑا اٹھایا ان میں ایک نام حضرت شیخ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ملتا ہے۔

تاریخ پیدائش: آپ کی تاریخ پیدائش کے سلسلے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ حضرت غلام مصطفیٰ مجددی ساقی لکھتے ہیں: ''آپ کی پیدائش ۱۱۵۶ھ مطابق ۱۷۴۳ء کو صوبۂ پنجاب کے ایک مشہور ومعروف قصبہ بٹالہ میں ہوئی۔ آپ جس خاندان میں پیدا ہوئے وہ ایک علوی سادات کا مبارک خاندان تھا''۔ (تذکرہ مجددین اسلام، مصنف غلام مصطفیٰ مجددی ایم۔ اے۔ ناشر، چودھری عبد المجید، پاکستان۔ سن اشاعت ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۱ء، ص: ۲۶۷و۲۶۸۔)

حضرت مولانا عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ مقامات مظہری کے ضمیمہ میں فرماتے ہیں:

''آپ کی تاریخ پیدائش ۱۱۵۸ھ ہے''۔ (ضمیمہ مقامات مظہری مصنف شاہ عبد الغنی۔ اڈیشن دوم، طباعت ۲۰۰۱ء، لاہور، پاکستان)

اور ایسا ہی خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی نے بھی اپنی کتاب ''حدوث الفتن و جهاد اعیان السنن'' میں تاریخ پیدائش ۱۱۵۸ھ لکھا ہے۔ (حدوث الفتن وجہاد اعیان سنن، مصنف علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ص: ۱۰۸، ناشر: المجمع الاسلامی ملت نگر، مبارک پور)

راجح یہی دوسرا قول ہے؛ اس لیے کہ مجددی صاحب کے علاوہ دیگر مصنفین نے قول ثانی پر ہی اتفاق کیا ہے بر خلاف قول اول، علاوہ ازیں مجددی صاحب بہت بعد کے مصنف ہیں۔

اسم گرامی: آپ کے والد ماجد شاہ عبد اللطیف قادری رحمۃ اللہ علیہ نہایت صالح اور بزرگ انسان تھے۔ آپ کی ولادت سے قبل والد مکرم نے خواب میں دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ جب آپ کی کوئی اولاد پیدا ہو تو اس کا نام علی رکھنا۔ اس لیے جب آپ کو اولاد ہوئی تو آپ کے والد مکرم نے آپ کا نام علی رکھا۔ اور آپ نے خود کو ''غلام علی'' کہلوایا۔

لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا۔ جو یہ فرمارہے تھے کہ آپ اپنے بیٹے کا نام عبدالقادر رکھنا۔ حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاید وہ بزرگ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ آپ کے عم بزرگوار نے بھی ایک دن خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، حضور نے فرمایا "اپنے بھتیجے کا نام عبداللہ رکھنا"۔ اسی لیے آپ اپنی تالیفات میں "فقیر عبداللہ" اور ادباً "غلام علی" فرماتے تھے۔ (تذکرہ مجدد دین اسلام۔ ص:۲۶۸، پاکستان۔)

تعلیم: آپ کی پیدائش کے جب چند سال ہو گئے تو آپ نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم "طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم و مسلمة"، پر عمل کرتے ہوئے حصول علم کے میدان میں قدم رکھا۔ آپ نے اپنے دور کے مختلف علمائے کرام اور بزرگان دین کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کی وسعتوں میں علم وادب کے چراغ بن کر روشن ہو گئے۔

آپ کو فن حدیث میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ آپ نے بخاری شریف حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی اور سند حدیث عبدالعزیز محدث دہلوی و اپنے مرشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے حاصل کیا۔

(تاریخ مشائخ نقش بندیہ۔ ص:۱۷۴۔)

ان کے علاوہ بھی آپ نے اپنے دور کے بے شمار بلند پایہ حضرات سے کسب فیض کر کے علوم نقلی و عقلی میں مکمل مہارت حاصل کی۔ جن میں سے چند مشہور و معروف حضرات کے اسما مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا محمد ضیاء اللہ صاحب۔ (۲) حضرت مولانا شاہ عبدالعدل صاحب۔
(۳) حضرت خواجہ میر درد۔ (۴) مولانا فخرالدین دہلوی۔
(۵) شاہ غلام سادات چشتی وغیرہ۔ (تذکرہ مجدد دین اسلام، از علامہ غلام مصطفیٰ مجددی۔ ص:۲۶۹۔)

غرض کہ آپ تیرہویں صدی ہجری کے مجدد دین اسلام میں بے مثال تھے۔ پیر و مرشد کے فیضان نظر نے آپ کو علم وولایت کے اوج ثریا پر فائز کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ درسگاہ میں درس دے رہے تھے۔ آپ کے انداز تفہیم و تقریر سے ایک شخص متأثر ہو کر کہنے لگا کہ آپ کی دقت نظر بلا شبہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا "توبہ! ایں شاں بحر علم و دریائے بیاں اند، از گل گلدستہ مہیا سازند و من از گل غنچہ می کنم" (ایضًا۔ ص:۲۷۳۔)

وقت کے بڑے بڑے علما وفقہا کا آپ کے سامنے عجز و انکساری سے کام لینا اور آپ کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہ کرنا ایسی واضح اور روشن مثال ہے جس سے آپ کی علمی تبحر کا براہ راست سراغ ملتا ہے۔

حضرت مولانا خالد کردی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ خود ایک بہت بڑے عالم دین تھے۔ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور کسی سے متأثر نہیں تھے لیکن جب وہ آپ کی بارگاہ میں آئے تو آپ ہی کے ہو کر رہ گئے۔ آپ کے علم وفضل کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ نے بڑے بڑے مسائل کو چٹکیوں میں حل کر دیا۔ خصوصیت کے ساتھ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار لطیفہ پر اٹھائے جانے والے اعتراضات و تنقیدات کی خوب خبر لی۔

مولانا رحمٰن علی لکھتے ہیں۔ "مولانا غلام علی دہلوی مظہر جان جاناں کے مرید، عارف کامل اور علوم ظاہر و باطن کے جامع

تھے"۔(تذکرہ علماے ہند۔ص:۳۶۴۔بحوالہ مجدد دین اسلام)

قلمی جواہر پارے: آپ کو اللہ عزوجل نے سیال قلم بھی عطا فرمایا تھا۔اسی لیے آپ کے نوک قلم سے ایسے متعدّد کتب ورسائل وجود میں آئے جو اپنی اپنی جگہ پر آفتاب وماہتاب سے کم نہیں ہیں۔ان گراں قدر کتب ورسائل میں سے چند کے اسما مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)مقامات مظہری۔(۲)ایضاح الطریقہ۔ (۳) احوال بزرگاں۔(۴)مقامات مجدد الف ثانی۔(۵)طریق بیعت واذکار۔(۶)طریقہ شریفہ شاہ نقش بند۔(۷)احوال شاہ نقش بند۔(۸)رسالہ اذکار۔(۹)رسالہ مراقبات۔ (۱۰)رد اعتراضات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔(۱۱)رد مخالفین حضرت مجدد الف ثانی۔(۱۲)رسالہ مشغولیہ۔ (۱۳)کمالات مظہری۔(۱۴)سلوک راقیہ نقش بندیہ۔ (۱۵) مکاتیب شریفہ وغیرہ آپ کے علم وعرفاں پر گواہ اور تبحر علمی کی بین دلیل ہیں۔

(تذکرہ مجدد دین اسلام۔ص:۲۷۴۔پاکستان۔)

بیعت: جب آپ کی عمر ۱۶ سال کی ہوئی تو آپ کے والد مکرم شاہ عبداللطیف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ کریم شاہ ناصر الدین قادری دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ بافیض میں بیعت کرنے کے لیے طلب فرمایا۔اس لیے آپ بٹالہ چھوڑ کر دہلی روانہ ہوئے۔لیکن افسوس کہ آپ کے دہلی پہنچنے سے قبل ہی شیخ کریم کا وصال ہو گیا۔یہ خبر سن کر والد ماجد کو کافی افسوس ہوا اور پھر فرمایا کہ "میں نے تمھیں بیعت کرنے کے لیے طلب کیا تھا۔لیکن خدا کی مرضی یہ نہیں تھی۔اب تم جہاں اپنا فائدہ دیکھو وہیں اخذ طریقت کرو"۔

۱۱۸۰ھ بمطابق ۱۷۶۷ء میں جب آپ اپنی زندگی کی بائیس بہاریں دیکھ چکے تو اس وقت کے مشہور ومعروف پیر طریقت حضرت مظہر جان جاناں کی بارگاہ میں حاضر خدمت ہوئے۔اور بیعت کی درخواست کی۔یہ سن کر مرزا مظہر جان جاناں نے ارشاد فرمایا کہ یہاں مرید ہونے سے پہلے بغیر نمک کے پتھر کھانا پڑتا ہے۔یہ سن کر آپ نے لبیک کہا اور مرزا مظہر جان جاناں کے دست حق پرست پر مرید ہونے کے ساتھ ساتھ بیعت وخلافت سے بھی سرفراز ہو گئے۔(خانقاہ مظہریہ دہلی۔ص:۳۳۱۔)

آپ نے بیعت وخلافت حاصل کرنے کے بعد خلق خدا کی خدمت کا بیڑا اٹھایا اور اس میں مشغول ہو گئے۔چند ہی دنوں میں آپ کے مریدین کا سلسلہ روم وشام اور مشرق سے مغرب تک پہنچ گیا۔

آپ کے خلیفہ اجل حضرت علامہ عبدالرؤف رافت تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کی بارگاہ میں خالص اعتقاد رکھنے والے اور مخلص لوگوں کا بے شمار مجمع ہے۔لوگ سمرقند، بخارا، عراق، قندھار، کابل، پشاور، پٹنہ، ڈھاکہ، لکھنؤ، گورکھپور، حیدرآباد، بریلی اور کشمیر وغیرہ کے کثیر افراد نے حق تعالیٰ کی معرفت میں آپ کے دست حق پرست پر بیعت کیا"۔ (دارالمعارف۔بحوالہ تذکرہ مجدد دین اسلام۔ص:۲۷۰۔)

آپ شیخ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں: "دور دراز ممالک تک ہمارا فیض پہنچ گیا۔مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں ہمارا حلقہ ہوتا ہے۔اسی طرح بغداد، روم اور مغرب میں ہمارا حلقہ ہوتا ہے"۔

(ملفوظات شریفہ۔از شیخ غلام قصوری، بحوالہ مجدد دین اسلام۔)

القاب: آپ کی تبحر علمی اور خدا شناسی کی ملکہ کو دیکھ کر خلق خدا آپ کی بارگاہ عالیہ میں کشاں کشاں چلے آتے۔ ہم عصر علمائے کرام نے اپنے اپنے پلکوں کے سائے میں آپ کو جگہ دی اور متعدّد معزز القاب سے ملقب فرمایا۔

صرف آپ کے ایک خلیفہ اجل علامہ عبد الرؤف رافت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے متاثر ہو کر بے شمار القاب سے ملقب فرمایا۔ ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت پیر دستگیر، قطب رواں، قیوم زماں، سراج محفل صفا، مصدر برکات رحمانی، مظہر اسرار الٰہیہ، مورد فیض سبحانی، مروج طریقہ مجددیہ، مکمل کمالات احمدیہ، سالک مسالک صراط مستقیم شریف وایماں، کاشف اسرار خلت ومحبت، واقف انوار محبت ومحبوبیت جن کی شان یہ ہے ۔

امام جملہ خلائق امیر ہر دوسرا
محیط رحمت ودریاے جود وبحر عطا

(تذکرہ مجدد دین اسلام، ص:۲۷۲۔ مکتبہ نبویہ، لاہور، پاکستان)

مجاہدہ ومشاہدہ: آپ مجاہدہ ومشاہدہ کے بلند مقام پر فائز تھے۔ رات میں بہت کم سوتے۔ لوگوں کو جب آپ خواب غفلت میں پاتے تو انھیں بیدار کرتے اور تہجد پڑھنے کی ترغیب دلاتے۔ تہجد پڑھنے کے بعد آپ تلاوت قرآن میں منہمک ہو جاتے۔ روزانہ دس پارے ختم کرتے۔ صبح کی نماز اول وقت میں ادا کر کے اشراق تک حلقہ ومراقبہ میں مشغول رہتے، اگر لوگ زیادہ ہو جاتے تو کوئی مرتبہ حلقہ کرتے۔ اس کے بعد طالب علموں کو حدیث وتفسیر کا درس دینے میں لگ جاتے۔ لوگ ملنے آتے تو انھیں تھوڑا سا وقت دے کر رخصت فرما دیتے۔ مراقبہ کی حالت میں آپ پاؤں پھیلا کر ہرگز نہیں بیٹھتے اور اکثر اس طریقے پر بیٹھتے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا پھر اس طریقے پر جو حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات بھی اسی طریقے پر ہوئی۔ (مقامات مظہری۔ از علامہ شاہ عبد الغنی، ص:۵۱۷، طباعت ۲۰۰۱ء پاکستان۔)

مراقبہ کے ساتھ ساتھ آپ مشاہدہ کی قوت سے بھی مالا مال تھے۔ اس بارے میں طوالت کے خوف سے میں صرف دو اقوال ذکر کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں۔ جن سے آپ کو اس کا اندازہ ہو گا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشاہدہ کی قوت سے بھی خوب خوب نوازا تھا۔

(۱) آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ”حق سبحانہ تعالیٰ نے مجھے ایسا ادراک عطا فرمایا ہے کہ میرا بدن قلب کا حکم رکھتا ہے اور چاروں طرف سے جو لوگ آتے ہیں مجھے ان کی نسبت معلوم ہو جاتی ہے“۔ (جواہر علویہ۔ ص:۱۵۲، بحوالہ تذکرہ مجدد دین اسلام، پاکستان۔)

(۲) آپ کی نظر دقیق کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے مولانا خالد کردی سے فرمایا: ”ہم تمھیں قطب بنا دیں گے“۔ پھر فرمایا: ”لوگ ہماری اس بات پر ہنسنے لگے اور مولانا خالد کو بھی اس بات پر تعجب ہوا۔ لیکن آخر کار میں نے جو کچھ کہا تھا وہ ہو کر رہا۔ اور وہ ان دنوں اپنے علاقے کے مشہور ومعروف قطب بن کر ابھرے“۔ (دار المعارف۔ ص:۱۴۴۔)

احیاے سنت: آپ کے زمانے میں لوگ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بالکل راغب نہ ہوتے تھے۔ ان کے نہاں

خانہ دل میں سنت نبوی کی روشنی میں زندگی گزارنے کا جذبہ ماند پڑ گیا تھا۔ ان کی ساری توجہات دنیاوی خواہشات اور اس کی رنگینیوں میں گم ہو کر رہ گئی تھیں۔ آپ کی نگاہوں سے جب یہ جاں گداز منظر گزرا تو آپ کو اتنا زیادہ قلق ہوا جیسے کسی کمان سے تیر نکل کر دل میں پیوست ہو گئی ہو اور اسے مکمل طور پر گھائل کر کے رکھ دیا ہو۔ اس لیے آپ نے احیاے سنت کا بیڑا اٹھایا اور لوگوں کو حد درجہ تک سنت نبوی کا پیرو کار بنا دیا۔ اپ کے احیاے سنت کا طریقہ بڑا ہی نرالا اور منفرد ہوا کرتا تھا۔ جس سے لوگ خود بخود متاثر ہو جاتے اور اپنی شخصیت پر غور و فکر کرنے لگتے۔

آپ کا طریقہ یہ ہوا کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص سنت نبوی سے انحراف کرتا اور اسے آپ دیکھ لیتے تو اس سے بہت نفرت کرتے اور اس کے پاس آنا جانا ترک فرما دیتے۔ جس کی بدولت وہ شخص خود بخود ہی اپنے عمل سے احتراز کر لیتا اور سنت نبوی کا پابند ہو جاتا۔ پھر جب آپ اس کے اس کار خیر کو دیکھتے تو اس سے نفرت کرنے کے بجاے نہایت ہی شفقت و محبت سے ملتے اور اسے کافی محبوب رکھتے۔

موت کے وقت جب آپ کے سینہ مبارکہ پر ترمذی شریف رکھی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی اگر آپ کو کسی سنت کا علم ہوتا تو لوگوں سے اس پر عمل کرنے کی درخواست کرتے۔

غرض کہ آپ احیاے سنت رسول کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے ایک خادم نے قدم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پانی لایا اور کہنے لگا کہ آپ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک ہو۔ یہ سنتے ہی آپ بے تاب ہو گئے اور فرمانے لگے کہ میری حیثیت ہی کیا ہے کہ مجھ پر رسول کائنات کا سایہ ہو۔ اس پر آپ نے خادم کے اوپر بہت ہی نوازش فرمائی۔

(ضمیمہ مقامات مظہری۔ از عبدالغنی دہلوی۔ بحوالہ تذکرہ مجدد دین اسلام، پاکستان۔)

امر بالمعروف: منصب تجدید پر فائز شخص کا اہم فرض ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ رخصت کے بجائے عزیمت سے کام لے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اپنی زندگی کا شیوہ بنا کر معاشرے کو راہ راست پر گامزن کرے۔ حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس معاملے میں اعلیٰ درجے پر متمکّن تھے۔

مولانا غلام محی الدین قصوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”عید کے دن مسجد میں بہت سارے لوگ آپ سے ملاقات کرنے کے لیے آئے۔ میں بھی وہاں موجود تھا، اسی اثنا میں ایک مفتی شہر بھی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے۔ مفتی صاحب نے اپنی داڑھی کٹوالی تھی۔ جب حضرت نے مفتی صاحب کی یہ حالت دیکھی تو آپ کو کافی تکلیف ہوئی۔ اور فرمایا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ تم اتنے ضعیف ہو گئے ہو اور داڑھی کٹواتے ہو؟ دیکھو! یہ مولوی قصوری چھ مہینے میں پابند شرع ہو گیا ہے اور تم چھ سال کے طویل عرصے کے باوجود شریعت مطہرہ کے پابند نہ ہو سکے۔ یہ سب مولوی قصوری پر میری پیروی کا ثمرہ ہے“۔ (ملفوظات شریفہ۔ از غلام محی الدین قصوری، ص:۹۷۔)

اس کے علاوہ آپ نے دینی حمیت و جذبے کے تحت بھی دین اسلام کی مکمل آبیاری فرمائی۔ آپ کے زمانے میں لوگ زیادہ تر شراب نوشی اور لہو و لعب میں ضیاع وقت کرتے۔ شراب نوشی کا عمل تو اتنا بڑھ گیا تھا کہ عام لوگوں کی بات تو دور بڑے بڑے عہدے دار بھی اس کو فخریہ عمل قرار دیتے۔ جیسا کہ غلام علی دہلوی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں: ”میں ایک دن نواب نظام

الملک صاحب کے مکان پر فاتحہ خوانی کی مجلس میں شریک ہوا۔ اس مجلس میں دہلی کا گورنر "مٹ کلف" فرنگی بھی موجود تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو تمام لوگ ہماری ملاقات کے لیے آئے۔ لیکن جب گورنر صاحب مجھ سے ملاقات کرنے آئے تو ہمیں اس کے منہ سے شراب کی بدبو محسوس ہوئی۔ جس سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی اور میں نے اسے اپنے سامنے سے کتے کی طرح ڈانٹ کر بھگا دیا۔ لیکن وہ پھر آ گیا۔ پھر میں نے ہٹا دیا۔ یہ دیکھ کر وہ اپنے کوٹھے پر گیا اور کہنے لگا پورے ہندوستان میں میں نے صرف ایک باغیرت انسان دیکھا ہے"۔ (تذکرہ مجددین اسلام۔ ص:۲۸۸، پاکستان۔)

اسی طرح کے اور کئی واقعات کا بارہا آپ کو سامنا کرنا پڑا، اور ہر جگہ آپ نے بلا خوف لومۃ لائم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا۔

خلفائے کرام: بے شمار ہم عصر علمائے کرام نے آپ کی بزرگی کو دیکھ کر آپ کے سامنے سر نیاز خم کر دیا اور آپ کی علمی اور فکری صلاحیت کا لوہا بلا چوں وچرا تسلیم کر لیا۔ آپ نے ایسے بہت سے لوگوں کو بیعت وخلافت سے نوازا جو اپنے اپنے دور میں آفتاب وماہتاب بن کر چمکے اور ایک عالم کو منور کر دیا۔ ان میں سے چند مشہور ومعروف خلفا کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سید اسمٰعیل مدنی (۲) مولانا شیخ احمد کردی (۳) مولانا شیخ خالد رومی (۴) شیخ محمد جان باجوری (۵) شاہ ابو سعید دہلوی (۶) شاہ احمد سعید دہلوی (۷) شاہ رؤف احمد رام پوری (۸) شیخ بشارت اللہ بہرائچی (۹) سید ابوالقاسم بن مہدی واسطی (۱۰) مولانا عبد الرحمن خان صاحب شاہجہاں پوری۔ (مشائخ نقش بندیہ۔ از علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی، ص:۷۰، مطبع حسن پریس دار العلوم روڈ مئو یوپی۔)

وصال پرملال: آخری عمر میں آپ کو بواسیر اور خارش کی بیماری لاحق ہو گئی تھیں۔ جس سے آپ صحت یاب نہ ہو سکے۔ اور شنبہ کے دن آپ نے ۸۸ر سال کی عمر میں مولوی کرامت اللہ صاحب سے فرمایا کہ شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کو بلاؤ۔ جب شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ آئے اور دروازے میں داخل ہوئے تو ان کی طرف آپ نے توجہ فرمائی اور اسی حال میں ۲۲ر صفر المظفر ۱۲۴۰ھ میں مشاہدہ حق کے استغراق میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی تاریخ وصال "نور اللہ مضجعہ" اور فارسی میں "جاں بحق نقش بند ثانی داد" سے نکلتی ہے۔ (خانقاہ مظہریہ نقش بندیہ۔ ص:۳۴۳۔)

مزار پاک: آپ کی نماز جنازہ شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور آپ کو آپ کے پیر ومرشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے دائیں پہلو میں دفن کیا گیا۔ مزار مبارک آج بھی دہلی کی سرزمین پر زیارت گاہ خلائق بنا ہوا ہے۔ ہزاروں بندگان خدا شب وروز آپ کے در پر اپنے سوال کا دامن اور بھیک کی جھولیاں پھیلائے رہتے ہیں۔ اور آپ کا فیض کرم ان پر ہر آن خوب ٹوٹ ٹوٹ کے برستا رہتا ہے۔ جس سے وہ اپنے دامن بھر کر اور اپنی مرادیں پا کر خوشی خوشی لوٹ آتے ہیں۔

ہزاروں رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تم پر
فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری

☆☆☆☆☆

تیرہویں صدی
کے
مجدّدین
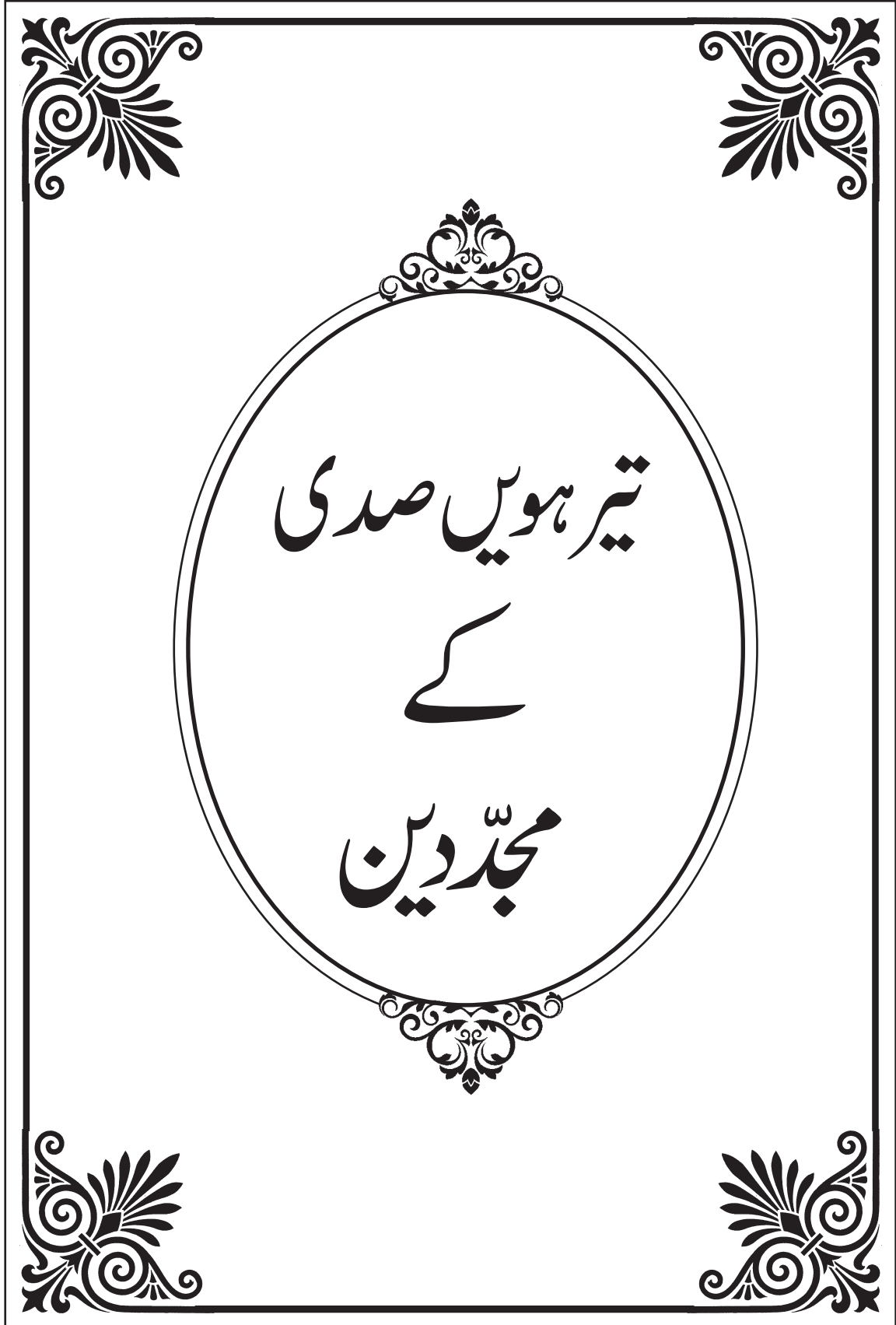
تیرہویں صدی کے مجددین

★ محبِ رسول حضرت شاہ عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت سید احمد بن زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

محمد افضل خاں، جون پور، جماعت: سادسہ Mo:9506099074

احقاق حق اور ابطال باطل کی خاطر بے شمار علما اور فضلا نے اس روے زمین پر جنم لیا اور اپنی سعی بلیغ سے دین حق اسلام کی حفاظت فرمائی اور اسے چہ می گوئیاں کرنے والوں کی خرافات سے بالکل ممتاز رکھا۔ انھیں راسخ العلم علماے ربانیین کی فہرست میں ایک نام جو سنہرے لفظوں میں مرقوم ہے علامہ تاج الفحول شاہ عبدالقادر بدایونی ﷺ کا ہے۔ جنھوں نے اپنے علمی جواہر پارے سے رفض و شیعیت کے محل کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور ادیان باطلہ کے سروں کو کچل ڈالا۔

نام ونسب: آپ کا نام عبدالقادر اور لقب تاج الفحول و محب رسول ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب چوبیس (۲۴) واسطوں سے جامع القرآن خلیفہ ثالث سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔

خاندانی پس منظر: سرزمین بدایوں میں اس عالم گیر خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت سیدنا دانیال قطری ﷺ ہیں، جو ۵۵۹ھ میں بادشاہ قطب الدین ایبک کے ساتھ قاضی عسکری کی حیثیت سے ہندوستان تشریف لائے۔ آپ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں یکتاے روزگار تھے اور آپ کی صلب اطہر سے علم و فضل کے بے شمار جواہر پارے چمکے، جنھوں نے اپنی تابناکی سے اکناف عالم کو منور کر دیا۔ اسی صلب مقدس سے انیس (۱۹) واسطوں کے بعد سیدنا عبدالقادر بدایونی ﷺ کی پیدائش ہوئی۔

ولادت باسعادت: ۱۷ر رجب ۱۲۵۳ھ میں تاج الفحول عبدالقادر بدایونی رضی اللہ عنہ بدایوں کی سرزمین میں پیدا ہوئے۔ جد امجد علامہ عبدالمجید ﷺ نے ''مظہر حق'' آپ کا تاریخی نام تجویز کیا۔ عقیقہ کے روز حسب ارشاد روحانی عبد القادر جیلانی، آپ کا نام ''عبدالقادر'' رکھا گیا۔

تعلیم وتربیت: جب آپ سخن آور ہوئے تو رسم ''بسم اللہ'' کی ادائیگی ہوئی اور مولانا نور احمد سے اکتساب فیض کر کے علم و فضل کے بحر بے کراں سے آب دار موتیوں کو چنا اور علوم عقلیہ و نقلیہ کے امام بن گئے۔

بیعت وخلافت: علوم ظاہریہ سے خوشہ چینی کرنے کے بعد علوم باطنیہ کے حصول کی طرف آپ کا میلان ہوا، چناں چہ آپ اپنے والد گرامی علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، والد گرامی نے فیوض و برکات کے تمام محفوظات، جو والد گرامی علامہ عین الحق عبدالمجید سے حاصل کیے تھے، یک لخت ولد عزیز محب رسول عبدالقادر بدایونی علیہ

الرحمہ کو عطا کر دیے اور علوم باطنیہ کا امام بنا دیا۔

حج وزیارت : حضرت تاج الفحول ﷺ متعدد بار زیارت حرمین شریفین سے شرف یاب ہوئے۔ اول مرتبہ آپ کو یہ شرف ۱۲۷۹ھ میں حاصل ہوا۔ اس سفر میں امام المحدثین سید نا شیخ جمال عمر حنفی المکی علیہ الرحمہ سے والد گرامی کے ارشاد کے مطابق سند حدیث حاصل کی۔ اسی سفر میں آپ کو صفا و مروہ کی سعی کے دوران سید نا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی زیارت بچشم سر نصیب ہوئی۔ چوں کہ یہ پورا سفر عبادت ہوا کرتا ہے، اس لیے آپ کی زبان پر بخاری شریف کا ورد ہمیشہ جاری رہتا تھا۔

خدمات و کارنامے : حضور تاج الفحول ﷺ نے اپنی پوری زندگی خدمت دین کے لیے وقف کر دی تھی، اصلاح امت آپ کا محبوب مشغلہ تھا یہی وجہ تھی کہ آپ تعلیم و تبلیغ کے ہر میدان میں نمایاں مقام رکھتے تھے، جس میدان میں آپ قدم رکھتے پوری کامیابی کے ساتھ اسے فتح کر لیتے، جس پر آپ کے بے شمار علمی و عملی، دعوتی و اصلاحی کارنامے دالّ ہیں۔ ہم یہاں آپ کے نمایاں کارناموں کی ہلکی سی جھلک پیش کرتے ہیں۔

درسی خدمات : درس و تدریس آپ کا خاندانی ورثہ تھا۔ اس لیے آپ نے اس جانب پوری توجہ فرمائی۔ افہام و تفہیم کا مادہ آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھا، مشکل سے مشکل مسئلہ بڑی آسانی سے حل فرما دیتے، سخت سے سخت بحثیں بچوں کے ذہن میں یوں اتار دیتے کہ محسوس ہوتا کہ پہلے سے جانتے ہیں منطق و فلسفہ میں آپ کو خاصا شغف نہ ہونے کے باوجود بھی اگر کوئی لاینحل مسئلہ اس فن کا سامنے آتا تو چٹکیوں مین حل فرما دیتے اور ایسی بحثیں فرماتے کہ اس فن کے امام معلوم ہوتے۔

احادیث نبویہ سے آپ کو حد درجہ شغف تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ کو پوری بخاری شریف قرآن مقدس کی طرح یاد تھی۔ جب بخاری شریف کا درس دیتے تو عجب سا سماں پیدا ہو جاتا اور حدیث کی تشریح، جرح و تعدیل اور اس کے رجال پر گفتگو فرماتے تو لگتا کہ وقت کا بڑا محدث درس دے رہا ہے۔ اسی طرح فقہ کے درس میں آپ ہر مسئلہ کو قرآن و حدیث سے ثابت کرتے تو معلوم ہوتا کہ یہ مسائل خود آپ کے استخراج و استنباط کا ثمرہ ہیں۔ آپ علوم عقلیہ و نقلیہ میں استاذ مطلق، معلم رابع، علامہ فضل حق خیر آبادی کے صحیح جانشیں تھے۔

فتاویٰ نویسی: درس و تدریس کے ساتھ آپ فتویٰ نویسی کا کام بھی انجام دیتے۔ سائل کی منشا و مراد کو جان کر نہایت شستہ لفظوں میں بڑے ہی اختصار کے ساتھ جواب مرحمت فرماتے۔ خاص طور سے مسائل کے جزئیات مستند کتابوں سے تحریر فرماتے۔ اور اس تعلق سے آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ ''مفتی جب تک مخصوص جزئیات کو مستند کتابوں میں نہ پائے تو ہر گز جواب تحریر نہ کرے، محض اپنی یادداشت پر اعتماد نہ کرے''۔

آپ کے تفقہ فی الدین کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب مجدد اعظم امام احمد رضا خاں ﷺ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ کی نظر میں ایسے کتنے لوگ ہیں جن کے فتوے پر آنکھ بند کر کے عمل کیا جاسکتا ہے؟ تو امام احمد رضا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''میری نظر میں صرف دو لوگ ہیں جن کے فتوے پر آنکھ بند کر کے عمل کیا جاسکتا ہے اول والد گرامی مولانا نقی علی خاں ﷺ دوم تاج الفحول عبدالقادر بدایونی ﷺ ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں ہے''۔

وعظ وتقریر: خطابت کا ملکہ بھی خدا کی عظیم نعمت ہے۔ خطابت تبلیغ دین متین کا اہم ذریعہ ہے۔ خطابت ہی کے ذریعہ عوام کے روبرو ہونا پڑتا ہے۔ حضور تاج الفحول ﷺ ایک عظیم خطیب بھی تھے۔ آپ کے زمانے میں متعدّد خطبا موجود تھے، لیکن جو اثر آفرینی اور سحر بیانی آپ کی تقریر میں ہوا کرتی، وہ دوسروں میں نادر الوجود تھی۔ آپ کی پوری تقریر آیات واحادیث کی تشریحات سے سجی اور دلائل و براہین سے مزین ہوا کرتی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ہر طبقہ اس سے یکساں مستفیض ہوتا اور رشد وہدایت کا جام پیتا۔

خلفاوجانشین: آپ کے خلفا وجانشین کی تعداد بہت ہی کم ہے، کیوں کہ اس معاملہ میں آپ نے بڑے احتیاط سے کام لیا ہے۔ مولانا شاہ مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر کے علاوہ کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا، ہاں سید ابراہیم میاں مارہروی کو اس وجہ سے خلافت عطا فرمائی کہ حضور اچھے میاں صاحب مارہروی نے اپنے خلیفہء خاص حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید سے یہ فرمایا تھا کہ "میری امانت آپ کے پاس ہے اگر جما میاں (ان سے حضور اچھے میاں صاحب مارہروی ناراض تھے) تائب ہو جائیں تو انہیں عطا کر دینا یا ان کی اولاد میں کوئی اس کا اہل ہو اسے دے دینا"۔ اور سید ابراہیم میاں جما میاں کے پوتے تھے اور وہ اس کے اہل تھے۔ چناں چہ ابراہیم میاں نے جب تاج الفحول علیہ الرحمہ سے اس کا مطالبہ کیا تو انھوں نے آپ کو آپ کی امانت لوٹادی۔ (تاج الفحول حیات وخدمات، از: مولانا عبدالحکیم نوری مصباحی)

تصنیفی خدمات: وعظ وتقریر کے ساتھ ساتھ آپ کو تصنیف وتالیف کا بھی شغف تھا۔ تقریباً بیسوں کتابیں مختلف موضوعات پر آپ نے تصنیف فرمائیں۔ یہاں چند کتابوں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) حقیقۃ الشفاعۃ علیٰ طریق اہل السنۃ والجماعۃ: یہ کتاب اثبات شفاعت میں نہایت معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ اس میں آپ نے عقلی ونقلی دلائل و براہین سے انبیا علیہم السلام و اولیا رضی اللہ عنہم کے لیے اپنی امت اور اپنے چاہنے والوں کے حق میں شفاعت کو ثابت کیا ہے۔ یہ رسالہ مولوی نذیر حسین دہلوی کے رسالہ "افضل الشفاعۃ" کا رد ہے۔

(۲) سیف الاسلام المسلول علی المناع لعمل المولد والقیام: مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی (م ۱۲۸۱ھ) نے میلاد وقیام کے اثبات میں "اشباع الکلام فی اثبات المولد والقیام" نامی ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں مولوی بشیر الدین قنوجی نے ایک رسالہ "غایۃ الکلام فی ابطال عمل المولد والقیام" لکھا۔ مذکورہ بالا رسالہ تاج الفحول نے قنوجی صاحب کے اسی رسالہ کے جواب میں لکھا۔

(۳) رسالہ دررد تقویۃ الایمان: اس میں "تقویۃ الایمان" کے گمراہ کن مسائل کا رد نہایت بسط وتفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے

(۴) النا صحہ فی تحقیق مسائل المصافحہ: مصافحہ ایک ہاتھ سے کرنا سنت ہے یا دونوں ہاتھ سے؟ غیر مقلدین ایک ہاتھ سے مصافحہ کو سنت کہتے ہیں، جب کہ احناف اور جمہور اہل سنت کے نزدیک مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا سنت ہے۔ اس مسئلہ کو تاج الفحول نے اپنے مخصوص تحقیقی انداز میں ثابت کر کے ہمیشہ کے لیے منکرین کے منھ بند کر دیے۔ یہ رسالہ عربی میں ہے اور ۱۳۳۴ھ میں مطبع قادری بدایوں سے شائع ہوا ہے۔

(۵) ہدایت الاسلام: یہ رسالہ رد روافض میں ہے۔ کس زبان میں ہے یہ معلوم نہ ہو سکا، غیر مطبوعہ ہے اور مفقود ہے۔

(۶) ارشاد الانام: یہ رسالہ بھی رد روافض میں ہے۔ اس کے بارے میں بھی مزید معلومات نہ ہو سکی۔ غالباً یہ بھی طبع نہ ہو سکا اور مفقود ہے۔

(۷) رسالہ در تحقیق حیات الانبیاء: موضوع نام سے ظاہر ہے۔

(۸) رسالہ در تحقیق تحریف توریت وانجیل: فرقہء نیچریہ کے رد میں یہ رسالہ معرض وجود میں آیا۔

(۹) رسالہ در تحقیق معنی سنت وبدعت: یہ رسالہ بدعت و سنت کے معانی واقسام کی تفصیل وتشریح میں ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے موضوعات پر بھی آپ کی مختلف کتابیں ہیں۔

تجدیدی کارنامے: حضور تاج الفحول ﷺ کی ان خدمات کے علاوہ سب سے بڑی خدمت ادیان باطلہ کا رد وابطال اور دین حق اسلام کا اثبات واحقاق ہے، کیوں کہ آپ کے زمانے میں مختلف قسم کی اسلام مخالف تحریکیں اسلامی لبادے میں بر سرپیکار تھیں اور طرح طرح کے پروپیگنڈوں کے ذریعہ دین اسلام کے مضبوط قلعے میں شگاف ڈالنے کی کوشش کررہی تھیں۔ ایسے نازک وقت میں جب کہ ہمہ جہت مخالفین کی یلغار تھی آپ نے ثبات کا دامن تھامے رکھا اور خدائے قہار کے دیے ہوئے نیزہ علمی سے فرقہائے باطلہ کو ایسا زخم کاری لگایا اور ان کے خود ساختہ مذہب کو یوں پژمردہ کیا کہ آئندہ شادابی کی کوئی امید نہ رہی۔ اب ہم ذیل میں ادیان باطلہ کے مقابل میں آپ کی جہادی کاوشوں کا قدرے تذکرہ کرتے ہیں۔

ردّ روافض: حضرت محب رسول کے زمانے میں اسلام مخالف تحریکوں میں جو سب سے تیزی کے ساتھ اپنے پر و بازو پھیلا رہے تھے وہ رفض وشیعت کی تحریک تھی۔

رافضیت کے فروغ کا دور مغلیہ سلطنت کے ابتدائی زمانے میں ہی شروع ہو گیا تھا، لیکن شیعی علما اپنے عقائد اور باطل نظریات کو مغل بادشاہوں کے راسخ العقیدہ سنی ہونے کی وجہ سے ظاہر نہ کرتے تھے۔ ہاں اورنگ زیب عالم گیر ﷺ کے بعد جب مغلیہ سلطنت کی گرفت ڈھیلی پڑگئی تو تقیہ کا پردہ اٹھا لیا گیا اور شیعہ امرا نے اپنے عقائد ونظریات کی نشر واشاعت شروع کردی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں نئی ریاستیں قائم ہوگئیں اور ان میں بڑی اکثریت میں شیعی حکام وعمال کی تقرری ہوگئی۔ سب سے بڑی ریاست اودھ کی تھی۔ یہاں کے نواب صرف غالی شیعہ ہی نہیں بلکہ اپنے افکار ونظریات کے پرجوش داعی ومبلغ بھی تھے۔

علمائے اہل سنت نے اس فتنہ کے سد باب میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا، اسی فتنے کے رد میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی معرکۃ الآرا کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" ہے جس نے ایوان شیعت میں زلزلہ پیدا کردیا۔ اس کے بعد سید میر عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ نے "سبع سنابل" نامی کتاب لکھ کر ان کے بطلان کو سادہ لوح مسلمانوں پر واضح کیا۔ حضرت تاج الفحول کے زمانے میں ایک بار پھر اس فرقے نے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلانے شروع کیے اور ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے، بدایوں اور اس کے اطراف ونواحی کے مختلف قصبوں پر ان کا قبضہ ہو رہا تھا، اس وقت تاج الفحول علیہ الرحمہ نے مشاجرات صحابہ کے سلسلے میں حزم واحتیاط سے کام لیا، تاریخی روایات کے مقابلے میں قرآن وسنت کی طرف رجوع کیا اور تحریر فرمایا:

''جمہور محققین اہل سنت کے مذہب مختار میں جیسا کہ عقائد و احادیث اور اصول کی کتب معتمدہ سے ثابت ہے۔ خاتم الخلفاء الراشدین حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے محاربین کے تین گروہ تھے جو کہ اس فتنہ میں شامل تھے، ان میں سے کسی بھی گروہ کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال ان تین گروہوں میں فرق یہ ہے کہ جنگ جمل کے محاربین کے سربراہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما تھے جو کہ عشرہ مبشرہ سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محبوبہ سیدہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں، ان کی غرض جنگ و قتال کی نہ تھی، بلکہ مسلمانوں کے حال کی اصلاح پیش نظر تھی، لیکن اچانک جنگ چھڑ گئی، ان تینوں حضرات کا رجوع معتمد روایات سے ثابت ہے باوجودے کہ خطائے اجتہادی تھی جو موجب ثواب بھی ہے پھر بھی ان حضرات نے رجوع کیا تو اب ان حضرات کے رجوع کرنے کے بعد ان پر لفظ باغی کا اطلاق حقیقاً درست نہیں ہے۔ جنگ صفین کے محاربین کے سربراہ حضرات امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ دونوں حضرات صحابہ کرام میں سے ہیں۔ یہ بھی اشتباہ میں پڑے اور غلطی فہمی کی وجہ سے بار بار قتل و قتال پر اصرار کرتے رہے، اس گروہ نے بھی خطا اجتہاد کی وجہ سے جنگ کی''۔ (تصحیح العقائد ص ۱۲،۱۱۔ بحوالہ نگارشات ص ۲۸۴ از: مولانا عاصم اعظمی)

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔

''جمہور اہل سنت کے مذہب میں ان کی تعظیم و تکریم شرف صحابیت کی وجہ سے ضروری و لازمی ہے، اس لیے شرعًا وہ بغاوت وخطا جو عمداً واقع نہ ہوئی ہو فسق و عصیان کو مستلزم نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ''رفع عن امتی الخطاء و النسیان'' اس پر شاہد ہے اور صحابۂ کرام کی خطائیں معاف ہیں کیوں کہ یہ حضرات نہ تو معصوم ہیں اور نہ معذور بلکہ عند اللہ ماجور ہیں۔ اس خطا کی وجہ سے ان کی شان میں بے ادبی کرنا اور ان کی تعظیم و تکریم سے رکنا، اہل سنت سے خارج ہونا ہے''۔ (تصحیح العقیدہ ص:۱۲، بحوالہ نگارشات ص ۲۸۴ از: مولانا عاصم اعظمی)

اس کے بعد آپ نے کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر طعن و تشنیع کرنا، گویا پورے دین پر طعن و تشنیع کرنا ہے۔ اس مضمون کے اثبات میں آگے لکھتے ہیں :

''یہ مقام غور ہے، کیوں کہ پورے مذہب پر کیسے طعن و تشنیع کی جاسکتی ہے؟ ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی ملا ان کے واسطے ہی سے ملا، تو جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر طعن و تشنیع کی، تو اس نے گویا پورے دین پر طعن و تشنیع کی۔ تو کسی صحابی کے بارے میں دشنام گوئی نہ کی جائے اور صحابہ اور اہل بیت پر روافض کی طرف سے جو نکیریں منقول ہیں اس پر بالکل توجہ نہ کی جا ئے کیوں کہ یہ مقام رقیق ہے اور یہ جھگڑا حضور کی اولاد اور اور صحابہ کے مابین ہے تو اس کا فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر چھوڑ دیا جائے''۔ (ملخصًا ص:۱۵، تصحیح العقیدہ، بحوالہ نگارشات ص ۲۸۴ از: مولانا عاصم اعظمی)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے تفویض خلافت کے بعد تمام اہل اسلام نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم کرلی لیکن روافض اور ان کے نظریات سے متاثر ذہن کے لوگ آپ کی خلافت کے منکر ہی نہیں بلکہ آپ کی شان میں تحقیر و تذلیل کے قائل رہے اور دین سے خارج بتانے میں بھی کوئی دریغ نہیں کیا۔

حضور تاج الفحول صلی اللہ نے اہل سنت کے صحیح موقف کی وضاحت اس طرح فرمائی: "ہمارا کام عیوب سے نقص کی اور گناہوں سے دل کی تطہیر، موبقات امور سے اپنے ظاہر کو پاک کرنا ہے۔ بہرحال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری کے بعد ثابت ودرست ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے غور وفکر کے بعد مصلحت عامہ کے پیش نظر خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرکے مسلمانوں کو خون ریزی سے بچالیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پر پورے اترے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تھا: "میرا یہ بیٹا سردار ہے، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا" حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت واجب ہوگئی اور اس اتحاد واتفاق والے سال کو "عام الجماعت" (اجتماع کا سال) کہا جانے لگا۔ اس لیے کہ تمام لوگوں نے اختلاف ختم کرکے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور اس کے علاوہ کوئی اختلاف تھا بھی نہیں"۔ (تصحیح العقائد، ص: ۱۶، بحوالہ نگارشات ص ۸۵ ۲ از: مولانا عاصم اعظمی)

حضور تاج الفحول صلی اللہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعظیم وتکریم کے سلسلہ میں مختلف آیات واحادیث اور سلف کے اقوال ذکر فرمائے اور مشاجرات صحابہ سے پیدا ہونے والی شیعی غلط فہمیوں کا ازالہ اور اس مسلک کے اختیار کرنے کی تعلیم دی جو ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

اذا ذکر اصحابی فامسکوا و ایاکم و ما شجر بین ا صحابی فلوا انفق احدکم مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم و لا نصفه.

یعنی جب میرے صحابہ کا ذکر ہو، تو اپنی زبانوں کو قابو میں رکھو۔ میرے صحابہ کے آپسی اختلاف کے بارے میں خاموش رہو، تم میں کا اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے تو ان جیسا ثواب نہیں پاسکتا بلکہ اس کا نصف بھی نہیں پاسکتا۔

اس طرح آپ نے مشاجرات صحابہ کی حقیقت کو واضح کردیا اور روافض کی غلط فہمیوں کو نہایت سلیس اور آسان عبارتوں سے عیاں فرمادیا۔ پھر چوں کہ روافض بھی اپنے افکار ونظریات میں مختلف ہیں، اس لیے ان کے بارے میں حکم شرعی بھی مختلف ہوگا۔

ان کے شرعی حکم کو آپ نے اپنے ایک فتویٰ میں بڑی صفائی کے ساتھ بیان فرمایا، فرماتے ہیں کہ "روافض کے مختلف گروہ ہیں جن کے نظریات اعتقادیہ مختلف ہیں، لہٰذا ان کا شرعی حکم بھی مختلف ہوگا۔ چناں چہ جن کے نظریہ سے کسی ضرورت دینی کا انکار ہوگا، ان کے کفر میں کوئی شبہہ نہ ہوگا۔ یعنی جس نوعیت کا ان کا نظریہ ہوگا اسی نوعیت کا ان پر حکم شرعی نافذ کیا جائے گا"۔
(ملخصاً نگارشات، ص:۲۸۹ از: مولانا عاصم اعظمی)

اس طرح آپ نے رفض وشیعیت کے ایک بڑے فتنے کے بازو و پر کاٹ کر رکھ دیے اور اہل سنت وجماعت کے عوام کو زبردست ہلاکت سے محفوظ کردیا۔ اسی کی ترجمانی مجدد اعظم امام احمد رضا یوں کرتے ہیں۔

رفض وتفضیلیت نجدیت کا گلا
تیرے ہاتھوں کٹا محب رسول

ردوہابیہ : ۱۲۰۰ھ میں نجد کی سرزمین پر محمد بن عبدالوہاب نامی ایک شخص پیدا ہوا۔اس نے اہل سنت و جماعت کے عقیدے کے خلاف ایک کتاب "کتاب التوحید" مرتب کی جس میں انبیاء، صحابہ، تابعین، اولیا، ائمہ کو اپنے وضع کردہ عقائد سے مشرک و گنہگار ٹھرایا۔

اس کتاب کی اشاعت کے بعد ہی علماے حرمین شریفین کی طرف سے اس کا بلیغ رد کیا گیا حتی کہ اس کے اساتذہ اور بھائی نے بھی اس کا رد فرمایا۔اسی کتاب کو سامنے رکھ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے "تقویۃ الایمان" نامی ایک کتابچہ لکھا۔۱۵ر محرم الحرام ۱۲۴۰ھ میں اس کتاب کی اشاعت ہوئی۔اس کتاب کے منظر عام پر آتے ہی پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں بے چینی واضطراب پیدا ہوگیا۔اس بدنام زمانہ کتاب کی تردید میں علماے حق کی طرف سے مختلف تصانیف منظر عام پر آئیں، خصوصیت کے ساتھ تاج الفحول علامہ فضل رسول بدایونی نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ،علامہ سیف اللہ المسلول کے بعد وہابیت نے جب نیا روپ اختیار کیا تو ان کے نامور شہزادے تاج الفحول ہی نے اس کی کمان سنبھالی اور "سیف الجبار، بوارق محمدیہ، المعتقد المنتقد "جیسی دسیوں لاجواب کتابیں تصنیف فرمائیں، (جس کا تذکرہ تصنیفی خدمات میں کیا گیا) اور نجدیت کی جڑیں اکھاڑ ڈالیں اور ان کے مضبوط قلعوں کو پاش پاش کرڈالا۔بقول امام احمد رضا نجدیوں اور وہابیوں کا گلا کٹ گیا اور ان کی عورتیں بیوہ ہوگئیں۔

ماتمی ہیں زناں نجد کی ہائے
بیوہ تو نے کیا محب رسول

تحریک ندوہ: آپ ہی کے زمانے میں اصلاح و ترقی تعلیم و رفع نزع کو بظاہر مقصد بنا کر ۱۳۱۱ھ میں ایک تحریک، "تحریک ندوہ" کے نام سے شروع ہوئی۔چوں کہ اس

تحریک میں مولوی محمد علی مونگیری جیسی سنیت کا لبادہ اوڑھنے والی شخصیتیں بھی تھیں۔اسی بنیاد پر علماے اہل سنت اور سنی عوام بھی اس تحریک میں شامل ہونے لگے، لیکن جب ان کے جلسوں کا قیام کان پور، لکھنؤ، بریلی، میرٹھ جیسی جگہوں پر ہونے شروع ہوئے اور فرقہاے باطلہ، نیچریہ، رافضی اور وہابی کو شریک کرنا اپنا معمول بنالیا تو بالغ نظر علما نے بھانپ لیا کہ یہ اکبر کے دین الٰہی کی طرح ایمان کش تحریک ہے تو اس سے الگ ہوگئے۔علماے اہل سنت نے اس کے خلاف خاص طور سے تاج الفحول اور امام احمد رضا اور مولانا عبدالصمد سہسوانی اور مولانا عبدالوحید فردوسی نے اس کے خلاف ایک محاذ کھڑا کیا اور بقول امام احمد رضا:"ہمارے زمانے میں فتنۂ ندویت نے سر اٹھایا تو ہندوستان کے علماے اہل سنت نے اس کا رد کیا۔اور ان کے پیشوا محب رسول خاتم المحققین مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہ تھے"۔(تاج الفحول حیات و خدمات، از: مولانا عبد الحکیم نوری مصباحی)

حضور تاج الفحول ﷺ کے علمی جاہ و جلال کا اعتراف وقت کے علما و دانشوران کو بھی تھا، اس کا ثبوت وقت کے اکابرین کے اقوال و تاثرات سے ہوتا ہے۔ہم یہاں کچھ علما کے تاثرات نقل کرتے ہیں۔

(۱) علامہ فضل حق خیر آبادی اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں اور یہ حضور تاج الفحول کے استاذ بھی ہیں۔

"صاحب قوت قدسیہ ہر زمانے میں ظاہر نہیں ہوتے وقتاً بعد وقت عصراً بعد عصر پیدا ہوتے ہیں۔اگر اس زمانے میں کسی کا

وجود مانا جائے یہ تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی ہیں"۔اور ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :" واعزاز جاں مولوی عبد القادر شرح اشارات و محاکمات و شرح قاضی مع حاشیہ می خوانند۔فہم درست دارند"۔(باغی ہندوستان ص: ۲۴۶، اکمل التاریخ،ص:۲۰۸ بحوالہ تاج الفحول حیات وخدمات۔از:عبدالحکیم نوری مصباحی)

(۲) آپ کے والد گرامی علامہ فضل رسول ارشاد فرماتے ہیں: "مجھ سے مولانا فیض احمد صاحب قدسہ سرہ کی ذہانت و ذکاوت زیادہ ہے مگر برخوردار عبدالقادر کی ذہانت مجھ سے اور مولوی فیض احمد دونوں سے زیادہ ہے"۔

(اکمل التاریخ ،ص: ۲۰۷، بحوالہ تاج الفحول حیات وخدمات۔از:مولانا عبدالحکیم نوری مصباحی)

(۳) امام احمد رضا یوں گویا ہیں :"چودھویں صدی کے علما میں باعتبار دین ونصرت سنت نیز بلحاظ تفقہ حضرت مولانا عبد القادر صاحب کا پایہ اکثر معاصرین سے ارفع تھا۔ایام ندوہ میں اور اس کے بعد جب فقیر نے اور سرگرم حامیان دین نے خطاب تجویز کیا،تو حضرت فاضل بدایونی قدس سرہ کو" تاج الفحول "سے تعبیر کیا، جوآج تک ان کے اخلاف میں مقول و مقبول ہیں اور بے شک باعتبار مذکورہ وہ اس کے اہل تھے۔" (فتاویٰ رضویہ،ج:۶،ص: ۶۷-۳۶۶، بحوالہ تاج الفحول حیات وخدمات)

اس کے علاوہ بہت سی عبقری شخصیتوں نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا جو آپ کے علمی جاہ وجلال کا پتہ دیتی ہیں۔

آخر کار یہ چمکتا دمکتا آفتاب ۱۷ ؍جمادی الاوُلیٰ ۱۳۱۹ھ شب دوشنبہ بعد نماز عشا غروب ہوگیا۔اور ہم ایک علم کے بحر بیکراں سے محروم ہوگئے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تاقیامت ہمیں ان کی برکتوں سے شرف یاب فرمائے۔اٰمین یا رب العالمین.

☆☆☆

محمد جاوید عالم رضوی مصباحی، بوکارو، جھارکھنڈ، جماعت: فضیلت Mo: 9695485235

نام: احمد۔ **کنیت:** ابوالعباس۔ **القاب:** رئیس العلما، شیخ الخطبا، امام الحرمین۔

تاریخ پیدائش: ۱۲۳۱ھ مطابق ۱۸۱۶ء۔

نسب نامہ: آپ حسنی اور قریشی سید تھے سلسلۂ نسب حضور غوث اعظم شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت علی اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما تک پھر حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے:

احمد بن زینی بن احمد بن عثمان بن نعمۃ اللہ بن عبد الرحمٰن بن محمد بن عبد اللہ بن عثمان بن عطایا بن فارس بن مصطفیٰ بن محمد بن احمد بن زینی بن عبد القادر بن عبد الوہاب بن محمد بن عبد الرزاق بن احمد بن محمد بن زکریا بن یحییٰ بن محمد بن عبد القادر بن موسیٰ بن عبد اللہ بن یحییٰ بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن جون بن عبد اللہ المحض ابن حسن ابن حسن السبط بن سیدنا علی بن ابی طالب وسیدہ فاطمہ زہرا بنت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

خاندانی پس منظر: سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت اور پرورش مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ کا تعلق مکہ شریف کے ایک عظیم المرتبت اور کریم الطبع ہاشمی خانوادے سے تھا۔ علمی وجاہت، نسبی شرافت، فضل و کرامت، حلم و بردباری، تواضع و انکساری، اخوت و ملنساری، ملی حمیت اور قومی وفاداری، باہمی تعاون اور سماجی رواداری، حب الوطنی اور جذبۂ جاں نثاری، مذہبی تصلب اور ایمانی ضیاباری، جرأت و بے باکی اور حق کی طرف داری، خاندان دحلان کا طرۂ امتیاز تھی۔ ان کی عظمت و رفعت پر ثریا بھی رشک کناں تھا۔ دینی درس گاہوں میں ان کی عظمت کے غلغلے تھے۔ فضل و کمال کی چوٹیوں پر ان کا علمی پرچم لہرا رہا تھا۔ اعلیٰ عہدوں کے قلم دان انہیں کے ہاتھوں میں تھے۔ بلکہ مذہبی، سماجی، سیاسی اور معاشی تمام حیثیتوں سے یہ خانوادہ اپنی مثال آپ تھا۔ امام زینی دحلان اسی گلستاں کے گلِ خوش رنگ تھے۔

تعلیم و تربیت: امام احمد زینی دحلان صغر سنی ہی سے فطرتاً علم دوست واقع ہوئے تھے۔ آپ نے مذہبی خانوادے میں آنکھ کھولی۔ شعور و آگہی کی منزلوں میں قدم رکھا تو ماحول کو علم و فن سے معمور پایا۔ گرد و نواح میں علمی قندیلیں روشن تھیں "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" کا حکم وجوبی بھی پیش نظر تھا۔ خدائے رزاق نے غیر معمولی ذہانت و فطانت سے نوازا تھا۔

ذوق علم رگ رگ میں سمایا تھا۔ "أطلبوا العلم من المهد إلىٰ اللحد" کے تحت سفر علم کا آغاز ہوا جو تاحیات جاری رہا۔ محنت و جفاکشی شبانہ روزی مشغلہ بن چکی تھی۔ جس قدر علم بڑھتا تشنگی بھی روز افزوں ہوتی کہ "منهو مان لا يشبعان طالب علم و طالب دنیا" صادق المصدوق کا فرمان ہے۔ "الکلمة الحکمة ضالة الحکیم فحيث و جدها فهو أحق بها" کے تحت حصول علم کے لیے مختلف درس گاہوں میں عظیم المرتبت علما و فضلا کے سامنے زانوے ادب تہ کیا؛ کبھی مکہ شریف کے شیوخ سے اکتساب علم و فیض کیا تو کبھی یمن اور دمشق جاکر علمی پیاس بجھائی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مصر کا رخت سفر باندھا اور تمام تر اقربائی، اعزائی اور احبائی محبتوں کو پس پشت ڈال کر تحصیل علم میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ چشم فلک یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ تشنگیِ علم بجھانے کے لیے بے چین و وارفتہ نظر آنے والے احمد دحلان آسمان علم کے ماہِ تاباں بن گئے اور علم و فن کی بلند چوٹیوں پر اپنی صلاحیتوں کا کمند ڈال دیا۔ ان کی رفعت علمی کے پیش نظر ہی علماے عرب و عجم نے انھیں "رئیس العلما" کے لقب سے ملقب کیا جو ان کے تبحر علمی کی روشن دلیل ہے۔

اساتذۂ کرام: امام الحرمین علامہ دحلان نے جن علمی بحروں سے علوم و فنون کے جواہر پارے حاصل کیے ان کی فہرست طویل ہے البتہ بعض کے اسما مندرجہ ذیل ہیں:

شیخ محمد سعید مقدسی، شیخ علی سرور، شیخ عبداللہ سراج الحنفی، بشری جبرتی اور شیخ حامد عطار۔ ان عبقری شخصیتوں سے علامہ موصوف نے علوم متداولہ کا درس لیا اور تحصیل علم سے والہانہ شغف ہونے کی بنا پر شافعی المسلک ہونے کے باوجود فقہ حنفی کے عظیم محقق علامہ الشیخ سید محمد الکتبی سے فقہ حنفی بھی پڑھا جس سے ان کی فقہی صلاحیتوں میں مزید چار چاند لگ گئے۔

(فہرس الفہارس، ج:۱، ص:۳۹۰، مطبع: دار الغرب الاسلامی، بیروت)

درس و تدریس: سید احمد دحلان نے زیور علم سے آراستگی کے بعد درس و تدریس کو اپنا محبوب مشغلہ بنایا۔ حرم پاک کی عظیم درس گاہ پر متمکّن ہو کر عرصۂ دراز تک علم و عرفان کے سرچشموں سے تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے۔ علوم عقلیہ کے پر پیچ عقدے اور علوم نقلیہ کی لاینحل گتھیاں بڑے حسین انداز میں سلجھانے کا ہنر رکھتے تھے۔ یوں تو امام دحلان علم و فضل کے ذروۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے اور مختلف علوم و فنون میں طبع آزمائی بھی کی مگر علم حدیث سے انھیں غیر معمولی شغف تھا اور یہی ان کا میدان خاص تھا۔ آپ نے علم حدیث کا وہ فیضان جاری کیا جس سے ایک عالم مستفیض ہوا اور تاہنوز ہو رہا ہے۔

عبد الحی بن عبد الکبیر لکھتے ہیں: "و كان مدمنا علىٰ الدرس خصوصاً الحديث حتى قالوا صار البخاري عنده ضروري". (فہرس الفہارس، ج:۱، ص:۳۹۱)

تلامذہ: اس درس گاہ پر فیض سے جن فیروز بخت ہستیوں نے اکتساب فیض کیا وہ علم و فضل کے ماہ و نجوم بن کر عالم رنگ و بو میں چھا گئے۔ ان کی تعداد یوں تو کثیر ہے لیکن بہت تتبع و تلاش کے بعد صرف درج ذیل ستودہ صفات ہستیوں کے نام سامنے آئے:

(۱) ابو بکر عثمان بن محمد دمیاطی مصری۔ یہ مصر کے جلیل القدر عالم دین کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔ اور سید احمد بن

زینی دحلان کی سوانح پر مشتمل ایک کتاب لکھ کر استاذ محترم کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا۔(کافی کوششوں کے باوجود یہ کتاب راقم کو دستیاب نہ ہوسکی)

(۲)عبداللہ بن صدقہ دحلان۔ یہ حضرت کے بھتیجے تھے۔ حرم پاک کی امامت کے عظیم منصب پر فائز ہوئے۔

(ایضاً،ص:۳۹۰)

(۳)اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی ﷺ بھی سفرحج کے حسین موقع پر تفسیر، حدیث،فقہ اور اصول کی اجازت وسند لے کر علامہ دحلان کے شاگردوں میں شامل ہوئے۔(حیات اعلیٰ حضرت)

فتویٰ نویسی: امام دحلان مسلکاً شافعی تھے اور فقہ شافعی میں کافی دست رس رکھتے تھے۔"من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین" کے سچے مصداق تھے۔کتاب وسنت سے مسائل کے استنباط اور کتب فقہ میں بکھرے ہوئے جزئیات پر نوپید مسائل کے انطباق میں امتیازی شان تھی۔ لاینحل مسئلوں کو یک لخت حل کر دینا ان کا طرۂ امتیاز تھا۔علماے عرب وعجم نے ان کے فتووں کو بسروچشم قبول کیا۔ غیر معمولی تفقہ وتدبر اور فقہی صلاحیتوں کے پیش نظر ہی عالم اسلام میں شافعی مسلک کے عظیم فقیہ کی حیثیت سے متعارف ہوئے اور حیات مستعار کے آخری نفس تک مسند افتا کی زینت رہے۔صاحب "حلیة البشر" لکھتے ہیں:"ولي افتاء الشافعية" اور صاحب "الغدیر" تحریر کرتے ہیں: "مفتي الشافعية بمكة المشرفة".

(حلية البشر،ص:۱۸۰،الغدیر،ص:۱۸۵)

مجددیت کا قول: علامہ دحلان کے زمانے میں فتنۂ وہابیت شباب پر تھا اور دین حنیف کے منور چہرے کو مسخ کرنے کی ناپاک اور ناکام جدوجہد کر رہا تھا۔آپ نے پوری زندگی ان کی سرکوبی کی۔اور امت مسلمہ کو ایمان سوز عقائد باطلہ اختیار کر کے ہلاکت خیزی میں مبتلا ہونے سے بچایا۔اور دعوت وتبلیغ کے تمام تر ممکنہ وسائل کا استعمال کر کے انہیں صحیح راہ دکھائی۔تصنیف وتالیف اور تقریر وتدریس کے ذریعہ شجر اسلام کی آبیاری کی اور احیاے سنت کا عظیم فریضہ انجام دیا۔یہی وجہ ہے کہ آج دنیا انہیں تیرہویں صدی کے مجدد کی حیثیت سے جانتی اور مانتی ہے؛چناں چہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"فظني ان من المجددين فى المائة التاسعة الامام جلال الدين السيوطى ... والثالثة عشر شيخنا السيد احمد بن زينى دحلان المكى". (حاشية على المقاصد الحسنة)

تجدیدی کارنامے: بارہویں صدی میں نجد سے پیدا شدہ وہابی فرقے نے اپنے باطل اور ایمان سوز عقائد ونظریات کی ترویج میں ناکام کوششیں کی۔ایمانی،اخلاقی اور سماجی رواداریوں کا خون کر کے امت مسلمہ کے خلاف برسرپیکار ہوئے۔عرب وعجم کے مسلمانوں کو مشرک ومباح الدم قرار دیا اور برطانوی حکومت کے ایما پر حجاز مقدس پر حملہ کر کے مدینۃ الرسول کے تقدس کو پامال کیا۔پھر جور وستم،جبر واکراہ،مکر وفریب اور تخریب کاری کا سلسلہ دراز ہوا اور عالم اسلام بالخصوص حرمین طیبین میں ایمانی فضا مکدر کر کے گمراہ کن اور جہنم رسا نظریات کا جال بچھا دیا جس میں پھنس کر عشق ومحبت کا دم بھرنے والے کثیر افراد اللہ و رسول کی شان میں گستاخی اور بزرگانِ دین کے حق میں زبان درازی پر اتر آئے اور خود کو مستحق عتاب بنالیا۔جیسا کہ امام دحلان

رقم طراز ہیں:

"نبی کریم ﷺ اور ان سے محبت رکھنے والوں کی شان میں طرح طرح کی گستاخیاں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے بہت سی قبیح بدعتیں اپنا رکھی تھیں اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کی تکفیر کیا کرتے تھے۔ طوعاً و کرہاً اگر کوئی شخص دینِ وہابیت قبول کرنا چاہتا تو پہلے توحید و رسالت کا اقرار کراتے پھر اس سے کہتے کہ گواہی دو کہ اس سے پہلے تم کافر تھے تمھارے ماں، باپ کا حالت کفر میں انتقال ہوا۔ اور فلاں فلاں بھی کافر تھے اور اس کے سامنے ماضی کے علما کا نام لے کر ان کی تکفیر کراتے۔ اگر وہ شخص گواہی دے دیتا تو اسے قبول کر لیتے ورنہ اس کے قتل کا حکم دے دیتے۔" (الدرر السنیۃ فی الرد علیٰ الوہابیۃ، ص:۴۶)

اس المناک تاریخی منظر نامہ کا لیڈر ابن عبد الوہاب نجدی تھا جو ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوا اور ۱۲۰۶ھ میں اللہ نے اس کے وجود سے روئے زمین کو پاک کر دیا۔ مگر اپنے بعد وہابیوں کا ایک بڑا گینگ چھوڑ گیا جنہوں نے تخریب کاریوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

ایسے پر فتن اور پر آشوب ماحول میں بدعات و منکرات کا رد بلیغ اور وہابیت کا استیصال کرنے کے لیے حدیث پاک "ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل ماۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" کے تحت امام زینی دحلان سلاح علم سے مسلح ہو کر میدان عمل میں آئے۔ اور وہابیت کے قبیح چہرے کو بے نقاب کیا۔ انہوں نے وعظ و نصیحت کے ذریعہ اہل سنت کے عقائد حقہ سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ وہابیت کی حقیقت اور فریب کاریوں سے آگاہ کیا۔ خاص طور سے نئی نسل وہابیت کے چنگل میں بڑی آسانی سے پھنس جاتی، آپ نے نسل نو کی حفاظت کے لیے اپنی تقریری اور تحریری طاقت کا خوب استعمال کیا۔ تصنیفات کے ذریعہ وہابیت کے تمام اعتراضات کا عملی محاسبہ کرتے ہوئے دنداں شکن جوابات تحریر فرمائے اور معتبر سابقہ کتب کے حوالے سے صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ اہل سنت کی مذہبی وابستگی ثابت کی۔ بالخصوص توسل زیارت، شفاعت، ندائے غیر اللہ، اتباع سواد اعظم، قبر انور پر حاضری، مذاہب اربعہ کی تقلید، حیاۃ النبی اور تعظیم رسول علیہ السلام پر وہابی سخت کلام کرتے۔ طرح طرح کی تنقیدیں کرتے اور بے محل اعتراضات کرتے۔ آپ نے اپنی کتابوں کے ذریعہ منہ توڑ جواب دیا۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کو وہابیت کے فریب سے بچانے کی کامیاب کوشش کی۔

تصانیف: خدائے رزاق نے امام دحلان کو لسانی قوت اور قلمی جولانیت دونوں سے بہرہ ور کیا تھا، لسانی اثر آفرینیوں کا اندازہ "شیخ الخطباء" کے عظیم لقب سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ جب کہ قلمی صلاحیتوں کی جانب درج ذیل کتابیں واضح طور پر غمازی کرتی ہیں کہ آپ نے جس فن میں قلم اٹھایا، حق ادا کر دیا۔ تاریخ نگاری میں آئے تو "تاریخ الدول الاسلامیۃ" اور "تاریخ طبقات العلماء" جیسی معتبر اور ضخیم کتابیں معرض وجود میں آگئیں۔ سیرت نگاری میں طبع آزمائی کی تو "السیرۃ النبویۃ" اور "الفتح المبین" کا علمی سرمایا امت کو مل گیا۔ اور رد وہابیت پر آئے تو گستاخان رسول کے پرخچے اڑا دیے اور "فتنۃ الوہابیۃ" اور "الدرر السنیۃ" لکھ کر وہابیوں کے دانت کھٹے کر دیے۔

اب ذیل میں حضرت کے رشحات قلم سے معرض وجود میں آنے والی چند کتابوں کے نام سپرد قرطاس کیے جا رہے ہیں جس سے ان کی قلمی صلاحیت اور علمی خدمات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۱) اسنی المطالب فی نجاة ابی طالب (۲) تاریخ الدول الاسلامیةبالجداول المرضیة. (۳) تنبیه الغافلین مختصر منهاج العابدین (٤) حاشیة علی متن السمر قندیة (٥) تاریخ طبقات العلماء(٦)الاستعارات (٧) اعراب جاء زید (٨) البینات (٩) بیان العلم (١٠) فضائل الصلاة علی النبی ﷺ (١١)السیرة النبویة والآثار المحمدیة (١٢)شرح الآجرومیة (١٣) فتح الجواد المنان شرح العقیدة المسماة بفیض الرحمٰن (١٤) الفتح المبین فی فضائل خلفاء الراشدین واهل البیت الطاهرین (١٥) الفوائد الزینیة فی شرح الالفیة (١٦) منهل العطشان علی فتح الرحمٰن (١٧) النصر فی احکام الصلاة بعدالعصر (١٨) کیفیة المناظرة مع الشیعة والرد علیهم (١٩)الفتوحات الاسلامیة (٢٠) فضائل الجمعة والجماعة (٢١) الانوار السنیة بفضائل ذریة خیر البریة (٢٢)النصائح الایمانیة للامة المحمدیة (٢٣) حاشیة علی السیرة الحلبیة (٢٤) خلاصة الکلام فی بیان امراء البلد الحرام (٢٥) الدرر السنیة فی الرد علی الوهابیة (٢٦) فتنة الوهابیة.

آخر الذکر دو کتابیں علامہ موصوف کی وہ معرکۃ الآراء تصانیف ہیں جنہوں نے ایوانِ وہابیت میں زلزلے برپا کردیے۔ گمراہیت کی غلیظ کیچڑ پر تعمیر کردہ باطل عقائد کے رمادی قصروں کو زمین بوس اور دنیاے وہابیت کو دحلانی صواعق نے دم زدن میں خاکستر کردیا۔ ان کتابوں کا ایک ایک لفظ بلکہ ہر ہر حرف پوری نجدیت کے لیے چیلنج اور شکست وریخت کی نوید ہے۔

وفات: ”کل نفس ذئقة الموت“ کے تحت تیرہویں صدی کے اس عظیم مجدد نے احیاے سنت کا فریضہ انجام دے کر جاں، جاں آفریں کے سپرد کردی اور ۱۳۰۴ھ میں شہر خموشاں کے چراغ بن گئے۔

قبرانور: آپ کی وفات مدینہ شریف میں ہوئی اور قبر مبارک جنۃ البقیع میں ہے۔

☆☆☆

تیرہویں صدی کے مجدد

حضرت شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۶۵ھ —— ۱۳۵۰ھ

محمد عارف، بریلی شریف۔ جماعت: فضیلت Mo:9634959903

جن نابغۂ روزگار شخصیتوں نے اپنے علم وفضل اور دینی غیرت وحمیت کے ساتھ اہل اسلام کے ایمان ویقین کے تحفظ میں کلیدی کردار ادا کیا اور اسلام دشمن عناصر کے داخلی وخارجی فتنوں کی سرکوبی کے لیے نوک قلم سے تلوار کا کام لیا اور ہر محاذ پر امت مسلمہ کی مسیحائی فرمائی، انھیں میں ایک نام علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

نام ونسب: علامہ یوسف بن اسماعیل بن یوسف بن اسماعیل بن محمد ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء میں اپنے آبائی وطن فلسطین کے "احزم" نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ "نبہان" عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے، اسی قبیلے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے آپ کو نبہانی کہا جاتا ہے۔

تعلیم وتربیت: علامہ موصوف نے قرآن کا ناظرہ اپنے والد گرامی شیخ اسماعیل سے پڑھا اور انھیں کی آغوش تربیت میں پروان چڑھے۔ ۱۹۸۲ء میں جب آپ کی عمر سترہ برس کی ہوئی تو مزید تحصیل علم کے لیے عالم اسلام کی شہرہ آفاق درس گاہ "جامعۃ الازہر، مصر" کا رخ کیا۔ یہاں آپ نے ساڑھے چار سال محنت شاقہ کی اور ہمہ تن گوش ہوکر دینی علوم کی تکمیل فرمائی۔ بالآخر علوم عقلیہ ونقلیہ میں درجۂ کمال کو پہنچے اور رجب ۱۲۸۹ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

خاندانی پس منظر: علامہ موصوف کا خاندان متدین نیک صالح تھا اور اس میں بڑے بڑے جید عالم دین پیدا ہوئے۔

اساتذہ: آپ نے جن اساتذۂ کرام سے اکتساب فیض کیا ان میں سے چند کے اسما یہ ہیں:

علامہ سید محمد دمنہوری، شیخ ابراہیم متّصل (م ۱۲۸۷ھ)، علامہ شیخ احمد الاہبوری شافعی (م ۱۲۹۳ھ)، علامہ شیخ حسن العدوی المالکی (م ۱۲۹۸ھ)، علامہ شیخ سید عبد الہادی (م ۱۳۰۰ھ)، عبد القادر الرافعی الحنفی، یوسف برقاوی حنبلی، علامہ شمس الدین محمد انبابی۔

فن تصوف میں نمایاں مقام: لوگ آپ کو القاضی، الفقیہ، الصوفی کے لقب سے یاد کرتے تھے، علم تصوف میں آپ کو نمایاں مقام حاصل تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں آپ نے بہت سے قصائد تحریر فرمائے، مدح نبی آپ کا محبوب مشغلہ تھا؛ اسی وجہ سے آپ کی اکثر تصانیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف اور مدح وثنا پر مشتمل ہیں۔ آپ نے "تصوف" کو متعدّد طرق کے علمائے کرام سے حاصل کیا، جیسا کہ "الاعلام الشرقیۃ" کے مصنف نے شمار کرائے ہیں اور وہ یہ ہیں:

طریقۂ شاذلیہ: محمد بن مسعود القاضی اور علی نور الدین یشرطی سے۔ **طریقۂ نقش بندیہ:** امداد اللہ الفاروقی اور غیاث الدین

ارملی سے۔ **طریقۂ قادریہ:** حسن بن ابی حلاوہ الغزی سے۔ **طریقۂ رفاعیہ:** عبدالقادر بن ابی رباح الدجانی الباقی سے۔ **طریقۂ خلوتیہ:** حسن رضوان السعیدی سے۔

قلمی جواہر پارے: اسلام کے اس مایہ ناز فرزند نے قلمی میدان میں ایسی بیش بہا تصانیف چھوڑی ہیں کہ جن کے مطالعہ سے آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دنیائے اسلام میں علامہ موصوف اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ کی تصانیف علوم دینیہ کی قابل قدر اور مایۂ افتخار ذخائر ہیں، اگر علامہ کی نگارشات کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے تجدیدی کارنامے کا تکملہ کہہ لیا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ مذہب حق اہل سنت و جماعت کی ترویج واشاعت اور مذاہب باطلہ (نجدیہ، خارجیہ، رافضیہ، وغیرہا) کی تردید میں آپ نے جو قابل قدر علمی و تحقیقی کتابیں تحریر فرمائی ہیں ان میں سے چند کا تذکرہ درج ذیل ہے:

قرۃ العین علی منتخب الصحیحین: تین ہزار احادیث کا ایک عظیم مجموعہ، یہ فاضلانہ حاشیہ آپ کی اعلیٰ شخصیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

الفتح الکبیر فی ضم الزیاد الیٰ الجامع الصغیر: اس کتاب میں آپ نے چودہ ہزار احادیث جمع فرمائی ہیں، احادیث کی یہ کتاب آپ کی ساری تصانیف میں سب سے عظیم اور نفع بخش ہے۔

جواھر البحار فی فضائل النبی المختار: یہ مجموعہ اپنی شان کے لحاظ سے عدیم النظیر ہے، جس میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور فضائل وکمالات پر روشنی ڈالی ہے گویا علم وعرفان کے سمندروں سے وہ خوب صورت جوہر پارے نکال کر اس میں جمع کر دیے ہیں جو اکابر امت نے آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور اپنے مشاہدات عرفانیہ سے حاصل کیے تھے۔ ان حضرات نے جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف میں لکھا ہے مصنف موصوف نے اس کے عقلی ونقلی دلائل پیش کر کے ایسے اوصاف احاطۂ تحریر میں لائے ہیں جن کے مطالعہ سے دیدہ ودل خیرہ ہوا ٹھتے ہیں۔

مجموعۃ اربعینات: اپنی نوعیت میں فرد فرید ہے اس کے اندر آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، شفاعت، مکارم اخلاق، معجزات، خصائص، صفت اور درود شریف پڑھنے کی فضیلت کا ذکر بڑی خوبصورتی سے فرمایا ہے۔ آپ نے مذکورہ بالا موضوعات میں سے ہر ایک کے متعلق چالیس چالیس احادیث ذکر کر کے ان کی حسب ضرورت تشریح بھی فرمائی ہے۔

مفرج الکروب ومفرح القلوب: دراصل آپ کی یہ تالیف چار کتابوں پر مشتمل ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) **مفرج الکروب ومفرح القلوب:** اس کے اندر آپ نے قضائے حاجات کے لیے مجرب ۱۵۲ر تسبیح واذکار کا ذکر فرمایا ہے۔

(۲) **حزب الاستغاثہ لسید السادات:** اس میں آپ نے بارگاہ رسالت سے استغاثہ کے جواز وافادیت پر مضبوط دلائل پیش کیے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ کس طرح مقربین خدا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کو نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ اس کی افادیت واستفادیت کے بھی قائل ہیں۔

(۳) **احسن الوسائل فی نظم اسماء النبی الکامل:** اس کے اندر آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اسما ذکر کیے

ہیں جو اس سے پہلے کسی کتاب میں جمع نہیں کیے گئے ہیں۔

(۴) **كتاب الأسماء للنبي الاسمیٰ:** اس میں آپ نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اسما پر تفصیلی کلام فرمایا ہے اور ان سے متعلق فوائد پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

تراجم: اس کے علاوہ آپ کی تصانیف میں •تراجم اعیان علماء الامة•حجة الله علیٰ العالمین فی معجزات سیدالمرسلین• فضائل النبی•کمالات أصحاب رسول•العقود اللؤلؤیة فی المدائح المحمدیة• الورد الشافی من المورد الصافی•هادی المرید إلیٰ طرق الأسانید•الأسالیب البدیعة فی فضل الصحابة وإقناع الشیعة• إرشاد الحیاری فی تحذیر المسلمین من مدارس النصاری (مترجم: مشنری اسکولوں میں مسلم طلبہ کا انجام) •البرهان المسدد فی إثبات نبوة سیدنا محمد ﷺ•القول الحق فی مدائح خیر الخلق •أحادیث الأربعین فی أمثال أفصح العالمین•أحادیث الأربعین فی وجوب طاعة أمیر المؤمنین• سعادة الدارین فی الصلوٰة علیٰ سیدالکونین• سبیل النجاة فی الحب فی الله والبغض فی الله،رفع الإشتباه فی إستحالة الجهة علی الله• أحادیث الأربعین فی فضائل سیدالمرسلین• المجموعة النبهانیة فی المدائح النبویة •الشرف المؤبّد لآل محمد ﷺ وغیرہ کتب بھی شامل ہیں۔

آپ قادرالکلام شاعر بھی تھے، فن شاعری میں آپ کو رسوخ و ملکہ حاصل تھا، آپ کی شاعری عشق رسول سے سرشار اور کاروانِ شوق کے لیے منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں آپ نے حق کو باطل سے ممتاز فرمایا اور تجدیدی فکری خرابی کا قلع قمع فرماکر عقائد معتدلہ یعنی مذہب اہل سنت کی حقانیت کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیا۔ فن شاعری میں آپ کے قادرالکلامی کی منہ بولتی تصاویر آپ کے یہ عظیم شاہ کار ہیں:

•النظم البدیع فی مولد الشفیع. •الهمزة الألفیة (طیبة الغراء) فی مدح سید الأنبیاء. • قصیدة سعادة المعاد فی معارضة بانت سعاد. •القصیدة الرائحة الکبریٰ. •الرأیة الکبریٰ فی ذم البدعة ومدح سنة الغراء.

آپ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ہم عصر تھے، علم غیب مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے موضوع پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ایمان افروز کتاب ''الدولة المکیة'' (۱۳۲۳ھ) پر آپ نے تقریظ بھی لکھی ہے۔ کافی عرصہ تک بیروت میں عہدۂ قضا پر بھی فائز رہے اور وہاں کی سرکاری لائبریری کے منتظم اعلیٰ بھی رہے۔ (مشنری اسکولوں میں مسلم طلبہ کا انجام، مولانا فیض اللہ برکاتی)

وصال پرملال: ''جواھر البحار'' کی تصنیف کے کچھ عرصہ بعد علامہ موصوف کو سرورعالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، سرکار نے ''جواھر البحار'' کو بہت پسند فرمایا اور از راہ لطف آپ کو اپنے سینے سے لگا لیا، علامہ موصوف بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ! صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ''اب جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کی تاب نہیں''، آپ کا عریضہ بارگاہ رسالت میں مقبول ہوا اور اسی حالت میں علامہ موصوف نے اس دنیا کو الوداع کہہ دیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے دس سال بعد آپ نے ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء کو بیروت میں وفات پائی اور اپنے گاؤں ''احزم'' میں ہمیشہ کے لیے محو خواب اور آسودۂ استراحت ہوئے۔ (انّا للہ وانّا إلیہ راجعون)☆☆☆

چودھویں صدی
کے
مجدّدین
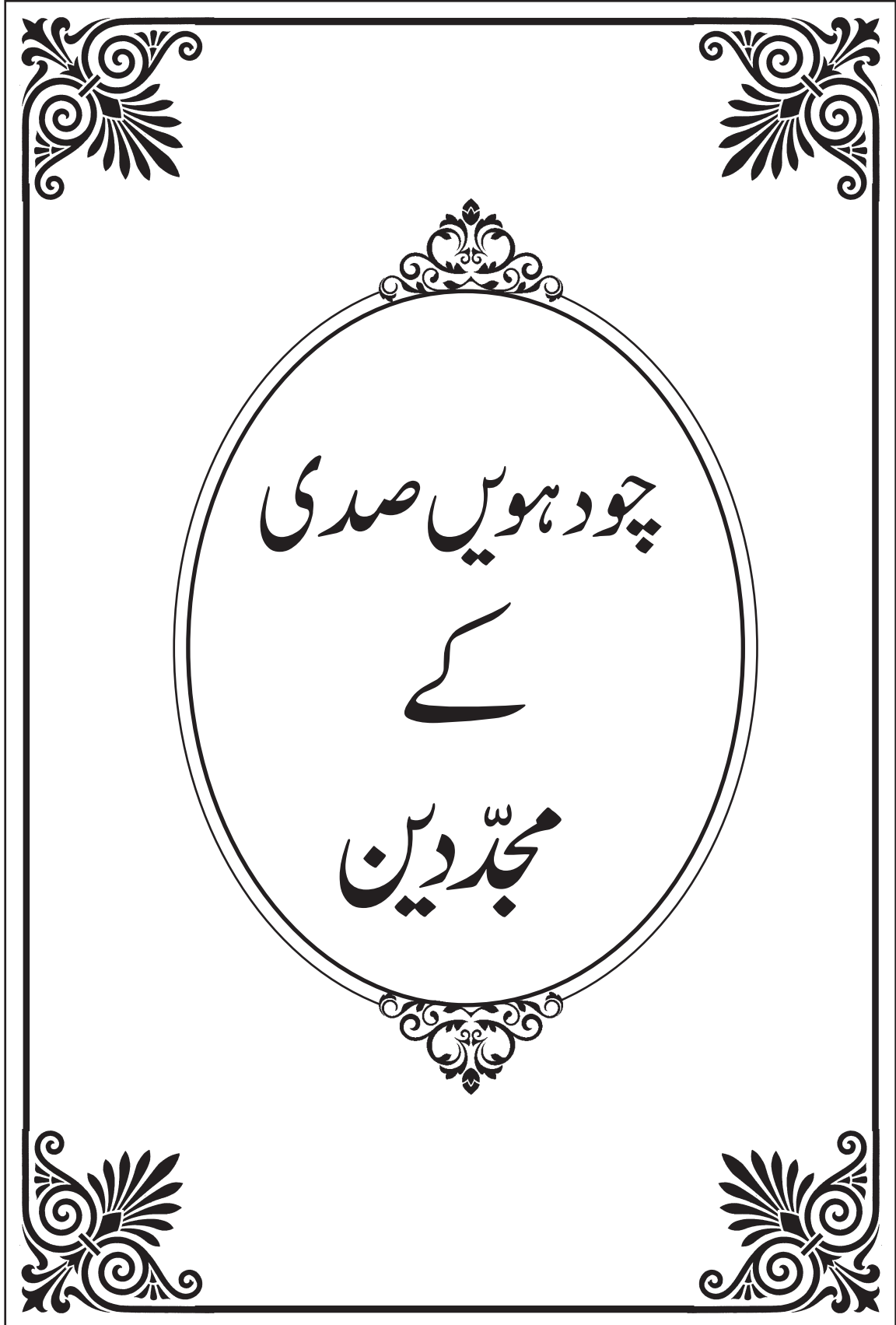
چودھویں صدی کے مجددین

★ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محقق بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

★ حضرت مفتیِ اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محقق بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۷۲ھ ــــ ۱۳۴۰ھ

محمد توفیق عالم رضوی مصباحی، پلاموں، جھارکھنڈ، جماعت: فضیلت Mo:9598287373

اسم گرامی: محمد، تاریخی نام: المختار ۱۲۷۲ھ، جد امجد مولانا شاہ رضا علی خان (ولادت: ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء، وفات: ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) احمد رضا کہہ کر پکارا کرتے اور آپ نے اظہار غلامی کے طور پر خود عبد المصطفیٰ کا اضافہ فرمالیا تھا۔

سلسلۂ نسب: امام احمد رضا بن مولانا نقی علی خان بن مولانا رضا علی خان بن حافظ کاظم علی خاں بن محمد اعظم خاں بن سعادت یار خاں بن سعید اللہ خاں۔

والد ماجد: مولانا نقی علی خاں ﷺ (ولادت: ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء-وفات: ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰) اپنے عہد کے بلند پایہ عالم تھے، فتویٰ نویسی کے علاوہ چھوٹی بڑی پچیس کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں سے کچھ ہی کتابیں چھپ سکیں "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" اور "جواھر البیان فی اسرار الارکان" "تفسیر سورہ الم نشرح" یہ ضخیم کتابیں بار بار چھپ کر دنیا میں پھیل چکی ہیں۔ ان کا شمار شہر کے رؤسا میں تھا۔

خاندانی پس منظر: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کے آباو اجداد قندھار (افغانستان) کے قبیلہ ''بڑھیچ'' کے معزز پٹھان تھے، شاہان مغلیہ کے دور میں لاہور آئے اور باعزت عہدوں پر فائز رہے۔ لاہور کا شیش محل انہی لوگوں کی جاگیر تھا، پھر وہاں سے منتقل ہو کر دہلی آئے، دہلی میں سعید اللہ خاں (اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے مورث اعلیٰ) کو فوج میں اونچا منصب ملا، روہیل کھنڈ میں ایک بڑی مہم سر کرنے کے بدلے بریلی کا صوبہ دار بنائے جانے کا شاہی فرمان جاری ہوا، لیکن بستر علالت پر ہونے کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہو سکا، تاہم بریلی ہی میں سکونت پذیر ہوئے، اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے خانوادۂ رضویہ کے جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا حسنین رضا (متوفی ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) رقم طراز ہیں:

''بریلی کی سکونت اس لیے مستقل ہوگئی کہ اس دور میں کوہستان روہ کے کچھ پٹھان خاندان یہاں آکر آباد ہو گئے تھے، ان کے لیے ان کا جوار بڑا خوش گوار تھا، اس واسطے کہ ان سے بوئے وطن آتی تھی''۔

(سیرت اعلیٰ حضرت، ص:۴۱، مکتبہ: مشرق بریلی، طبع اول: ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء)

ولادت: ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/۱۴ جون ۱۸۵۶ء/ ۱۱ جیٹھ ۱۹۱۲ سدی، بروز شنبہ بوقت ظہر، بمقام محلہ جسولی، بریلی

میں ولادت ہوئی۔

تاریخ ولادت قران پاک کی اس آیت سے نکلتی ہے۔

" اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ".(المجادلہ:۲۲)

یہی ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ تعالی نے ایمان نقش فرمادیا ہے اور روح القدس کے ذریعے ان کی مدد فرمائی۔

تعلیم و تربیت: طفولیت ہی سے پیشانی سے نور سعادت ہویدا تھا، جسے اہل نظر نے ملاحظہ بھی کیا اور نشان دہی بھی کی کہ یہ بچہ مستقبل میں آفتاب علم و فضل ہوگا، اس کے آثار اس طرح ظاہر ہوئے کہ آپ اوائل عمری ہی سے طہارت نفس، اتباع سنت، پاکیزہ اخلاق اور حسن سیرت جیسے اوصاف سے متّصف تھے۔ ۴ سال کی عمر میں قرآن ناظرہ پڑھا، چھ سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول شریف میں منبر رسول پر بڑے مجمع میں میلاد رسول ﷺ بیان کی، تعلیمی سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ ۱۲۸۶ھ میں تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں جملہ علوم متداولہ کی تحصیل کر لی۔

اساتذہ: اساتذہ کی فہرست مختصر ہے، بیش تر علوم و فنون کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، البتہ ابتدائی تعلیم کے لیے مرزا غلام قادر بیگ (متوفی ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء)، مولانا عبد العلی رام پوری (متوفی ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء)، حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری (متوفی ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) اور مرشد گرامی آل رسول احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء) کے روبرو زانوے ادب تہ کیا۔

تدریس و افتا: فراغت کے ساتھ ہی رضاعت کا ایک مسئلہ لکھا، والد گرامی کی بارگاہ میں پیش کیا، انھوں نے صحیح جواب پاکر فتوی نویسی کی ذمہ داری تفویض کی۔ سات سال تک والد گرامی کی سرپرستی میں فتاوی تحریر فرماتے رہے۔ خود فرماتے ہیں:

"ردوہابیہ اور افتا یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے، ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے، میں بھی ایک حاذق طبیب کے مطب میں سات برس بیٹھا"۔ آپ نے کار افتا کے ساتھ مسند تدریس کو بھی زینت بخشی۔

بیعت و خلافت: ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۳ء میں مارہرہ گئے اور مسند نشیں سید شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے نیز تمام سلاسل کی اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔

حج و زیارت: ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں حج و زیارت کے لیے تشریف لے گئے، اس موقع پر علماے حرمین طیبین مثلاً مفتی حنفیہ حضرت عبد الرحمٰن (متوفی ۱۸۸۳ء) اور مفتی شافعیہ سید احمد بن زینی دحلان مکی (متوفی ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء) وغیرہ سے حدیث، فقہ، تفسیر، اصول فقہ اور اصول حدیث کی اسناد حاصل کیں اور خود بیش تر علما کو اسناد سے نوازا۔ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں دوسری مرتبہ عازم حج ہوئے، اس مرتبہ علماے عرب نے بے حد عزت افزائی کی۔

ان دونوں اسفار میں کئی عربی کتابیں تالیف کیں، جنھیں پڑھ کر علماے عرب آپ کی تبحر علمی اور قوت استحضار و استدلال کی تعریف و تحسین کیے بغیر نہ رہ سکے۔ بالخصوص مؤخر الذکر سفر میں علماے حرمین کے سامنے ان گستاخان رسول کی کفریہ عبارتیں پیش کیں جن کی آپ نے تکفیر کی تھی۔ انھوں نے فتوے پڑھ کر بلا تامل حمایت و تائید کی، جس کا منہ بولتا ثبوت حسام الحرمین پر

مندرج علمائے عرب کی تقاریظ ہیں۔(ماخوذ:حیات اعلیٰ حضرت)

اوصاف وکمالات: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کو باری تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے آراستہ کیا تھا، صوری حسن و جمال اور معنوی محاسن وکمالات کے پیکر تھے، ذہانت وفطانت میں بے مثل تھے، غضب کا حافظہ تھا، طبیعت اخاذ تھی۔ امہات کتب، متون، شروح، حواشی، تعلیقات، مقدمات، تقریظات پر گہری نظر ہوتی۔ جس کتاب، جلد، صفحہ اور سطر کی تعین کرتے اس میں فرق نہیں ہوتا۔ علوم قدیمہ وجدیدہ کا کون سا گوشہ تھا جو آپ سے مخفی رہا ہو، سب پر یکساں دست گاہ حاصل تھی۔ والد ماجد سے جو علوم وفنون حاصل کیے اس کی تعداد اکیس ہیں۔ اس کے علاوہ خداداد صلاحیت ولیاقت سے تقریباً چونتیس علوم وفنون پر از خود کمال حاصل کیا۔ جس کی وضاحت انھوں نے "الاجازة المتينة لعلماء بكة و المدينة". (۱۳۲۴ھ) میں کی ہے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے۔ یہی وہ امتیازی خصوصیات ہیں جس کا اعتراف اپنوں اور بے گانوں نے بلا جھجک کیا۔ اس سلسلے میں ایک تاریخی شہادت پیش ہے:

مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے شاگرد، سید ابوالاعلیٰ مودودی کے سابق معتمد، ہفت روزہ "شہاب" لاہور کے چیف ایڈیٹر مولانا کوثر نیازی (ولادت: ۱۹۳۴ء) نے امام احمد رضا کانفرنس اسلام آباد منعقدہ ۱۹۹۳ء کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

"میری اپنی ذاتی لائبریری میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں وہ سب مطالعہ سے گذری ہیں، اس مطالعہ کے دوران امام احمد رضا ﷺ کی کتب نظر سے نہیں گذری تھیں اور مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ علم کا خزانہ پالیا ہے اور علم کا سمندر پار کر لیا ہے۔ علم کی ہر جہت تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ مگر جب امام اہل سنت (مولانا احمد رضا بریلوی) کی کتابیں مطالعہ کیں، ان کے علم کے دروازے پر دستک دی اور فیض یاب ہوا تو اپنے جہل کا احساس اور اعتراف ہوا۔ یوں لگا کہ ابھی تو میں علم کے سمندر کے کنارے کھڑا سیپیاں چن رہا تھا علم کا سمندر تو امام کی ذات ہے"۔

(مجلہ امام احمد رضا کانفرس، ص:۴۹، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا ۱۹۹۴ء، بحوالہ امام احمد رضا کے جدید افکار وتحریکات، ص:۳۱)

تجدیدی کارنامے: امام احمد رضا قدس سرہ کے زمانے میں نت نئے فتنے سر ابھار رہے تھے، جن کے ذریعہ مسلمانوں کو مذہبی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی سطح پر کمزور کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان فتنوں کی سرکوبی، احیاے دین اور رد بدعات ومنکرات کی خاطر اپنی زبانی، قلمی اور عملی توانیاں صرف کیں، جس کا نہ صرف اعتراف کیا گیا بلکہ آپ کی مجددیت کا اقرار واعلان بھی کیا گیا۔

مجددیت کا اعلان: ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں پٹنہ کے عظیم الشان تاریخی اجلاس میں محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی احیاے سنت، ازالہ بدعت، رد بدمذہباں اور اصلاحی ورفاہی خدمات کو دیکھ کر مولانا عبد المقتدر بدایونی (متوفی ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء) نے ارشاد فرمایا: "جناب عالم اہل سنت، مجدد ماۃ حاضرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب"۔ اجتماع میں موجود تمام علماے کرام نے اس کی تائید کی۔

(امام احمد رضا اور جدید افکار وتحریکات، ص:۱۸۲۔ بحوالہ دبدبہ سکندری، رام پور، ۱۱/ اکتوبر ۱۹۴۸ء)

اصلاح وتجدید اور احیاے دین کے منظر نامے پر جو کارنامے درخشاں اور تاباں نظر آرہے ہیں یہ مختصر صفحات ان پر

تفصیلی گفتگو کے متحمل نہیں، البتہ مختصراً چند اصلاحی اور تجدیدی کارنامے پیش ہیں:

فرقۂ نیچریت: آزاد خیالی اور فکری بے راہ روی کے علم بردار سرسید احمد خاں اس فرقے کے بانی ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ کوئی چیز مقتضائے طبیعت کے خلاف کسی طرح، کسی صورت، کسی وجہ سے نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معجزات وغیرہ کے قائل نہیں کہ یہ خلاف نیچر، خلاف فطرت ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ اس کے پراگندہ خیالات کو "المعتمد المستند" میں یوں بیان فرماتے ہیں: "فانهم ینکرون اکثر ضروریات الدین الخ"۔

ترجمہ: یہ نیچری اکثر ضروریات دین کے منکر ہیں۔ اسے اپنے من چاہے معنی کی طرف پھیر دیتے ہیں، تو کہتے ہیں نہ جنت ہے، نہ دوزخ، نہ حشر اجسام یعنی قیامت میں زندہ اٹھانا، نہ کوئی فرشتہ ہے، نہ کوئی جن، نہ آسمان ہے، نہ اسرا اور نہ معجزہ اور (ان کا گمان ہے) موسی کی لاٹھی میں پارہ تھا، تو جب اس کو دھوپ لگتی وہ لاٹھی ہلتی تھی، اور سمندر کا پھاڑ دینا مد و جزر کے سوا کچھ نہیں تھا۔

اس طرح کے مختلف عقائد اسلامیہ کے منکر ہوئے اور ان چیزوں کے ثبوت میں وارد آیات قرانیہ کی ایسی تاویل کی جس سے مسلمہ عقائد کی صورت ہی بدل گئی۔

(المستند المعتمد علی المعتقد المنتقد، ص:۲۲۲۔ سوانح اعلیٰ حضرت، ص:۱۲۴ تا ۱۳۰)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے ان کی پر زور تردید فرمائی اور سات رسائل تحریر فرمائے۔

فرقۂ قادیانیت: ختم نبوت اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے جس پر ایمان رکھنا ضروریات دین سے ہے۔ لیکن انیس ویں صدی کے اخیر میں قادیانی فتنہ اٹھا، خاتم النبیین ﷺ کی پیغمبرانہ انفرادیت پر جارحانہ حملے ہوئے اور ختم نبوت کا انکار کیا گیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی (ولادت ۱۸۳۹ یا ۱۸۴۰/ متوفی ۱۹۰۸) نے مہدی، مسیح موعود اور نبوت کا دعوی کیا، صرف یہی نہیں بلکہ نبی آخر الزماں ﷺ سے خود کو افضل گردانا، اپنے نبی ہونے کی دلیل میں قرانی آیت "مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد"۔ (المجادلہ، ۲۲) پیش کی۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس نے لکھا: لیس المراد به محمد رسول الله ﷺ بل المراد بأحمد فی هذه الأية المرزا غلام احمد. یعنی مذکورہ آیت میں احمد سے مراد رسول اللہ ﷺ نہیں بلکہ اس سے مراد مرزا غلام احمد ہے۔ (المتنبی القادیانی، ص:۱۷۔ بحوالہ، امام احمد رضا کے افکار و نظریات، ص:۱۹۰)

اس کے علاوہ کئی گستاخیاں کرکے اپنی دریدہ دہنی اور خوف قیامت سے بے پرواہی کا ثبوت دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں حدوث الفتن و جہاد اعیان السنن، ص:۴۲، ۴۳ اور حیات اعلی حضرت، ج:۲)

یہ بھی واضح رہے کہ دیوبندی مکتب فکر کے مولانا قاسم نانوتوی نے بھی ختم نبوت کے مسئلہ پر اپنے خیالات فاسدہ کا "تحذیر الناس" میں یوں اظہار کیا: "اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا"۔ (تحذیر الناس، ص:۲۵)

مذکورہ عبارت کے علاوہ جتنی عبارتیں "تحذیر الناس" میں موجود ہیں۔ ان سب کا منصفانہ اور اعتدال پسندانہ تجزیہ کیا جائے تو اس نتیجے تک بآسانی پہنچا جا سکتا ہے کہ ختم نبوت کے انکاری ہونے میں، دونوں ایک ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ مرزا

غلام احمد قادیانی کو ادعائے نبوت کی فکری غذا مولانا قاسم نانوتوی نے فراہم کی۔ جس کا تذکرہ ابو العطا جالندھری قادیانی نے بھی اپنی کتاب "افادات قاسمیہ" میں کیا ہے:

"یوں محسوس ہوتا ہے کہ چودہویں صدی کے سر پر آنے والا مجدد امام مہدی اور مسیح موعود بھی تھا اور اسے نبوت کے مقام سے سرفراز کیا جانے والا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مصلحت سے حضرت مولوی محمد قاسم نانوتوی کو خاتمیت محمدیہ کے اصل مفہوم کی وضاحت کے لیے رہنمائی فرمائی اور آپ نے اپنی کتابوں اور پیغامات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی نہایت دل کش تشریح فرمائی۔ بلا شبہہ آپ کی کتاب "تحذیر الناس" اس موضوع پر خاص اہمیت رکھتی ہے"۔ (افادات قاسمیہ، ص:۱۔ بحوالہ امام احمد رضا کے افکار و نظریات، ص:۲۰۰)

اس طرح مولانا قاسم نانوتوی کی عامیانہ فکر سے مرزا غلام احمد قادیانی نے استفادہ کیا اور جھوٹی نبوت کا محل تعمیر کیا۔ انکار نبوت براہ راست اسلامی نظریات سے متصادم تھا اور ہے، علماے اہل سنت نے اس کی تردید کی جانب پیش قدمی کی۔ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے اس قسم کے ہفوات و اباطیل کا قلعہ قمع کرنے کے لیے کئی فتوے تحریر فرمائے۔ جو "فتاوی رضویہ" اور "المستند المعتمد" میں شائع ہوئے ہیں، اس کے علاوہ درج ذیل کتابیں ان کی نوک قلم سے منصۂ شہود پر آئیں، مثلاً:

(۱) قهر الديان على مرتد بقاديان ۱۳۳۲ھ (۲) السوء والعقاب على المسيح الكذاب ۱۳۲۰ھ (۳) المبين ختم النبيين ۱۳۲٦ھ (٤) جزاء الله عدوه بابائه ختم النبوة ۱۳۱۷ھ (٥) الجراز الدياني على المرتد القادياني ۱۳٤۰ھ۔

آخر الذکر رسالے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ تا دم واپسیں قادیانیت کے خلاف بر سر پیکار رہے۔

(حسام الحرمین، ص:۹٦، ۹۷، ۹۸، ۹۹)

فرقۂ شیعیت: اہل سنت اور اہل تشیع کے اختلاف کی ابتدا عہد صحابہ و تابعین میں ہی ہو چکی تھی۔ مرور ایام کے ساتھ اس میں شدت آتی گئی اور اعمال و عقائد کی حیثیت سے ان کی ایک الگ شناخت قائم ہو گئی، مختلف ادوار میں روافض کی متعدّد شاخیں نکلیں، ہندوستان میں بھی ان کی عددی قوت میں اضافہ ہوا، اکابر نے ان کے خلاف قلمی جہاد جاری رکھا، امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی اسلاف کے طریقہ کار پر عمل کیا اور متعدّد رسائل لکھ کر ان کا شدید تعاقب کیا۔ چناں چہ روافض کے متعلق شرعی احکام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رافضی اگر امیر المومنین علی مرتضیٰ کو شیخین رضی اللہ عنہم پر فضیلت دے تو مبتدع ہے، جیسے فتاوی خلاصۂ عالم گیری میں ہے۔"

"اور اگر شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی امامت کا انکار کرے تو فقہاے کرام نے اسے انکار کر دیا اور متکلّمین نے بدعتی اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔

"اور اگر اللہ تعالیٰ کے لیے بدا (کہ اسے پہلے علم نہیں ہوتا، شی واقع ہونے کے بعد علم ہوتا ہے) کا قائل ہو یا یہ کہے کہ موجودہ قران ناقص ہے، صحابہ یا کسی دوسرے نے اس میں تحریف کی ہے، یا یہ کہے کہ امیر المومنین علی مرتضیٰ یا اہل بیت میں سے کوئی امام

اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاے سابقین سے افضل ہے جیسے کہ ہمارے شہر کے رافضی کہتے ہیں اور ان کے اس دور کے مجتہد نے تصریح کی ہے تو وہ قطعاً کافر ہے اور اس کا حکم مرتدوں والا ہے جیسے فتاویٰ ظہیریہ کے حوالے سے عالم گیری میں ہے"۔

تفصیلات کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ کی مندرجہ ذیل کتابیں مطالعہ کریں:

(۱)غاية التحقيق فی امامة العلی والصديق(۲)وجه المشروق بجلوة أسماء الصديق والفاروق (۳)مطلع القمر ين فی ابانة سبقة العمر ين(٤)لمعة الشمعة لهدى شيعة الشنعة (٥)الأدلة الطاعنة فی اذان الملاعنة(٦)اعالی الإفادة فی تعز ية الهند و بيان الشهادة(٧)رد الرفضة.

فرقۂ وہابیت: ملت اسلامیہ کی عمارت جس بنیاد پر کھڑی ہے وہ شان الوہیت ورسالت ہے، امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات میں ان دونوں پہلوؤں پر مختلف طریقے سے یلغار ہوئی، تنقیصی اور کفری عبارتیں شائع کی گئیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی پیدائش سے قبل ہی اسلامیان ہند پر یہ فتنہ منڈلانے لگا تھا، اسمٰعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ھ) نے "تقویۃ الایمان" لکھ کر اس فتنے کی تخم ریزی کی۔ اس وقت علماے اہل سنت بالخصوص علامہ فضل حق خیر آبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ) نے شدید رد کیا، اس وقت یہ فتنہ دب چکا تھا، لیکن خال خال اس کی حمایت کرنے والے موجود تھے۔ ابھی چند دہائی ہی گذری تھی کہ ایک ہنگامہ خیز کتاب "تحذیر الناس" ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۴ء میں منظرِ عام پر آئی۔ اس کی وجہ سے ہندوستان کے طول وعرض میں سراسیمگی پھیل گئی، مگر کوئی اس کتاب کا حامی نہیں تھا سواے عبدالحی بڈھانوی کے۔ جیسا کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا:

"جس وقت مولانا قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس لکھی ہے کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہیں کی بجز مولانا عبدالحی کے"۔ (الافاضات الیومیۃ، چہارم، تھانہ بھون)

اسی "تحذیر الناس" کے مفہوم کے زیر اثر انگریزوں کے زر خرید غلاموں کے حوصلے بلند ہونے لگے، شان الوہیت و رسالت پر حرف گیری شروع ہوگئی، مولانا رشید احمد گنگوہی نے اسماعیل دہلوی کے بوئے ہوئے بیج کو سینچا اور تناور درخت کی شکل دینے کا منظم منصوبہ بنالیا، جس طرح اسماعیل دہلوی نے امکان کذب باری تعالیٰ کا قول کیا اسی طرح موصوف گنگوہی نے بھی کیا۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کے ہذیان کا اپنے رسالہ "سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح" (۱۳۰۷) میں رد فرمایا، بات یہیں تک نہیں ٹھہری، بلکہ مرکز عقیدت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کی گئی۔ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابل شیطان اور ملک الموت کے علم کو نصوص قطعیہ سے ثابت مانا، مذکورہ خیالات فاسدہ کا اظہار اپنی کتاب "براہین قاطعہ" (۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء) میں کیا، مولانا رشید احمد گنگوہی نے اس کی تصدیق کی، اس کی شنیع عبارت یوں ہے:

"شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"۔ (براہین قاطعہ، ص:۴۷)

اسی خیمے سے مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی اس کی پیروی کی اور اپنے رسالہ "حفظ الایمان" میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے

علم کو صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم سے تشبیہ دی۔ معاذاللہ رب العالمین

اس کے علاوہ متعدّد اہانت آمیز عبارتیں انھوں نے اپنی کتابوں میں لکھیں، کسی بھی مسلمان کے لیے یہ امر نا قابل برداشت تھا، پھر ایک عاشق صادق کیوں کر خاموش تماشائی بنا رہتا۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اسلامی خول میں چھپے چہروں کی نقاب کشائی کی اور دنیا کے سامنے ان کی فکری آوارگی اور ذہنی کج روی کو اجاگر کیا۔ انھوں نے نصوص قطعیہ کے منکرین اور کفریات کا ارتکاب کرنے والوں سے شرعی مواخذہ فرمایا، یہ بھی واضح رہے کہ انھوں نے گستاخان رسول سے بغیر باز پرس حکم شرع بیان نہیں کیا بلکہ ان سے تحقیق کے لیے متعدّد بار خط روانہ کیا۔ جیسا کہ "المستند المعتمد علی المعتقد المنتقد" میں اس کی وضاحت بھی کی ہے کہ جب مولانا رشید احمد گنگوہی کے رد میں "سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح" نامی رسالہ تحریر فرمایا تو اسے اس کے پاس روانہ بھی کیا، ڈاک خانے سے روانگی کی رسید بھی مل گئی، مگر ۱۱ر سال گذرنے کے بعد بھی کوئی جواب نہ ملا۔ (المستند المعتمد علی المعتقد المنتقد، ص:۲۲۶،۲۲۵۔)

جواب طلبی کے بعد بھی خاموشی رہی، ہاں! جواب تو نہ دیا البتہ ان کی کفریات ولغویات میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ تب کہیں جا کر امام احمد رضا قدس سرہ نے حکم شرع بیان کیا۔ تکفیر کا حکم صرف آپ کی نوک قلم سے صادر نہیں ہوا بلکہ آپ نے تمام کفری عبارتوں کو یکجا کر کے اپنے شرعی فیصلے کے ساتھ علماے عرب و عجم کے سامنے پیش کیا، چناں چہ انھوں نے مہر تصدیق ثبت کی جسے "حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین ۱۳۲۴ھ" کے نام سے شائع کیا گیا۔

ناموس رسالت کی حفاظت ان کا بنیادی کارنامہ ہے، اگر وہ کسی طرح کی رعایتی پہلو اپناتے تو امت مسلمہ فرقہاے باطلہ کی دام تزویر سے بمشکل ہی خلاصی حاصل کر سکتی۔ آج دنیاے سنیت ان کی محبت میں سرشار نظر آتی ہے؛ کیوں کہ آج عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صداے دل پذیر سنائی دے رہی ہے یہ انہی کے کارہاے نمایاں کی رہین منت ہے۔

حکمت و فلسفہ: یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ جس مذہب میں فلسفہ در آیا، اس کی چولیں ہلا کر رکھ دیا۔ اسلامی ممالک میں فلسفہ خلیفۂ عباسیہ مامون رشید کے عہد میں عام ہوا۔ فلاسفہ اور ملاحدہ نے عہد عباسی میں اسلامی عقائد و نظریات پر کاری ضربیں لگائیں۔ علماے اسلام نے انہی کے اصول و ضوابط کی روشنی میں ان کے مزعومات کو تار عنکبوت کے مانند بکھیر کر رکھ دیا۔

امام احمد رضا قدس سرہ کا دور بھی سائنسی اختراعات کا تھا، فلسفۂ قدیمہ اور فلسفۂ جدیدہ کے ذریعہ اسلام مخالف نظریات کی تشہیر کی جا رہی تھی، انھوں نے قلم اٹھایا، فلسفیوں کی راہ وار فکر نے جہاں ٹھوکر کھائی تھی، اس کی نشان دہی کی، اس کی نوک پلک کو درستگی کی راہ سے گذارا اور جس بنیاد پر اسلام مخالف افکار استوار تھے اس کی زبردست بیخ کنی کی، رد فلسفہ خود ایک بہت بڑا کارنامہ ہے؛ کیوں کہ مادیت کے دور میں مغربی نظریات کا مقلد ہو جانا کوئی عجب نہ تھا، جیسا کہ حاکم علی صاحب اور دیگر اباحیت پسند حضرات اٹھے، جنھوں نے سائنس کو مسلمان بنانے کے بجائے اسلام ہی کو سائنس کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ امام احمد رضا نے ان کی فاش غلطیوں پر سخت گرفت کی اور ان کی انوکھی تشریحات سے متاثر اذہان کو ان غلط تعبیرات سے آگہی بخشی جن سے دین مجروح ہو رہا تھا۔

فلسفہ کے حوالے سے محدث بریلوی کی بکھری ہوئی روشنائیوں کو یکجا کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل کتابیں سامنے آتی ہیں:

(۱)معین مبین بہ رد شمس و سکون زمین (۱۳۳۸ھ) : اس کتاب کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ مشہور میٹرو لوجسٹ البرٹ ایف پورٹا نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ ستاروں اور قوت جاذبہ کے جمع ہونے کی وجہ سے دنیا میں زلزلہ آئے گا۔اس پیشین گوئی سے پوری دنیا خصوصاً امریکہ میں ایک طوفان برپا ہوگیا،اس کی خبر جب امام احمد رضا قدس سرہ تک پہنچی تو انھوں نے اس پیشین گوئی کا انہی فلکی علوم کی درخشاں روشنی میں رد فرمایا جن کے حوالے سے اس نے گفتگو کی تھی،حتیٰ کہ وہ دن بھی آگیا جس دن اس کے دعوے کے مطابق دنیا تباہ ہو جاتی مگر کچھ نہ ہوا۔

(۲)فوز مبین در رد حرکت زمین:اس کتاب کا مطالعہ نوبیل انعام یافتہ سائنسداں ڈاکٹر عبدالسلام نے جب کیا تو انھوں نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ مجھے خوشی ہوئی کہ مولانا نے اپنے دلائل میں logical axcomatic کا پہلو مد نظر رکھا ہے۔علاوہ ازیں (۳)الکلمة الملهمة (۴) نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان اور(۵)مقامع الحدید اس سلسلے میں منظر عام پر آئیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی تحقیقات میں جو سائنسی فکری اور تنقیدی اثاثے چھوڑے ہیں،اسے مغربی ممالک میں آج بھی ستائشی نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے،یہ دعوی بلا دلیل نہ رہ جائے،اس لیے سطور زیریں میں آنے والے شواہد کو سامنے رکھیے:

آکسفورڈ یونیورسٹی نے گذشتہ صدی کے سائنس دانوں کی فہرست شائع کی ہے،اس میں بطور مسلم سائنس داں امام احمد رضا محدث بریلوی ﷫ کا نام شامل کیا گیا ہے جو مسلمانوں کے لیے یقیناً باعث صد افتخار ہے۔علاوہ ازیں "آکسفورڈ ڈکشنری" کے تازہ ایڈیشن میں لفظ "بریلی" کو بھی شامل کیا گیا ہے،اور معنی کی جگہ صوفی امام احمد رضا کی جائے پیدائش درج کیا گیا ہے،وجہ اس کی یہ ہے کہ عام طور پر کسی مقام کی شہرت وہاں کی صنعت و حرفت یا مشہور تاریخی مقامات کی وجہ سے ہوتی ہے جب کہ شہر "بریلی" کی شہرت اعلی حضرت قدس سرہ کی نسبت سے ہے۔

بغرض افادۂ قارئین امام احمد رضا قدس سرہ کی سائنسی تحقیقات کی جولانیت پیش کی جا رہی ہے۔پانی کا تعلق علم طبعیات سے ہے اور اس کے رنگ کے متعلق علماے متقدمین و متاخرین کے ساتھ سائنس دانوں کے مابین بھی اختلاف تھا کوئی اسے بے رنگ بتاتا،کوئی سفید یا کالا،مگر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنی یہ تحقیق پیش کی:

پانی خالص سیاہ نہیں مگر اس کا رنگ سپید بھی نہیں،میلا مائل بیک گونہ سواد خفیف ہے اور وہ صاف سپید چیزوں کے مقابل آکر کھل جاتا ہے۔(فتاوی رضویہ،ج:۲،ص:۲۴۴-۲۴۵)

اسی طرح مٹی و پتھر کی بھی تحقیق کی جس کا تعلق علم الارض Geology سے ہے،پتھر کے اقسام بننے کے عمل دھات کی پیدائش اجزاے ترکیب اور کان کی ہر چیز گندھک و پارے کی اولاد ہے یہ ایسی نادر تحقیق ہے جس نے سائنس دانوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے،مزید برآں کہ مٹی کی جنس سے ہونے کے لیے پانچ صفات بیان کی: جلنا، پگھلنا، نرم پڑنا،راکھ ہونا اور آگ

سے نرم ہو کر مائل صنعت ہونا جب کہ دیگر سائنس داں دو یا تین کی طرف راجع ہیں ، جن مٹی اور پتھر کی قسموں سے تیمم جائز ہے ، ان کی مجموعی تعداد ۸۴ ہے ، مگر انھوں نے اپنی تحقیق انیق سے ۲۳ قسموں کا اضافہ فرمادیا۔ (۲۳+۸۴=۱۰۷) اسی طرح جن اقسام سے تیمم ناجائز ہے ان کی تعداد ۵۸ تک تھی ، مگر آپ کی تحقیق سے یہ تعداد ۱۳۰ تک پہنچ گئی۔

(فتاوی رضویہ ، ج:۲، ص:۲۴۴،۲۴۵)

تحریک ندوہ: چودھویں صدی کی پہلی دہائی اختتام پذیر ہو چکی تھی ، ایک بار پھر باطل نے نیا روپ دھار لیا اور ندویت وصلح کلیت کے پیراہن میں ظہور پذیر ہوا ، ان کے مقاصد وعزائم کا لب لباب یہ ہے کہ شرکت قبلہ کی بنیاد پر تمام کلمہ گو کو ایک صف میں کھڑا کر دیا جائے ، اعتقادی اختلاف اور نزاعی صورت کو مٹا دیا جائے ، کوئی کسی کی تکفیر نہ کرے۔ یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ اس تحریک کی داغ بیل علمائے اہل سنت نے ڈالی تھی ، اس وقت پیش پیش رہنے والے مفتی لطف اللہ علی گڑھی ، مولانا احمد حسن کان پوری اور حضرت شاہ محمد حسین الہ آبادی وغیرہ شامل تھے۔ لیکن چور دروازے سے چند ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے تھے جو فرقہائے باطلہ کے ساتھ ذہنی وفکری ارتباط رکھتے تھے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری ﷫ لکھتے ہیں:

”اگر اس جلسہ میں خالص علمائے اہل سنت ہی مدعو ہوتے اور انھیں کا مخصوص جلسہ ہوتا تو بلا شبہہ قوم وملک کے لیے یہ بہت ہی مفید مجلس ثابت ہوتی“۔ (حیات اعلی حضرت ، ص:۱۶۹۔ مطبوعہ: مکتبہ نبویہ ، گنج بخش روڈ ، لاہور)

آگے لکھتے ہیں: ”کاش یہ دینی جلسہ صرف دین دار علما و مشایخ اہل سنت کا ہوتا تو واقعی بہت مفید ہوتا اور ہندوستان کے تمام اہل سنت اس سے اتفاق کرتے مگر غضب یہ کیا کہ اس کو ایک مذہبی جلسہ کی حیثیت نہ دے کر ایک میلا کی شکل بنا دی“۔ چناں چہ اس اجلاس میں شیعہ مجتہد مولوی غلام حسین نے مولی علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل بیان کی ، اور یہ بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے غدیر خم پر ان کے سر پر عمامۂ خلافت باندھا۔ اعلی حضرت قدس سرہ بھی اس جلسہ میں مدعو تھے ، انھیں ناگوار خاطر گذرا ، اس سلسلے میں مفتی لطف اللہ علی گڑھی کو اپنی ناراضگی کا احساس دلایا ، مفتی صاحب بھی محو حیرت تھے ، مولانا سید محمد علی کان پوری ثم مونگیری کو بلا کر علمائے اہل سنت کی مضطربانہ کیفیت سے آگاہ کیا اور اس کی قباحت وشناعت ظاہر کی ، مولانا محمد علی نے اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہا: آئندہ خیال رکھا جائے گا۔ یکے بعد دیگرے شہروں میں جلسے ہوئے ، مگر یہ اپنی روش اور طریقہ کار سے باز نہ آئے ، بلکہ شیر وشکر کو ایک کرنے کے فارمولے پر کار بند رہے ، اس طرح تحریک ندوہ میں صلح کلیت کا رنگ گہرا ہوتا گیا ، جس کی ہولناکیوں کو دیکھ کر علمائے اہل سنت علاحدہ ہوتے گئے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی قیادت میں علمائے اہل سنت نے اقدام کیا ، مختلف شہروں میں اجلاس عام ہوا ، ندوہ سے متاثر رہنے والوں پر اس کی قلعی کھل گئی ، اور اس کے تئیں نرم گوشہ رکھنے والوں کا پیمانہ ٹوٹ گیا۔

آخر کار عنان ندوہ مولانا شبلی اعظم گڑھی (متوفی ۱۹۱۴ء) کے ہاتھ آئی ، ان کی آزاد خیالی اور فکری بے راہ روی سے اللہ کی پناہ! انھوں نے دار العلوم ندوۃ العلما کی بنیاد یوپی کے انگریز لفٹنٹ گورنر سے رکھوائی ، اس کی منظر کشی کرتے ہوئے خود لکھتے ہیں:

"یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ترکی ٹوپیاں اور عمامے دوش بدوش نظر آتے تھے، یہ پہلا ہی موقع تھا کہ علما عیسائی فرماں روا کے سامنے دلی شکر گذاری کے ساتھ ادب سے خم تھے اور یہ پہلا ہی موقع تھا کہ شیعہ و سنی ایک مذہبی درس گاہ کی رسم ادا کرنے میں برابر کے شریک تھے۔ یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ایک مذہبی درس گاہ کا سنگ بنیاد ایک غیر مذہب کے ہاتھ سے رکھا جا رہا تھا۔ غرض یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ایک مذہبی سقف کے نیچے نصرانی، مسلمان، شیعہ، سنی، حنفی، وہابی، رند، زاہد، صوفی، واعظ، خرقہ پوش اور کج کلاہ سب جمع تھے"۔ (امام احمد رضا اور جدید افکار و تحریکات، ص:۱۲۶)

یہ ارکان تحریک ندوہ کی بیمار ذہنیت تھی جس کی مختصر سرگذشت آپ نے پڑھی، اس سے واضح ہوتا ہے کہ کس رنگ آمیزی کے ساتھ حق و باطل میں ہم آہنگی اور یک رنگی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، مجدد اعظم محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے ان کی تلبیسات کا پردہ چاک کیا اور مسلمانوں کو ان کی ریشہ دوانیوں سے واقف کرایا۔

ترک تقلید کی وبا: سرزمین ہند پر شاہ اسماعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) کے ذریعہ وہابیت نے قدم رکھا، آگے چل کر یہ دو شاخوں میں تقسیم ہوگئی، ایک اپنے عقائد فاسدہ کے ساتھ تقلید کی قائل رہی، جسے مسلک دیوبند کہتے ہیں اور دوسری شاخ اپنے افکار باطلہ سے وابستگی کے ساتھ ساتھ ترک تقلید پر بھی مصر رہی۔ تقلید جیسے اجماعی اور اتفاقی مسئلے سے انحراف عام ہونے لگا، عدم تقلید کے فروغ کے لیے ڈپٹی نذیر احمد اور طیب عمر مکی کا بھی خاصا حصہ رہا، طیب عمر مکی کا امام احمد رضا قدس سرہ سے بذریعہ مراسلت بحث و مباحثہ جاری رہا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان کی گلفشانیوں کا معرکۃ الآرا جواب قلم بند فرمایا اور اس کے سدباب کے لیے اپنی قلمی قوت و توانائی کا زبردست مظاہرہ کیا اور غیر مقلدین کی تردید میں ۲۶؍ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں چند درج ذیل ہیں:

(۱) حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین. (۲) النہی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز. (۳) اکمل البحث علیٰ اہل الحدث. (٤) مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ.

تحریک خلافت: حیات اعلیٰ حضرت کا آخری ڈھائی سال نہایت پر آشوب رہا، سلطنت عثمانیہ کے وارثین کے مابین حرص اقتدار نے خانہ جنگی کی شکل پیدا کرادی تھی، جس کی پاداش میں جانی، مالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا، ان کی باہمی چپقلش سے فائدہ اٹھا کر حکومت برطانیہ نے ان پر اپنی گرفت مضبوط کی، یہاں تک کہ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸) کی نوبت آگئی، ترکوں نے اپنی روایتی شان و شوکت کے مطابق حصہ لیا۔ ۱۹۱۸ء میں ترکوں کی شکست ہوگئی اور ۳۰ نومبر کو انھوں نے التوائے جنگ کے معاہدے پر دستخط کر دیے، مگر معاہدے کی پامالی کا تماشا دیکھیے انگریزوں نے فوراً "موصل" پر پیش قدمی کی اور قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا۔ (امام احمد رضا اور جدید افکار و تحریکات، ص:۱۴۵)

اس بددیانتی سے عالم اسلام میں ہل چل مچ گئی، اس پس منظر میں مولانا عبد الباری فرنگی ﷺ کے دل میں سلطنت عثمانیہ کی اعانت کا حسین خیال پیدا ہوا۔ ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کی طرح ڈالی، اس تحریک کا دائرہ اثر بڑھتا گیا، بہت سے علما اور مسلم قائدین بھی شامل ہوگئے۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے استفتا کیا گیا کہ خلافت شرعیہ میں قریشیت شرط ہے یا نہیں، یہ صحیح ہے یا غلط؟ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کا تشفی بخش جواب دیا، تقریباً پچاس احادیث کریمہ اور کتب عقائد، تفسیر،

حدیث، فقہ کی ۹۲ عبارتوں سے خلافت کے لیے قرشیت کا شرط ہونا ثابت کیا"۔ در اصل یہ مولانا عبد الباری فرنگی اور ابو الکلام آزاد کا جواب تھا، ابو الکلام آزاد نے خارجیوں کا فرسودہ اعتراض دہرایا کہ "اسلام تو قومی امتیاز اٹھانے کے لیے آیا ہے، پھر وہ خلافت کو قریش کے لیے کیسے خاص کر سکتا ہے"۔ (امام احمد رضا اور جدید افکار و تحریکات، ملخصًا)

مسئلہ خلافت کی شرعی تحقیق اور وضاحت کے لیے کتاب "دوام العیش فی الائمۃ من قریش ۱۳۳۹ھ" اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی طرف سے شائع کی گئی، اس میں بتایا گیا کہ اسلامی نقطہ نظر سے سلطان ترکی خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین تو نہیں ہو سکتا تاہم سلطان اسلام کی حیثیت سے اس کی اور سلطنت اسلام کی حیثیت سے ترکی کی امداد و اعانت ہر مسلمان پر بقدر استطاعت فرض ہے، اس بات کی بھی صراحت کی کہ اس تحریک کو لفظ خلافت سے شروع کر کے احادیث متواترہ، اجماع امت اور علماے کرام کی تصریحات کے خلاف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

(تفصیل کے لیے فتاوی رضویہ، ج:۱۴ کا مطالعہ کریں، مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی عملی کوشش پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مولانا سید اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی (وصال ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء) لکھتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں صاحب جو عملی کوششیں کر سکتے تھے انھوں نے کیں، خود چندہ دیا اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلوایا، مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد و اعانت پر توجہ و رغبت دلائی، تحفظ سلطنت اسلامی کی مفید و کارگر تدابیر بتائیں، یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے"۔ (امام احمد رضا اور جدید افکار و تحریکات، ص:۱۵۷)

خلافت کی آواز بلند کرنے میں مسٹر گاندھی اور دیگر ہندو لیڈران بھی شامل ہو گئے، جہاں کہیں بھی خلافت کے تئیں پروگرام ہوتے، یہ لوگ شامل رہتے، امام احمد رضا قدس سرہ کی دور بیں نگاہیں لیڈروں کے مقصد و ہدف کو دیکھ رہی تھیں کہ ان کا مطمح نظر مسلمانوں کے جذبات برانگیختہ کر کے سیاسی مقصد برآری ہے اور ہوا بھی یہی، جس کا خدشہ تھا۔

وضاحت کے لیے مولان عبد الرزاق ملیح آبادی کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیں:

"خلافت تحریک کے سلسلے میں ہندوستان کے غریب مسلمانوں نے قابل فخر جذبۂ ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا تھا اور بے شمار روپیہ خلافت فنڈ میں دیا، پردہ نشیں خواتین نے زیور تک اتار دیے، خود لیڈروں کا اعتراف تھا کہ چھپن لاکھ روپے جمع ہوا تھا، لیکن اس مالامال فنڈ کا حشر کیا ہوا؟ ایک قلیل رقم ترکوں تک پہنچی، باقی روپے کو مردے کا مال سمجھ لیا گیا، اس زمانے میں خود میں اپنی آنکھ سے دیکھتا تھا کہ بڑے بڑے لیڈر کس بے دردی سے قومی روپیہ اپنی ذات پر اڑا رہے ہیں"۔ (ذکر آزاد، ص:۳۸۸ بحوالہ امام احمد رضا اور جدید افکار و تحریکات، ص:۱۹۰)

بار خاطر نہ ہو تو چشم حیرت سے یہ چشم کشا تحریر پڑھیے، پشاور کے ایک اجلاس (منعقدہ ۲۵/دسمبر ۱۹۲۷ء) کو خطاب کرتے ہوئے مولانا محمد جوہر نے کہا تھا:

"ہندو رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرمایے سے دورہ کرتا رہا، ہماری قید کے بعد بھی مہاتما جی نے دورے کے

مصارف خلافت کے سرمایے سے لیے"۔(حیات محمد علی جناح، مولفہ رئیس احمد جعفری ندوی،ص:۱۰۵۔بحوالہ مصدر سابق)

مذکورہ تحریروں کی شہادت پر میں یہ لکھنے میں حق بجانب ہوں کہ مسٹر گاندھی نے مسلم قائدین کے اذہان و افکار کو یرغمال بنا کر اس تحریک کے پس پردہ مالی استحصال کیا ہے اور تاریخ بتاتی ہے مسلم قائدین، ہندو لیڈران کے پیچھے دست بستہ کھڑے رہتے تھے یہ لوگ ہر بات میں ہندو لیڈران کی موافقت کرتے، جس کے نتائج سے یہ بالکل بے پرواہ تھے۔ تحریک خلافت و موالات اور تحریک ہجرت کے ثمرات و نتائج کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو آپ اس مقام پر پہنچیں گے کہ ان تمام تحریکات کے نتیجے میں مسلمانوں کو جو جانی اور مالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا، اس کے پیچھے ہندو لیڈران کا سازشی ذہن کار فرما تھا۔

امام احمد رضا قدس سرہ مسلم قائدین کی توجہ ادھر ہی مبذول کرانا چاہتے تھے، لیکن ان لوگوں پر گاندھی سے مغلوبیت اور مرعوبیت کا نشہ اس قدر طاری تھا کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے تشخیص کردہ امراض اور تجویز کردہ علاج کو قابل اعتنا نہ سمجھا۔ کاش! وہ ان کے نظریے سے اتفاق کر لیتے تو صورت حال اس وقت اس قدر تشویش ناک نہ ہوتی۔

تحریک موالات: ۱۹۲۰ء میں ترک موالات کا اعلان ہوا، یہ اعلان تحریک خلافت کے پلیٹ فارم ہی سے ہوا تھا پھر کیا تھا ہندو مسلم اتحاد کی راہ ہموار ہونے لگی۔ عبدالقوی دسنوی اس وقت کے کرب ناک حالات کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

"۱۹۱۹ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا اس قدر زور تھا کہ کلکتہ اور دلی کے مسلمانوں نے غیر مسلموں کو بھی جلسوں میں شریک ہونے کے لیے مسجدوں میں آنے کی اجازت دے دی تھی، دہلی کے مسلمانوں نے شردھانند سے جامع مسجد میں تقریر کرائی"۔(ابوالکلام آزاد ص:۶۶، ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی ۱۹۸۷، بحوالہ علمائے اہل سنت کی بصیرت و قیادت، ص:۱۹۱)

غیر مسلموں کو اس اتحادی سیاست سے کچھ فرق پڑنے والا نہیں تھا اس لیے وہ کہیں بھی تقریر سننے اور کرنے کے لیے جا سکتے تھے مگر اس سے ہندی مسلمانوں کی مذہبی اور تہذیبی صورت مسخ ہو رہی تھی، تاہم مسلم قائدین کی خود سپردگی پر حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے انگریزوں سے ترک موالات کے پس پردہ اسلامی احکام اور مذہبی مقامات کی عظمتوں کی پامالی پر خاموشی اختیار کر لی تھی بلکہ وہ خود پیش قدمی کرتے اور اس کی دعوت دیتے۔ علمائے اہل سنت، مسلم قائدین اور ان کے زیر اثر مسلمانوں کی بے اعتدالی پر سخت نالہ تھے کہ اگر مسلم لیڈروں کی ہندو نوازی کا یہی جذبہ رہا تو کہیں مسلمان مستقبل میں اپنی تشخص کا سودا نہ کر ڈالیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ کے پیش نظر غیر مسلم لیڈروں کی شاطرانہ چال اور مسلم قائدین کی ناعاقبت اندیشی دونوں تھی۔ اس لیے آپ کا دور اندیشانہ مشورہ یہی تھا کہ بلا شبہہ ملک کو سفید فام حاکموں سے آزاد کرانا چاہیے، لیکن ہندوؤں سے اتحاد و یگانگت درست نہیں بلکہ ترک موالات ہر دو سے لازم و ناگزیر ہے۔ جیسا کہ اپنے رسالہ میں تحریر فرمایا:

"یہ کون سا دین ہے؟ نصاریٰ کی ادھوری سے اجتناب اور مشرکین کی پوری میں غرقاب؟

(فتاویٰ رضویہ، ج:۱۴، ص:۱۴، مطبوعہ، لاہور)

مارچ ۱۹۲۱ء کو بریلی میں خلافت و موالات کے متعلق ایک اہم اجلاس کا انعقاد ہوا، اس میں مولانا آزاد اور ان کے حاشیہ نشینوں سے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا علیہ الرحمہ نے کہا:

"حرمین شریفین، مقامات مقدسہ اور ممالک اسلامیہ کی حفاظت و خدمت ہمارے نزدیک ہر مسلمان پر بقدر وسعت و طاقت فرض ہے، اس میں ہمیں کچھ کلام نہ ہے نہ تھا، تمام کفار و مشرکین و نصاریٰ و یہود و مرتدین سے ترک موالات ہم ہمیشہ کے لیے ضروری و فرض جانتے ہیں"۔

(امام احمد رضا اور جدید افکار و تحریکات، ص:۱۵۹، بحوالہ روداد مناظرہ، مطبوعہ بریلی)

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"موالات ہر نصرانی و یہودی سے ہر حال میں حرام اور حرام قطعی ہے ہمیں ہندو مسلم اتحاد اور اس اتحاد کی بنا پر کیے جانے والے غیر اسلامی افعال و اقوال سے اختلاف ہے"۔

(علمائے اہل سنت کی بصیرت و قیادت، ص:۱۹۲ بحوالہ روداد مناظرہ، مطبوعہ بریلی)

علمائے اہل سنت بالخصوص امام احمد رضا قدس سرہ کی یہی آرزو تھی کہ انگریزوں اور مشرکوں دونوں سے ترک موالات کی جائے، لیکن مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے ہم نوا اپنی دیرینہ روش پر گامزن رہے جس سے مسلمانوں کا مالی، سیاسی اور مذہبی نقصان کس قدر ہوا میاں عبدالرشید کے حوالے سے دیکھیے۔ انھوں نے "برطانوی دور میں برعظیم پاک و بھارت مسلم سیاست" کے زیر عنوان تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"تحریک ترک موالات اور ہجرت سے مسلمانوں کو سراسر نقصان پہنچا اور ملکی سیاست پر ہندوؤں کی گرفت مضبوط ہوئی"۔ (امام احمد رضا کے افکار و نظریات، ص:۱۲۲)

مذکورہ اندیشہ کا نتیجہ امام احمد رضا قدس سرہ کو روز اول ہی سے ہو گیا تھا، یہ ان کی دور رسی اور دور اندیشی کا عالم تھا۔ انھوں نے اپنی حیات مستعار کے آخری لمحات میں بھی مسلمانوں کا مذہبی، علمی، فکری اور سیاسی قبلہ درست رکھنے کے لیے بے پناہ قلمی و زبانی جہاد فرمایا اور قومی و ملی مسائل کی زلف برہم کی مشاطگی میں منہمک رہے۔

ذرا ان تمام باطل تحریکات اور فتنوں کی تاراجی اور تباہی کا جائزہ لیجیے، بآسانی اندازہ ہوگا کہ اگر امام احمد رضا قدس سرہ کی پیش قدمی ان تمام محاذ کی طرف نہ ہوتی تو ان کے باطل افکار و خیالات کی آگ اسلامیان ہند کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی اور اس کے مضرات و نقصانات کی صورت مزید ہیبت ناک ہوتی۔

رد بدعات و منکرات: ۱۸۵۷ء کے سانحہ کے بعد ہندوستان کا مسلم معاشرہ نہ صرف سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے زوال و انحطاط کا شکار ہوا بلکہ مذہبی سطح پر بھی کئی خرابیاں در آئیں تھیں، امام احمد رضا قدس سرہ نے تمام خامیوں کا قلع قمع کیا اور ملت طاہرہ کو باطل کی آمیزش سے پاک کیا۔ لیکن غضب بالائے غضب کہیے، جس نے بدعات و منکرات کی تادم زیست حوصلہ شکنی کی، انھیں ہی بدعات کا ناشر کہا جا رہا ہے، یہ بہتان و الزام تراشی اور عصبیت کی کھلی مثال نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ سطور آئندہ میں انسداد بدعات کے حوالے سے ان کی چند قلمی کاوشیں پیش کی جا رہی ہیں، جو اعلیٰ حضرت کے ماحی بدعات و منکرات ہونے کے شاہد عدل ہیں۔

حرمت سجدہ تعظیمی: امام احمد رضا قدس سرہ نے ایک مستقل کتاب "الزبدة الزكية لتحريم سجود التحية" لکھی، آیت و تفاسیر کے علاوہ ۴۰ احادیث اور ۱۴۹ رکتابوں کے حوالے سے ڈیڑھ سو نصوص فقہ نقل فرما کر واضح کیا کہ سجدہ تعظیمی حرام ہے۔

بوسہ وطواف قبر: بوسہ وطواف قبر کے متعلق فرماتے ہیں:

مزار کا طواف بہ نیت تعظیم کیا جائے، ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے، مزار کو بوسہ نہ دینا چاہیے، علما اس میں مختلف ہیں اور بہتر بچنا ہے اور اسی میں ادب زیادہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ، ج:۴، ص:۸، رضا اکیڈمی)

فرضی قبریں: "فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل کا معاملہ کرنا ناجائز و بدعت ہے"۔ (ایضاً، ص:۱۱۵)

عورتوں کے لیے زیارت قبور: اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے عورتوں کے لیے زیارت قبور کے متعلق مختلف سوال کے جواب میں جابجا ارشاد فرمایا:

رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لعن الله زوارات القبور۔ (ایضا، ص:۱۶۸)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں: اصح یہ ہے کہ عورتوں کو قبر پر جانے کہ اجازت نہیں۔ (ایضا)

بلندی قبر: "میت کے گرد پختہ نہ ہو اوپر حصہ پختہ کردیں تو حرج نہیں"۔ واللہ اعلم (احکام شریعت، دوم، ص:۳۳)

قبر پر چراغ، لوبان سلگانہ: لکھتے ہیں:

عود، لوبان وغیرہ کوئی چیز نفس قبر پر رکھ کر جلانے سے احتراز چاہیے۔ اگرچہ کسی برتن میں ہو اور قبر کے قریب سلگانا اگر وہاں نہ کچھ لوگ بیٹھے ہوں اور نہ کوئی تالی (قران کا تلاوت کرنے والا) یا ذاکر (اوراد و وظائف پڑھنے والا) ہو بلکہ صرف قبر کے لیے جلا کر چلا آئے تو ظاہر منع ہے کہ یہ اسراف و اضاعت مال ہے۔ (ایضًا، ص:۱۴۱)

قبرستان میں شیرینی کی تقسیم: "قبرستان میں مٹھائی چونٹیوں کو اس نیت سے ڈالنا کہ میت کو تکلیف نہ پہنچائیں، یہ محض جہالت ہے اور یہ نیت نہ بھی ہو تو بھی اس کے مساکین صالحین پر تقسیم کرنا بہتر ہے"۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت سوم، ص:۲۹۴)

بزرگوں کے اعراس کن شرائط اور حدود و قیود کے ساتھ جائز ہیں: عرس متعارف مذکور فی السوال کہ ہجوم زناں و تماشائے مرداں و آثار شرکیاں وارتکاب معاصی و نظارہ اجنبیہ ولہو ولعب و طوائفان رقاصاں و آلات مزامیر وغیرہ سے خالی ہے، بلا شبہہ جائز و درست ہے، ان الامور بمقاصدہا۔ اور ظاہر ہے کہ غرض انعقاد اس مجلس سے ایصال ثواب و فاتحہ و قران خوانی ہے۔ (مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس، ص:۵، بحوالہ: امام احمد رضا اور جدید افکار و تحریکات، ص:۲۶۸)

کسی درخت یا طاق میں شہید مرد کا ہونا: ایک صاحب نے سوال کیا کہ کسی درخت یا طاق میں شہید مرد کا ہونا وہاں ہر جمعرات کو شیرنی وغیرہ کا فاتحہ دلانا، ہار لٹکانا، لوبان سلگانا، مرادیں مانگنا یہ سب چیزیں درست ہیں یا نہیں؟ آپ نے تحریر فرمایا: یہ سب واہیات و خرافات ہیں، جاہلانہ حماقات و بطالات ہیں، ان کا ازالہ (دور کرنا) لازم ہے۔ واللہ اعلم

قوالی: ایسی قوالی (جس میں ڈھول سارنگیاں بجیں) حرام ہیں، حاضرین سب گنہ گار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے۔ اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر۔ بغیر اس کے عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ تخفیف ہو۔ نہیں۔ بلکہ حاضرین میں ہر ایک اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ۔ اور قوالوں کے برابر جدا۔ اور سب حاضرین کے برابر علاحدہ۔ (احکام شریعت)

تعزیہ داری: مروجہ تعزیہ داری جس میں آج کل کے بہت سے جاہل سنی بھی گرفتار ہیں، اس میں بہت سے قبیح و شنیع رسمیں بھی رائج ہو گئی ہیں۔ بہت سی باتیں اس کے اندر ایسی ہوئی ہیں جو مسلمانوں کے لیے باعث شرم ہیں، امام احمد رضا ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ”تعزیہ آتا دیکھ کر روگردانی کریں، اس کی جانب دیکھنا ہی نہیں چاہیے، اس کی ابتدا سنا جاتا ہے کہ تیمور لنگ بادشاہ دہلی کے وقت سے ہوئی“۔ (عرفان شریعت، ص:۱۵، از امام احمد رضا)

قبر پر یا قبر کی طرف نماز پڑھنا: ”قبر پر نماز پڑھنا حرام، قبر کی طرف نماز پڑھنا حرام اور مسلمانوں کی قبر پر قدم رکھنا حرام، قبروں پر مسجد بنانا یا زراعت وغیرہ کرنا حرام“۔ (عرفان شریعت دوم، ص:۲)

اذان ثانی کا حکم: مخالفین اہل سنت کی جانب سے جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر سے ہونے لگی تھی، یہ بدعت سراسر اسلامی روایت سے متحارب تھی، امام احمد رضا قدس سرہ نے احادیث اور اجماع صحابہ کی روشنی میں شرح وبسط کے ساتھ تحریر فرمایا کہ اذان ثانی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں منبر شریف کے سامنے دروازے پر ہوتی تھی۔ (ملخص، امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، ص:۲۹۹)

یہ چند مثالیں تھیں اس کے علاوہ امام احمد رضا قدس سرہ نے بہت سی اصلاحی اور تنقیدی تحریریں ملت اسلامیہ کے حوالے کیں، جو ہمارے لیے قیمتی اثاثے ہیں اور اس بات کا اشاریہ بھی کہ ان کا قلم تاحیات بدعت و منکرات کا تعاقب کرتا رہا۔ انھوں نے اسلامیان ہند کے عقائد حقہ کی پائداری، مذہبی بیداری اور عشق رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی دم عیسوی پھونکنے کی سعی جمیل کی اور اس سلسلے میں کسی قسم کی مداہنت ان کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

شان فقاہت: امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کا پایہ علمی بہت بلند تھا۔ جب کسی مسئلہ کی تحقیق کے میدان میں آتے تو اس کا حق ادا کر دیتے۔ بطور مثال دو فتوے کی طرف نگاہ کیجیے:

سفر حج کے دوران مکہ مکرمہ میں نوٹ کے متعلق سوال کیا گیا، یہ بارہ سوالات تھے، یہ مسئلہ اس وقت بڑا اہم تھا، کیوں کہ اس کی ابتدا تھی۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے محرم الحرام ۱۳۲۴ھ میں تقریباً ڈیڑھ دن کے اندر جوابات ضبط تحریر کیے۔ اس رسالے کا نام ” كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم “ (۱۳۲۴ھ) رکھا۔ آپ نے تمام سوالات کے مدلل و مبرہن جواب دیے، جن میں جواب اول کا خلاصہ درج ذیل ہے:

سوال: کیا وہ (کاغذی نوٹ) مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند؟

آپ نے بہ کثرت دلائل و براہین سے نوٹ کو مال ثابت کیا ہے چناں چہ آپ فرماتے ہیں:

"وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ مال متقوم ہے اور اس سکہ نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہی کہ لوگوں کی رغبتیں اس طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کے لیے اٹھا رکھنے کا زیادہ لائق ہو گیا اور مال کے یہی معنی ہیں یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت کے لیے اٹھا رکھنے کے قابل ہو"۔

پھر آپ نے اس تعریف کو "ردالمختار" کی درج ذیل عبارت سے واضح کیا ہے:

"وفیہ عن التلویح المال ما من شانہ ان یدخر للانتفاع وقت الحاجۃ والتقویم یستلزم المالیۃ"۔

اس کی مزید توضیح فتح القدیر کی اس عبارت سے کرتے ہیں:"لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ"۔

"کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود قیمت والا مال ہے کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں جاری ہیں سب اس میں جاری ہوتی ہیں"۔(ملخصًا) (فتاوی رضویہ مترجم، جلد:۱۷، ص:۳۹۸۔۳۹۹، مطبوعہ برکات رضا، پوربندر، گجرات)

اس فتوے کو پڑھ کر علما عش عش کر اٹھے اور انہیں اپنے طائر فکر و تحقیق کی کوتاہ پروازی کا احساس ہوا۔

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ اس سلسلے میں تحقیقی بحث فرمائی، جس کا نام "اعـــلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام" ہے۔ اس کے اندر امام احمد رضا قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

"ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ بلکہ علمائے ثلاثہ علیہم الرحمہ کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، دارالحرب ہرگز نہیں ہے کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہو جانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک درکار ہیں ان میں سے ایک یہ کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعت اسلام کے احکام و شعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے، مگر یہ بات بحمد اللہ! یہاں قطعاً موجود نہیں۔

اہل اسلام جمعہ و عیدین و اذان و اقامت و نماز با جماعت وغیرہا شعائر شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں ۔(فتاوی رضویہ مترجم، ج:۱۴، ص:۱۰۵، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربندر، گجرات)

متعدّد قدیم فقہی کتب کے حوالوں سے آپ نے اپنا موقف واضح کیا ہے۔

کنزالایمان ایک عظیم کارنامہ:

گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے واضح ہو گیا کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے زمانے میں فتنہ سامانیوں کا ایک طوفان بپا تھا۔ اسلام مخالف لیٹریچر س عام کیے جا رہے تھے۔ نیرنگی زمانہ کہیے کہ اسے دین کی باتیں کہہ کر فروغ دیا جا رہا تھا، قرآن کے متنوع تراجم بھی معرض وجود میں آئے، دلوں میں چھپے ہوئے شیطانی جذبوں کی تسکین کے لیے تراجم میں معنی آفرینی بھی کی گئی اور اپنے غلط نظریات کی ترویج کے لیے تراجم قرآن کا سہارا لیا گیا۔ اور جابجا شان الوہیت و رسالت میں لغزشات کا ارتکاب کیا گیا۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے تلامذہ خاص طور سے صدر الشریعہ مفتی امجد علی رحمۃ اللہ (مصنف بہار شریعت) کو اس کا احساس ہوا کہ

وقت کا جبری تقاضا ہے کہ قرآن کا ایسا اردو ترجمہ ہو جو اکابر و اسلاف کے تراجم و تفاسیر سے لگا کھائے۔ انہیں جذبوں کے رد عمل میں انہوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے ترجمۂ قرآن کی گذارش کی۔ اعلیٰ حضرت مرجع فتاوی تھے، دن بھر استفتا کے جوابات تحریر کرتے ، وقت کی قلت دامن گیر رہتی؛ اس لیے فرمایا: جب قیلولہ کا وقت ہو تو اس وقت تحریر کرادوں گا۔ وہ املا کراتے، صدر الشریعہ لکھتے جاتے ۔ اعلیٰ حضرت کو سنایا جاتا، اس کے بعد معتبر تراجم و تفاسیر سے مقابلہ کیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ انہیں تراجم و تفاسیر کو سامنے رکھ کر املا کرایا گیا ہے۔ یہ بحر تفسیر کی شناوری کا عالم تھا۔ آج دنیائے سنیت اسی ترجمے سے استفادہ کر رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا یہ کارنامہ ، تجدیدی کارناموں کے زمرے میں آتا ہے۔

آیئے ، چند آیتوں کے تحت اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور دیگر حضرات کے تراجم کا تقابلی جائزہ لیں:

ارشاد قرآنی ہے: "اللّٰه یستهزئ بهم". (البقرۃ،۱۵)

اس کے ترجمے یہ کیے گئے ہیں:

(۱) "اللہ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے" (سر سید احمد خان)

(۲) "اللہ ان کو بناتا ہے" (ڈپٹی نذیر احمد)

(۳) "ان منافقوں سے خدا ہنسی کرتا ہے" (فتح محمد جالندھری)

(۴) "اللہ ہنسی اڑاتا ہے ان کی" (مرزا حیرت)

(۵) "اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے" (شیخ دیوبند محمود حسن)

(۶) "اللہ جل شانہ ان سے دل لگی کرتا ہے" (نواب وحید الزماں)

دیکھیے! اگر ان مترجمین کو تائید ربانی حاصل ہوتی اور ان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا سچا تصور ہوتا تو وہ اس سبوح وقدوس کے حق میں دل لگی کرنا، ٹھٹھا کرنا، بنانا، ہنسی اڑانا وغیرہ بازاری محاورے ہرگز استعمال نہ کرتے۔ یہ جاننا کہ رب العزت جل جلالہ کی بارگاہ عظمت ٹھٹھا کرنے ، ہنسی اڑانے وغیرہ عیوب سے پاک ہے۔ صرف مرد مومن موید من اللہ ہی کا کام ہے۔ ان ترجموں کو دیکھنے کے بعد کیا کسی ایسے ترجمے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی جو معارف قرآن کا راز داں ہو۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ دیکھیے: "اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے" (جیسا اس کی شان کے لائق ہے)

نیز ارشاد قرآنی ہے:

"وعصی آدم ربه فغوی". (سورہ: طہ، آیت:۱۲۱)

اس کا ترجمہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے اس طرح لکھا ہے: "اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے"۔

اس ترجمے میں مترجم نے سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو گمراہ ٹھہرایا۔ حالاں کہ حضرت آدم علیہ السلام ایک معصوم نبی ہیں، ان کی بارگاہ گمراہی سے پاک ہے۔ ایسے گمراہ مترجمین کے ترجمے کے بعد ضرورت تھی کہ کوئی ایسا ہدایت یافتہ شخص ترجمہ کرے جس کا سینہ آداب نبوی سے مملو ہو۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا عشق وعرفان سے بھرا ترجمہ یوں ہے: ”اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی“۔

مذکورہ بالا تقابلی تراجم سے واضح ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت نے کس باریک بینی سے قرآن کا ترجمہ کیا اور ناموس الوہیت و رسالت کی حفاظت میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

امام احمد رضا کے دبستان تجدید و احیاے دین کے چند گلہاے خوش رنگ آپ کی نظروں سے گزرے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ان کے دور میں فتنوں کا ایک سیلاب تھا جو ہندی مسلمانوں کے اقدار و روایات کو بہالے جانا چاہتا تھا۔ امام احمد رضا نے اس سیلاب پر بند باندھا اور اکابر و اسلاف سے امت مسلمہ کا رشتہ مربوط رکھنے کی کامیاب کوشش کی۔ ان کی کوششیں بار آور ہوئیں اور اسی کا ثمرہ ہے کہ آج عشق رسالت کی رعنائیوں سے قلب و نظر شاد کام ہو رہے ہیں۔

اگر ان کی غیر معمولی جدوجہد کی بہاریں نہ ہوتیں تو امت مسلمہ کو اپنی اصلاح اور صحیح راہ کی تلاش و جستجو میں صدیاں لگ جاتیں ؛اس لیے ہمیں ہمیشہ اس محسن کا احسان مند اور منت کش رہنا چاہیے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

نوٹ: چوں کہ مجدد من جانب اللہ رأس مائۃ یعنی اختتام صدی پر مبعوث ہوتا ہے اس لیے مجدد کہنے میں بھی اختتام صدی کا لحاظ ہوگا، متقدمین و متاخرین محدثین عظام و فقہاے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے اسی اصول کا پاس و لحاظ کیا ہے، خود امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ نے ”مقاصدِ حسنہ“ میں جو مجددین کی مختصر فہرست پیش کی ہے اس میں بھی اسی اصول کا لحاظ رکھا ہے چناں چہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ – ۱۰۵۲ھ) کو دسویں صدی کا مجدد لکھا ہے۔ لہٰذا اصولی اعتبار سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی تیرہویں صدی کے مجدد قرار پاتے ہیں، اس لیے آپ کا ذکر ”تیرہویں صدی کے مجددین“ کے باب میں ہونا چاہیے تھا۔ مگر چوں کہ ”چودھویں صدی کے مجدد“ کی حیثیت سے آپ مشہور و متعارف ہیں اس لیے ہم نے آپ کے ذکر کو ”چودھویں صدی کے مجددین“ کے باب میں عمداً اور تسامحاً رکھا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے اسی شمارے میں شامل مضمون ”حدیثِ مجدد — ایک تجزیاتی مطالعہ“ کا مطالعہ فرمائیں۔
(فیضان سرور، اورنگ آبادی)

محمد سلیم الدین اشرفی، بھاگل پور۔ جماعت رابعہ، Mo:7753986173

انفس و آفاق کے جن چند بڑے مسیحانفس اولیاے کرام کا نام زبان زد عوام و خواص ہے انہیں میں ایک قد آور اور یگانہ صفت شخصیت حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا ﷺ کی ذات گرامی بھی ہے۔

اسم گرامی: محمد، غیبی نام: آل الرحمٰن، پیر و مرشد نے آپ کا نام ابوالبرکات محی الدین جیلانی تجویز فرمایا، عرفی نام: مصطفیٰ رضا۔

تخلص: نوری **لقب:** مفتی اعظم ہند

ولادت باسعادت: حضور مفتی اعظم ہند ۲۲/ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ /۷/ جولائی ۱۸۹۳ء کو بروز جمعہ محلہ سوداگران بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ (تذکرۂ علماے اہل سنت، ص: ۲۲۳، محمود احمد رفاقتی)

بشارت نوری: ایک مرتبہ سیدنا اعلیٰ حضرت اپنے مرشد کی بارگاہ اقدس میں مارہرہ مقدسہ کی نورانی حویلی میں رات کو آرام فرما تھے، صبح کو فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوئے اور جب مسجد کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگے تو نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، آپ کو مخاطب فرماتے ہوئے حضرت نور العارفین نے بشارت سنائی اور مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا: مولانا صاحب! آپ کے یہاں ایک عظیم فرزند کی ولادت ہوئی ہے، وہ بچہ نہایت مبارک ہے ہم نے اس کا نام ''آل الرحمٰن ابوالبرکات محی الدین جیلانی'' رکھا ہے۔ آپ اجازت دیں تو میں اسے داخل سلسلہ کر لوں، آپ نے عرض کیا: وہ آپ کا غلام زادہ ہے، لہٰذا آپ اس کو غلامی میں قبول فرمالیں۔ حضرت نے بعد نماز فجر مصلیٰ امامت پر ہی غائبانہ مرید فرمایا اور ساتھ ہی اپنا جبہ و عمامہ عطا فرما کر ارشاد فرمایا: ''ہم جلد ہی بریلی آکر اس بچہ کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کر دیں گے۔''

سیدنا اعلیٰ حضرت نے بریلی شریف آکر ساتویں دن ''محمد'' نام پر آپ کا عقیقہ کیا اور عرفی نام ''مصطفیٰ رضا'' تجویز فرمایا۔

(تذکرۂ مشایخ قادریہ برکاتیہ رضویہ، ص: ۵۰۳، مولانا غلام مجتبیٰ رضوی، مطبوعہ، قادری کتاب گھر)

خلافت: اس نوید و بشارت کے چھ ماہ بعد جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ میں حضرت نور العارفین بریلی شریف تشریف لائے، آپ کو گود میں لے کر خلافت سے سرفراز فرمایا اور جدید و قدیم ۱۳ سلاسل کی اجازت عطا فرمائی، ساتھ ہی ارشاد فرمایا ''یہ بچہ مادر زاد ولی ہے، فیض کے دریا بہائے گا۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے بھی اپنے لخت جگر کو تمام سلاسل کی اجازت عطا فرمائی، اس طرح خاندان برکات کے دو چشم و چراغ سے آپ نے بلاواسطہ فیض پایا۔ (فیضان مارہرہ و بریلی، مضمون: مولانا حنیف خان رضوی بریلوی، ص: ۱۸۴)

تعلیم و تربیت: آپ نے قرآن کریم کی تعلیم اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت، عم محترم حضرت مولانا محمد رضا خان اور برادر مکرم حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان علیہم الرحمہ سے پائی اور فارسی و ابتدائی عربی کی تعلیم بھی انہیں حضرات سے حاصل کی۔ پھر جب مدرسہ اہل سنت قائم ہوا تو اپنے والد معظم سیدنا اعلیٰ حضرت اور آپ کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات سے بھی درس لیا:

(۱) برادر اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا قادری
(۲) استاذ الاساتذہ مولانا شاہ رحم الٰہی منگلوری
(۳) شمس العلما مولانا ظہور الحسین فاروقی رامپوری
(۴) شیخ العلما مولانا سید شاہ بشیر احمد علی گڑھی

فراغت: آپ کی فراغت ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء میں بہ عمر ۱۸/ سال ہوئی اور والد محترم کے دست مبارک سے دستار حاصل کی، پھر ۱۲/ سال مجدد اعظم امام احمد رضا کی بارگاہ میں رہے اور جملہ علوم و فنون میں دستگاہ اور مہارت تامہ حاصل کی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب بطور خاص اعلیٰ حضرت اپنی تصانیف کے ذریعہ رد فرق باطلہ کا فریضہ انجام دے رہے تھے اور علم و عرفان کے دریا بہا رہے تھے۔ اس وقت آپ اپنے والد ماجد کی خدمت میں پورے طور پر شریک کار تھے۔ (فیضان مارہرہ و بریلی، ص:۱۸۶)

درس و تدریس: آپ نے فراغت کے بعد ہی سے درس کا سلسلہ شروع فرما دیا تھا، منظر اسلام میں آپ نے مسند تدریس کو رونق بخشی، آپ کی تدریس کا زمانہ تقریباً چالیس سال ہے، اس زمانہ میں آپ سے درس لینے والی وہ عظیم ہستیاں بھی ہیں جن کو ہند و پاک کے جلیل القدر علما و فضلا میں شمار کیا جاتا ہے جو بجائے خود اساطین ملت شمار کیے جاتے ہیں۔ مثلاً:

شیر بیشۂ اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد حشمت علی لکھنوی ثم پیلی بھیتی، آپ نے ان کو بخاری شریف کا درس دیا۔

محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب، ان کو آپ نے قطبی اور مطول کا درس دیا۔

(جہان مفتی اعظم ہند، ص:۱۰۷)

اسی طرح آپ سے دوسرے علما و فقہا نے استفادہ کیا اور یہ سلسلہ ۱۳۶۵ھ تک رہا، چوں کہ آپ کو فراغت کے بعد سے سیدنا اعلیٰ حضرت نے اپنی خدمت میں رکھ لیا تھا تو جہاں اعلیٰ حضرت تصنیف و فتویٰ نویسی میں مشغول رہتے تھے وہیں حضور مفتی اعظم آپ کے شریک کار حوالوں کی تلاش و تتبع اور اعلیٰ حضرت کے حکم سے تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے تھے۔ اس بارہ سالہ مدت میں آپ نے بھی متعدّد اہم علمی کتابیں تصنیف فرمائیں اور اعلیٰ حضرت کے علم و فضل سے خوب خوب سیراب ہوئے۔ پھر بھی آپ کے تلامذہ و مستفیدین کی بہت بڑی تعداد ہے۔

فتویٰ نویسی: یوں تو حضور مفتی اعظم ہند ہر طرح کے علوم و فنون کا گہوارہ تھے، تیس علوم میں آپ کو کامل دستگاہ حاصل تھی، جس پر آپ کی تصانیف کے بیش بہا ذخیرے شاہد عدل ہیں، لیکن ان تمام خوبیوں پر مستزاد سب سے عظیم صفت جو آپ کے اندر نمایاں رہی وہ ہے تفقہ فی الدین۔ فتویٰ نویسی آپ کا طرۂ امتیاز تھا، یہی وہ نمایاں وصف تھا جس نے لوگوں کو مفتی اعظم کہنے پر مجبور کر دیا۔ بلا شبہ آپ اس فن کے امام کہے جا سکتے ہیں۔ آپ کی ذات مرجع علما و خواص رہی اور آج تک آپ کے فضل و شرف کا طوطی چہار دانگ عالم میں بول رہا ہے، آپ کی اصابت رائے اور فکری گہرائی و گیرائی کی مثال ملنی مشکل ہے، مختلف مسائل پر آپ کے فتاوی ہزاروں کی تعداد میں ہے، جس کے کچھ نمونے فتاوی مفتی اعظم (سات جلدیں) کی شکل میں منظر عام

پر آ چکے ہیں، جو یقیناً علوم و معارف کے خزانے ہیں۔

آپ کی فتویٰ نویسی کی ابتدا کے بارے میں حضرت مولانا محمود احمد قادری مظفر پوری رقم طراز ہیں:

''مولانا ظفر الدین بہاری و مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی دارالافتا (بریلی) میں کام کر رہے تھے۔ ایک دن آپ دار الافتا میں پہنچے، مولانا ظفر الدین فتویٰ لکھ رہے تھے، مراجع کے لیے فتاوی رضویہ المعاری سے نکالنے لگے، حضرت مفتی اعظم ہند نے فرمایا، نوعمری کا زمانہ تھا، میں نے کہا، فتاوی رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہو، مولانا نے فرمایا، اچھا تم بغیر دیکھے لکھ دو تو جانوں، میں نے فوراً لکھ دیا، وہ رضاعت کا مسئلہ تھا، یہ پہلا جواب تھا، آپ کا یہ واقعہ ۱۳۲۸ھ کا ہے، اصلاح کے لیے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا، صحت جواب پر امام اہل سنت بہت خوش ہوئے اور ''صحیح الجواب بعون الله العزیز الوهاب'' لکھ کر دستخط ثبت فرمایا اور ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن محمد عرف مصطفےٰ رضا کی مہر مولانا یقین الدین سے بنوا کر عطا فرمائی۔'' (تذکرۂ علماے اہل سنت۔ مطبوعہ: کانپور، بحوالہ: استقامت مفتی اعظم نمبر، ص:۳۰۷،۳۰۸)

آپ کے معاصرین آپ کی علمی برتری کے قائل رہے، اختلاف کی صورت میں آپ کی جانب رجوع کیا جاتا، آپ کی راے سند اور قول فیصل کا درجہ رکھتی تھی، لاؤڈ اسپیکر پر جب نماز کے مسئلہ میں معاصر کے مابین اختلاف ہوا تو آپ نے یہ فتویٰ صادر فرمایا، ''نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہرگز ہرگز نہ ہو'' (القول الاظہر)۔ حضرت محدث اعظم ہند ﷺ نے بایں الفاظ تصدیق فرمائی، ''هذا قول العالم المطاع وما علينا الا الاتباع'' کلام کی عظمت اس کے کہنے والے سے پہچانی جاتی ہے، یہ کسی ایسے ویسے کا کلام ہوتا تو پھر اس پر کوئی کلام کرنے کی گنجائش رہتی، مگر اس جملے کا قائل اپنے وقت کا عظیم محدث، جلیل القدر اور بے شمار خوبیوں کا حامل شخص ہے۔ (سالنامہ، تجلیات رضا، ص:۱۱۷ سن ۲۰۰۵ء۔ ناشر امام احمد رضا اکیڈمی)

بایں ہمہ علم و فضل آپ کی ذات گوناگوں فضل و کمال کی حامل تھی۔ جہاں آپ علم کے کوہ گراں تھے وہیں آپ میدان عمل کے شہسوار، زہد و پارسائی کے تاجور اور تقویٰ شعاری و عفت مآبی کے عظیم پیکر تھے۔

تصانیف: حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے مصروفیات و مشاغل کے باوجود مختلف موضوعات پر تصانیف و تالیف کا ایک گراں قدر ذخیرہ چھوڑا ہے، قلم میں خالق کائنات نے بے پناہ کشش و قوت ودیعت کر دی تھی۔ آپ کا قلمی لہجہ اپنے والد گرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے ملتا جلتا معلوم ہوتا ہے۔ ذیل میں چند کتابوں کے نام پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) فتاویٰ مفتی اعظم (۷ جلدیں) (۲) اشد الناس على عابد الخناس (۳) الكاوى فى لعاوى والغاوى (٤) كشف ضلال ديو بند (٥) نور الفرقان بين جنداله واحزاب الشيطان (٦) وقعات السنان فى حلق المسماة بسط البنان (۷) الرمح الديانى على رأس الوسواس الشيطانى (۸) وقايه اهل سنت المكر ديو بند والفتنه (۹) الهى ضرب بر اهل الحرب (۱۰) ادخال السنان الى حنك الحلق سبط النبان (۱۱) سيف القهار على العبد الكفار (۱۲) نفى العار من معائب المولوى عبد الغفار (۱۳) مقتل كذب و كيد (١٤) الموت الاحمر على كل نحس اكفر (۱٥) الملفوظ (٤

حصص) (١٦) الطاری الداری لھفوات عبد الباری (١٧) طرق الھدیٰ والارشاد والی احکام الامارۃ والجھاد (١٨) سامان بخشش عرف گلستان نوری (١٩) الحجۃ الواھرہ بوجوب الحجۃ الحاضرۃ (٢٠) عمدۃالبیان (قلمی)

عبادت و ریاضت: سفر و حضر کسی بھی موقع پر آپ کی نماز پنجگانہ قضا نہیں ہوتی تھی، ہر نماز وقت پر ادا فرماتے، سفر میں نماز کا اہتمام نہایت مشکل ہوتا ہے، لیکن حضرت پوری حیات مبارکہ اس پر عامل رہے۔ اس سلسلہ میں چشم دید واقعات لوگ بیان کرتے ہیں کہ نماز کی ادئیگی اور نماز کے اہتمام کے لیے ٹرین چھوٹنے کی بھی پرواہ نہیں فرماتے تھے، خود نماز ادا کرتے اور ساتھیوں کو بھی سخت تاکید فرماتے۔

اخلاق و کردار:

جھکی ہے گردنیں در پر تمھارے تاج والوں کی
میرے آقا میرے مولی وہ تاج اولیا تم ہو

حضور مفتی اعظم قدس سرہ اس خانوادے کے چشم و چراغ ہیں جنہوں نے زمانے کو تہذیب و اخلاق اور اخوت و مساوات اسلامیہ کا درس دیا جن کا در ہر منگتا کے لیے کھلا رہتا ہے۔ آپ میں خوش اخلاقی، شفقت و رافت، تواضع وانکساری اور محبت و اخلاص بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی غریب کی دعوت کو رد نہیں فرمایا۔ امیر و رئیس اور بڑے لوگوں سے دور بھاگتے تھے اور نہایت ہی پاکیزہ اور بلند کردار کے مالک تھے۔

آپ کی حیات طیبہ میں ایک بار اکبر علی خان صاحب جو یوپی کے گورنر تھے آپ کی زیارت کرنا چاہتے تھے مگر حضرت ان کے آنے سے کچھ دیر قبل پرانا شہر بریلی میں ایک بیمار دم توڑتے ہوئے غریب سنی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔

(تذکرۂ مشائخ قادریہ برکاتیہ رضویہ، ص:۵۰۸)

وصال: شب پنج شنبہ ۱۴ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/۱۲ر نومبر ۱۹۸۱ء ار بج کر چالیس منٹ پر یہ مہر درخشاں افق مرگ کی پنہائیوں میں گم ہو گیا، دوسرے روز بعد نماز جمعہ ۳ر بج کر ۲۰ر منٹ پر اسلامیہ کالج کے وسیع گراؤنڈ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جنازہ میں اتنا کثیر ازدحام تھا کہ چشمان فلک نے کسی کے جنازہ میں کبھی اتنا انبوہ کثیر شاید ہی دیکھا ہو، آپ کو آپ کے والد ماجد کے پہلو میں بریلی میں سپرد خاک کیا گیا۔

مفتی اعظم اکابر کی نظر میں:

آفتاب علم و معرفت شہزادۂ مجدد اعظم حضور مفتی اعظم ہند سلسلۂ عالیہ قادریہ کے اکتالیسویں امام و شیخ طریقت ہیں، آپ کے فضائل و مناقب بے شمار صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں جس کا انحصار بیان تحریر سے باہر ہے۔ بالاختصار چند مشائخ کے اقوال سے آپ کے فضائل کو ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

حضرت صدرالافاضل نعیم الدین مرادآبادی: علامہ مفتی محمد اختر رضا ازہری میاں کا بیان ہے کہ میں نے سنا کہ حضرت افضل سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا کہ حضرت اس مسئلہ میں آپ کا کیا خیال ہے، وہ اپنی رائے بتاتے، پھر کوئی کہتا حضرت مفتی اعظم ہند تو یہ فرماتے ہیں تو کہتے بس بس، جو مفتی اعظم فرماتے ہیں وہی حق و صحیح ہے۔ (سال نامہ تجلیات رضا، ص:۱۱۱)

گل گلزار اشرفیت حضور محدث اعظم ہند: محدث اعظم ہند کچھوچھوی نے ممبئی میں فرمایا تھا کہ آج کل دنیا میں جن کا فتویٰ سے بڑھ کر تقویٰ ہے ایک شخصیت "مجدد مائۃ حاضرۃ" کے فرزند دل بند کا پیارا نام مصطفےٰ رضا ہے جو بے ساختہ زبان پر آتا ہے اور زبان بے شمار برکتیں لیتی ہے۔ (تذکرۂ مشائخ قادریہ برکاتیہ رضویہ، ص:۵۰۴)

حضرت مفتی عبدالرشید صاحب فتح پوری: حضرت مولانا مفتی غلام محمد خان صاحب سابق شیخ الحدیث جامعہ امجدیہ ناگپور ۱۹۵۳ء سے پہلے کسی سے مرید نہیں ہوئے تھے۔ کسی بھی سلسلے میں وابستہ ہونے کے لیے بے چین تھے۔ آخر کار ایک دن ہندوستان کے مشہور عالم حضرت علامہ مفتی عبدالرشید صاحب سے دریافت فرمایا کہ حضور! مرید ہونے کے لیے بے چین ہوں کس سے مرید ہونا چاہیے؟ تو حضرت نے ارشاد فرمایا: مولانا! اب کہاں ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو شریعت و طریقت میں کامل ہوں سوائے مفتی اعظم ہند کے۔ (ماہنامہ استقامت کا مفتی اعظم ہند نمبر، ص:۵۵۷/۵۵۸)

حضور حافظ ملت: حضور حافظ ملت ﷺ نے فرمایا کہ اپنے شہر میں کسی کو عزت و مقبولیت نہیں ملتی لیکن حضور مفتی اعظم ہند کو اپنے دیار میں جو عزت و مقبولیت حاصل ہے اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ یہ ان کی کرامت و ولایت کی کھلی دلیل ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ حضور مفتی اعظم ہند شہنشاہ ہیں شہنشاہ یعنی حضرت کے ساتھ شہنشاہ کا سا برتاؤ کرنا چاہیے۔ (ایضاً، ص:۵۵۸)

حضور مجاہد ملت: حضور مجاہد ملت ﷺ نے فرمایا: اس دور میں ان کی (حضور مفتی اعظم ہند ﷺ) ہستی فقید المثال ہے۔ خصوصیت کے ساتھ باب افتا میں بلکہ روزمرہ کی گفتگو میں جس قدر محتاط اور موزوں الفاظ اور قیود ارشاد فرماتے ہیں، اہل علم ہی ان کی منزل سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ (تذکرۂ مشائخ قادریہ برکاتیہ رضویہ، ص:۵۰۵)

غزالی دوراں علامہ سعید احمد کاظمی: سیدی مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ کی شان اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ حضرت ممدوح امام اہل سنت مجدد دین وملت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے لخت جگر اور صحیح جانشیں ہونے کے ساتھ "الولد سر لابیہ" کے سچے مصداق ہیں۔ (تذکرۂ مشائخ قادریہ برکاتیہ رضویہ، ص:۵۰۵)

خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضور شاہ ضیاء الدین احمد مدنی: مفتی اعظم ہند، مفتی اعظم ہیں، اعلیٰ حضرت ہیں، وہ درجۂ صدیقیت پر فائز ہیں۔ (ایضاً، ص:۵۰۶)

سرکار کلاں سید مختار اشرف جیلانی: نبیرۂ حضور اشرفی میاں سید مختار اشرف اشرفی الجیلانی تحریر فرماتے ہیں: حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ بلا شبہہ انہیں اکابر میں سے تھے جو دین و سنیت کو فروغ دینے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت کی پوری زندگی پر ایک طائرانہ نگاہ ہی ڈالیے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ خلوص وللّٰہیت ان کی شخصیت کا ٹریڈ مارک تھا۔ ان کا کوئی قول یا عمل میری نگاہ میں ایسا نہیں ہے جو خلوص وللّٰہیت سے عاری ہو۔ وہ اگر ایک طرف متبحر عالم، مستند و معتبر فقیہ مختلف علوم و فنون

کے ماہر اور شعر و ادب کے مزاج آشنا تھے تو دوسری جانب عبادت و ریاضت، مکاشفہ، مجاہدہ اور اسرار باطنی کے بھی محرم تھے اور ہر میدان میں ان کی خلوص للّٰہیت کی جلوہ گری نمایاں طور پر دکھائی دیتی تھی۔ وہ ایک ایسی شمع تھے جس کے گرد لاکھوں پروانے اکتساب فیض نور کی خاطر زندگیوں کو داؤ پر چڑھائے رہتے تھے۔ میرے گھرانے کے بزرگوں سے ان کے دیرینہ و گہرے تعلقات تھے اس پس منظر میں مجھے ان کا قرب خاص حاصل تھا۔ (مفتی اعظم ہند نمبر ماہنامہ استقامت، ص:۳۴)

تجدیدی کارنامے: حضور مفتی اعظم نے ملک و ملت کی حفاظت کے لیے اپنی اسلامی سیاسی بصیرت اور قوم مسلم کے عروج و ارتقا کے لیے حسن و تدبیر کو بروئے کار لاکر بروقت رہنمائی فرمائی اور میدان عمل میں تشریف لاکر اپنی رہبری اور پیشوائی کے انمٹ نقوش چھوڑے۔

آپ کا دور نہایت پر آشوب تھا، ایک فتنے کے بعد دوسرے کا ظہور، پیہم غیر شرعی تحریکات اور ملک میں قابض حکمرانوں کا جبر و استبداد ان سب مشکلات سے امت مسلمہ دوچار تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مسلمانوں کو ان کے دین اسلام ہی سے برگشتہ کرنے اور اہل اسلام کی تعداد گھٹانے کے لیے مشرکین نے "شدھی تحریک" شروع کردی جس کے سیلاب میں لاکھوں مسلمان بہہ گئے اور مرتد ہوگئے۔ ادھر آزادیٔ وطن کی تحریک نے اسلامی امور میں مداخلت شروع کردی، کبھی تحریک خلافت اور کبھی تحریک ہجرت اور کبھی نس بندی کا شوشہ چھوڑا گیا، جس سے نہ جانے کتنے مسلمان مصائب و آلام سے دوچار ہوئے۔ غرض کہ فتنے بے شمار اور قائد و رہبر اقل قلیل۔ ان تمام فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور بروقت رہبری و پیشوائی کرنا، پھر شرعی امور سے آگاہ کرنا، یہ وہ تمام تجدیدی خدمات تھیں جن کے لیے آپ نے "جماعت رضائے مصطفےٰ" کو پلیٹ فارم بنایا اور ہر موقع و مقام پر پہنچ کر مسلمانوں کی دست گیری فرمائی۔ ذیل میں حضور مفتی اعظم کے چند تجدیدی کارناموں پر گفتگو ہدیۂ قارئین ہے:

فتنۂ ارتداد اور شدھی تحریک: یوں تو مفتی اعظم قدس سرہ کی متاع حیات کا اکثر حصہ دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و اشاعت، خلق خدا کی رشد و ہدایت اور ہمدردی و دست گیری کے جذبۂ فراواں سے وابستہ رہا، جس کے ذریعہ ہزاروں انسان گمراہیت و بدمذہبی سے نجات پاکر جادۂ حق و صداقت پر گامزن ہوئے اور لاکھوں انسانوں کے قلوب کی تطہیر اور نفوس کا تزکیہ ہوا، لیکن "شدھی تحریک" کے انسداد و اندفاع کے لیے سرکار مفتی اعظم ہند کی مساعی جمیلہ، جہد مسلسل اور بلند عزائم کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ اس پرفتن دور میں بھی مفتی اعظم کے علاوہ کئی ممتاز و یگانہ علما و فقہا بقید حیات تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ خداوند قدوس نے کفار و ہنود کی اس ناپاک سازش و تحریک کو ناکام و نیست و نابود کرنے کے لیے "مفتی اعظم" کا انتخاب فرما لیا تھا، جس کی خاطر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی کے اس شہزادہ عالی مرتبت اور علم و فضل کے حقیقی وارث و جانشیں نے احقاق حق و ابطال باطل کا وہ اہم کارنامہ انجام دیا جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

اب جب بھی "شدھی تحریک" کے بارے میں لکھا جائے گا تو حضور مفتی اعظم اور حضور اعلیٰ حضرت کے نامور خلفا و دیگر کئی علمائے اہل سنت جنھوں نے مفتی اعظم کا دست و بازو بن کر اس عظیم سازش کے خلاف پیش قدمی فرماکر کفار و مشرکین کی گھناؤنی فریب کاریوں، جعل سازیوں کا پردہ چاک کرکے ۴۵۰۰۰۰ مسلمانوں کے ایمان و عقیدہ کا تحفظ فرمالیا، ان کا تذکرۂ

جمیل سنہرے حروف میں لکھا جاتا رہے گا اور آنے والی نسل مسلم کو یہ باور کرایا جاتا رہے گا کہ ہمارے اسلاف کرام اور علماے اہل سنت نے کتنی خاردار وادیوں سے گزر کر اسلام کی خدمات و تعلیمات رسول اور پیغام صحابہ و تابعین کو دور دور تک پہنچایا ہے۔

جن حضرات نے اس پر آشوب دور کے حالات و واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور سرکار مفتی اعظم کی دینی دعوت و عزیمت اور تبلیغی سرگرمیوں کے مناظر کو بغور ملاحظہ کیا وہ اس امر کو بہ خوبی جانتے ہیں کہ مفتی اعظم قدس سرہ کی ذات سے وقت کے ایک عظیم فتنہ کا سدباب کس طرح ہوا اور سرکار مفتی اعظم نے کیسے کیسے نبرد آزما اور مصائب و آلام کا مقابلہ کرتے ہوئے سنگ لاخ اور پرخار وادیوں میں اسلام اور دین مصطفےٰ ﷺ کا چراغ روشن کیا اور صحابہ اور تابعین کے جذبۂ ایثار و قربانی اور مجاہدانہ کردار و عمل کی یاد تازہ فرما کر شریعت محمدی ﷺ کی حفاظت و صیانت کا اہم فریضہ انجام دیا۔

ماضی قریب کے نامور اور محتاط محقق شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق قبلہ امجدی قدس سرہ، حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے "شدھی تحریک" کے خلاف مجاہدانہ کردار و عمل، حق گوئی و بیباکی اور تبلیغی و دعوتی دوروں میں تکالیف و محن کو برداشت کرنے کا تذکرہ کچھ اس طرح کرتے ہیں:

"ناز و نعمت میں پلا ہوا ایک رئیس شہزادہ جو کبھی چند قدم پیدل نہ چلا ہو، میلوں پیدل چل رہا ہے، جاڑوں کی برفیلی ہوائیں گرمیوں کی لو کے جھکڑ سب کچھ سہتا ہے۔ بے پڑھے لکھے سیدھے سادے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لیے جہد مسلسل میں مصروف ہے۔ پھولوں کی سیج پر سونے والا شہزادہ زمین کے فرش پر سو رہا ہے۔ نہ کھانے کی پرواہ، نہ آرام کا خیال، دھن ہے تو یہ کہ جس طرح ہو مسلمانوں کے ایمان کو بچایا جائے، کیا راہ خدا میں اس قسم کے جہاد مسلسل کی اس دور میں کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا اس ہولناک فتنۂ ارتداد کے مقابلے کا کارنامہ تاریخ اسلام کا وہ عظیم باب ہے جو ہمیشہ درخشاں رہے گا"۔ (جہان مفتی اعظم، ص:۸۳۸/۸۳۹)

شدھی کے معنی پاک کرنے کے ہیں، ہندو اس سے یہ مراد لیتے تھے کہ جو لوگ پہلے ہندو تھے، پھر اسلام لا کر مسلمان ہو گئے وہ ناپاک ہو گئے، انھیں پھر ہندو بنا کر پاک کیا جائے، اسی لیے انھوں نے اپنی اس تحریک کا نام "شدھی" رکھا تھا۔ شدھی تحریک دراصل آریہ سماج کی ایک ذیلی تبلیغی تنظیم ہے جس نے ۱۹۱۱ء میں جنم لیا لیکن یہ تحریک ۱۹۲۳ء میں زیادہ ابھر کر سامنے آئی اور تبلیغی مشن میں جان توڑ کوشش کرنے لگے اور راجپوتانہ علاقوں میں اپنے پاؤں پھیلانے شروع کیے اور ان سے کہا کہ تمھارے آباو اجداد کافر تھے چلو تم بھی شدھی ہو جاؤ، تم نے کہاں اسلام قبول کر لیا؟ اسلام تو تیر و تلوار کا مذہب ہے، ہم تمھیں طرح طرح کے انعامات دیں گے، ان کی اس طرح کی باتوں میں آکر کئی علاقے ارتداد کے شکار ہونے کے قریب ہو گئے اور قریب تھا کہ وہ اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں، لیکن وہی ہوتا ہے جو منظور رب ہوتا ہے۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہ العلیم اس فتنہ ارتداد کی سرکوبی کے لیے اپنے چند علماے اہل سنت کے ہمراہ میدان میں آگئے اور اعداے دین کے مقابلے کے لیے کمر ہمت باندھ کر والد ماجد سیدنا امام احمد رضا قادری بریلوی کے جیسا جوش و جذبہ دکھا کر آریوں کی ساری کاوشوں پر پانی پھیر دیا اور

ایک تخمینے کے مطابق ساڑھے چار لاکھ افراد کے ایمان کا تحفظ فرمایا۔

مفتی اعظم قدس سرہ السامی نے ''شدھی تحریک'' (یعنی فتنۂ ارتداد) کے خلاف اقدام فرما کر ''اعلاے کلمۃ الحق'' کا فرض منصبی جس حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے وہ حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی کے شہزادۂ عالی مرتبت کے وقار و عظمت، جلالت شان کا ایسا حسین و روشن باب حیات ہے جو کبھی نذر زمانہ کا شکار نہ ہوگا، کیوں کہ اس واقعۂ ارتداد کے پس پردہ وہ حقائق ہیں جنھیں کبھی پوشیدہ نہیں رکھا جاسکتا۔ جب بھی اس صدی کی تاریخ رقم کی جائے گی تو حضور مفتی اعظم اور آپ کے رفقاے کار اور فقہا اور علماے اہل سنت کی قربانیوں اور مجاہدانہ کردار و عمل و کارگزاریوں کو بھی سلام عقیدت پیش کیا جاتا رہے گا۔ مفتی اعظم کی حق گوئی و بیباکی شان خودداری اور غیرت ایمانی و اسلامی کو سمجھنے کے لیے ذیل کا وہ واقعہ پڑھیے، جس میں ایمانی حرارت اور جوش ایقانی کے وہ جوہر پوشیدہ ہیں جو دور دور تک کہیں اور دکھائی نہیں دیتے۔ حضور شارح بخاری قدس سرہ لکھتے ہیں:

''اطلاع ملی کہ آگرہ سے ۲۰ رمیل کے فاصلے پر فلاں گاؤں میں اس فتنہ پرور کا پاؤں جم گیا ہے اور وہاں کے مسلمان کچھ لالچ اور کچھ خوف کی وجہ سے مرتد ہونے کے لیے آمادہ ہو رہے ہیں۔ اطلاع ملتے ہی حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خان رحمۃ اللہ علیہ اور ایک اور رفیق کو لے کر آگرہ سے چلے، جہاں تک ریل تھی ریل سے گئے، اسٹیشن سے پانچ میل دور وہ گاؤں تھا اور کوئی سواری نہیں تھی، یہ لوگ تیزی سے پیدل وہاں پہنچے جاکر دیکھا کہ ایک مجمع اکٹھا ہے، آگ جل رہی ہے، گانا دھوم سے ہو رہا تھا، متعدّد حلوائی کڑھائیوں میں پوریاں چھان رہے ہیں اور کئی نائی استرہ، قینچی لیے بیٹھے ہیں، ایک تخت پر وہ فتنہ پرداز بیٹھا ہے، معلوم ہوا کہ یہ مجمع ان سب مسلمانوں کا ہے جو مرتد ہونے پر راضی ہیں اور انھیں ہندو بنانے کے لیے یہ جشن ہو رہا ہے۔ یہ لوگ خطرے کی پرواہ کیے بغیر مجمع کو چیرتے پھاڑتے اس فتنہ پرور کے پاس پہنچے۔ اس سے کہا کہ آؤ مناظرہ کرلو! اس نے صاف انکار کر دی اور کہا کہ یہ لوگ ہندو ہونے پر راضی ہیں۔ اب مناظرے کی ضرورت نہیں اس پر حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے مجمع کے سامنے اسلام کی حقانیت اور بت پرستی کی تردید میں تقریر کی، مگر مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت مفتی اعظم کی غیرت ملی جوش پر آگئی، شیر بیشۂ اہل سنت سے فرمایا کہ مجمع والوں سے کہیے کہ یہ پنڈت مناظرے پر آمادہ نہیں، تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے تو تم سب لوگ اس پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اپنی جلائی ہوئی آگ میں کودے، جو آگ سے زندہ بچ کر نکل آئے تم لوگ اس کا دین قبول کرلو، حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کے اس ارشاد کو ان دیہاتیوں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد ایک جوش و سرمستی کے ساتھ حضرت مفتی اعظم بڑھ کر اس لیڈر کے تخت پر چڑھ گئے، اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا چل ہم دونوں اس آگ میں کود یں! ہیبت حق سے وہ تھر تھر کانپنے لگا اور مبہوت و دم بخود رہ گیا۔

حضرت مفتی اعظم نے جوش میں آکر اسے گھسیٹنا شروع کیا مگر وہ بہت موٹا تھا، ٹس سے مس نہ ہوا۔ کچھ دیر تک یہی ہوتا رہا۔ گانے والے گانا بھول گئے۔ حلوائیوں نے پوریاں چھاننی چھوڑ دیں، سارا مجمع ساکت و جامد دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس مجمع میں جو مکھیا وغیرہ قسم کے تھے تخت کے قریب آئے اور کہا: ''مولوی جی اسے چھوڑ دو! اب ہماری سمجھ میں آگئی کہ تمھارا

مذہب حق ہے۔ اور اس کا دھرم باطل۔ ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا۔ اس کے بعد حضرت مفتی اعظم کے ہاتھوں پر سب نے توبہ کی، کلمہ پڑھا اور سچے پکے مسلمان ہو گئے۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے وہیں اپنے انداز میں خطبہ پڑھا، نعت پڑھی اور تقریر کی۔'' (تاجدار اہل سنت، ص:۵۵/۵۶ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

المختصر! ''شدھی تحریک'' اپنی تمام تر فریب کاریوں اور فتنہ پردازیوں کی بنا پر قوم مسلم کے لیے نہایت مضر اور مہلک تھی۔ اس تحریک کو حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے اپنے عمل پیہم اور جہد مسلسل سے وہ شکست دی جو تاریخ کے زریں اوراق پر پھیلی ہوئی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی کے شہزادۂ گرامی مخدوم العلما مفتی اعظم قدس سرہ نے ۵۰۰۰۰۰/۴ افراد کو ارتداد کے فتنہ سے محفوظ فرما کر انہیں دامن اسلام میں داخل کیا۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے اپنے کردار و عمل اور مجاہدانہ ولولہ سے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے جسم کے خون کا ایک ایک قطرہ دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و صیانت کے لیے پیش ہے۔ یہ ہے حضور مفتی اعظم کی تجدید دین جسے مسلمانان ہند رہتی دنیا تک فراموش نہیں کر سکتے۔

تحریک نس بندی: ۱۹۷۶/۷۷ء کا پر آشوب دور اسلامیان ہند کے لیے نہایت دل دوز و دل سوز اور بھیانک طوفان کا دور تھا۔ اس وقت حق گوئی و حق پرستی ایک مشکل امر تھا، بڑے بڑے جبہ و دستار والے حکومت وقت کے غلام اور دین فروش نظر آ رہے تھے، کسی میں دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حق عام کرنے کی ہمت باقی نہ تھی، اس پر خطر ماحول میں بریلی شریف کا ایک رئیس شہزادہ، علم و فضل، زہد و تقویٰ میں یگانہ سیرت و صورت اور اخلاق و کردار میں یکتا، تاجدار اہل سنت مفتی محمد مصطفےٰ رضا خان قادری اسلاف کے نقش قدم پر چلتا ہوا ''کلمۃ الحق عند السلطان الجابر جھاد'' کا فریضہ انجام دینے میں مصروف عمل تھا۔ جسے نہ کسی جاہ و جلال کی پرواہ تھی نہ کسی حرص و طمع کی فکر، بس فکر تھی تو ایک کہ امت مسلمہ کو ایک حرام کام سے بچا لیا جائے۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کی حفاظت کی جائے۔ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ بحسن و خوبی نجام دیا جائے، ہم تو مدنی آقا کے غلام ہیں ہم کسی اور کے غلام کیوں بنیں۔

دور نس بندی کے متعلق حضرت مولانا بدرالقادری مصباحی لکھتے ہیں: ''حکومتی اہل کار شہر شہر، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، محلہ محلہ اور گھر گھر دستک دے رہے تھے کہ آپ کے کتنے بچے ہیں؟ اگر دو یا تین ہیں تو نس بندی کرائیے، کہیں لالچ دے کر، کہیں ڈرا دھمکا کر، کسی پر زور دباؤ ڈال کر آئندہ کے لیے لوگوں پر اولاد کا سلسلہ بند کیا جا رہا ہے۔'' (مفتی اعظم کے سیاسی افکار، ص:۷۹/۸۰)

مولانا شہاب الدین رضوی لکھتے ہیں: ''۵/جون ۷۶/۱۹۷۵ء/۱۳۹۶ھ کو سارے ملک ہندوستان میں ایمرجنسی لگا دی گئی، تمام شہریوں کے بنیادی حقوق سلب کر لیے گئے، حکومت کی مخالفت ملک سے غداری و بغاوت قرار دے دی گئی، سیاسی لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا اور ان کی گرفتاری کو برقرار رکھنے کے لیے ''میسا'' قانون بنایا گیا جس کے تحت مقامی کورٹوں کو گورنمنٹ کی مخالفت کرنے والے گرفتار شدہ افراد کے مقدمات کی سماعت کا حق نہیں دیا گیا، صرف ہائی کورٹ کو ان کے مقدمات کی سماعت کا حق دیا گیا تھا۔' (مفتی اعظم کے سیاسی افکار، ص:۸۰)

ایسے سخت ترین ماحول میں استقامت علی الحق، حق گوئی و خودداری اور عزیمت کے مقام پر اگر کوئی شخصیت گامزن تھی تو

وہ مفتی اعظم ہی کی ذات تھی جس کے روبرو حکومت کے بڑے بڑے عہدہ دار بھی خاموش رہنے میں ہی سلامتی تصور کرتے تھے۔ ذرا بھی کسی نے گستاخی کی، کوئی توہین آمیز جملہ کہا، مفتی اعظم کے جلال و غضب سے بچ نہ سکا۔ دین اور شریعت کے معاملے میں آپ کے یہاں مداہنت کا نشان نہیں ملتا۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہ ضبط تولید اور نس بندی کے عدم جواز کے متعلق فرماتے ہیں: "ضبط تولید کے لیے مرد کی نس بندی یا عورت کا آپریشن متعدّد وجوہ سے شرعًا ناجائز و حرام ہے، اس میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے اور یہ قرآن و حدیث کی نص سے ناجائز و حرام ہے۔" (فتاوی مصطفویہ، ص:۵۳۳، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

یہ تھا اس مرد مجاہد کا قول حق جس نے حکومت وقت کی رو رعایت اور مصلحت کے بغیر شریعت مطہرہ اور دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کا حق ادا کرتے ہوئے حکومت وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کیا اور اعلاے کلمۃ الحق بلند فرما کر اسلاف کرام کی یاد تازہ فرمادی، اس فتوے کے جاری ہوتے ہی چاروں طرف حکومت کے خلاف اظہار و احتجاج ہونے لگا حتیٰ کہ گاؤں گاؤں حکومت کے خلاف آواز بلند ہونے لگی ہر طرف مخالفت و بغاوت کی لہر دوڑ گئی۔ مفتی اعظم قدس سرہ نے دعوت و عزیمت اور مجاہدانہ عمل سے یہ بتلا دیا کہ ہم مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کبھی حکومت کے آگے سرنگوں نہیں ہوسکتے۔ حق بات کہنا اور اس پر عمل کرنا ہمارا فرض منصبی ہے۔ یہ ہے مفتی اعظم ہند کی شان مجددیت۔

تحریک ہجرت: قیام پاکستان اور آزادی ہند کے دور میں جب مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے تو لوگوں نے پاکستان ہجرت کرنا شروع کر دیا اور اکثر خانقاہ و آستانے والوں نے بھی ہجرت کرنا شروع کیا، ایسے عالم میں حضور مفتی اعظم ہند سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ بن کر میدان عمل میں آئے اور ہجرت کرنے والوں کو للکار کر کہا کہ کہاں بھاگ رہے ہو اپنے ولیوں کے آستانوں کو چھوڑ کر۔ اگر تم ولیوں کے آستانوں سے وابستہ ہوگئے تو دین و دنیا میں کامیاب و کامراں رہوگے اور آستانوں سے روگردانی کروگے تو رسوا ہوگے۔ یہ ہے خدمت خلق۔

تجدید دین کا ایک اور واقعہ: ایک واقعہ مفتی اعظم ہند کی تجدید سنت اور خدمت خلق کا یہ ہے کہ ۱۹۳۵ء کو سکھوں نے انگریز حکام کی پشت پناہی میں مسجد گنج شہیداں لاہور کو مسمار کردیا اور یہ دعوی کیا کہ یہ عمارت اور جگہ گرودوارے کی ہے، مسلمانوں نے غاصبانہ قبضہ کیا ہے، مسجد کے انہدام پر برصغیر کے مسلمان تڑپ اٹھے، مسجد کی حفاظت کے لیے جلسے اور جلوس کا سلسلہ شروع ہوا، بدقسمتی سے مجلس احرار نے مسلمانوں کی اجتماعی مساعی میں نہ صرف یہ کہ شرکت نہیں کی بلکہ اس خالص اسلامی کام کی مخالفت کی اور یہ پروپیگنڈہ کیا کہ اس تحریک میں حصہ لینا جائز نہیں جو مسلمان اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش کرے گا اس کی موت حرام کی موت ہے، وہ شہید نہیں۔ ۲۷/ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ کو مسجد گنج شہیداں لاہور کی بازیابی اور اس ضمن میں ہلاک ہونے والے اور تحریک میں حصہ لینے والوں کی شرعی حیثیت سے ایک استفتا حضور مفتی اعظم کی خدمت میں آیا، آپ نے نہایت تفصیل سے دلائل شرعیہ سے ثابت کیا کہ اس تحریک میں حصہ لے کر مسلمانوں کو سکھوں سے مسجد آزاد کرانا جائز ہے اور جو لوگ اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں وہ شہید ہیں۔ یہ ہے حضور مفتی اعظم ہند کی تجدید دین و شرع اور خدمت خلق۔ (سالنامہ، تجلیات رضا، ص:۱۳۰)

آپ کی انہی دینی خدمات رد بدعات و منکرات، احیاے سنت، احقاق حق اور ابطال باطل کے پیش نظر علماے وقت نے آپ کو مجدد قرار دیا ہے۔

طلبۂ اشرفیہ کی تحریری و تنظیمی سرگرمیاں

محمد کامل رضا کاملؔ، کٹیہار، جماعت: سابعہ Mo:8009451892

چودہویں صدی ہجری کے آخری عشرے میں بر صغیر ہندو پاک کے آسمان علم و فضل پر ایک ایسا نام ابھرا جو علما، فقہا اور دانشوران کی فہرست میں نہایت نمایاں اور ممتاز شخصیت کا مالک رہا، جسے دنیا جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی کے نام سے جانتی ہے۔ بر صغیر ہندو پاک میں اہل سنت و جماعت کی ایک عظیم دینی دانش گاہ "الجامعۃ الاشرفیہ" اسی سلطان صفت درویش کے خوابوں کی حسین تعبیر ہے، جس کی ضوفشانی سے ہندو بیرون ہند کے بیشتر علاقے منور اور فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اس کی آغوش تربیت سے ایسے جواں مرد، باہمت اور ماہرین فن نکلتے ہیں جو زمانے کے فتنوں کے سامنے "سد سکندری" اور باطل قوتوں کے مقابلے میں "بنیان مرصوص" بن کر حریم اسلام کی پاس بانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جامعہ اشرفیہ کے طلبہ، اسلام کی نشر و اشاعت اور قوم مسلم کے تابناک مستقبل کی خاطر خارجی اوقات میں تنظیمی سرگرمیوں میں ہمہ تن مصروف اور ملی درد و کرب کی انگیٹھی میں سلگتے رہتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے:

جو ابر یہاں سے اٹھا ہے سارے جہاں پہ برسا ہے
جو ابر یہاں سے اٹھے گا سارے جہاں پہ برسے گا

تنظیم کی اہمیت: تنظیم ایک ایسا منظم واسطہ ہے جس سے کوئی بھی تحریک اپنے متعیّنہ مقاصد حاصل کرتی ہے کیوں کہ تنظیم سے مختلف فکر و خیال کے افراد میں قربت پیدا ہوتی ہے، عملی مزاج کا ماحول ساز گار ہوتا ہے۔ اس سے افراد میں فعالیت اور عملی فکر و توازن قائم ہوتا ہے۔ حرکت و عمل میں منصوبہ بندی آجاتی ہے جس کے نتائج یکسر مثبت اور بڑے طبقے کے لیے حوصلہ بخش ثابت ہوتے ہیں۔ انھی اہمیت کے پیش نظر جامعہ اشرفیہ کے شاہین صفت طلبہ سب سے پہلے تنظیم قائم کرتے ہیں پھر اس کے تحت دینی کام انجام دیتے ہیں، جن کے اغراض و مقاصد پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت اور اولیاے کرام کی الفت دلوں میں پیدا کرنا اور معمولات اہل سنت کا صحیح علم بردار بنانا شامل ہوتا ہے۔ ایوان اشرفیہ میں تقریباً ہندوستان کے ہر صوبے اور ضلع کے طلبہ کی اپنی اپنی تنظیمیں قائم ہیں جو بحسن و خوبی اپنے منزل مقصود کی طرف گامزن ہیں۔ پیش ہے ان تنظیموں کا ذکر جمیل اور ان کے تحت انجام پانے والے دینی امور کا ایک اجمالی جائزہ:

(۱) طلبہ جھارکھنڈ: المجمع العلمی (قائم شدہ ۱۹۸۴ء) ہفتہ واری بزم کا نام، بزم فیضان رضا، اردو جداریہ: کوکب (پندرہ روزہ)

عربی جداریہ: الکوکب (پندرہ روزہ) لائبریری: تاج الشریعہ لائبریری، درس نظامی کوچنگ سنٹر۔

(۲) حافظ ملت اکیڈمی (سیتامڑھی) (قائم شدہ ۱۹۹۷ء) بزم صدر الشریعہ، حافظ ملت اکیڈمی لائبریری۔

(۳) تنظیم فیضان اشرف (شراوستی) (قائم شدہ ۱۹۹۷ء)، جداریہ: معارض القلم، پرواز، بزم: تاج الشریعہ۔

(۴) مجاہد ملت حبیبی لائبریری (اڑیسہ) (قائم شدہ ۲۰۰۱ء) اردو جداریہ: صدائے مجاہد (پندرہ روزہ)، لائبریری: مجاہد ملت لائبریری۔

(۵) تنظیم بیدار فاؤنڈیشن (ویشالی) (رجسٹرڈ ۴۹۱/۱۰۱۱) (قائم شدہ ۲۰۰۲ء) لائبریری: اسلامک لائبریری، بزم: بزم تبغی، اردو جداریہ: جہاں نما (پندرہ روزہ)، انگریزی جداریہ: ورلڈ وائس (پندرہ روزہ)۔

(۶) تنظیم پیغام اسلام (جامعہ اشرفیہ) (قائم شدہ ۲۰۰۳ء) اردو جداریہ: ہادی (پندرہ روزہ) عربی جداریہ: الہادی (پندرہ روزہ)، المصباح (پندرہ روزہ)، انگلش جداریہ: امیج (پندرہ روزہ)، تحریری انعامی مقابلہ، ماہ نامہ کنزالایمان، ماہنامہ سنی دعوت اسلامی، عربی ماہنامہ المشاہد (طلبۂ جامعہ اشرفیہ تک پہنچانا)۔

(۷) شاہ وجیہ الدین علوی (گجرات) (قائم شدہ ۲۰۰۴ء) رضا جداریہ، اردو عربی اور گجراتی زبان میں، شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی لائبریری۔

(۸) تنظیم صدائے حق (کرناٹک) (قائم شدہ ۲۰۰۴ء)، لائبریری: حضرت بندہ نواز لائبریری، بزم: خواجہ غریب نواز، اردو جداریہ: صدائے حق۔

(۹) تنظیم تحریک دعوت و اصلاح (پورنیہ)۔ (قائم شدہ ۲۰۰۴ء) لائبریری: دعوت و اصلاح لائبریری، اردو جداریہ: نجم (پندرہ روزہ) عربی جداریہ: النجم (پندرہ روزہ)، انگلش جداریہ: نجم۔

(۱۰) تنظیم مسعودی (بہرائچ) (قائم شدہ ۲۰۰۵ء)، مسعودی لائبریری، اردو جداریہ: مسعود (پندرہ روزہ) عربی جداریہ: المسعود (پندرہ روزہ)۔

(۱۱) تنظیم الاشہر اکیڈمی (مہاراشٹرا) (قائم شدہ ۲۰۰۶ء)، بزم: فیضان نوری، اردو جداریہ: اشہر (پندرہ روزہ)۔

(۱۲) تنظیم صدر الافاضل اکیڈمی (مغربی اتر پردیش و مضافات) (قائم شدہ ۲۰۰۶ء)، بزم: بزم شعیب الاولیا، لائبریری: صدرالافاضل لائبریری، اردو جداریہ: پاسبان (پندرہ روزہ) عربی جداریہ: الہدیٰ (پندرہ روزہ)۔

(۱۳) تنظیم پاسبان ملت فاؤنڈیشن (الہ آباد) (قائم شدہ ۲۰۰۶ء)، لائبریری: پاسبان ملت لائبریری، بزم: خطیب مشرق، جداریہ: پاسبان (اردو)۔

(۱۴) تنظیم نورالہدیٰ ویلفیئر سوسائٹی (گڑھوا، پلاموں) (قائم شدہ ۲۰۰۷ء)، لائبریری: سراج ملت لائبریری، بزم: بزم سراجی۔

(۱۵) تنظیم فلاح المسلمین (پرتاب گڑھ) (قائم شدہ ۲۰۰۸ء)، حسامی لائبریری، بزم حسامی، اردو جداریہ: صدائے حسام (پندرہ روزہ) عربی جداریہ: الحسام (پندرہ روزہ) گیارہویں شریف کے موقعہ پر نعتیہ مقابلہ کے پروگرام۔

(۱۶) تنظیم نوائے نظامی (سنت کبیر نگر)(قائم شدہ۲۰۰۸ء)، نوائے نظامی لائبریری، بزم نظامی، جداریہ، نوائے نظامی۔

(۱۷) تنظیم فروغ اسلام(رجسٹرڈ۱۷۱۴)(نیپال) (قائم شدہ۲۰۰۹ء)،لائبریری:رضا لائبریری،بزم:بزم رضوی،اردو جداریہ:ہلال۔

(۱۸) تنظیم ہدیٰ فاؤنڈیشن ویلفیئر سوسائٹی(مدھوبنی) (قائم شدہ۲۰۰۹ء)،لائبریری:قادری لائبریری،بزم:بزم قادری، جداریہ: ہدیٰ(پندرہ روزہ)عربی جداریہ:الہدیٰ(پندرہ روزہ)۔

(۱۹) تنظیم مولاناسلیم(سلطان پور)(۲۰۱۰ء)،جداریہ،صوت القرآن،بزم رضا،مولاناسلیم لائبریری۔

(۲۰) تنظیم حی علی الفلاح(کٹیہار)(قائم شدہ۲۰۱۰ء) لائبریری:الفلاح لائبریری،بزم:حی علی الفلاح،جداریہ:حی علی الفلاح،مکتب حضرت عائشہ بیدول(کٹیہار)۔

(۲۱) افکارِ رضافاؤنڈیشن (اتر دیناج پور) قائم شدہ:۲۰۱۰ء۔

(۲۲) رہنمائے ملت ویلفیئر سوسائٹی (گیا،اورنگ آباد،ارول)(قائم شدہ۲۰۱۱ء)بزم:بزم رسول عربی،اردو جداریہ : تاباں(پندرہ روزہ)لائبریری:سیدالہند لائبریری،وقار ملت کوچنگ سنٹر۔

(۲۳)تنظیم تحریک اصلاح ملت(مظفر پور)(قائم شدہ۲۰۱۱ء)،لائبریری:اصلاح ملت لائبریری،بزم:باران رحمت،اردو جداریہ:انقلاب(پندرہ روزہ)،حافظ ملت کوچنگ سینٹر،تحریری انعامی مقابلہ۔

(۲۴)تنظیم مجیٰ فاؤنڈیشن (سیتامڑھی)(قائم شدہ۲۰۱۱ء)،لائبریری:مجیٰ لائبریری،بزم:بزم سرکار مجیٰ،اردو جداریہ: ضیائے مجیٰ(پندرہ روزہ)،عربی جداریہ:المجیٰ پندرہ روزہ)،درس نظامی کوچنگ سینٹر۔

(۲۵)تنظیم بزم عزیزی (جموں وکشمیر) (قائم شدہ۲۰۱۱ء)لائبریری:حافظ ملت لائبریری،اردو جداریہ:صوت الاولیا، بزم: بزم عزیزی۔

(۲۶) علامہ فضل حق خیر آبادی فاؤنڈیشن(طلبۂ اشرفیہ)(۲۰۱۱ء)،بزم منوری،وقتاً فوقتاً پمفلیٹ اور بینر شائع کرنا۔

(۲۷)تنظیم پیر عطاشاہ(رائے بریلی)۔قائم شدہ:۲۰۱۱ء۔

(۲۸) صفہ اسٹوڈینٹس آرگنائزیشن(کلکتہ) (قائم شدہ۲۰۱۲ء)،لائبریری:مفتی اعظم بنگال لائبریری، بزم:ثنائے مصطفیٰ، اردو جداریہ:پیغام حق۔

(۲۹) جمال حرم فاؤنڈیشن(بستی پور و مضافات)(۲۰۱۲ء)،بزم فیضان داتا نور الحلیم،لائبریری،جداریہ:ضیائے حرم۔

(۳۰)تنظیم حافظ ملت اسلامیہ (گڈا،بانکا،بھاگلپور)(قائم شدہ۲۰۱۲ء)،لائبریری:شہبازیہ لائبریری،بزم:ضیائے محمدی،اردو جداریہ:ضیائے محمدی۔

(۳۱) تنظیم مخدوم جہاں سمناں(امبیڈکر نگر)(۲۰۱۲ء)سمنانی لائبریری،بزم سمنانی۔

(۳۲)تنظیم فلاح قوم وملت(کٹیہار)(۲۰۱۳ء)جداریہ،جام رشیدی،عربی جداریہ:الرشیدیہ،بزم:بزم رشیدی، لائبریری:

صدیق اکبر لائبریری، الفلاح کوچنگ سینٹر۔

(۳۳) تنظیم تجمیل الاشرفیہ (طلبۂ اشرفیہ) (قائم شدہ ۲۰۱۳ء) ° حضور نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے فرمان ذی وقار "الطھور شطر الایمان" پر عمل پیرا ہوتے ہوئے نظافت وصفائی کو عام اور گندگی اور بدنظمی کو دور کرنا۔

° عزیز المساجد وروضۂ حضور حافظ ملت، سینٹرل بلڈنگ کے تمام درسگاہی کمرے، عزیزی ہاسٹل، برکاتی ہاسٹل غرض یہ کہ پورے جامعہ کو صاف اور ستھرا بنانا۔

° اس کام کے لیے ضروری جگہوں پر کوڑادان (dustbin) کا انتظام۔

° دیواروں پر پینٹ لگاکر اس کو خوبصورت بنانے کی کوشش کرنا۔

(۳۴) مفتی اعظم راجستھان اکیڈمی (راجستھان) (قائم شدہ ۲۰۱۵ء)، لائبریری: خواجہ معین الدین چشتی لائبریری، بزم: حمیدی بزم، اردو جداریہ: ضیائے خواجہ۔

(۳۵) تنظیم افکار اسلام (مئو) (قائم شدہ ۲۰۱۵ء)، اردو جداریہ: القلم (پندرہ روزہ)، لائبریری۔

(۳۶) پیغام شریعت (کشن گنج) (قائم شدہ ۲۰۱۵ء)، بزم حلیمی، اردو جداریہ لالہ زار، حلیمی لائبریری۔

(۳۷) تنظیم پیر عطا شاہ رحمۃ اللہ علیہ (رائے بریلی) (قائم شدہ ۲۰۱۱ء) بزم رضا، پیر عطا شاہ لائبریری۔

(۳۸) تنظیم افکار رضا فاؤنڈیشن (اتر دیناج پور) (قائم شدہ) لائبریری: غریب نواز لائبریری، عربی جداریہ: المعین، اردو جداریہ: گل دستہ (ہندرہ روزہ)، بزم: گلشن رضا، فیضان مصطفےٰ۔

(۳۹) تنظیم برہان ملت (چھتیس گڑھ، ایم۔پی)، لائبریری: الرضوان لائبریری، بزم: بزم سلامی، اردو جداریہ: شگوفۂ برہان۔

(۴۰) المنار فاؤنڈیشن (سیوان، چھپرہ) بزم: بزم نعمت، لائبریری: ملک العلما لائبریری، اردو جداریہ: پرواز۔

ان تنظیموں کے ذریعہ مستقبل میں کام کرنے کے منصوبے بھی بہت بلند ہوتے ہیں (خداوند قدوس انھیں پایۂ تکمیل تک پہنچائے) لیکن چند تنظیموں کو چھوڑ کر سب کے اغراض و مقاصد کو ایک ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔

(۱)۔سنت رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر عمل پیرا ہو کر خوشنودی پروردگار جل جلالہ و رضائے مصطفےٰ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم حاصل کرنا۔ (۲)۔ ناخواندہ مسلمانوں کے عقائد و اعمال درست و پختہ کرنا اور انھیں فرائض و واجبات کی ترغیب دینا۔ (۳)۔مذہب اسلام کی نشر و اشاعت۔ (۴)۔عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر مسلمانوں کے اندر دینی، ملی اور سیاسی بیداری پیدا کرنا۔ (۵)۔خاص خاص موقع (عید، بقر عید، شب برات وغیرہ) پر پمفلٹ چھپوا کر اہم مسائل سے مسلمانوں کو باخبر کرنا۔ (۶)۔جگہ جگہ دینی و اصلاحی مجالس کا انعقاد۔ (۷)۔موقع بموقع مختلف جگہوں پر قرآن و حدیث کا درس۔ (۸)۔غریب و نادار طلبہ کی تعلیمی کفالت۔ (۹)۔معیاری اداروں میں داخلہ کے لیے کوچنگ سینٹر کا قیام۔ (۱۰)۔جگہ جگہ لائبریری کا قیام اور علمائے اہل سنت کی نایاب کتابوں کی اشاعت۔ (۱۱) سوسائٹی میں شادی بیاہ کی برائی بالخصوص جہیز جیسی لعنت کی روک تھام کرنا۔

جداریہ ایک تربیت گاہ لوح و قلم: جداریہ جسے آپ ہفت روزہ یا پندرہ روزہ میگزین یا اخبار بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ طلبہ میں

قلمی و تحریری بیداری پیدا کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ طلبہ اس کے ذریعہ اپنے مافی الضمیر کو دیدہ زیب انداز میں اخبار کی صورت دے کر دیواروں پر چسپاں کر دیتے ہیں جو فن تحریر سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ کے لیے روشن مستقبل کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

اشرفیہ کی چہار دیواری میں رہ کر "جداریہ" کے سہارے طلبہ اس قدر مضمون نویسی میں مہارت پیدا کر لیتے ہیں کہ زمانۂ طالب علمی ہی میں ان کے مضامین ہندوستان کے رسائل و جرائد اور اخباروں میں شائع ہونے لگتے ہیں۔ گویا کہ تحریر کے ذریعہ خدمت اسلام زمانۂ طالب علمی ہی سے کرنے لگتے ہیں۔ معیاری مضامین اور اچھے افکار کو دیکھ کر قارئین بڑی دلچسپی سے ان کے مضامین پڑھتے ہیں۔ فراغت کے فوراً بعد اخبار، رسائل اور جرائد کے ایڈیٹر انھیں اپنی ادارتی ذمہ داری بھی سونپ دیتے ہیں۔ دور حاضر میں مولانا محمد ظفرالدین برکاتی مصباحی (ایڈیٹر ماہ نامہ کنزالایمان) مولانا طفیل احمد مصباحی (نائب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ) مولانا توفیق احسن برکاتی مصباحی (ایڈیٹر ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی) مولانا محمد سلیم بریلوی مصباحی (مدیر ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف) سید رکن الدین اصدق مصباحی (ایڈیٹر سہ ماہی جام شہود، بہار شریف) مولانا فیضان المصطفےٰ قادری مصباحی (ایڈیٹر سہ ماہی امجدیہ) مولانا عبدالمالک مصباحی (ایڈیٹر سہ ماہی فیضان مخدوم اشرف رانچی) مولانا قمرالزماں مصباحی (ماہ نامہ نور مصطفیٰ پٹنہ) مولانا صادق رضا مصباحی (معاون ایڈیٹر ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی) ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے رسائل و جرائد میں بھی مصباحی قلم کاروں کو دیکھا اور پڑھا جا سکتا ہے۔ جن میں سے اکثر کی قلمی صلاحیت "جداریہ" کی مرہون منت کہی جا سکتی ہے۔

جداریوں کے روپ: ماہ ناموں، رسالوں کی طرح جداریوں میں بھی مختلف کالم ہوتے ہیں جیسے

(۱)- شخصیات: اس کالم کے تحت بزرگان دین اور محبوبان خدا کے تذکرے جاذب نظر ہوتے ہیں۔

(۲)- دور حاضر: دور حاضر کے ابھرتے مسائل اور بے شمار زمانے کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے طریقے درج ہوتے ہیں۔

(۳)- شاعری: جو طلبہ شعر و شاعری سے شغف رکھتے ہیں اپنے شاعرانہ کلام اس کالم کے سپرد کرتے ہیں۔

(۴)- خامہ تلاشی: تحریر و قلم میں نکھار پیدا کرنے کے لیے ایک "تنقیدی کالم" بھی ہوتا ہے جس کے تحت جداریہ میں شائع ہونے والے مضامین کی تلاشی لی جاتی ہے۔ اچھے مضامین پر حوصلہ بخش تبصرہ اور غیر معیاری مضامین پر اس کے مطابق تبصرہ کر کے ان کی غلطیوں سے پرہیز کرنے کی تلقین بڑے عمدہ پیرائے میں کی جاتی ہے تنقید کے لیے اکثر اونچی جماعت کے طلبہ کا انتخاب ہوتا ہے۔

(۵)- روبرو: اہم شخصیتوں سے انٹرویو لے کر شائع کیا جاتا ہے۔

درس نظامی کوچنگ سینٹر: یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آج ۴۰ رفیصد سنی طلبہ اپنے اوقات کا صحیح استعمال نہیں کرتے اس کے کئی وجوہات ہیں (۱) وہ ایسے مدرسے میں چلے جاتے ہیں جہاں محض قرآن خوانی داخل نصاب ہے۔ (۲) یا کسی ایسے مدرسے میں پھنس جاتے ہیں جہاں ٹیوشن اور ناعاقبت اندیش استاد کی خدمت کرنا ہی اپنی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی ہے (۳) یا انھیں کوئی مخلص رہنمانہ ملنے کی وجہ سے پس و پیش میں مبتلا رہتے ہیں کہ کیا کریں؟ کہاں جائیں؟ اسی طرح ان کی عمر کا اچھا خاصا حصہ ضائع ہو جاتا ہے بسا اوقات مناسب تیاری نہ ہو پانے کی وجہ سے ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کے سبب تھک ہار کر پڑھائی کو خیر آباد کہہ دیتے ہیں۔

ان خرابیوں سے ایک حد تک نجات پانے کے لیے طلبۂ اشرفیہ کی تنظیمیں رمضان کی چھٹی کے موقع پر درس نظامی کوچنگ سینٹر کا انتظام کرتی ہیں جس میں مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند طلبہ ایک ماہ تک ٹیسٹ کی تیاری کرتے ہیں۔ ماہر اساتذہ کی رہنمائی میں وہ اپنے مقاصد کو مد نظر رکھ کر جی توڑ کوششیں کرتے ہیں پھر نئے تعلیمی سال کے آغاز پر تنظیموں کے ممبران ان بچوں کو اپنے ساتھ معیاری مدارس میں لاکر ٹیسٹ دلواتے ہیں جن میں سے اکثر بچے کامیابی سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ ایسی رہنمائی سے بہت سارے طلبہ اپنی قیمتی عمر کا بیشتر حصہ چمنستان علم وفضل میں گذار کر بیشمار علوم وفنون مہارت حاصل کرتے ہیں۔

پیش ہے ان کوچنگ سینٹروں کا نام:

(۱) حافظ ملت کوچنگ سینٹر: یہ تحریک اصلاح ملت مظفرپور، (بہار) کے زیر اہتمام غوثیہ جورن پور، چھپرہ ضلع مظفرپور میں گذشتہ پانچ سالوں سے چل رہا ہے، اس کے ذمہ داروں میں مولانا ثناء اللہ اطہر مصباحی ہیں جن کی توجہ سے یہ بہت مقبول ہے۔

(۲) حافظ ملت کوچنگ سینٹر: القرآن ایجوکیشنل ویلفیئر سوسائٹی غنچۂ برکاتیہ، ضلع بستی، (یو۔پی) کے زیر اہتمام یہ تربیتی مرکز جامعہ حنفیہ رحمت گنج، گاندھی نگر بستی میں قائم ہے جس کی سرپرستی مفتی ریاض احمد مصباحی شیخ الحدیث جامعہ حنفیہ کررہے ہیں۔

(۳) درس نظامی کوچنگ سینٹر: محبی فاؤنڈیشن ضلع سیتامڑھی (بہار) کے زیر اہتمام مدرسہ نبیلیہ احیاء العلوم موہن پور سیتامڑھی میں قائم ہے جس کے سرپرست مولانا عالم گیر مصباحی ہیں۔

(۴) الفلاح کوچنگ سینٹر: تنظیم فلاح قوم وملت ضلع کٹیہار (بہار) کے زیر اہتمام الجامعۃ القادریہ، غریب نواز چوک ڈانگول بارسوئی میں یہ سینٹر قائم ہے جس کے سرپرست شیخ طریقت مفتی عبید الرحمٰن رشیدی مصباحی ہیں۔ مولانا منظر عقیل مصباحی اور مولانا فاروق عالم مصباحی بلرام پوری کی دلچسپی سے یہ کوچنگ ترقی کی شاہراہوں سے گزر رہا ہے۔

(۵) درس نظامی کوچنگ سینٹر: مدرسہ فیضان پنجتن، چچائے ڈیہہ میں قائم ہے۔ اس کے سرپرست مفتی شمس الدین مصباحی اور مولانا امام الدین مصباحی ہیں۔

(۶) وقار ملت درس نظامی کوچنگ سینٹر: رہنمائے ملت ویلفیئر سوسائٹی کے زیر اہتمام یہ سینٹر فیض الباری نوادہ (بہار) میں مولانا نعمان اختر فائق الجمالی اور مولانا نوید سرور مصباحی کی سرپرستی میں چل رہا ہے۔

(۷) درس نظامی کوچنگ سینٹر: یہ مرکز دارالعلوم شمس العلوم نوری جامع مسجد ملت نگر اسلام پور، ضلع اتر دیناج پور (مغربی بنگال) میں قائم ہے۔

(۸) نعمت العلما کوچنگ سینٹر: المنار فاؤنڈیشن، طلبۂ سارن کے زیر اہتمام یہ سینٹر جامعہ شاہدیہ ارشد العلوم نول پور نیہ ضلع سیوان (بہار) میں قائم ہے۔

صحافت میں طلبۂ اشرفیہ کے نقوش: مختلف مصروفیات کے باوجود طلبۂ اشرفیہ اپنے قلمی نگارشات رسالوں میں بھیجتے رہتے ہیں بسا اوقات اخبار و جرائد میں خبریں یا مضامین کم پڑ جاتے ہیں ایسی صورت میں بھی یہ مضامین بڑے سود مند ہوتے ہیں۔ اسی طرح زمانۂ طالب علمی ہی سے صحافت میں اپنی ایک الگ شناخت بنا لیتے ہیں۔

غریب ونادار طلبہ کی کفالت: بعض طلبہ غربت اور مفلسی کی وجہ سے اپنا تعلیمی سفر منقطع کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں اس

لیے ان کی تعلیمی سفر برقرار رکھنے کے لیے تنظیمیں ایسے طلبہ کی کفالت کی ذمہ داری اپنے سر لے لیتی ہیں۔ اور اس طرح وہ طلبہ اپنا تعلیمی سفر پورا کرتے ہیں۔

طلبۂ اشرفیہ اور ان کا ذوق شاعری: اشرفیہ میں بہت سے ایسے طلبہ ہیں جو فطری طور پر شاعری کرتے ہیں، ان کے شاعری کے نمونے دیکھنے ہوں تو روزنامے، رسائل وجرائد میں تو کبھی کبھی لیکن جامعہ کے در ودیوار کے جداریوں پر ہمیشہ دیکھا جاسکتا ہے، سب سے زیادہ خوشی کی بات تو یہ ہے کہ ان کے اکثر کلام مدح مصطفےٰ ﷺ پر مشتمل ہوتے ہیں باوجویکہ شاعری کے جملہ اصناف میں نعت گوئی شمشیر براں پر چلنے کے مرادف ہے۔ کیوں کہ اس فن کے لیے اولاً عشق نبی شرط ہے۔ ساتھ ہی نبی سے حسن عقیدت اور علم شریعت پر ادراک بھی ضروری ہے۔

نیز شعر وشاعری کے ذوق کو پروان چڑھانے کے لیے تجربہ کار شعرا ہر ہفتہ ایک اشتہار بنام ''طرحی مشاعرہ'' دیوار پر آویزاں کرتے ہیں۔

مسابقۂ قرات: مختلف تنظیموں کے زیر اہتمام مسابقۂ قراءت کا انعقاد ہوتا ہے جس میں فن تجوید وقرات سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ جوش وخروش سے حصہ لیتے ہیں۔

مسابقۂ حفظ حدیث: عصر حاضر میں عقائد واعمال کی حفاظت وصیانت کے لیے احادیث کا یاد ہونا کتنا اہم ہے اس کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی بدمذہب چلتی ٹرین یا موٹر بس وغیرہ میں اپنے عقائد ونظریات اور صحیح احادیث سے روگردانی کرتے ہوئے اپنی من گڑھت عبارت کے ساتھ احادیث سناتا ہے تو سوائے منھ تکنے کے اس وقت کوئی سبیل نظر نہیں آتی؛ اسی لیے ''تنظیم افکار رضا، طلبۂ اتر دیناج پور'' کی جانب سے ہر سال ایک پروگرام بنام ''مسابقۂ حفظ حدیث'' منعقد ہوتا ہے؛ تاکہ طلبہ میں احادیث نبویہ کے مطالعے اور حفظ حدیث کا ذوق بیدار ہو اور چلتے پھرتے مناظرہ کرنا آسان ہو۔

لہٰذا اس کے عناوین بھی اسی سے متعلق ہوتے ہیں جیسے حیات انبیا علیہم السلام، بعد وصال عمل صحابہ میں ثبوت توسل، شفاعت، ایصال ثواب، بیس رکعت نماز تراویح کا ثبوت، ترک قرات خلف الامام، علم غیب مصطفیٰ ﷺ وغیرہ۔

تحریری مقابلہ: پیغام اسلام کی جانب سے سال بھر میں پانچ مقالے لکھوائے جاتے ہیں۔ اس میں حصہ لینے کے وہی طلبہ مجاز ہوتے ہیں جو ثالثہ، رابعہ اور خامسہ میں زیر تعلیم ہیں۔ اور تحریک اصلاح ملت کی جانب سے بھی مضامین لکھوائے جاتے ہیں اس میں حصہ لینے کے وہی طلبہ مستحق ہوتے ہیں جو اعدادیہ، اولیٰ، ثانیہ اور سادسہ، سابعہ میں زیر تعلیم ہیں۔ چوں کہ پیغام اسلام کی جانب سے مذکورہ تین جماعتوں کے طلبہ سے مضمون لکھوائے جاتے ہیں اس لیے تحریک اصلاح ملت اس سے بری ہے۔

جشن یوم مفتی اعظم ہند کے موقع سے سالانہ مقالے لکھوائے جاتے ہیں، جس میں بلا تفریق جماعت ہر درجے کے طلبہ حصہ لیتے ہیں۔ تحریری طور پر شرکت کرنے والے طلبہ کی تعداد پانچ سو سے بھی زائد ہوتی ہے۔ ہر جماعت کا عنوان الگ الگ ان کی تعلیمی اور جماعتی حیثیت کے مطابق دیا جاتا ہے۔ اس میں یہ قید نہیں ہوتی کہ اشرفیہ ہی کا طالب علم ہو بلکہ یہ آل انڈیا تحریری انعامی مقابلہ ہوتا ہے۔

تقریری مسابقہ: تقریری مسابقہ کا انعقاد بھی جماعت سابعہ کی جانب سے جشن یوم مفتی اعظم ہند کے موقع پر ہوتا ہے۔ فن خطابت سے ذوق رکھنے والے اس میں بڑی دلچسپی سے حصہ لیتے ہیں اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

نعتیہ انعامی مقابلہ: جن طلبہ کو خدائے تعالی نے دلکش آواز سے نوازا ہے، وہ اس میں شریک ہو کر اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ گیارہویں شریف کے موقع پر "تنظیم فلاح المسلمین، طلبۂ پرتاب گڑھ" کے ارکان کی جانب سے منعقد کیا جاتا ہے جس میں طلبہ کو گراں قدر انعام سے نوازا جاتا ہے۔

مسابقۂ درسی کتب: تکرار کی اہمیت و افادیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور وہ بھی اس پر فتن دور میں بغیر REPEAT کے دماغ کی میموری میں محفوظ رکھنا مشکل امر ہے؛ اسی وجہ سے طلبہ میں تکرار سے دلچسپی بڑھانے کے لیے ایک پروگرام بنام "مسابقۂ درسی کتب" منعقد ہوتا ہے۔ اس مسابقے میں ثالثہ تا فضیلت کے طلبہ شرکت کے مجاز ہوتے ہیں۔ اس مسابقے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ شرکا کے چند گروپ ہوتے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں اور جواب دینے والے کو عبارت خوانی، عبارت کا مفہوم اور مختلف فیہ مسائل کا جواب دینا ہوتا ہے ورنہ اس کا نمبر کاٹ لیا جاتا ہے۔ یہ پروگرام بھی کافی دلچسپ ہوتا ہے۔

درج بالا تمام مقابلے میں طلبہ اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں جس سے ہر ایک کے اندر چھپے جوہر کا پتہ چل جاتا ہے اور جو طالب علم جس فن میں آگے ہوتا ہے وہ اس میں بازی مار لے جاتا ہے۔ یہ مقابلے جج صاحبان کی موجودگی میں کرائے جاتے ہیں۔ آخر میں اول، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو گراں قدر انعامات دیے جاتے ہیں اور باقی تمام شرکا کو ترغیبی انعام دیے جاتے ہیں۔

نایاب کتابوں کی طباعت و اشاعت: طلبۂ جامعہ اشرفیہ کی یہ خصوصیات میں شامل ہے کہ وہ علماے اہل سنت کی قدیم کتابوں کو اپنے مالی تعاون سے شائع کر کے اچھی تعداد میں مفت تقسیم کرتے ہیں، اہم شخصیات، قابل ذکر لائبریریوں اور کتب خانوں میں بھیجتے ہیں۔ پیش ہے ان کی اشاعتی سرگرمیوں کی جھلک:

(۱)الصوار م الهنديه(۲)محفل میلاد و قیام تعظیمی(۳)انوار ساطعه در بیان مولود و فاتحه(٤)لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰة المصابیح(٥)انوار آفتاب صداقت(٦)نصر المقلدین (۷)تقدیس الوکیل عن توهین الرشید والخلیل وغیره.

۲۰۱۲ء سے عرس حافظ ملت کے حسین موقع پر درجۂ فضیلت کی جانب سے ایک بدعت حسنہ یہ رائج ہوئی ہے کہ وہ کسی موضوع کا انتخاب کر کے کوئی کتاب ترتیب، ترجمہ یا تصنیف کرتے ہیں۔

جشن یوم مفتی اعظم ہند: مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں طلبۂ اشرفیہ (جماعت سابعہ) بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ۱۹۸۸ء سے بلا ناغہ جشن مناتے آرہے ہیں۔ ۲۰۰۳ء سے اب تک توسیعی خطاب کے لیے کسی پروفیسر یا اہم شخصیت کو مدعو کیا جا رہا ہے اور ۲۰۱۱ء سے باضابطہ جماعت سابعہ کے طلبہ اپنے تعاون سے کتابیں شائع کرواتے رہتے ہیں۔ امسال ۲۰۱۶ء جماعت سابعہ کی جانب سے "جامع مسانید امام اعظم" اور تنظیم پیغام اسلام کی جانب سے سالنامہ باغ فردوس کا "مجدد دین نمبر" شائع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالی اسی طرح جامعہ اشرفیہ کے سائے میں پروان چڑھنے والی تنظیموں کو اپنی منزل مقصود تک پہنچائے اور اس کے ذریعہ اہل سنت و جماعت کو فروغ دے۔ آمین ثم آمین۔

وقت کے تقاضوں سے گریز کب تک؟

ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھیے! آج ہندوستان کا ہر فرقہ قلم کی توانائی اور پریس کے وسائل سے کتنا مسلح ہو چکا ہے۔ اتنا مسلح کہ اس کی یلغار سے ہمارے دین کی سلامتی خطرے سے دوچار ہوتی جارہی ہے، بلکہ میں بعض ایسی جماعتوں کی نشاندہی کر سکتا ہوں جن کے وجود کا کوئی سررشتہ ماضی میں نہیں ملتا، لیکن اس اجنبیت کے باوجود صرف قلم کے وسائل کے بل پر وہ روئے زمین پر طوفان کی طرح پھیلتی جارہی ہیں اور ان کا اجنبی لٹریچر سیکڑوں برس کی قابل اعتماد تصنیفات کو نہایت تیزی کے ساتھ پیچھے چھوڑتا جارہا ہے۔ فکری مزاج کی تعمیر میں قلم کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ فکری استحکام کے بغیر کوئی جماعت بھی طوفانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پریس ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ فتنہ صبح کو جنم لیتا ہے، دوپہر تک جوان ہو جاتا ہے اور شام ہوتے ہوتے آبادیوں کے لیے ایک دردناک آزار بن جاتا ہے۔

ان حالات میں جب کہ باطل پرستوں کی یلغار تیزی سے تیز تر ہوتی جارہی ہے، ہم خستگان خواب غفلت کی نیند اور گہری ہوتی جارہی ہے۔ ہمارے یہاں نکتہ چینی کرنے والوں کی کمی نہیں ہے، البتہ تعمیری ذہن رکھنے والے افراد بہت کم ہیں۔ اجتماعی محاذوں پر جو لوگ کام کر رہے ہیں ان سے پوچھیے کہ کتنی کٹھنائیوں سے انھیں گزرنا پڑتا ہے۔ ساحل پر کھڑے ہو کر ڈوبنے کا تماشا دیکھنا کوئی بہت بڑا ہنر نہیں ہے۔

(علامہ ارشد القادری)

(ماہنامہ جام نور، کلکتہ، فروری ۱۹۶۹ء)

Published By:

PAIGHAM-E-ISLAM

Students of Jamia Ashrafia

Mubarakpur, Azamgarh